

زمین و آسمان کی

آرزو

میں

پاکستان

جنگوں اور بغاوتوں کے بعد آج کل کے حالات میں یہ نصیحتیں ضروری ہیں۔
انچاس سال پہلے کے حالات اور آج کے حالات میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں،

انسان کو اپنے ملک کی خدمت میں جوش و خروش

درجہ اولیٰ

درجہ اولیٰ کے ساتھ ساتھ اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ ساتھ

ان کے ساتھ ساتھ

ظہارِ اسلام کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ ساتھ

مطابق معطل ہیں جس کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ ساتھ

ان کے ساتھ ساتھ

ان کے ساتھ ساتھ

سدا کجہر آبخیز کہ خاطر میخواست

آخر آمد ز پس پر وہ تقدیر پدید

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ وَالْمَلَائِكَةِ الطَّاهِرِينَ
المعصومين واصحابه المكرمين ۵

اس بات سے بچد مسرت ہوئی کہ تزک یا ہری جی جی کتاب چھپ کر ابھی باہر
بظیم الشان اور اولوالعزم بادشاہ کی خود اپنی قلم سے لکھی ہوئی ہے اور جو عالم اُردو کی
تی کا ایک عرصہ بہت شکار ہو رہی تھی اُردو زبان میں ترجمہ ہو کر اُردو کے خلعت طبع سے
ستہ ہو کر ہمارے ہاتھوں میں آئی۔ اس کتاب میں مغل شہنشاہوں کے ابوالآباد کے ہرم
تجربات اور دلی و دماغی جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔ اسکی اولوالعزم مج و
ت جہانگیری وجہ اندازی کے نقشے کھینچے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب اپنے مصنف کی ہمہ گیر مہمت
ت کی تصویر ہے۔ جس طرح اُس ایک انسان میں سب کچھ بھرا ہوا تھا اُسی طرح اسکی یہ کتاب بھی
ع معلومات و گونا گوں اوقات سے مملو ہے۔ عالمانہ تحقیق و تدقیق۔ مجتہدانہ قوت و قابلیت۔ مقلدانہ نفیرت
نہ سلطنت کی اُکھیر بچھاڑ۔ سیاست کی سوچ و جھ۔ ہمت شاہانہ کی مثالیں۔ ناکامی کی داستانیں
نیشیب و فراز۔ عزیزوں اور دوستوں کی کج ادائیاں۔ اپنے راؤں کی بے وفائیاں۔ تکالیف ہیکر
یر ہونا۔ مصیبت پر مصیبت جھیل کر کوشش سے مینہ نہ موٹنا اور آخر کار بلند حوصلگی و استقلال مزاجی
رولت فائز المرام ہو کر منزل مقصود پر پہنچنا اس کتاب کے ”موٹو“ ہیں۔

یہ بات اسی میں نظر آتی ہے کہ بابو جی سلطان ابن السلطان اگر حیرتناک جرأت سے کبھی اپنا
یعنی تیموری دارالسلطنت شہر سمرقند فتح کر لیتا ہے تو کبھی اپنے باپ کے برادر کہ ملک غانہ سے بھی
ہو کر پہاڑوں کی برفانی چوٹیوں اور چٹانوں پر اپنی جان بچانیکے لیے بھاگ نظر آتا ہے اور وہ

حکلوں میں شاہوں کی مہربانی سے باجرے کی کڑوی آتش پیکر زندگی کے دن گزارتا ہوں اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اگر کسی وقت کابل کے گل و گلزار کے مزے اڑاتا دکھائی دیتا ہے تو کبھی برون کاٹ کر فوج کے لیے راستہ بناتا نظر آتا ہے۔ شیبانی خاں کی بدولت آبائی وطن چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے تو بمقداد "عدو شود سب غیر خدا خواہ" میثم اور اسکے بھائی خسرو کو کابل کی سلطنت پر سہل طور سے قبضہ پانیکا ذریعہ بنا لیتا ہے۔ یہ وہ تصنیف ہے جس میں اسکے بلند حوصلہ مصنف نے خود ہی بیان کیا ہے کہ وہ کابل کی گیلیوں میں چند ماہ تک ننگے پاؤں پھرا کیا۔ اور پھر اپنی عالی ہمتی سے اُسی شہر کا بادشاہ ہوا۔ انقلاب روزگار اور زمانہ کی شعبہ بازیوں کے تماشے جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے نظر آتے ہیں کسی دوسری کتاب سے نہیں نظر آتے۔ ابھی دیکھو تو بزم شاہانہ آراستہ اور ایک ہی ورق اُلٹنے کے بعد جو دیکھا تو نہ وہ محفل ہے نہ وہ عیش و نشاط۔ فقط اٹھو کا میدان اور جان کے لالے۔ بلاشبہ یہ بات اسی کتاب میں نظر آتی ہے کہ اُسکا وسیع المذاق ہمزواں کسی وقت سیب کے خزاں رسیدہ درخت کے نیچے بستر اچھلے ہوئے ہے تو اُسکے کچھ ہی عرصہ بعد وہ ملک کے وسیع اور پربہار باغات کا مالک متصرف ہے۔ پائے کیا غضب کا اہل نظر تھا۔ بہاد اور بہار پر آئی ہوئی چیزوں کا تو سب ہی اٹھاتے ہیں۔ یہ ہرزنگ میں خدا کی قدرت کا دیکھنے والا بالغ نظر انسان خزاں رسیدہ سیب کے درخت کو بھی نہیں چھوڑتا۔ راستبازی۔ صاف گوئی اور سچائی کا سبق کیا کسی دوسرے بادشاہ کی تصنیف یا تالیف سے ایسا مل سکتا ہے جیسا کہ تنوک بابوی سے؟ ہرگز نہیں۔

بابو بادشاہ شمشیر زنی کے علاوہ علم کا بھی بید شائق تھا۔ ملک گیری اور شاہی افکار آتے کے باوجود تنوک بابری کی تصنیف میں اس قدر منہمک تھا کہ ایک رات باد و باران کے طوفان میں خیمہ شاہی گر پڑا تو کتاب کے سوا اپنی جان تک کی پروا نہ کی۔ رات بھر کتاب کے پھیلے ہوئے اوراق خود خشک کرتا رہا۔ علمی قابلیت کے علاوہ قلم کا بھی دھنی تھا۔ اعلیٰ درجہ کا خوشنویس بھی تھا۔ تحریر کے وقت وہ تمام مراتب پورے کرتا تھا جو ایک معمولی خوشنویس کو کرنے چاہئیں۔ جتنے کہ مسطر تک اپنے ہاتھ سے بناتا تھا۔ خط بابری ایجاد کیا۔ املا و انشاء میں بھی خاص درجہ رکھتا تھا۔ موسیقی سے بھی واقف تھا۔ طبیعت کی موزون کی وجہ سے شعر گو بھی تھا قلم بیان کے حاکم کو مندرجہ ذیل اشعار فی البدیہ لکھ کر بھیجے

بائترک ستیزہ کن اے میر بیانہ آزادی و مردانگی ترک عیان است
ورزو دنیا کی نصیحت نہ کنی گوش ہر جا کہ عیان است چاہت بر بیان است

محمد قاسم فرشتہ کا قول ہے کہ "در علم ختم حقیقہ مجتہد بود و در علم موسیقی و شعرو انشاء و املا فطیر نہ شد۔" و قائل سلطنت خود بہ ترکی بنوئے نوشتہ کہ فصحا قبول دارند۔

مذاق علمی میں تحقیق و تدقیق کے ساتھ ہر شے کی کُنہ دریافت کرنیکے علاوہ خدا پرستی اور خدا جوئی کا جوہر بھی رکھتا تھا۔ نہ ہی اخراج و نپتے میں بھرا ہوا تھا۔

نزلت باہری صبی اعلیٰ و فہمیں کتاب کا جو انسانی دماغ کے لیے ایک عمدہ رہبر کا کام دے سکتی ہے اس وقت تک اردو زبان میں ترجمہ نہ ہوا نہایت فنی و سنگین امر تھا۔ اس کتاب کے عمدہ ہونے کی بہترین دلیل یہ ہے کہ انیا کی کلاسل زبان بھی زبان انگریزی میں اب تک اسکے دو ترجمے ہو چکے ہیں۔ مگر نہ ہوئے تو اردو میں۔ کوئی اردو۔ وہ جو باہر کی اولاد سے خانہ زادگی اور ربیبہ ہونے کی نسبت رنجور ہے۔ مگر الحمد للہ کہ اسی کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ نے اُسی کے ایک پوتے سے اس ضرورت کو پورا کر دیا ترجمہ ہونیکے بعد بھی زمانہ کی سرد مہری کی وجہ سے مدتوں بستر میں بندھی پڑی رہی۔ آخر بزرگ مسنفت کی بلند جمعی کا پرتو کہاں جاتا جس نے کبھی مسند پر بیٹھ کر چین سے کھانا نہ کھایا اور ایک مقام پر کبھی دو عیندین نہ کیں! بالآخر پریس کا مرحلہ طے کر گئے جو ہر شہنشاہوں اور اپنے قدر دانوں کے ہاتھوں میں آ ہی گئی۔

نزلت باہری کا اردو میں ترجمہ کرنا حقیقت کچھ آسان کام کرنا نہ تھا۔ اگرچہ اُس کا ترجمہ شاہ اکبر کے حکم سے بیرم خان خان خاناں نے ترکی سے فارسی زبان میں کر دیا ہے۔ لیکن اُس میں اب بھی ترکی الفاظ بکثرت بھرے ہوئے ہیں اس واسطے اُس کے مفہوم پر عبور کرنا بغیر ترکی زبان سے واقف ہوئے صرف فارسی دان کا کام نہیں ہے۔

ایک ترکستانی جسی نبی بزرگ مولوی سید محمد صاحب عرف آغذی صاحب تھے جو پہلے تو امیر بخارا کی جانب سے سفیر مقرر ہوئے۔ زان بعد سفیر انجمن شیعہ مقیم فلسطینیہ رہے باعث ہو گیا علاوہ وہ عالم باعمل۔ صوفی بلکہ صاحب نسبت بزرگ تھے۔ پیش منے کے بعد جب سید صاحب نے اپنی مسکنت کے لیے ہندوستان اور ہندوستان میں شہر دہلی پسند و تجویز کیا تو چاندنی محل واقع دہلی میں جو اُس وقت غالباً شہزادہ مرزا محمد سلیمان شاہ مرحوم کا تھا اقامت کریں ہوئے۔ اُس زمانہ میں لائق اور علی سوسائٹی میں چھٹے والے چھ شہر ادگان تیموریہ سے انکی گہری ملاقات ہو کر صحبت رہنے لگی۔ منجملہ انکے مترجم کتاب ہزار اتمہ کے والد بزرگوار میرزا نصیر الدین **حیدر** صاحب مرحوم بھی تھے جو عربی و فارسی زبانوں کے علاوہ ترکی زبان سے بھی خاصی واقفیت رکھتے تھے۔ والد مرحوم کی وسیع معلومات علمی اور صوفی مشق سے سید صاحب موضوع کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ بہت الفت فرماتے۔ ترکی امیر فارسی میں باتیں ہوتیں۔ سید صاحب کی اس صحبت سے والد مرحوم کو ترکی زبان اچھی طرح آگئی۔ اور دو تین ترجمہ کر لیتے تھے بعد حضرت کو خیال آیا کہ اگر انگریزی ترجموں سے بھی مقابلہ ہو جائے تو بہتر ہے۔ مولوی عزیز میرزا صاحب بن۔ اسے مرحوم بنوم سکرٹری سرکار نظام کی محبت و دوستی سے

اس خیال میں جنگی پیدا کر دی۔ جان لیسن صاحب کے ترجمہ سے مقابلہ فرمایا۔ ابتداءً تو اس کام میں حضرت کے ایک انگریزی خاں دوست نے اپنا وقت عزیز صرف کیا اور جب وہ نبھانے کے تو میرے برادر مرحوم مرزا قمر الدین حیدر جو اس وقت زندہ تھے اور راقم نے باوجود اپنی کم دینیاتی کے اپنی خدمات نذر کیں پھر برادر مرحوم کو بھی خدمات مفوضہ سرکاری کے سبب سے فرصت نہ ملی لیکن راقم نے یہ مبارک خدمت بفضل الہی آخر تک انجام دی۔ خلاصہ یہ کہ حضرت اقدس نے اس ترجمہ میں بہت زیادہ وقت بھی صرف کیا اور شاقہ محنت و کوشش بھی اٹھائی۔ لیکن افسوس کہ چھپکر شائع ہونے کی آرزو ان کے سامنے پوری نہ ہو سکی۔

یہ بھی ایک حسن اتفاق ہے اور اس کتاب کے بابرکت ہونیکا ثبوت کہ حضرت مترجم اعلیٰ اللہ تعالیٰ سرکار نظام خلد اللہ ملکہ کے وظیفہ خواہ ہونے کی وجہ سے فرزندہ بنیاد حیدر آباد وکن میں اپنے آخری وقت تک رہے تھے کہ وہیں دفن بھی ہوئے۔ اس لیے اس کا ترجمہ اعلیٰ حضرت غفران باب نواب میر محبوب علی خاں بہادر کے زمانہ میں بمقام حیدر آباد مکمل ہوا۔ اور اب ہمارے بادشاہ فیضیہ فضیلت پناہ سلمان العلوم اعلیٰ حضرت قوی شوکت حضرت بندگان اعلیٰ نواب میر عثمان علی خاں بہادر رادام اللہ اقبالیم و اجلالیم کے عہد ہمایوں میں جبکہ اردو و حضور پر نور کی توجہ شاہانہ و حمایت مرتبانہ کی بدولت معمولی حالت سے نکل کر علمی زبان بننے کا فخر حاصل کر رہی ہے خلعت طبع سے بہرہ ور ہوئی۔ اردو ادبیات میں یہ اضافہ امید ہے کہ سترت و قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا اور اہل بینش اسکی قدرا فرمائی فرما کر مرحوم مترجم کی محنت و عرقریزی کی داد دیجیے۔ واللہ ولی التوفیق۔

راقم

خجستہ سلطانیہ سیم عظمیٰ عنہا

شبه ظہیر الدین بابر بادشاہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تَوَكَّلْ عَلَى الْمُلْكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِنْ تَشَاءُ وَتَعَزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِلُ مَنْ تَشَاءُ يُبْدِلُكَ الْخَيْرَ بِمَا تَكُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ترجمہ کہہ لے خدا ملک کے مالک تو جو کو چاہے سلطنت دے اور تو جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جس کو چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے۔ ساری خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ اور اُنکے اصحاب بزرگ اور احباب کرام رضی اللہ عنہم پر قیامت تک بے تعد اور دو پہنچے۔

ظہیر الدین محمد بابر بن عمر شیخ میرزا تیموری نژاد لکھنؤ کے ہیں نے یہ چند سطریں مختصر اپنے زمانہ کے حالات اور واقعات کی اپنی آل اولاد کے لیے بطور یادگار لکھی ہیں۔

ملکِ فرغانہ کا بیان میری عمر بارہ برس کی تھی اور پانچویں رمضان ۹۹۰ھ ہجری تھے جو ملکِ فرغانہ میں

میں بادشاہ ہوا۔ فرغانہ کا ملک اقلیمِ بجم میں سے ہے اور معمورۂ عالم کے کنارہ پر ہے اسکے مشرق میں کاشغر مغرب میں سمرقند جنوب میں کوہستان بدخشاں اور شمال میں ویران جنگل ہے۔ اگرچہ اس میدان میں پہلے بہت سے شہر جیسے المایغ۔ الماتو۔ اور یانلی (جس کو تاریخ کی کتابوں میں اُطرار بھی لکھا ہے) آباد تھے لیکن اُن کو بکوں کے حملوں سے اس زمانہ میں ایسی ویرانی ہوئی کہ نام کو آبادی نہیں رہی۔ فرغانہ کا علاقہ کچھ بڑا نہیں ہے۔ مگر اُس میں میوے اور فتنے بہت پیدا ہوتے ہیں۔ اُس کے گرد دیہاتوں کا سلسلہ ہے۔ صرف مغرب کی جانب بدر سمرقند اور تھم ہے پھاڑ نہیں ہے۔ بیرونی غنیم بھی اس طرف کے سوائے دوسری طرف سے اندر نہیں آسکتا۔

۶۵۰ھ جون ۱۲۵۰ء اس سنہ میں آٹھویں چارلیس نے سپند پر حملہ کیا تھا ۱۲۵۱ھ المایغ یا المایغ

ترکی میں سیب کے درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ یہ مقام کاشان کے شمال میں کہ المایغ کے دوسری جانب ہے ۱۲

۱۲۵۱ھ الماتو ترکی میں اُس زمین کو کہتے ہیں جس میں سیب کثرت سے پیدا ہوں ۱۲۵۲ھ اُطرار درمیان تاشقند اور

ارال جھیل کے واقع ہے۔ امیر تیمور صاحبقران کے زمانہ میں یہ مقام مشہور تھا۔ امیر محمد وج جب چین پر چڑھا تو

کہنے لگے میں تو یہیں اُن کا انتقال ہوا تھا ۱۲

دریائے سیحون جو دریائے خجند کے نام سے مشہور ہے سمت شمال و مشرق کے وسط سے آکر ملک کے بیچ میں سے ہوتا ہوا مغرب کو چلا جاتا ہے۔ اور خجند کے شمال و فینا گت (جو اب شاہ رخ کہلاتا ہے) کے جنوب سے گزر کر وہاں سے شمال کی طرف مائل ہوتا ہوا ترکستان میں جاتا ہے اور ایک کھلا ہوا ترکستان کی بہت نشیبی جانب سارا دریا پاکستانی میں جذب ہو جاتا ہے۔

اس ملک میں سات قبیلے ہیں۔ پانچ دریائے سیحون کے جنوب میں اور دو شمال میں۔ وہ پہلا جنوبی قبیلوں میں سے ایک اند جان ہے جو وسط ملک میں ہے اور فرغانہ کا دار السلطنت ہے۔ یہ بہت سرسبز مقام ہے۔

اس میں غلہ و میوہ بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ انگور اور خرمو زہ بہت اچھے ہوتا ہے۔ وہاں کا دستور یہ کہ فصل میں خرمو زوں کو فالیز پر نہیں بیچتے۔ ماست پانی اند جان سے بہتر کہیں نہیں ہوتی۔ ماوراء النہر میں سمرقند اور کیش کے قلعوں کے علاوہ اند جان کے قلعہ سے کوئی قلعہ بڑا نہیں لگتا۔ اسی کے تین دروازے ہیں۔ شہر کے جنوب میں ارگ ہے شہر پیش نوہریں آتی ہیں۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ سب گھریں ایک جگہ سے نہیں نکلتیں قلعہ کے گرد سنگین خندق ہے اور خندق کے کنارے پر شاہراہ ہے جس پر روڑی بھی ہوتی ہے قلعہ کے سبب شہر محکم آباد ہیں۔ محلوں اور قلعہ میں خندق کے کنارے کی سڑک ہی قاصلہ ہے۔ یہاں کے جنگل میں شکار کثرت سے ہے۔ قرغاول خوب تیار ہوتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک قرغاول کا سالق آتا ہوتا ہے جس سے چار آدمی پیٹ بھر لیں۔ اور پھر بھی وہ بچ رہے۔ اہل ملک سب ترک ہیں۔ شہر اور بازار میں کوئی ایسا نہیں ہے جو ترکی زبان نہ جانتا ہو۔ اس ملک کے عام آدمیوں کی زبان ایسی شستہ ہے جیسے اہل قلم کی میر علی شیروانی کی تصنیفات دیکھو! گوشت ہر قسم میں نشوونما پاتی ہے۔ مگر اُسکی تصنیفات اُسی زبان میں ہیں۔ یہاں کے لوگ بہت حسین ہوتے ہیں۔ خواجه یوسف جو فن موسیقی کے بڑے استاد مشہور ہیں اند جان ہی کے تھے۔ اند جان کی ہوائیں عذوبت ہوتی ہیں چنانچہ آشوب چشم اور درم چشم کا عارضہ عموماً ہوتا ہے۔ اس کو اطباء قُرب کہتے ہیں۔

دوسرا ایک آتش ہے جو اند جان کے گوشہ جنوب و مشرق میں مائل بہ مشرق اند جان سے چار فرسنگ کے

فاصلہ پر ہے۔ اسکی ہوا نہایت اچھی ہے۔ اس میں جا بجا پانی جاری رہتا ہے۔ وہاں کی بہار کا موسم نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ آتش کی فضیلت میں کئی حدشیں آتی ہیں۔ قلعہ کے جنوب و مشرق میں ایک خوشنما پہاڑ ہے۔ مشرق و جنوب کے بیچ میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک ٹیکر ہے جس کو برا کوہ کہتے ہیں۔ سلطان محمود خان نے وہاں ایک چھوٹا سا مکان بنایا تھا۔

لکھنکو تانگ اور تانگت بھی کہتے ہیں۔ دریائے سیحون یا سر کے کنارے پر تاشقند اور خجند کے مابین آباد ہے ۱۲ لکھ جان لیڈن کے ترجمہ میں لکھا ہے شہر میں نو چکیوں سے یا نو چکیوں کے برابر بھر پائی آتا ہے ۱۲ لکھ ہریل ۱۲ لکھ ہرات ۱۲ لکھ جان لیڈن نے لکھا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا خراب ہے۔ آند گرمی میں تپ لڑنے کی کثرت ہوتی ہے۔ مگر انفسن کے ترجمہ میں وہی فقرہ ہے جو چارے ہاں ہے ۱۲ لکھ فرنگ چارلز انگریزی باتین میں شرمی کا ہوتا ہے۔ جان لیڈن لکھتا ہے کہ لکھ زبان میں فرنگ کو پراسنگا کہتے تھے ۱۲

میں نے منسلکہ ہجری ۱۲۹۹ء میں اس مکان کے نیچے کی طرف پہاڑ کی بینی گاہ میں ایک بارہ دری بنائی۔ اگرچہ پہلا مکان اس سے زیادہ بلند مقام پر واقع ہو گیا مگر میرا بنایا ہوا مکان اُس سے بہتر ہے۔ یہاں سے شہر کی اور باہر کی آبادی اجماعی طرح نظر آتی ہے۔ اند جان کی تہی آوش کے بیرونی محلات میں سے ہوتی ہوئی اند جان میں جاتی ہے۔ اس ندی کے دونوں کناروں سے ملے ہوئے باغات ہیں جن میں سے ندی بخوبی نظر آتی ہے۔ یہاں ہفتہ بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ جا بجا پانی کی نہریں جاری ہیں۔ موسم بہار میں لالہ اور گلاب بہت رکھتا ہے۔ اسی پہاڑ کے دامن میں مابین شہر و باغ ایک مسجد بنی ہوئی ہے جس کا نام مسجد جوزا ہے۔ پہاڑ کی طرف سے ایک بڑی نہر آتی ہے اور اسی مسجد کے بیرونی صحن کے نشیب میں تین حوض بنے ہوئے ہیں۔ نہایت مصفا۔ جو مسافر اور راہگیر ادھر آتا ہے یہاں دم لیتا ہے۔ آوش کے ادبائش منی سے کہا کرتے ہیں۔ ”ہر کس درایں میدان خواب کرد ازیں سہ جوابی گزراند۔“ عمر شیخ میرزا کے آخر وقت میں اس پہاڑ سے سُرخ و سپید سنگ ابری نکلتا تھا۔ اس پتھر سے چھروں کے دستے۔ پیٹی کے زمامہ اور اسی قسم کی چیزیں بناتے ہیں۔ یہ پتھر بہت ہی خوبصورت ہوتا ہے۔ ملک فرغانہ میں خوشنائی اور آب ہوا کے اعتبار سے آوش جیسا دوسرا شہر نہیں ہے۔

چشمہ

ایک مرغینان ہے۔ اند جان کے مغرب میں سات فرسنگ کے فاصلہ پر اچھا قصبہ ہے۔ یہاں انار اور خوبانی نہایت عمدہ ہوتی ہے۔ ایک قسم کا انار ہوتا ہے اس کا نام دانہ کلاں ہے۔ اس میں چاشنی دار مٹھاس ہوتی ہے۔ سمنائے کے انار پر اس کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ ایک قسم کا زرد دانہ ہوتا ہے۔ اس کی گٹھلی نکال کر اور بجائے اُس کے مغز بادام رکھ کر خشک کرتے ہیں۔ اس کا نام سبجانی رکھا ہے۔ یہ بڑی لذیذ ہوتی ہے۔ یہاں جانور اور شکار بہت ہے۔ آہو و راق قریب ہی ملتا ہے۔ اہل شہر سب تاجیک ہیں۔ یہ لوگ لڑاکا۔ دلگمی اور شہرہ پیشہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک تمام ماوراء النہر میں بھی دلگمی اور شہرہ پیشہ مشہور ہیں۔ سمرقند اور بخارا میں جو بڑے دلگمی ہیں وہ مرغینان ہی کے ہیں۔ ہدایہ کے مصنف موضع رشدان کے رہنے والے تھے جو مرغینان کے علاقہ میں سے ہے۔

چو تھیا

ایک اور قصبہ اسفر ہے۔ یہ قصبہ پہاڑ کے نیچے مرغینان سے جنوب و مغرب کی طرف نو فرسنگ کے فاصلہ پر آباد ہے۔ اُس میں جا بجا نہریں جاری ہیں۔ سردی کثرت سے ہے اور نہایت عمدہ باغیچے ہیں۔ جن میں اکثر بادام کے درخت ہیں۔ یہاں کے باشندے سب پہاڑی اور تاجیک ہیں۔ جنوب کی طرف ایک فرسخ شرعی کے فاصلہ پر پہاڑ کے پشتوں میں پتھر کی ایک سل ہے جس کو سنگ ایمنہ کہتے ہیں۔ اس کا طول پچھنادس گز کا ہو گا۔ کہیں سے وہ اتنا بلند ہے کہ آدمی کے قد کے برابر اور کہیں سے اتنا نیچا کہ آدمی کی کمر کے برابر۔ ایمنہ کی طرح ہر شے کا عکس اس میں پڑتا ہے۔

یہ ندی دیکھنے کے علاوہ اس سے جو امین پہاڑ نو شہر کے پتی ہے ۱۲ میلے جان لیڈن نے ”ضلع“ لکھا ہے ۱۲ میلے خراسان و رواق کے بیچ میں قریب دامن ایک شہر ہے ۱۲ میلے خولنی ۱۵ میلے قلم کارن ہوتا ہے جو سفید ہوتا ہے ۱۲ میلے تاجیک اس کے شہر اور دیواروں کو بنی مالوں اور کسانوں کو کہتے ہیں۔ ان کی زبان فارسی ہے۔ جیسے ایک فرقہ ترک ہو ویسا ہی ایک فرقہ تاجیک ہو شاید یہ لوگ پہلے تہذیبی باشندے کی اولاد نہیں۔ ترکوں نے ان کا نام تاجیک اس نسبت سے لکھا ہو کہ یہ لوگ عربوں یعنی تازیوں کی عکاس ہیں۔ اہل فارس اور ترک

پہلا دریائے سیحون کے شمالی سمت کے قصبوں میں سے ایک قصبہ آخشی ہے۔ اسکو تاریخ کی کتابوں میں خشکت کے نام سے لکھا ہے۔ چنانچہ اثیر الدین شاعر کو اثیر الدین آخشیکتی کہتے ہیں۔ ملک فرغانہ میں اندجان کے بعد اس سے بڑا کوئی قصبہ نہیں ہے۔ اندجان سے جانب غرب یہ قصبہ نو فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ سلطان عمر شیخ میر اسلمی کو اپنا دار السلطنت بنایا تھا۔ دریائے سیحون قلعہ کی فصیل کے نیچے ہی بہتا ہے۔ اسکا قلعہ ایک اونچے کھڈ پر بنا ہوا ہے جو دریا کے کڑاڑے پر ہے۔ کھڈ کی گہرائی گویا قلعہ کی خندق ہے۔ عمر شیخ میر اسلمی اسکو دار السلطنت بنایا تو دو ایک مرتبے باہر کی جانب اونچے تعمیر کیے۔ فرغانہ میں اس جیسا دوسرا قلعہ مضبوط نہیں ہے۔ شہر کے محلے قلعہ کی فصیل سے ایک میل شرعی کے فاصلہ پر آباد ہیں۔ پیش ”دہ کجاو درختاں کجا“ شاید آخشی ہی کے واسطے کہی گئی ہے۔ یہاں کا خربوزہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ ایک قسم کے خربوزہ کو میر تیموری کہتے ہیں شاید ایسا خربوزہ دنیا میں نہ ہو۔ یوں تو بخارا کے خربوزے مشہور ہیں مگر جن دونوں میں میں نے سمرقند فتح کیا تھا تو ایک بار آخشی اور بخارا سے خربوزے آئے تھے۔ ایک مجلس میں تراشے گئے۔ معلوم ہوا کہ بخارا کے خربوزے آخشی کے خربوزوں سے لگتا نہیں کھاتے۔ وہاں شکار بکثرت ہے اور جانور بہت ہیں۔ دریا سے آخشی کی جانب ایک جنگل ہے جس میں سفید ہرن کثرت سے ہوتا ہے۔ اندجان کی طرف بھی ایک بڑا جنگل ہے۔ اس میں بارہ سنگے۔ پرندے اور خرگوش بہت ملتے ہیں جو خوب فرہ ہوتے ہیں۔

دو ایک قصبہ کاشان آخشی کے شمال میں یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس طرح دریا اندجان آوش کی طرف سے بہتا ہے اسی طرح دریائے آخشی کاشان سے شہر کی ہوا عمدہ ہے۔ باغات نہایت مصفا ہیں چونکہ باغات دریا کے کنارے پر پیلے میں واقع ہیں اس لیے کہا کرتے ہیں ”پوشتین پیش برہ“ ہے۔ کاشانی اپنے ہاں کی صفائی اور آب و ہوا کی خوبی کا دعوے کرتے ہیں اور آوشی اپنے ہاں کی۔ ملک فرغانہ کے گرد پہاڑوں میں ٹیلاں اچھے ہیں۔ اس پہاڑ میں ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے جس کو تالو لغو کہتے ہیں۔ یہ لکڑی اور کہیں نہیں ہوتی۔ اس کا پوست سرخ ہوتا ہے۔ عھے۔ کوڑوں کے دستے اور پرندوں کے پھرے اس سے بنائے جاتے ہیں اور اس کو پھیل کر تیر کے گڑ بھی بناتے ہیں۔ بہت ہی عمدہ لکڑی ہے۔ دور و دراز ملکوں میں بطور سوغات جاتی ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ان پہاڑوں میں بیروج الصنم ہوتا ہے۔ مگر اس

لکڑی بارہٹ کو یہ دھوکا لگاؤ کہ قحندہ ناشقند اور آخشیکت ایک ہی مقام ہے۔ بلٹ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہاں کا جغرافیہ کتنا ناقص تھا ۱۲۔ جان لیڈن کا ترجمہ یوں ہے۔ ”اسکا قلعہ اس پہاڑی پر بنا ہوا ہے جو دریا کے کنارے پر ہے۔ دریا کی گہرائی گویا قلعہ کی خندق ہے“ ۱۳۔ جان لیڈن اس فقرہ کو یوں لکھا ہے ”چونکہ اس کے باغات مذکورے گھر سے تھے ایسے کہ پانچ بیڑوں کے پچو کا چڑہا کرتے ہیں“ ۱۴۔ پوشتین پیش برہ فارسی کی مثل ہی معنی بھیر کے پچو کا چڑہا ہے۔ جس سے ترجمہ ہوا ”اس میں پیش پاؤں جان لیڈن کے ترجمہ میں پیش ۱۵۔ تری میں اس مقام کو کہتے ہیں جہاں گرمی کا موسم بسر کیا جاسیے ہمارے ہندوستان میں شملہ نیپالی۔ ابو۔ نیلگری اور دارجلنگ کے پہاڑ میں ۱۶۔ غلطی اور خجاری کی جو کیاری بتوں کیلئے مذکور دی جا اسکو بیروج الصنم کہتے ہیں فارسی کے

زمانہ میں کسی سے سُننے میں نہیں آیا سنا ہے کہ تہی کینٹ کے پہاڑوں میں ایک گھانس ہوتی ہو۔ وہاں والے اسکو اتیں اولیٰ کہتے ہیں۔ اس میں مہرگیاہ کی خاصیت ہے عجب نہیں کہ یہی مہرگیاہ جو جسکا نام وہاں والوں سے یہ رکھ دیا ہو۔ اس کو ہستان میں فیروزہ اور لوبہ کی کان ہے۔

اگر ملک فرغانہ کا محاصل رعایا سے بغیر ظلم کیے لیا جائے تو اتنی ہی آمدنی میں تین چار ہزار آدمی رہ سکتے ہیں چونکہ عمر شیخ میرزا ایک بلند ہمت اور بڑی سلطنت کے خواہشمند تھے اسلئے انکو ہمیشہ ملک گیری کا خیال رہتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کئی دفعہ سمرقند پر چڑھائی کی بعض موقع پر شکست کھائی اور بعض دفعہ یونہی ناکام آئے۔ کئی بار اپنے خسرو نوس خاں سے (جو چنگیز خاں کے دوسرے بیٹے چغتائی خاں کی نسل سے تھا اور سلطنت چغتائیہ میں مغلوں کا اس وقت سردار تھا اور میرانا ہوتا ہے) ملحق ہو کر اُس کو اپنی ملک کے لیے لائے۔ اور ہر مرتبہ اُس کو اپنے ملک میں سے تھوڑا سا ملک دیا۔ مگر عمر شیخ میرزا کی خواہش کے موافق کام نہ نکلا۔ کیونکہ کبھی عمر شیخ میرزا کے بڑے برتاؤں کے سبب سے اور کبھی مغلوں کی سرکشی کی وجہ سے دوس خاں اس ملک میں نہ ٹھہر سکا۔ اور مغلستان چلا گیا۔ آخر میں جو اُسے لائے تو اُس زمانہ میں تاشقند عمر شیخ میرزا کے قبضہ میں تھا (پچھلی کتابوں میں اس کو شاش اور کسی نے چانچ بھی لکھا ہے۔ چنانچہ کمان چاچی مشہور ہے) یہ بھی خاں کے حوالہ کر دیا اُس زمانہ سے ۹۷۰ھ (۱۵۶۳ء) تک تاشقند اور شاہرخیہ خاتان چغتائیہ کے قبضہ و تصرف میں رہے۔

سلطان محمود خاں اور سلطان احمد میرزا کی چڑھائی اور عمر شیخ میرزا کا مرنا ۹۹۹ھ

وہ زمانہ ہے کہ دوس خاں کا بڑا بیٹا سلطان محمود میرا ماموں حاکم مغلستان ہو۔ اور سلطان احمد میرزا (عمر شیخ میرزا کا بڑا بھائی) سمرقند کا بادشاہ ہے۔ اور چونکہ اُن دونوں کو عمر شیخ میرزا نے اپنی چالوں سے بہت تنگ کر دیا تھا اسلئے دونوں نے باہم اتفاق اور صلحت کر لی۔ سلطان احمد میرزا نے دریائے جند کے جنوب کی طرف سے اور سلطان محمود خاں نے شمال کی طرف سے فوج کشی کی۔ اسی اثنا میں عمر شیخ میرزا کو عجیب واقعہ پیش آ گیا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آخشی کا قلعہ اونچے کھڈ پر واقع ہے۔ اُس کے مکانات بھی اس کے کنارے پر تھے۔ انہی ایام میں پیر کے دن رمضان کی چوتھی تاریخ (۲۴ جون ۱۵۹۲ء) کو وہ اوپر سے کبوتر خانہ گرا۔ میرزا بھی کبوتروں سمیت گر کر راہی عدم ہوئے۔ اُنکی عمر اُنٹالیس برس کی تھی۔

اُن کی ولادت نسب اور حکومت فرغانہ کا سبب

عمر شیخ میرزا بمقام سمرقند ۸۲۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ یہ سلطان ابوسعید میرزا کے چوتھے بیٹے تھے۔ سلطان احمد میرزا سلطان محمد میرزا اور سلطان محمود میرزا سے چھوٹے۔ سلطان ابوسعید میرزا سلطان محمد میرزا کے بیٹے تھے سلطان محمد میرزا سلطان میرا شاہ میرزا کے فرزند تھے۔ میرا شاہ میرزا حضرت امیر تیمور گورگان کے سبھلے بیٹے تھے۔

۱۲ نسخہ بینی کینٹ ۱۲

۱۲ یہ فوج کشی ۹۷۰ھ ہجری میں ہوئی ۱۲

عمر شیخ میرزا اور جہانگیر تیرہ سال سے چھوٹے اور شاہ رخ میرزا سے بڑے سلطان ابوسعید میرزا نے اول عمر شیخ میرزا کو کابل دیا۔ اور بابا کابلی کو بیگ آئنگہ کر کے روانہ کیا۔ پھر میرزاؤں کے ختنوں کی شادی میں شہ یک ہونیکے لیے راکھڑے سے سمرقند میں واپس بلایا۔ شادی کے بعد اس مناسبت سے کہ امیر تیمور نے اپنے بیٹے عمر شیخ میرزا کو ولایت فرغانہ عطا کی تھی ابوسعید میرزا نے انکو اندھان دیا اور تیمورتاش کو ان کا بیگ آئنگہ مقرر کیا۔

انکا حلیہ اور وضع

ٹھنکناقد۔ چہرہ کارنگ سرخ۔ گہرا ڈھی۔ بدن بھاری۔ ذرا مزاج جالاک۔ کپڑے بہت چست پہنا کرتے تھے۔ چنانچہ بند باندھتے تھے تو بیٹ سیکر لیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ باندھنے کے بعد بدن چھوڑ دیتے تھے یا سانس لیتے تھے تو بند ٹوٹ جاتے تھے۔ کھانے پینے میں تکلف تھے۔ دستارچ کی قطع کی گپڑی باندھتے تھے۔ اُس زمانہ میں دستارچ چار پچ کی گپڑی ہوتی تھی۔ وہ چھ چین کے باندھ کر شلہ چھوڑ دیتے تھے۔ گرمیوں میں دربار کے علاوہ مٹلی ٹوپی پہنتے تھے۔

اخلاق و اطوار

انکے اخلاق و اطوار یہ تھے جنفی مذہب اور خوش اعتقاد آدمی تھے۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ قطعات عمری سب ادا کر دی تھی۔ بیشتر قرآن شریف پڑھا کرتے تھے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے مرید تھے۔ اکثر انکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت خواجہ بھی انکو فرزند قرار کرتے تھے۔ وہ خواجہ ٹھٹھ لکھتے تھے۔ خستین۔ شہزی اور تاراج کی کتابیں انکی نظر سے نکلی ہوئی تھیں۔ شاہنشاہ کو بہت دیکھا کرتے تھے۔ اگرچہ موزوں طبیعت تھے مگر شعر گوئی پر توجہ نہ کرتے تھے۔ منتظم اس درجہ کے تھے کہ اکبر خطائی قافلہ اند جان میں آ رہا تھا۔ جب کوہستان شرتی کے اطراف میں آیا تو ایسی برف پڑی کہ تمام اہل قافلہ ہلاک ہو گئے۔ صرف ڈو آدمی بچے۔ اس خبر کے سنیے ہی اپنے ملازموں کو بھیج کر تمام مال و متاع جمع کر دیا۔ اگرچہ اُس مال کے ورثاء موجود نہ تھے اور ان کو احوال بھی تھی۔ مگر سارا مال بہت حفاظت کیے ساتھ رکھوا کر ڈو ایک سال اندھ کے بعد خراسان اور سمرقند سے انکے وارثوں کو بلایا اور بے کم و کاست وہ مالی سبب سے حوالے کر دیا۔ وہ سخی بھی بہت تھے۔ اور سخاوت ہی جیسی انکی اور خصلتیں بھی تھیں۔ خوش مزاج۔ باتوں فصیح بغیر سگلام اور بہانہ آدمی تھے۔ دو دفعہ فوج سے نکل کر اکیلے لیے تھم پھیرائی کی ہے۔ ایک دفعہ آشتی کے دروازے میں اور دوسری بار شاہ رخ کے دروازے میں۔ اوسط درجہ کے تیر انداز تھے۔ اور گھوڑا سوار بہت مارتے تھے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ

۱۵ عافہ۔ ۱۶ ابوالہام ۱۲۔ شادی بڑی دھوم دھام سے اعلیٰ درجہ کی ہوئی۔ یہ شادی ۱۶۵۰ء میں ابوسعید نے اپنے تینوں بیٹوں کے ختنوں کی مرو میں کی تھی۔ پانچ چھ بیٹے تک ہنگامہ شادی گرم رہا ۱۶۵۱ء میں۔ ستائیس گھانٹے سے چھوٹے دیہاتس باطحاب پرتخ کے جنوب میں واقع ہے ۱۲ میلہ خرابی دیہاتس ۱۳ میلہ پست قدم وگوریش۔ پیکر۔ سرخ رنگ۔ رونے سے لگوں۔ مرد قبل ۱۶ میلہ رو پیتھ برج (انگریزی پنج) وغیرہ اس واقعہ کو حضرت بارہ شاہ سے منسوب کرتے ہیں لیکن اکثر شہنشاہ تباری جو انگریزی کی تاریخوں سے واقف تھا کما استنباط کرتے ہیں وہ بھی یہی لکھتے ہیں ۱۳ عافہ غالباً اُس زمانہ میں وہاں واپس بھی اسی طرح گھوڑا سوار ہوتے ہوئے اور اسی

مشق کرتے ہوں جس طرح تلخ کل انگریزی فوج کے گورنر یعنی ولایتی سپاہی لڑتے اور نیکر شہ کہتے ہیں ۱۴

کسی کو گھونسا ماریں اور گھونسا کھانے والا گرنہ پڑے۔ ملک گیری کے خیال میں بہت دوستوں سے جمع گئی تھی۔ اور بہت لوگ اُن سے کھٹک گئے تھے۔ ابتدا میں بڑے شرابخوار تھے۔ پھر مہفتہ میں دو ایک مرتبہ مے نوشی کا جلسہ ہونے لگا۔ خوش صحبت شخص تھے۔ ایسے موقعوں پر مناسب مناسب اشعار پڑھا کرتے تھے۔ آخر میں معجون بہت کھانے لگے تھے معجون کھانے کے بعد مزاج چراند اہو جاتا تھا۔ رحمدل بہت تھے بعل اور داغ بہت رکھتے تھے۔ ہمیشہ چوسر کھیلے رہتے تھے۔ کبھی چو ابھی کھیل لیتے تھے۔

انکی لڑائیاں

وہ تین لڑائیاں لڑے ہیں۔ پہلی لڑائی پونس خاں سے اندجان کے شمال کی طرف دریائے سیحون کے کنارے پروہاں ہوئی جسکو سکرنگ کہتے ہیں۔ یہاں مغلوب ہو کر پکڑے گئے۔ اس مقام کا ایسے یہ نام پڑ گیا ہے کہ دریا جو پہاڑ سے بہتا ہوا آتا ہے وہیں سکراد ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بار تکتہ یعنی پہاڑی بکر اس کنارے سے چھلانگ مار کر اُس کنارے پر جا پہنچا تھا۔ اس لڑائی میں پونس خاں نے شکست دینے اور پکڑ لینے کے بعد اُلٹا پھیر دیا تھا۔ چونکہ اس مقام پر لڑائی ہوئی تھی ایسے اس لڑائی کا نام جنگ تکہ سکرنگو مشہور ہو گیا۔ دوسری لڑائی ترکستان میں دریائے آرس کے کنارے پراڈکوں سے ہوئی جو نواح سمرقند کو لوٹ مار کرتے تھے۔ دریائے آرس پر سے جو بالکل جم کر برف ہو گیا تھا عبور کر کے اُن لوگوں کو شکست دی۔ اور جو مال اور اونٹ وغیرہ یہ لوگ لوٹ لائے تھے چھین کر مالگوں کو واپس کر دیا۔ آپ اُس میں سے ذرا نہ لیا تیسری لڑائی سلطان احمد میرزا سے شاہرخیہ اور اوراتیہ کے درمیان خواص نام موضع میں ہوئی۔ یہاں شکست کھائی۔

ملک مقبوضہ

اُن کے قبضہ میں یہ ملک تھے۔ سلطان ابوسعید میرزانے توفرقانہ کا علاقہ دیا تھا۔ تاشکند اور حیراتم اُنکے بڑے بھائی سلطان احمد میرزانے دیے تھے۔ شاہرخیہ کو فریب سے لیکر کچھ دن تک اُس پر بھی قابض رہے۔ آخر میں تاشکند اور شاہرخیہ قبضہ سے نکل گئے تھے۔ اور صرف ملک فرغانہ خجند اور اوراتیہ جن کا اصل نام اسروستہ اور استروس ہے رہ گئے تھے۔ بعض لوگ خجند کو فرغانہ کے ملک میں شامل نہیں کرتے سلطان احمد میرزا نے جب مغلوں پر چڑھائی کی تو اور دریائے جرجیق کے کنارے پر مقابلہ ہوا تو شکست کھائی۔ اوراتیہ جانظبگ لڑائی کے پاس تھا وہ بھی اُسے میرزا کو دیدیا تھا۔ اُس دن سے وہ عرش میرزا کے تہترف میں رہا۔

اولاد

اُن کی اولاد میں تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں بیٹوں میں سب سے بڑا بیٹا میں ظہیر الدین بابر ہوں۔ شاہ شہید بی بی بیچون جو جس بھنگ لے لے تھیں اور وہ نشہ کرتی تھیں۔ نشہ بازوں کی اصطلاح میں اسکو بیچون کہتے ہیں ۱۲۷۵ء یہ فقرہ اُس کتاب میں ہے جس سے میں نے ترجمہ کیا ہے مگر کو کسی نسخہ میں نہیں ہے چونکہ اسکا مطلب معلوم نہیں ہوا ۱۱۷۵ء اسکا معنی ترجمہ کر دیا ۱۲۷۵ء یہاں تک کہ پچھلانگ ۱۲۷۵ء یہ لڑائی اُس ملک میں واقعہ عظیم خیال کیا تو ۱۲۷۵ء شاید یہ وہی دریا ہو جو دریائے سندھ میں گرتا ہے اور ترکستان کے عمدہ حصہ میں سے گزرتا ہے۔ ۱۲۔ خواص ضلع اوراتیہ میں واقع ہے ۱۲۷۵ء سیرام دریائے سر کے کنارے پر تاشقند سے نیچے کی جانب واقع ہے ۱۲۷۵ء جیرجیکو سردریا خجند بھی کہتے ہیں اُنہ قدیم میں اسکو جیرجیکو کہتے تھے اسکو چلیچ یا شاس کہہ دیا بھی کہتے ہیں ۱۲۷۵ء

میری ماں قتلنگار خاتم تھیں۔ مجھ سے دو برس چھوٹا دوسرا بیٹا جہانگیر میرزا تھا۔ اسکی ماں قوم مغل کے گروہوں کے سرداروں میں سے تھی۔ اُسکا نام فاطمہ سلطان تھا۔ تیسرا بیٹا ناصر میرزا تھا۔ اُسکی والدہ اند جان کی تھی۔ حرم تھی۔ اُسکا نام آمیہ تھا۔ ناصر میرزا مجھ سے چار برس چھوٹا تھا۔ سب بیٹیوں میں بڑی خان زادہ بیگم میری سگی بہن تھی مجھ سے پانچ برس بڑی۔ جن دنوں میں میں نے دوبارہ سمرقند لیا ہے اُن دنوں میں گو میری فوج کو سرکل پر شکست ہو گئی تھی اُسپر بھی پانچ مہینے تک میں محصور رہا۔ مگر جب گرد نواح کے بادشاہوں اور امیروں میں سے کسی نے کسی طرح کی مدد نہ دی تو ناچار سمرقند چھوڑ کر میں نکل کھڑا ہوا۔ اُسی بھاگڑی میں خان زادہ بیگم محمد شیبانی خاں کے ہاتھ آ گئی۔ اُس نے اُسے نکاح کر لیا۔ ایک بیٹا اُس سے پیدا ہوا جسکا نام خرم شاہ تھا۔ اچھا خوبصورت جوان تھا۔ شیبانی خاں نے بلخ کا علاقہ اُس کو دیدیا تھا۔ اپنے باپ کے دو ایک برس کے بعد وہ بھی فوت ہو گیا جب شاہ اسماعیل صفوی نے ازبک کو مرو میں شکست دی ہے تو خان زادہ بیگم میری بہن میرے سبب سے شاہ محمود نے بیگم سے اچھی طرح ملاقات کی اور عمدہ برتاؤ برتنا۔ عزت و آبرو کے ساتھ میرے پاس قندز میں بھیج دیا۔ بیگم موصوفہ قندزیں آ کر میرے ہمراہ ہوئی۔ مجھ میں اور اُس میں دس برس تک مفارقت رہی۔ جس وقت میں اور محمدی کو کلتاش اُس سے ملنے گئے تو بیگم نے اور ہاتھ والوں نے میرے کہنے پر بھی فوراً ہم کو نہ پہچانا۔ تھوڑی دیر بعد پہچان گئی۔ دوسری بیٹی مہربانو بیگم تھی۔ ناصر میرزا کی ہم بطن بہن تھی۔ مجھ سے دو برس چھوٹی۔ تیسری لڑکی شہربانو بیگم ناصر میرزا کی دوسری سگی بہن تھی۔ مجھ سے آٹھ برس چھوٹی۔ چوتھی یادگار سلطان بیگم تھی جو آغا سلطان حرم کے پیٹ سے تھی۔ سب سے چھوٹی پانچویں رقیہ سلطان بیگم محمد دوم سلطان بیگم (جسکو قرآ کوڑ بیگم بھی کہتے ہیں) کے بطن سے تھی۔ یہ دونوں میرزا کے مرثیے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ یادگار سلطان بیگم کو میری نانی ایں دولت بیگم نے پالا تھا۔ جب شیبانی خاں نے اخشی اور اند جان کو لیے لیا ہے تو یادگار سلطان بیگم حمزہ سلطان کے بیٹے مہدی سلطان کے ہاتھ آ گئی جس زمانہ میں کہ حمزہ سلطان اور اُس کے ہمراہی سلاطین کو ختلان کے علاقہ میں میں نے شکست دیکر حصار چھین لیا ہو۔ اُس زمانہ میں یادگار سلطان بیگم میرے پاس آ گئی تھی۔ انہی جھگڑوں میں رقیہ سلطان بیگم جانی بیگ سلطان کے ہاتھ آ گئی تھی۔ اُسکے دو ایک بیٹے بھی ہوئے تھے۔ اب سنا ہے کہ اُسکا انتقال ہو گیا۔

بیویاں و حرمیں بیویاں اور حرمیں تھیں۔ پہلی بیوی قتلنگار خاتم یونس خاں کی دوسری بیٹی۔ سلطان محمود خاں اور احمد خاں کی بڑی بہن تھی۔ یونس خاں چغتائی خاں کی

نسل سے تھا۔ جو چنگیز خاں کا دوسرا بیٹا تھا۔ سلسلہ نسل اس طرح ہے کہ یونس خاں بن دیس خاں بن شیر علی اعلان بن محمد خان بن خضر خواجہ خان بن تغلق تیمور خان بن ایس بوغا خان بن ددا خان بن مسعود

یہ لفظ جان لیڈن کے ترجمہ میں بھی جو فارسی کے اونٹنوں میں اس مقام پر نہیں ہو ۱۲۰۰ قرا کوڑ سیاح چشم ۱۲۰۰ ۱۲۰۰

۱۲۰۰ ۱۲۰۰ ۱۲۰۰ (دو اٹال بن براق خاں بن ایس بوغا خان بن مواتوکان ۱۲۰۰

بن موآٹوکان بن چغتائی خان بن چنگیز خان۔

یونس خان کا حال

جب اتنا لکھا گیا ہے تو مناسب ہو کہ تھوڑا سا حال ان خوانین کا بھی بیان کر دیا جائے۔ یونس خان اور ایس بوغا خاں دونوں دیس خاں کے بیٹے تھے۔ یونس خاں کی ماں ترکمنی تھی۔ شیخ نور الدین بیگ قوم قچاق سے ایک امیر تھا جسکو امیر تیمور نے سردار بنایا تھا اسکی بیٹی یا پوتی تھی۔ ویس خاں کے مرنیکے بعد مغلوں کے خاندان میں دو فرقے ہو گئے۔ جو فرقہ کم تھا وہ یونس خاں کی طرف ہو گیا۔ اور جو فرقہ زیادہ تھا وہ ایس بوغا خاں کی جانب۔ اس سے پہلے یونس خاں کی بڑی بہن کی شادی الف بیگ میرزا نے عبدالعزیز میرزا کے ساتھ کی تھی۔ اس مناسبت سے یہ بات ہوئی کہ ایرزن (جنارین) گروہ میں امیر تھا) اور میرک ترکمان (جو گروہ حراس کے امرا میں سے تھا) یونس خاں کو قوم مغل کے تین چار ہزار گھروں سمیت الف بیگ میرزا پاس لائے تاکہ اُسے مدد لیکر پھر مغلوں کی قوم کے سردار بن جائیں میرزا نے یہ پیمروتی کی کہ بعض کو توقیعہ اور بعض کو ملک میں ادھر ادھر پریشان کر دیا۔ اور خان کو عواق کی جانب بھیج دیا۔ یہی زمانہ مغلوں کے خاندان میں ایرزن کی تباہی حادثہ عظیم کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ خان برس دن سے زیادہ تبریز میں رہا۔ اُس زمانہ میں وہاں کا پادشاہ جانشا بارانی قراقیلوق تھا۔ وہاں سے خان شیراز میں آیا۔ شیراز میں شاہرخ میرزا کا دو سرا بیٹا سلطان ابراہیم میرزا حاکم تھا۔ پانچ چھ چھینے کے بعد ابراہیم سلطان میرزا مر گیا۔ اُسکا بیٹا عبداللہ میرزا اُسکا جانشین ہوا۔ خان نے عبداللہ میرزا کی نوکری کر لی سترہ اٹھارہ برس تک خان وہیں رہا جس زمانہ میں سلطان الف بیگ میرزا میں اور اُسکے فرزندوں میں جھگڑ گئی اُس زمانہ میں ایس بوغا خاں نے موقع پا کر فرغانہ کو کند بادام تک برباد کر دیا۔ اور اندجان پر قبضہ کر کے وہاں کے لوگوں کو قید کر لیا۔ جب سلطان ابوسعید میرزا بادشاہ ہوئے تو انہوں نے فوج جمع کر کے یاگلک سے اُس طرف آسیرہ کے مقام پر جو مغلستان میں ہے ایس بوغا خاں کو کامل شکست دی۔ پھر سلطان ابوسعید میرزا نے ایس بوغا خاں کے فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ یونس خاں کو اُس شہر کے سبب سے کہ اسکی بڑی بہن عبدالعزیز میرزا کی بیوی تھی عواق اور خراسان سے بلا کر دعوتیں کیں۔ اُسکو تھپک کر اپنا بنایا۔ اور مغلوں کے خاندان کا سردار کر کے مغلستان روانہ کیا۔ اس وقت ساغر جی قبیلہ کے تمام سردار

۱۵۰۰ (خراس) ۱۲۰۰ سالہ آثار کے لوگ اپنی قوم کا شمار گھروں سے اور خیوں وغیرہ سے کیا کرتے ہیں ۱۲۰۰ قراقیلوق یا قرابیلو ترکمان یعنی کالی بیٹروں والے ترکمان۔ تاریخ فارس اور بغداد میں ان کے نام یہ ہی لکھے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان قوموں کے جھنڈوں پر یہی علامتیں بنی ہوئی تھیں ۱۲۰۰ سالہ یاگلک یا یانگی۔ شہر جدید جس کو غوبی میں الکیر یا الجدید کہتے ہیں۔ یعنی اُطراد دریا کے سر کے کنارے پر ترکستان میں ایک شہر ہے ۱۳۰۰ (شہرہ) اس کا ذکر تاریخ تیموریہ میں آیا ہے۔ یاگلک سے شمال مشرق کی جانب ایک ندی کے کنارے پر دریا میں ملتی ہے آباد ہے ۱۳

ایس بوغاخاں سے رنجیدہ ہو کر مغلستان میں آگئے تھے۔ یونس خاں اُن میں آن ملا۔ اُس زمانہ میں قبیلہ ساغرچی میں شیر حاجی بیگ سربراہ اور وہ تھا۔ اُس کی بیٹی ایسن دولت بیگم سے یونس خاں کی شادی ہوئی۔ مغلوں کی رسم کے موافق خان کو اور ایسن دولت بیگم کو سفید نندے پر بٹھا کر اُس کو خان تسلیم کیا۔

یونس خاں کی اولاد | خان کے ہاں اس سے تین بیٹیاں ہوئیں۔ بڑی مہر نگار خانم تھی جس کی شادی سلطان ابوسعید میرزا کے بڑے بیٹے سلطان احمد میرزا سے ہوئی۔

مرزا سے اُسکے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پھر لڑائی جھگڑوں میں شیبانی خاں کے ہاتھ آ گئی۔ جب میں کابل میں آیا تو وہ شاہ بیگم کے ساتھ خراسان آئی اور وہاں سے کابل میں گئی۔ جس زمانہ میں شیبانی خاں نے ناصر شاہ پر قندہار میں چڑھائی کی ہو اور میں لغان گیا تو خان میرزا اور شاہ بیگم اور مہر نگار خانم بدخشاں چلے گئے۔ پھر مبارک شاہ نے خان میرزا کو قلعہ ظفر میں بلایا اور اثنائے راہ میں سلطان ابوبکر کاشغری کی ٹیڑی فوج سے ٹکھٹھیر ہوئی تو شاہ بیگم اور مہر نگار خانم مع اپنے ہمراہیوں کے گرفتار ہو گئیں۔ اور سب اُسی ظالم کی قید میں مر گئے۔ یونس خاں کی دوسری بیٹی میری والدہ قلی نگار خانم تھیں۔ وہ اکثر لڑائیوں اور مصیبتوں کے موقعوں پر میرے ساتھ رہی ہیں۔ کابل پہنچنے کے بعد پانچ چھ مہینے زندہ رہ کر سلطان میرزا کے انتقال ہو گیا تیسری بیٹی خوب نگار خانم تھی جس کی شادی محمد حسین گورکان دُغت سے ہوئی تھی۔ اُس کے ہاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی لڑکی کی شادی عبیدہ خاں سے ہوئی۔ جب میں نے سمرقند اور بخارا فتح کیا ہے تو وہ لڑکی وہیں تھی۔ اور چونکہ وہاں سے بھاگ نہ سکی اس لیے وہیں رہ گئی۔ اُسکا چچا سید محمد میرزا الپچی ہو کر سلطان سعید خاں کی طرف سے سمرقند میں میرے پاس آیا تو یہ لڑکی اُس کے ساتھ چلی گئی۔ سلطان سعید خاں سے اُس کی شادی ہو گئی۔ بیٹا حیدر میرزا تھا جب حیدر میرزا کے باپ کو ازبکوں نے مار ڈالا تو وہ میری خدمت میں آ گیا تھا۔ تین چار برس تک رہا۔ پھر مجھ سے اجازت لیکر خان کاشغر کے پاس چلا گیا۔ فرد

باز گر دو بہ اصل خود ہمہ چیز ز رصافی و نعتہ و ارزیز

کہتے ہیں کہ اب تائب ہو کر اُس نے اچھا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ بعدہ خوشنویس اور مصور ہو گیا ہے۔ تیر بیکان اور زبگیر بنانا ہے۔ اور ہر کام میں اُس کو ملکہ ہو گیا ہے شعر بھی کہتا ہے۔ اُس کی عرضی میرے پاس آئی تھی۔ اُس کی انشا بھی بُری نہیں ہے۔ یونس خاں کی دوسری بیوی شاہ بیگم تھی۔ اگرچہ اور بیویاں بھی تھیں مگر صاحبِ ولاد

۱۵ مطابق ۱۵۷۴ء ۱۲۷۵ھ یہ محمد حسین گورکان سلطان محمد خان کی طرف سے اورایتیہ کا حاکم تھا ۱۲۷۴ھ یہ کاشغرا کا ایک شہزادہ تھا ۱۲۷۵ھ جان لیڈن کے ترجمہ میں اس کے آگے یہ فقرہ ہے۔ ”اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جسکا نام حیدر میرزا رکھا۔“ ۱۲۷۵ھ ۱۲۷۶ھ زبگیر انگشتانہ جیسا ہوتا ہے۔ تیر اندازی کے وقت اس کو انگوٹھے میں پہن لیتے ہیں۔ یہ حیوان کے سنگ اور ہڈی وغیرہ سے بنتا ہے ۱۲

یہی دونوں ہوئیں شاہ بیگم شاہ سلطان محمد بادشاہ بدخشاں کی بیٹی تھی۔ بدخشاں کے بادشاہ اپنا نسب اسکندر قلعوس سے ملاتے ہیں کہتے ہیں کہ اسی بادشاہ کی ایک اور بیٹی تھی جو شاہ بیگم کی بڑی بہن تھی سلطان ابوسعید میرزا نے اُس سے نکاح کیا تھا۔ ابابکر میرزا اُسی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ شاہ بیگم سے خان کے ہاں دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ ان تینوں میں بڑا اور مذکورہ الصدر تینوں میں سے چھوٹا سلطان محمود خاں تھا جس کو سمرقند وغیرہ میں جانی بیگم خاں کہتے ہیں۔ سلطان محمود خاں سے چھوٹا سلطان احمد خاں تھا جسکا نام اچھ خاں مشہور تھا۔ (اچھ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ قلماتی اور مغلی زبان میں قتل کرنیوالے کو الاچی کہتے ہیں۔ چونکہ اس نے قوم قزاق کو کئی بار شکست دیکر قتل عام کیا ہے اسلئے اسکو الاچی یعنی (قاتل) کہنے لگے۔ کثرت استعمال سے الاچی کا اچھ ہو گیا) ان دونوں کے حالات آئندہ موقع پر بیان کیے جائیں گے۔ سب سے چھوٹی اور ایک بہن سے بڑی سلطان نگار خاں تھی جسکی شادی سلطان محمود مرزا (فرزند سلطان ابوسعید مرزا) سے ہوئی تھی۔ مرزا سے اسکے ہاں ایک بیٹا ہوا جسکا نام سلطان دس تھا۔ اس کتاب میں اسکا حال بھی بیان کیا جائیگا۔ سلطان محمود میرزا کے مرنے کے بعد یہ سلطان نگار خاں اپنے بیٹے کو لیکر چپ چپاتے تاشکند میں اپنے بھائیوں کے پاس چلی گئی۔ کئی برس کے بعد ازبک سلطان سے جو سلاطین قوم قزاق میں سے چلگیر خاں کے بڑے بیٹے جو جی خاں کی اولاد سے تھا اُسکی شادی کر دی جس وقت شیبانی خاں نے سب کو دبا کر تاشکند اور شہر خیزہ پر قبضہ کر لیا تھا اُس وقت یہ دس بارہ مغل ملازموں کے ساتھ ازبک سلطان کے پاس چلی گئی تھی۔ ازبک سلطان سے اسکے ہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں۔ ایک نو سلاطین شیبانیہ میں سے کسی کو دی۔ اور دوسری سلطان سعید خاں کے بیٹے سلطان رشید خاں کو۔ ازبک سلطان کے مرنے کے بعد قاسم خاں سردار قوم قزاق سے اُسے شادی کر لی مشہور ہے کہ قوم قزاق میں قاسم خاں کے برابر کسی خان یا سلطان نے قوم کا انتظام نہیں کیا چنانچہ اس کے لشکر جرار کی تعداد تین لاکھ کے قریب بیان کیجاتی ہے۔ قاسم خاں کے مرنے کے بعد خان مذکورہ سعید خاں کاشغری کے پاس چلی آئی۔ یونس خاں کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سلاطین خانم تھی۔ جو تاشکند کی ویرانی کے موقع پر تیمور سلطان پسر شیبانی خاں کے نکاح میں آئی۔ اُس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ سمرقند سے چلتے وقت وہ میرے ساتھ چلی آئی تھی۔ تین چار برس بدخشاں میں رہی۔ اسکے سلطان بیگلر خاں کے پاس کاشغری چلی گئی۔

دوسری عمر شیخ میرزا کی ایک اور بیوی خواجہ حسین بیگ کی بیٹی اوس آقا تھی۔ اس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جو چھوٹی سی مرگئی۔ پھر اس بیوی کو ڈیڑھ برس بعد چھوڑ دیا تھا۔ ایک اور بیوی

۱۱۲۰ھ (دو بیٹیاں) ۱۱۲۱ھ جان لیڈن نے جنیکہ خاں لکھا ہے۔ ظاہر جان لیڈن نے غلط فہمی سے جانی بیگ خاں کو جنیکہ خاں لکھ دیا ہے ۱۱۲۱ھ والی کاشغری ۱۱۲۲ھ (اوس آغا) ۱۱۲۳ھ (ایک یا ڈیڑھ سال) ۱۱۲۴ھ (فاطمہ) سلطان آغا قوم مغل جس ایک سردار کی بیٹی عمر شیخ میرزا نے سب سے پہلے اس سے شادی کی تھی ۱۱۲۵ھ

فاطمہ سلطان آقا تھی۔ ایک اور بیوی قراکوڑیگم تھی جس سے اپنی آخر عمر میں نکاح کیا تھا۔ یہ بہت چاہتی تھی۔ میرزا کی خوشامد کے مارے اُس کو ابوسعید میرزا کے بڑے بھائی منوچہر میرزا کا رشتہ دار بنادیا تھا۔

حرمیں حرمیں بہت سی تھیں۔ اُن میں سے ایک امید آغا بھی تھی جو میرزا کے سامنے مرگئی۔ میرزا کے آخر وقت میں تون سلطان ایک عورت داخل محل ہوئی تھی جو قوم مغل سے تھی۔ ایک اور آغا سلطان تھی۔

امراء میرزا کے امراء میں سے ایک خدایر دی تیمورتاش تھا۔ آق بونا بیگ حاکم ہری کی اولاد میں سے۔ جس وقت سلطان ابوسعید میرزا نے جوگی میرزا کا شاہرخیہ میں محاصرہ کر لیا تھا اُس وقت فرخانہ کا

حاکم عمر شیخ میرزا کو کیا۔ اور خدایر دی تیمورتاش کو اُنکی سرکار سپرد کر کے مدارالمہام کر دیا۔ اس زمانے میں خدایر دی تیمورتاش کی عمر صرف پچیس برس کی تھی۔ اگرچہ وہ کسین تھا مگر اُس کا ڈھنگ۔ انتظام اور قاعدے

قابل تعریف تھے۔ ایک دو سال کے بعد جب ابراہیم بیگ چاک نے آوٹن کی نواح میں لوٹ مار مچائی تو خدایر دی تیمورتاش نے اُس کا تعاقب کیا۔ اُس سے لڑا اور ہزیمت اٹھا کر شہید ہو گیا۔ اُن دنوں میں سلطان احمد میرزا

ایلاق اور ایتیمہ میں تھا جو سمرقند سے اٹھارہ فرسنگ شرق کی جانب ہی۔ اور جسکا نام آق قیچغاے مشہور تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا بابا خاکی میں تھا۔ جو ہری سے بارہ فرسنگ شرق کی طرف ہی۔ یہ خبر عبدالوہاب شادول

نے بہت جلد میرزا کی خدمت میں پہنچائی۔ اُس نے ایک سو تالیس فرسنگ کا راستہ چار دن میں طے کیا۔ ایک اور امیر حافظ محمد بیگ دولدائی تھا۔ سلطان ملک کاشغری کا بیٹا اور احمد حاجی بیگ کا چھوٹا بھائی۔ خدایر دی کے

مرنے کے بعد اُس کا عہدہ اسی کو دیا گیا۔ سلطان ابوسعید میرزا کے مرنے کے بعد امراء نے اندجان سے اُس کی زبانی۔ وہ سلطان احمد میرزا پاس سمرقند چلا گیا۔ سلطان احمد میرزا کی شکست کی خبر جس وقت معلوم ہوئی ہے اُس

وقت حافظ محمد بیگ اور ایتیمہ کا حاکم تھا۔ عمر شیخ میرزا جب سمرقند کی تسخیر کے ارادے سے اور ایتیمہ میں پہنچا تو اُس نے اور ایتیمہ میرزا کے ملازموں کے حوالے کر دیا اور آپ میرزا کا نوکر ہو گیا۔ میرزا نے اُس کو اندجان کی حکومت

عطا کی۔ اس کے بعد وہ سلطان محمود خاں پاس چلا گیا۔ خان نے میرزا خاں کو اُس کے سپرد کیا اور دیرکے کی حکومت بھی عطا کی۔ میرے کابل لینے سے پہلے ہندوستان کی راہ سے وہ مکہ معظمہ روانہ ہوا اور راستہ ہی میں مر گیا۔

فیثرفش۔ کم سخن اور بے حیثیت آدمی تھا۔ ایک اور امیر خواجہ حسین بیگ خوش مزاج اور سیدھا سادہ آدمی تھا۔ اُس زمانہ کے دستور کے موافق شراب نوشی کے وقت تو بوق (ایک قسم کا مغلی نغمہ) خوب گاتا تھا۔ ایک اور

شیخ مزید بیگ تھا۔ میرا پہلا اتالیق ہو ا تھا۔ اُس کے قاعدے اور قرینے بہت اچھے تھے۔ وہ ۱۲۵۰ھ (یون سلطان) ۱۲۵۱ھ خدایر دی یعنی الہ داد۔ یا خدا داد تیمور۔ ولاد تاش۔ پتھر ۱۲۵۲ھ سنو (ایک ٹوپیسی

فرسنگ) یعنی ۵۰۴ میل ۱۲۵۳ھ جان لیڈن نے یہ فقرہ یہاں لکھا ہے ۲ اور سلطان احمد میرزا کا ملازم ہو گیا ۱۲۵۴ھ سنو (جب یہ خبر پہنچی کہ دریا سے چرکی لڑائی میں سلطان احمد میرزا کو شکست ہوئی تو حافظ محمد بیگ دولدائی اور ایتیمہ کا حاکم تھا

بابر میرزا کی خدمت میں بھی رہا تھا۔ عمر شیخ میرزا کی سرکار میں اُس سے بڑا دوسرا امیر نہ تھا۔ وہ ایک فاسق آدمی تھا۔ اس لیے غلام بہت رکھا کرتا تھا۔ ایک اور علی مزید بیگ قوچین تھا۔ اُس نے دو مرتبہ بغاوت کی۔ ایک بار آخشی میں اور دوسری دفعہ تاشکند میں۔ منافق۔ فاسق۔ نیکرام اور نکما آدمی تھا۔ ایک حسین یعقوب بیگ تھا۔ صاف دل۔ خوش طبع۔ ہوشیار اور متحد شخص تھا۔ یہ شعر اُسی کا ہے۔

باز آئے اے ہمارے کہ بے طوطی خطیت نزدیک شد کہ زارغ برد استخوان من

بڑا بہادر تھا۔ تیر انداز اچھا تھا۔ چوگان کھیلنا تھا۔ اور غوک کھیلنا تھا۔ عمر شیخ میرزا کے مرئی کے بعد میرے ہاں مختار ہو گیا۔ البتہ ٹھہر دلا۔ کم حوصلہ اور فتنہ پرداز بھی تھا۔ ایک قاسم بیگ قوچین تھا۔ یہ شخص لشکر اندجان کے قدیم سرداروں میں سے تھا۔ حسن بیگ کے بعد میری سرکار میں وہی مختار ہوا۔ آخر عمر تک اُس کے اختیارات اور اعتبارات بڑھتے گئے۔ کم نہوئے۔ وہ بڑا بہادر آدمی تھا۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ اُن کی لڑائی کا نشان کو لوٹ مار کر چلے۔ اُس نے اُن کا پیچھا کر کے اُن کو جالیا۔ اور اُن کو خوب ٹھونکا۔ عمر شیخ میرزا کے زمانہ میں بھی وہ بڑا تلوار یا تھا۔ جنگ یا کسی کجیت میں گھسان کی لڑائی لڑتا تھا۔ بھاگتا اور مصیبت کے موقع پر جب میں نے کوہستان سیماسے سلطان محمود خاں پاس جانیکا ارادہ کیا تو وہ مجھ سے الگ ہو کر خسرو شاہ پاس چلا گیا۔ ۹۰۰ھ میں جب میں نے خسرو شاہ کے آدمیوں کو توڑ لیا اور کابل میں متوجع کو جا گھیرا تو اُس وقت وہ پھر میرے پاس چلا آیا۔ میں نے رکھ لیا اور اگلی سی عنایت اور مہربانی کی جس وقت درہ خوش میں میں نے ہزارہ ترکمانوں پر چڑھائی کی تو قاسم بیگ نے بڑھاپے میں جوانوں سے بڑھ کر کام دیا۔ میں نے ملک بگلس اُسکو اسکے صلہ میں دیدیا۔ کابل میں اگر اُسکو ہمایوں کا اتالیق کر دیا۔ زمین داور فتح ہو سکے زمانہ میں اُسکا انتقال ہو گیا۔ مسلمان دیانت دار اور پرہیزگار آدمی تھا۔ مشتبہ کھانے سے بچتا تھا۔ اُسکی رائے اور تدبیر بہت عمدہ تھی۔ بڑا رکھتی باز بھی تھا۔ تھا تو اُن پڑھ مگر حالی دماغ رکھتی باز تھا۔ ایک اور بابا قلی بیگ تھا۔ شیخ علی بہادر کی اولاد میں سے۔ شیخ مزید بیگ کے مرئی کے بعد میرا اتالیق اُسی کو کیا تھا جن دنوں میں سلطان احمد میرزا نے اندجان پر لشکر کشی کی تو سلطان احمد میرزا سے وہ مل گیا۔ اور اور آئیبہ مرزا کو دیدیا۔ سلطان محمود میرزا کے انتقال کے بعد جس وقت وہ سمرقند سے نکل کر اور بھاگ کر آتا تھا اُس وقت سلطان علی میرزا اور آئیبہ سے نکل کر اُس سے

۱۰۰۰ھ میں بابر میرزا ابن بایستغری میرزا ابن شاہرخ میرزا ابن امیر تیمور تھا۔ نہایت ہوشیار شہزادہ تھا۔ کچھ دن تک خراسان کا حاکم بھی رہا تھا۔ ۸۵۴ھ میں اس کا انتقال ہوا ۱۲۱۱ھ گھوڑے پر سوار ہو کر گیند بلا کھیلنے کو کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں اس کا نام پوتو ہے جو انگریزی ہے ۱۲۱۱ھ میںڈک کی چھلانگ۔ یہ بھی ایک قسم کا کھیل ہے۔ غالباً ہمارے ہاں جو کوڑی ذقن کھیل ہے وہی یہ بھی ہو ۱۲۱۱ھ دریائے سر کے شمال میں ہے ۱۲۱۱ھ یہ لڑائی سنہ ہجری میں ہوئی تھی ۱۲۱۱ھ نسخہ (میں ۱۲۱۱ھ ۱۲۱۱ھ قندھار سے نوے میل مغرب میں دریائے ہرند کے سیدھے کنارے پر اوپر کی طرف واقع ہے ۱۲۱۱ھ جان بیڈن نے اس مقام پر میرے پاس "بھی لکھا ہے ۱۲

رطا اور اُس کو شکست دیکر قتل کیا۔ اُس کا انتظام اور سامان فوج نہایت عمدہ تھا۔ نوکروں کو اچھی طرح رکھتا تھا۔ نہ نمازی تھانہ روزہ رکھا کرتا تھا۔ ظالم و کافروں آدمی تھا۔ ایک میری دوست طغانی قوم ساغرچی میں سے تھا۔ میری نانی ایسن دولت بیگم کا رشتہ دار تھا۔ عمر شیخ میرزا کے زمانہ سے میں اکثر اُسکی رعایت کرتا رہتا تھا۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ اس سے کچھ کام نکلے گا۔ مگر جس زمانہ میں میرے پاس رہا یہاں خیال تھا ویسا کوئی کام اُس سے نہیں نکلا۔ سلطان ابوسعید میرزا کی بھی خدمت میں رہا تھا۔ اسکا دعویٰ تھا کہ میں جادوگر ہوں۔ میری شکار تھا۔ اطوار و اخلاق اُس کے بہت نکمے تھے بخیل۔ فتنہ انگیز خبیث منافق۔ خود پسند۔ بد زبان اور ترش رو تھا۔ ایک ویس لاغری تھا۔ سمرقند کا رہنے والا قوم توچی میں سے۔ آخر میں یہ عمر شیخ میرزا کا بہت مقرب ہو گیا تھا۔ مصیبتوں کے موقعوں پر میرے ساتھ رہا ہے۔ اُسکی رائے اور تدبیر بڑی عمدہ تھی۔ کسی قدر فتنہ انگیز ضرور تھا۔ ایک میرغیاث طغانی علی دوست کا چھوٹا بھائی تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا کی سرکاری مغلوں میں اس سے بڑھکر کوئی سردار نہ تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا کی مہر اسی کے پاس رہتی تھی۔ عمر شیخ میرزا کے آخری وقت میں اُن کے بھی منہ چڑھ گیا تھا۔ اور ویس لاغری کا بہت دوست تھا۔ جب کا نشان سلطان رضا خان کو دیدیا تو اُس وقت سے اپنی آخر عمر تک خان ہی کی خدمت میں رہا۔ خان نے بھی اُسکو اچھی طرح رکھا۔ بہت ہنسوتا اور ہڑاہزل گو تھا۔ بدکاری میں میاںک تھا۔ ایک علی درویش خراسانی تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا کے زمانہ میں خراسانی چیلوں میں داخل تھا جس وقت میں کہ سلطان ابوسعید میرزا نے سمرقند اور خراسان پر قبضہ کیا ہے تو دونوں قبیلوں کے چیلوں کا اُس کو افسر کیا۔ اسی لئے اُس کو ”میر چہرہ بے سمرقند و چہرہ بے خراسان“ کہا کرتے تھے۔ میرے سامنے اس نے سمرقند کے دروازے میں خوب حملے کیے تھے۔ بہادر آدمی تھا۔ خطا متعلق اچھا لکھتا تھا۔ خوشامد گو بہت تھا۔ بڑا خسیس تھا۔ ایک قنبر علی مغل آختہ چی تھا۔ اُس کا باپ اس ملک میں آکر کچھ دن سلاخی کرتا رہا۔ اس سبب سے اس کا نام قنبر علی سلاخ مشہور ہو گیا۔ پونس خاں کے ہاں وہ آفتابچی ہو گیا تھا۔ آخر امراء کے زمرہ میں داخل ہوا۔ میں نے اُس کی بہت رعایتیں کیں۔ جب تک ترقی کرتا رہا اُس وقت تک اُس کا طریق انتظام اچھا رہا۔ جب کسی قابل ہو تو جی چڑانے لگا۔ وہ بکواسی اور قنول گو تھا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ بکواسی قنول گو ہوتا ہے۔ کم حوصلہ اور کٹر مغز بھی تھا۔

۱۱ سلطان محمود خاں نے جب کا نشان پر قبضہ کر لیا ہے تو اُس وقت سے محمود خان کے مرنے تک وہ

خان ہی کی خدمت میں رہا۔ ۱۲۔

۱۳ ترکی میں خواجہ سرایینی خواجہ کو کہتے ہیں ۱۳

۹۹ھ ہجری کے واقعات

تحت نشینی کا بیان

جب عمر شیخ میرزا کا انتقال ہوا تو میں اندجان کے چار باغ میں تھا۔ رمضان شریف کی پانچویں تاریخ منگل کے دن مجھے اندجان میں یہ خبر پہنچی گھبرا کر میں سو رہا اور جس قدر ملازم میرے پاس تھے اُن کو لیکر قلعہ کی جانب روانہ ہوا۔ میں میرزا دروازہ کے قریب پہنچا تھا کہ شیرم طغائی جلاد مجھے عید گاہ کی طرف بچلا۔ اُس کو یہ خیال گزرا ہو گا کہ سلطان احمد میرزا بڑا بادشاہ ہے۔ اور فوج کثیر کے ساتھ اُس نے چڑھائی کی ہے ایسا نہ ہو کہ امراء مجھ کو اور ملک کو اُس کے حوالے کر دیں۔ وہ مناسب سمجھا کہ مجھے اور کند اور اُس کے پہاڑوں کی طرف لیجائے۔ اس لیے کہ اگر ملک گیا تو گیا۔ میں توجہ جاؤنگا۔ اور اپنے ماموں اچھے خاں یا سلطان محمود خاں کے پاس پہنچ جاؤنگا۔ خواجہ مولانا قاضی (جو سلطان احمد قاضی کے صاحبزادے اور شیخ برہان الدین قلیچ کی اولاد میں سے تھے) ماں کی طرف سے اُن کا سلسلہ سلطان ایک قاضی تک پہنچتا ہے اور اُن کا خاندان یہاں کے اہل ملک کا مزاج ہے۔ اور یہاں شیخ الاسلامی بھی انہی کے ہاں رہی ہے اور جن کا ذکر پھر بیان کیا جائیگا) اور دوسرے امراء نے جو قلعہ میں تھے میرے چلے جانے کی خبر سنتے ہی خواجہ محمد درزی (یہ شخص بابر کی بیٹی سے ہے اور عمر شیخ میرزا کا قدیمی ملازم ہے۔ اُنکی ایک بیٹی کا تالیق بھی تھا) کو میرے پاس بھیج کر اطمینان دلایا۔ میں عید گاہ تک پہنچا ہی تھا جو مجھ کو پھیر لائے۔ میں محل میں آیا اور اُتر پڑا خواجہ مولانا قاضی اور سب سردار میرے پاس حاضر ہوئے۔ اور بعد مشورہ ایک بات ٹھہرائی۔ پھر قلعہ کی تفصیل اور برج مضبوط بنائے اور سامان جنگ درست کرنے میں سب مشغول ہو گئے جس یعقوب اور قاسم قوچین وغیرہم مرغینان کی طرف بطریق ایلتار گئے ہوئے تھے۔ دو ایک روز کے بعد آکر انہوں نے بھی ملازمت حاصل کی۔ سب ایک دل اور متفق ہو کر قلعہ کے بچانے میں پورے مصروف ہوئے۔

سلطان احمد مرزا کا حملہ

اس عرصہ میں سلطان احمد میرزا اور آئینہ بخت اور مرغینان کو لیتا ہوا اندجان سے چار کوش کے فاصلہ پر مقام قبا پر پہنچا۔ اسی موقع پر درویش کا فرنام اندجان کے مشہور رہنے والوں میں سے اس سبب قتل کیا گیا کہ ناخدا سب بائیں

۱۵ مطابق ۱۰ جون ۱۵۹۲ء ۱۲۶۱ھ اندجان کا چار باغ محل میں تھا ۱۲ ۱۵۳۳ھ (قلعہ بچانے کے لیے میں روانہ ہوا) ۱۲ ۱۵۳۳ھ (شیرم طغائی میرے گھوڑے کو پکڑ کر عید گاہ روانہ ہوا) ۱۲ ۱۵۳۳ھ (اوز کند بڑے نقطہ دار) یہ مقام کوہستان آلتاغ کی طرف آوش کے شمال میں آباد ہے ۱۲ ۱۵۳۳ھ (محمد درزی) ۱۲ ۱۵۳۳ھ (دفعہ فوج کا جانا۔ دھواوا۔ یورش) ۱۲ ۱۵۳۳ھ (فرسنگ) ۱۲ ۱۵۳۳ھ (تباہی فتح اول۔ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو شہر اندجان کو مغرب میں دریائے قبا کے کنارے پر ہے) ۱۲ ۱۵۳۳ھ (درویش کا)

کہتا پھرتا تھا۔ اس انتقام سے سارے شہر ہشت سیدھے ہو گئے۔ خواجہ قاضی۔ آرزو حسن اور خواجہ حسین کو میں نے سلطان احمد میرزا کے پاس بھیجا۔ اور کہلا بھیجا کہ ظاہر ہے کہ اس ملک میں آپ اپنا کوئی آدمی ضرور مقرر کرینگے۔ میں آپ کا ملازم بھی ہوں اور فرزند بھی ہوں۔ اگر یہ خدمت فدوی کو عطا کیجائے تو بہتر ہے۔ آسانی کے ساتھ فیصلہ ہو جائیگا۔ سلطان احمد میرزا فقیر مزاج اور کم سخن آدمی تھا۔ مگر معاملہ پیش آتا تھا بغیر امر ارکے طے نہ ہوتا تھا۔ نہ اس نے میری اس گزارش پر التفات نہ کیا۔ بلکہ سخت جواب دیکر آگے بڑھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے میرے ہر موقع پر میری بگڑی کو بے منت خلق بنا دیتا ہے۔ یہاں بھی اُس نے کئی باعث ایسے پیدا کر دیے کہ دشمن اس طرف آنے سے تنگ اور پشیمان ہو کر بے نیل مرام واپس ہو گئے۔

سلطان احمد میرزا کی واپسی کے اسباب
ایک سبب تو یہ ہوا کہ قبا ایک سیاہ دریا ہے اور اُس میں دلدل ایسی ہے کہ بغیر نیل کے اُس پر عبور نہیں ہو سکتا۔ لشکر تھا بہت اترنے لگے وقت مل ٹوٹ گیا۔ بہت سے گھوڑے اور اونٹ دریا میں ڈوب گئے۔ چونکہ اس تین چار سال پہلے دریائے ترخین سے اترنے وقت بھی ان لوگوں نے بھاری شکست کھائی تھی۔ اور اس واقعہ نے اُس کو یاد دلادیا۔ اس لیے تمام لشکر پر دہم غالب ہو گیا۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ گھوڑوں میں ایسی وبا پھیلی کہ طویٹ کے طویٹے خالی ہو گئے۔ اس کے علاوہ میری فوج اور رعیت کو اٹنا ایک دل اور استعداد پایا کہ جب تک دم میں دم ہے اُس وقت تک جان دینے سے نہیں ہٹنے کی اور مرض سے مُنہ نہیں پھیرنے کی۔ ان باعثوں سے وہ پریشان ہو گئے۔ اور آخر اندجان قریب کوس بھر کے رہ گیا تھا کہ درویش محمد ترخان کو اس جانب بھیجا۔ یہاں سے بھی حسن یعقوب بھیجا گیا۔ عید گاہ کے نواح میں دونوں وکیلوں کی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے اسٹی کی گفتگو کی اور اپنی اپنی طرف چلے آئے۔

سلطان محمود خاں کا حملہ
دریائے خجند کے شمال کی طرف سے سلطان محمود خاں بچڑھایا

آتا تھا۔ اُس نے آتے ہی آخشی کو گھیر لیا۔ وہاں جہانگیر میرزا تھا۔ اور امرامیں سے علی درویش بیگ۔ قلی کوکلتاش۔ محمد باقر بیگ اور شیخ عبد اللہ ایشک آقا تھے وئیں لاغری اور میر غیاث طغانی بھی وہیں تھے۔ یہ دونوں دوسرے امرامیں بدظن ہو کر کاشان میں جو وئیں لاغری کا ملک تھا چلے گئے۔ چونکہ وئیں لاغری ناصر میرزا کا اہلیق تھا اس لیے ناصر میرزا کاشان میں رہتا تھا جس وقت خان نواح آخشی میں داخل ہوا تو اُس وقت ان دونوں امیروں نے خان سے سازش کر لی۔ اور کاشان حوالے کر دیا میر غیاث تو خان کے ہمراہ رہا اور وئیں لاغری ناصر میرزا کو لیکر سلطان احمد میرزا کے پاس چلا گیا۔ وہاں اُنکو محمد مزید ترخان کے سپرد کر دیا گیا۔

حلیہ اور وضع

لباقہ۔ سرخ رنگ۔ پھاری بدن۔ ڈاڑھی ایسی چمکی تھی کہ دونوں کٹوں پر ایک بال نہ تھا۔ بالچہ بھٹ بہت مزیدار تھی۔ اُس زمانے کے دستور کے موافق چار بیج وضع کی دستار باندھا تھا۔ اور اُس کا نازہ بھوؤں پر رکھتا تھا۔

اخلاق و اطوار

حنفی مذہب اور خوش اعتقاد تھا۔ یہاں تک کہ جلسہ شراب میں بھی ناز ترک نہ کرتی تھی حضرت خواجہ عہد اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مرید تھا حضرت خواجہ اکبر ربی

اور پشت و پناہ تھے۔ وہ بڑا مودب تھا۔ خصوصاً حضرت خواجہ کے سامنے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ خواجہ کی مجلس میں جس وقت تک بیٹھا تھا ایک زانو سے دوسرا زانو نہ بدلتا تھا۔ ایک مرتبہ خلافِ عادت جس زانو پر بیٹھا تھا اُس کو بدل کر دوسرے زانو پر بیٹھا۔ میرزا کے جانے کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جہاں میرزا بیٹھا تھا ذرا اُس جگہ کو دیکھنا! دیکھا تو وہاں ایک ہڈی تھی۔ میرزا کچھ پڑھا لکھا نہ تھا۔ اگرچہ شہر میں پرورش پائی تھی مگر ایک ترک سادہ مزاج تھا۔ شاعری بھی نہ تھا۔ عہد و قول کا ایسا پکا اور سچا تھا کہ جو کہتا تھا اُس کو روزا کر دیتا تھا شمع بھی تھا۔ گویا تو کبھی نہیں ہوا کہ کوئی نمایاں کام اُس کے ہاتھ سے ہوا ہو لیکن کہتے ہیں کہ بعضے معرکوں میں اُسے شہ نہیں پھیرا ہے۔ اچھا تیر انداز تھا وہ ایسا تیرا تا تھا کہ اکثر سوار ہو کر میدانِ اس سرے سے اُس سرے تک پہنچنے میں اپنے تیسرے اور گرنے سے اہلیاؤں پر سے قیق کو اڑا دیتا تھا۔ اس کے بعد جب وہ بہت موٹا ہو گیا تھا تو قیر غا دل اور پود نہ کو شکاری جانوروں سے پکڑواتا تھا۔ اُس کے جانور سے شکار کم بچتا تھا۔ جڑے اور بازو وغیرہ کے شکار کا بڑا شوقین تھا۔ جڑے اور بازو سے بہت شکار کھیلتا تھا۔ اور خوب کھیلتا تھا۔ سلطان الفیگ شیرزا کے بعد اس جیسا میر شکاری دو سرا کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ وہ شرمیلا بھی اتنا بڑا نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ خلوت میں اپنے محرموں اور اپنے مصاحبوں کے سامنے بھی پاؤں تک ڈھلنے لگتا تھا۔ جب کبھی شراب پینے کی دھت لگتی تھی تو ہمینہ ہمینہ بیٹھ بیٹھ دن تک پیئے چلا جاتا تھا چھوڑ دیتا

۱۱۱۱ قلیٰ سنہ میں یہ الفاظ (تون فار۔ سفالین) بھی ہیں ۱۲ سنہ سنارہ یا بندش ۱۲ سنہ اُس کی کسی وقت کی ناز ترک نہ ہوتی تھی ۱۳ سنہ ترکوں میں دستور تھا کہ تیر اندازی کی مشق اس طرح کرتے تھے کہ ایک بانس وغیرہ پر ایک قیق (برنجی ٹرف) رکھ کر نشانہ گاہ اور مدبنا تے تھے۔ جس کو اہلیاؤں کہتے تھے۔ کبھی تو کسی خاص مقام پر کھڑے ہو کر قیق پر نشانہ لگاتے تھے اور بعض وقت گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑے پر نشانہ لگاتے تھے اور تیرا تے ہوئے اور تیرا تے ہوئے اس حد پر سے گزرتے تھے ۱۴ سنہ سلطان شاہرخ میرزا ابن صاحبقران امیر تیمور گورگان کا بڑا بیٹا اور سرقند کا پادشاہ تھا۔ یہ بادشاہ نہایت عالم۔ فاضل اور مہذب تھا۔ اسکے وقت میں مذہبی تیار ہوئی تھی جس کو زیغ افغ بیگی کہتے ہیں۔ ۱۵ سنہ میں باپ کی طرف سے ماوراء النہر وغیرہ کا حاکم ہوا۔ ۱۶ سنہ میں اپنے باپ شاہرخ میرزا کے انتقال کے بعد متعلق بادشاہ ہوا ۱۲

تو ہینہ مہینہ میں دن تک آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مجلس میں ایک نشست رات دن برابر بیٹھا ہوا شراب پی کرتا تھا۔ جس زمانہ میں شراب چھوڑ دیتا تھا اُس زمانہ میں فحشی چیزوں کا استعمال کرتا تھا۔ اُس کی طبیعت کیفی ہو گئی تھی۔ کم سخن اور مرد آدمی تھا۔ اپنے امرا کی سٹھی میں تھا۔

اسکی لڑائیاں وہ چار لڑائیاں لڑا۔ ایک دفعہ نعمت ارغون کے چھوٹے بھائی شیخ جمال ارغون سے مقام آقارینہ نواح رآمین میں لڑا کہ اُس پر غالب ہوا۔ دوسری دفعہ عمر شیخ میرزا سے مقام خواص میں معرکہ آرا ہوا۔ اور فتح پائی۔ تیسری دفعہ تاشکند کی نواح میں دریائے جرجی کے کنارے پر سلطان محمود خاں سے مٹ بھڑ ہوئی۔ باہم لڑائی تو ہوئی نہیں۔ صرف چند گھیرے مغلوں نے لشکر کے پیچھے سے آکر بہر پر ہاتھ ہی ڈالا تھا کہ اتنا بڑا لشکر جڑا رہے لڑے بھڑے اور ایک دوسرے سے بغیر مقابلہ کیے ایسا بھاگ نکلا کہ کسی نے کسی کو دیکھا تک نہیں۔ اور بہت سے سپاہی دریا میں ڈوب گئے۔ چوتھی دفعہ حیدر کوکلتاش پر یارایلاق کے میدان میں فتح حاصل کی۔

حاکم مقبوضہ ملک سمرقند اور بخارا جو اسکے باپ نے دیا تھا وہ اُس کے پاس تھا جب عبد القدوس نے شیخ جمال کو قتل کیا تو تاشکند شاہر خبیہ اور سیرام لے لیا تھا۔ آخر میں تاشکند اور سیرام اپنے چھوٹے بھائی عمر شیخ میرزا کو دیدیا تھا۔ کچھ دن فحشہ اور ابراہیم بھی سمرزا کے قبضہ میں رہے ہیں۔

اسکی اولاد میرزا کے ہاں دو بیٹے ہوئے تھے جو طفولیت ہی میں مر گئے۔ باقی بیٹیاں تھیں۔ چاہن بیکم سے ہوئیں جن میں سب سے بڑی رابعہ سلطان بیگم تھی جس کو قراقرز بیگم بھی کہتے تھے۔ اس کی شادی اپنی زندگی میں سلطان محمود خاں سے کر دی تھی۔ خان سے اُس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بابا خان تھا۔ یہ بچہ نہایت ہونہار اور خوبصورت تھا جب ازربکوں نے خان کو خجند میں شہید کیا تو اُس بچہ کو اور اور پچوں کو بھی مار ڈالا۔ سلطان محمود خاں کے بعد رابعہ سلطان بیگم سے جانی بیگ سلطان نے نکاح کر لیا۔ دوسری بیٹی صاحبہ سلطان بیگم عرو آق بیگم تھی۔ اس لڑکی کی شادی سلطان احمد میرزا کے بعد سلطان محمود میرزا نے اپنے بیٹے سلطان مسعود میرزا کے ساتھ بڑی دھوم سے کی تھی۔ آخر میں وہ شاہ بیگم اور مہر نگار خانم کے رقیقہ

۱۵ وہ میدان جس میں دریا بہتا ہے ۱۲ راسن یا زامن اور اتیبہ کے ضلع میں واقع ہے ۱۲ ۱۵ یہ مقام اور اتیبہ اور تاشکند کے مابین میں ہے ۱۲ ۱۵ تاشکند شاہر خبیہ اور سیرام کے درمیان میں ہے ۱۲ ۱۵ قراقرز بیگم۔ قتل بیگم ۱۳ ۱۵ یعنی حسینہ بیگم

کا شعر میں گرفتار ہو گئی۔ تیسری بیٹی عائشہ سلطان بیگم تھی۔ میں پانچ برس کا تھا جو سمرقند گیا ہاں اُس سے میری منگنی ہو گئی۔ اس کے بعد لڑائی جھگڑوں کے زمانہ میں جب وہ خجند میں آئی تو میں نے اُس سے شادی کر لی۔ جب میں نے دوسری دفعہ سمرقند فتح کیا تو اُس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی۔ جو چند دن کے بعد اُتر گئی۔ وہ تاشکند کی ویرانی سے پہلے اپنی بڑی بہن کے بہکانے سے مجھ سے علیحدہ ہو گئی تھی۔ میرزا کی چوتھی بیٹی سلطانم بیگم تھی۔ اس کی شادی پہلے علی میرزا سے ہوئی۔ پھر علی میرزا کے بعد تیمور سلطان سے اُس کا نکاح ہو گیا۔ تیمور سلطان کے بعد محمد سلطان نے اُس سے نکاح کر لیا۔ سب سے چھوٹی میرزا کی پانچویں بیٹی معصومہ سلطان بیگم تھی۔ اس کی ماں حبیبہ سلطان بیگم سلطان ارغون کی بھتیجی قوم ارغون سے تھی جس زمانے میں میں خراسان گیا تو وہاں اُس سے ملا۔ میں نے اُس کو پسند کیا اور شادی کا پیغام دیا۔ پھر کابل میں لا کر اُس سے نکاح کر لیا۔ اُس کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ زچگی کی بیماری سے اُس کا انتقال ہو گیا۔ اس لڑکی ہی سے اُس کا نام باقی رہا۔

بیویاں اور حمیں اُس کی بیویوں میں سے پہلی بیوی مہر نگار خانم یونس خاں کی بیٹی تھی۔ جس سے سلطان ابو سعید میرزا کے وقت میں بات ٹھہری تھی۔ میری

والدہ کی وہ سگی بہن تھی۔ دوسری بیوی ترخانوں میں سے تھی۔ اس کا نام ترخاناں بیگم تھا۔ تیسری قلیق بیگم تھی جو انہی ترخاناں بیگم کی کوکہ تھی۔ اور جس کو سلطان احمد میرزا نے عاشقی سے گھر میں ڈالا تھا۔ میرزا اس کو بہت ہی چاہتے تھے۔ اور یہ اُن پر بڑی حاوی تھی۔ شراب بھی پیتی تھی۔ اس کی زندگی میں میرزا نے دوسری عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ آخر اس کو میرزا نے قتل کر ڈالا اور بدنامی سے چھٹکارا پایا۔ چوتھی خانزادہ بیگم ترمد کے خانزادوں میں سے تھی۔ جس زمانہ میں کہ میری پانچ برس کی عمر تھی اور میں سلطان احمد میرزا کے پاس سمرقند گیا تھا تو اُس زمانہ میں میرزا نے اُس سے نکاح کیا تھا۔ ترکوں کی رسم کے موافق اُس کا گھونگٹ نہ اٹھا تھا۔ میرزا نے مجھ سے فرمایا کہ تم گھونگٹ اٹھاؤ۔ پانچویں بیوی احمد جاچی بیگ کی نواسی تھی اظیف بیگم نام۔

لے پچھلے زمانہ میں مغلوں اور ترکوں کی سرکاریں ترخان ایک عہدہ تھا پھر حضرت بابر بادشاہ کو وقت میں وہ مخصوص زمان ہو گیا تھا۔ قیام خان سے کوئی خدمت نہ لی جاتی تھی۔ اُس کو اتنی نوٹ معاف تھی کہ شاہی حصہ بھی اُس کی لٹ میں سے نہ لیا جاتا تھا۔ وہ بادشاہ کی حضور میں بے اجازت چلا جاتا تھا اور حضور شاہی میں اُس کو اجازت تھی کہ جو چاہے عرض کرے۔ کچھ ہی جرم کیوں نہ ہو دفعہ تک تو معاف ہو جاتے تھے۔ ۱۲ ترکوں میں گھونگٹ کی قدیم رسم ہے یہ گھونگٹ بہت دن تک ہر رشتہ دار کے سامنے پڑا رہتا ہے۔ بہت دن کے بعد رشتہ داروں میں کسی بچے سے کہتے ہیں کہ اس کا گھونگٹ اٹھا کر بھاگ جا۔ وہ بچہ یہی کرتا ہے۔ گھونگٹ اٹھانے والے بچے کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی شادی جلد ہوگی ۱۲ سالہ احمد جان بیگ ۱۲

میرزا کے مرنے کے بعد اُس نے حمزہ سلطان سے نکاح کر لیا تھا۔ حمزہ سلطان کے ہاں اُس سے تین بچے ہوئے۔ جس زمانے میں کہ میں نے تیمور سلطان اور حمزہ سلطان کو شکست دیکر حصار چھین لیا ہے تو یہ اور اور سلطان زادے گرفتار ہو گئے تھے۔ میں نے سب کو چھوڑ دیا تھا چھٹی بیوی حبیبہ سلطان بیگم سلطان ارغون کی بھتیجی تھی۔

امراء اُن کے امراء میں سے ایک جانی بیگ دولدائی سلطان ملک کا شغری کا چھوٹا بھائی تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا نے سمرقند کی حکومت کے ساتھ سلطان احمد میرزا کی سرکار کا اُس کو مختار بھی کیا تھا۔ اُس کے اخلاق و اطوار عجیب قسم کے تھے۔ لوگ اُس کی عجیب عجیب نقلیں بیان کرتے ہیں۔ ایک اُن میں سے یہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ حاکم سمرقند تھا تو اُنک کا ایک ایلیچی آیا۔ جو اُنکوں میں پہلوان مشہور تھا۔ اُنک لوگ طاقت دار اور پہلوان کو بوغا کہا کرتے ہیں۔ جاتی بیگ نے اُس سے پوچھا: ”کیا تجھے بوغا کہتے ہیں؟ اگر تو بوغا ہے تو آ! میں تجھ سے ایک زور کروں۔“ اس ایلیچی نے ہر چند عذر کیا مگر جانی بیگ اُس سے لپٹ ہی گیا۔ اور اُس کو دے مارا۔ جانی بیگ آدمی بہادر تھا۔ دوسرا احمد حاجی بیگ تھا جو ملک کا شغری کا بیٹا تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا نے کئی دفعہ اُس کو ہری کا حاکم کیا تھا۔ اُس کے چچا جانی بیگ کے مرنے کے بعد اُس کو جانی بیگ کی جگہ سمرقند کا حاکم مقرر کر دیا۔ خوش طبع اور بہادر آدمی تھا۔ اُس کا تخلص وفائی تھا۔ اور وہ صاحب دیوان بھی تھا۔ شعر اچھا کہتا تھا۔ اُس کا شعر ہے ۵

ستم اے محتسب امروز من دست بردا احتسابم بکن آن روز کربانی ہر شب
احمد حاجی بیگ جس زمانہ میں ہری سے سمرقند میں آیا تھا تو میر علی شیر نوائی اُس کے ہمراہ تھا۔ پھر جب سلطان حسین میرزا ہری کا پادشاہ ہوا تو علی شیر ہری میں آگیا اور وہاں اُسکی بہت رعایت ہوئی۔ احمد حاجی بیگ کے پاس اچھے اچھے تپچاں رہتے تھے اور وہ اچھا سوار تھا۔ اکثر اُسکے تپچاں اُسی کے خانہ زاد ہوتے تھے۔ اگرچہ بہادر آدمی تھا مگر اُسکی بہادری کے لائق اُسکا عروج نہیں ہوا۔ وہ ایک بے پروا شخص تھا۔ اُسکے سب کاروبار نوکروں چاکروں کے ہاتھ پر تھے۔ جس وقت بانشیر میرزا اور سلطان علی میرزا میں بخارا کے مقام پر لڑائی ہوئی ہے اور بانشیر میرزا مغلوب ہوا تو احمد حاجی بیگ پکڑا گیا اور درویش محمد ترخان کے قتل کے اتہام میں بے عزتی کے ساتھ قتل ہوا۔ ایک درویش محمد ترخان تھا۔ اور ابوغاز ترخان کا بیٹا۔ سلطان احمد میرزا اور سلطان محمود میرزا کا سگاموں۔ یہ سب میراں ہیں

۱۱۵ ایک نسخہ میں حمزہ سلطان لکھا ہے۔ غالباً یہ اُس کی غلطی ہو ۱۲۵۰ جان لیڈن اس فقرے کی جگہ یہ فقرہ (سلطان ابوسعید میرزا نے اُسکو سمرقند کی حکومت دی جہاں وہ کئی برس تک حاکم رہا) لکھا ہے ۱۲۵۰ یہ ایک قسم کا گھوڑا ہے جو بہت چالاک اور گول بدن کا ہوتا ہے۔ اس کو ایک خاص قدم سکھایا جاتا ہے ۱۲

سربراہ و درہ اور میرزا کا بڑا معتد علیہ تھا۔ دیندار اور فقیر صفت آدمی تھا۔ ہمیشہ قرآن شریف لکھا کرتا تھا۔ شطرنج بہت کھیلتا تھا۔ اور اچھی کھیلتا تھا۔ شکاری جانور پالنے کا اُس کو بڑا ملکہ تھا۔ اور شکار پر جانور کو خوب پھینکتا تھا۔ سلطان علی میرزا اور بایکستغیر میرزا کے جھگڑے میں جبکہ یہ متغیر تھا ایک بدنامی کے ساتھ مارا گیا۔ ایک عبدالعلی ترخان تھا۔ درویش محمد ترخان کا قریب کا رشتہ دار۔ درویش محمد ترخان کی چھوٹی بہن اُس کے ساتھ منسوب بھی تھی جو باقی ترخان کی ماں تھی۔ اگرچہ درویش محمد ترخان منزلت خاندانی کے علاوہ مرتبہ و امارت وغیرہ میں بھی اُس سے بہت زیادہ تھا مگر یہ فرعون کے سامان اُسکی کچھ اصل نہ سمجھتا تھا۔ یہ اکثر حاکم بخارا رہا ہے۔ اس کے ملازموں کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی تھی وہ اپنے نوکروں کو اچھی طرح اور ذوق و برق رکھتا تھا۔ اُس کی واقفیت عقل۔ عدالتی کارروائی۔ دربار۔ جلوس۔ شیلان۔ مجلس بالکل شاہانہ تھی۔ وہ ظالم۔ ضابط۔ فاسق اور دماغ آدمی تھا۔ شیبانی خاں کو اُس کا ذکر نہ تھا مگر وہ تو اُس کی خدمت میں رہا ہے۔ خود چھوٹے چھوٹے سلطان اکثر اُس کے ملازم رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ شیبانی خاں کی سلاسی ترقی حاصل کرنے اور تمام خاندانوں کے برباد ہونے کا باعث عبدالعلی ترخان ہی ہوا ہے۔ ایک سید یوسف (وغلاچی تھا) اُس کا دادا مغستان سے آیا تھا۔ آٹھ بیگ میرزا نے اُس کے باپ کے ساتھ بہت کچھ سلوک کیا تھا وہ بڑا مدبر اور بہادر آدمی تھا۔ قبوڑ اچھا بجاتا تھا۔ جب میں پہلے پہل کابل میں آیا ہوں تو وہ میرے ساتھ تھا۔ میں نے بھی اُس کے ساتھ بہت سی رعایتیں کی تھیں۔ وہ تھا بھی اسی لائق۔ جب میں نے پہلے سال ہندوستان پر فوج کشی کی تھی تو سید یوسف ہی کو کابل میں چھوڑا تھا۔ وہیں وہ فوت ہوا۔ اور ایک درویش بیگ ایکو تیمور بیگ کی نسل سے تھا۔ ایکو تیمور بیگ امیر تیمور کے بنائے ہوئے سرداروں میں سے تھا وہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا۔ علم موسیقی سے واقف تھا۔ ساز بھی بجاتا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ جس زمانہ میں کہ سلطان احمد میرزا نے دریائے چرچق کے کنارے پر شکست کھائی ہے تو یہ وہیں دریا میں غرق ہو گیا تھا۔ ایک محمد مزید ترخان تھا۔ جو درویش محمد ترخان کا چھوٹا اور اُس کا سگا بھائی تھا۔ یہ کئی برس تک ترکستان کا حاکم رہا ہے۔ شیبانی خاں نے ترکستان اُسی سے چھینا ہے۔ اُس کی رائے اور تدبیر تو اچھی تھی مگر بیباک اور فاسق تھا۔ دوسری اور تیسری دفعہ جو میں نے سمرقند کو فتح کیا تو اسے پاس آ گیا تھا۔ میں نے بھی اُس کے ساتھ بہت سلوک کیا تھا۔ کوئل ملک کی لڑائی میں وہ مارا گیا۔ ایک باقی ترخان عبدالعلی ترخان کا بیٹا اور سلطان احمد میرزا کا چچا بھی زاد بھائی تھا۔ اُس کے باپ کے بعد اُسی کو تختہ راکا ملے شیلان ایک قسم کی دعوت ہے جو اپنے ماتحتوں کی کیجاتی ہے۔ اس میں اوسط درجہ کی قسم کا کھانا ہوتا ہے ۱۲

حاکم کیا تھا۔ سلطان علی میرزا کے زمانہ میں اس کا بہت عروج ہو گیا تھا۔ پانچ چھ ہزار آدمی اُس کے نوکر ہو گئے تھے۔ سلطان علی میرزا کا وہ کچھ ایسا تابعدار نہ تھا۔ شیبانی خاں سے قلعہ دہوسی میں لڑکر اُن سے شکست کھائی۔ اور اُسی شکست دینے سے شیبانی خاں نے بخارا پر قبضہ کر لیا۔ بانی ترخان کو شکاری جانوروں سے بہت شوق تھا۔ کہتے ہیں کہ سات شوشکاری جانور اُس کے پاس پہلے ہوئے تھے۔ اُس کے اخلاق و اطوار ایسے تھے جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ وہ امیرزادگی اور دولت میں سرور آور وہ ہو گیا تھا۔ اُس کے باپ نے جو شیبانی خاں کے ساتھ بہت سی بھلائیاں کی تھیں تو وہ شیبانی خاں کے پاس چلا گیا۔ مگر اُس ناحق شناس اور بے مروت نے اُن نیکیوں کے بدلے میں کچھ بھی رعایت و شفقت نہ کی۔ آخر بُری حالت اور ذلت کے ساتھ آخشی میں وہ مر گیا۔ ایک سلطان حسین ارغون تھا۔ چونکہ مدتوں قراکول کی حکومت اُس کے سپرد رہی تھی اس لیے سلطان حسین قراکول کی مشہور ہو گیا تھا۔ وہ بڑا صاحب الرائے اور عقلمند تھا۔ بہت دن تک سیر پاس رہا ہے۔ ایک قل محمد قوچین تھا۔ یہ بہادر آدمی تھا۔ ایک عبدالکریم اشرب ایغور تھا۔ یہ سلطان احمد میرزا کا داروغہ دیوانخانہ تھا۔ فیاض اور بہادر آدمی تھا۔

سلطان احمد میرزا کے انتقال کے بعد امراء نے اتفاق کر کے ایک قاصد پہاڑی راستہ سے سلطان محمود میرزا کے پاس بھیجا اور میرزا کو بلا دیا۔ یہاں یہ ہوا کہ ملک محمد میرزا (منوچہر میرزا کا بیٹا جو سلطان ابوسعید میرزا کا بڑا بھائی ہوتا تھا)

سلطان محمود میرزا کو امراء کا بلانا۔
ملک محمد میرزا کا باغی ہو کر ناکام ہونا۔
اور سلطان محمود میرزا کا بادشاہ ہونا۔

سلطنت کے خیال سے چند ہد معاشوں کو اپنے ہمراہ لیے ہوئے سمرقند میں آ گیا۔ مگر کچھ نہ کر سکا۔ بلکہ اپنے ساتھ اور چند بے گناہوں کے قتل کا باعث ہو گیا۔ سلطان محمود میرزا اس خبر کے سننے ہی سمرقند میں چلا آیا۔ اور بے کھٹکے تخت پر ہو بیٹھا۔ مگر سلطان محمود میرزا کی چند نالائق حرکتوں کے باعث سے ساری فوج و رعیت میرزا سے نفرت کرنے لگی۔ اور کنارہ کش ہونے لگی۔ ایک حرکت یہ تھی کہ ملک محمد میرزا کو جو اُس کے چچا کا بیٹا اور اُس کا داماد بھی تھا مع اور چار میرزاؤں کو گلوگ سر میں بھیجا۔ اُن میں سے دو کو تو زندہ رکھا اور ملک محمد میرزا کو مع ایک دوسرے میرزا کے قتل کر ڈالا۔

۱۲ھ آٹھ سو ۱۲۰۰ یوغور۔ اوغور تاتاریوں میں ایک مشہور فرقہ کا نام ہے۔ شاہزادگان تاتار کے ہاں انہی میں سے کارندے ہوتے تھے۔ ان لوگوں کی تحریر کے حروف عجیب طرح کے ہوتے تھے جو خط ایغوری کہتے تھے۔ سلطان ایغور خاں نے اس خط کو ایجاد کیا تھا۔ اسی سبب سے اس خط کا نام ایغوری تھا۔ ۱۲

اگرچہ ملک محمد میرزا کسی قدر مجرم تھا لیکن اور میرزا بے گناہ تھے۔ دوسری حرکت یہ تھی کہ جیسا خود ظالم اور فاسق تھا ویسے ہی اُس کے امراء اور نوکر سب کے سب ظالم اور فاسق تھے۔ حصار کے لوگ خصوصاً خسرو شاہ کے متعلق ہمیشہ شرا بخاری اور بدکاری میں مشغول رہتے تھے۔ یہاں نوبت پہنچی تھی کہ خسرو شاہ کے ایک نوکر نے کسی بھلے مانس کی بیوی کو چھین لیا تھا۔ اُس مظلوم نے جب خسرو شاہ سے فریاد کی تو خسرو شاہ نے جواب دیا کہ اتنی مدت تیرے پاس رہی اب کچھ دن تک اس کے پاس رہنے دے۔ اگرچہ اُس کا انتظام اور توزک اچھا تھا۔ مال کا کام بھی وہ جانتا تھا۔ اور علم سیاق سے بھی وہ واقف تھا۔ لیکن اُس کی طبیعت ظلم اور فسق کی طرف بہت مائل تھی۔ سمرقند میں آتے ہی اُس نے انتظام اور تحصیل کی اور ہی بنا ڈالی۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے متعلقوں کے ساتھ ظلم اور سختی کرنے لگا۔ اس سے پہلے بہتیرے فقراء اور ساکین اُنکی حمایت و سفارش سے بچ بچ جاتے تھے۔ اب خود اُن پر تکلیفیں گزرنے لگیں۔ اور زیادتیاں ہونے لگیں۔ چونکہ رعایا اور اہل بازار یہاں تک کہ نرک اور سپاہیوں کے بچوں کو پکڑ کر چہرہ بنانے کے لیے لیجاتے تھے۔ اس لیے ڈر کے مارے لوگ گھر سے باہر نہ نکلتے تھے۔ اہل سمرقند پچیس برس سے سلطان احمد میرزا کے سایہ عاطفت میں آسودگی کے ساتھ گزر کر رہے تھے۔ اور اُن کے اکثر معاملے حضرت خواجہ کے سبب سے شرع و انصاف کے موافق فیصلہ ہوتے تھے۔ اب یہ لوگ ان ظلموں اور بدکاریوں سے عاجز آگئے۔ اور رنجیدہ ہو گئے۔ وضع۔ شریف۔ فقیر اور کین بڑا بھلا کہنے لگے اور بد عایس دینے لگے۔

حذر کن زد و درو نہائے ریش کہ ریش درو عاقبت سر کند
بہم بر مکن تا توانی دے کہ آہے جہانے بہم بر کند
آخر اس ظلم اور بدکاری کے طفیل پانچ چھ مہینے سے زیادہ سلطان محمود میرزا کی حکومت سمرقند میں نہ رہی۔

سہ ہجری کے واقعات

حسن یعقوب کا باغی اسی سال میں سلطان محمود میرزا کے پاس سے عبد القدوس بیگ نامی ایلچی آیا۔ اور سلطان محمود میرزا نے اپنے بڑے بیٹے سلطان مسعود میرزا کی شادی اپنے بڑے بھائی سلطان احمد میرزا کی دوسری بیٹی سے کی تھی۔ اُسکی شادی کا حصہ لایا۔ اس شادی میں سواد چاندی کو

لے قاعدہ۔ قانون ۱۲ھ غلام یا معشوق ۱۲ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۲۹۹ھ ۱۲۶۰ھ جان لین کے ترجمہ میں (دوسری بیٹی) کو لکھا ہے

پستے اور بادام تقسیم ہوئے تھے۔ اس ایچی نے ظاہر میں تو اپنے ایچی بنکر آنے کی غرض حسن یعقوب کی رشتہ داری بیان کی۔ مگر درحقیقت وہ دلفریب وعدے دیکر حسن یعقوب کو ملانے آیا تھا۔ حسن نے بھی اُسکو نرم ہی جواب دیے۔ بلکہ اُسی طرف ہو گیا۔ شادی کی مبارکباد وغیرہ کی سہیں ادا کرنے کے بعد قاصد کو رخصت کیا۔ پانچ چھ مہینے کے بعد حسن یعقوب کا رنگ پلٹنے لگا۔ میرے مقربوں کے ساتھ لگا بدسلوکیاں کرنے۔ اور یہاں تک بندوبست کر لیا کہ مجھ کو چھو چھو بتا کے جہانگیر میزرا کو بادشاہ کر دے۔ چونکہ حسن یعقوب کے برتاوے تمام امراء اور فوج کے ساتھ اچھے نہ تھے اس لیے اُس کے اُس منصوبہ سے جو سب واقف ہو گئے تو خواجہ قاضی - قاسم قوچین علی دوست طغانی - اوزون حسن اور اور دو لختواہ میری نانی ایسن دولت بیگم کے پاس حاضر ہوئے۔ مشورہ کر کے یہ بات قرار دی کہ حسن یعقوب کو معزول کرنا چاہیے۔ اُس کی معزولی سے فتنہ و فساد فرو ہو جائیگا۔ میری نانی ایسن دولت بیگم ایسی صاحب رائے اور تدبیر تھیں کہ عورتوں میں کم ہوتی ہیں وہ بڑی دور اندیش اور عقلمند تھیں۔ اکثر کام انہی کے مشورے سے ہوتے تھے حسن یعقوب ارگ میں تھا۔ میری نانی صاحبہ قلندر سنگین میں چافار میں تھیں۔ یہاں سے میں اسی قصد سے ارگ کی طرف روانہ ہوا جس نے یعقوب شکار کھیلنے گیا ہوا تھا۔ میری خبر سننے ہی اُدھر کا اُدھر سمرقند کی طرف چل دیا۔ جو سردار وغیرہ اُس سے ملے ہوئے تھے اُن کو گرفتار کر لیا۔ ان میں محمد باقر بیگ اور سلطان محمود دولدائی (سلطان محمد دولدائی کا باپ) وغیرہ تھے۔ ان میں سے بعض کو میں نے سمرقند کی طرف رخصت کر دیا۔ اب حکومت اندجان اور عہدہ مدارالمہامی پر قاسم قوچین مقرر ہوا۔ حسن یعقوب سمرقند جانے کے ارادے سے کند بادام تک گیا تھا کہ چند روز کے بعد فتنہ و فساد برپا کرنے کے خیال سے آخشی کا قصد کر کے خوقان اور آخشی کی نواح میں آ گیا۔ یہ خبر سننے ہی کچھ سرداروں کو مع فوج کے دفعۃً حملہ کرنے کے لیے اُس کی طرف روانہ کیا۔ ان سرداروں نے کچھ فوج قراول کے لیے مقرر کر دی تھی حسن یعقوب نے سننے ہی راتوں رات اُس فوج پر جو قراول تھی اور اصل فوج سے جدا تھی شبخون مارا۔ ان کی فرو دگاہ کو گھیر لیا۔ اور تیر برسائے شروع کیے۔ لیکن اندھیری رات میں خود اُسی کے ایک سپاہی کا ایک تیر اُس کی پشت میں لگا۔ اور بھاگنے سے پہلے اُس نے اپنے کیے کی سزا پائی۔

۱۲۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ فقرہ یوں ہے (قلندر سنگین میں تھے۔ مطبوعہ نسخہ میں بجائے چافار قاپار ہے ۱۲۔ سلطان محمد ۱۲۔ سلطان محمود ۱۲۔ اس کو عربی کے جغزانیہ میں خود کند لکھا ہے۔ اور اب اسکو کوکان کہتے ہیں۔ یہ مقام خجند اور آخشی کے راستہ میں ہے ۱۲۔ قراول وہ دستہ فوج جو لشکر کے آگے ہو۔ دشمن کے نوادر ہونیکے خبر دے اور رزگاہ مقرر کرے قراول بندوں شکار کھیلنے والیکو بھی کہتے ہیں جو اس زمانہ میں قول کہلاتا ہے ۱۲۔

چو بد کردی مباحث این ز آفات کہ واجب شد طبیعت را مکافات
ترجمہ - اپنی بدکاری کی شامت سے نہ بچو ہو تو یہ کہ تجھے اس کی مکافات بھگتنی ہو گی۔
انتقا اختیار کرنا | اسی سال میں میں نے اُس کھانے سے جو شتبہ ہو پرہیز اختیار کیا۔ یہاں تک
کہ چھری - چچے اور دسترخوان کی بھی احتیاط ہو گئی۔ اور نماز تہجد بھی بہت کم
قضا ہوتی تھی۔

ماہ ربیع الثانی میں سلطان محمود میرزا سخت بیمار ہوا اور چھ
دن میں مر گیا۔ اُس کی عمر تینتالیس برس کی تھی۔ ۵۸۵ھ میں
پیدا ہوا تھا۔ ابوسعید میرزا کا یہ تیسرا بیٹا تھا۔ یہ اور سلطان احمد میرزا ایک ماں کے پیٹ سے تھے۔

صورت - سیرت | میرزا کا حلیہ یہ تھا۔ ٹھنکنا قد۔ چُلی ڈاڑھی۔ بدن فرہ - اخلاق و اطوار
کی کیفیت یہ تھی کہ نماز ترک نہ کرتا تھا۔ انتظام اور ہر بات کا قاعدہ

بہت درست تھا۔ وہ علم سیاق خوب جانتا تھا۔ اُس کی قلم و کا ایک پیسہ اُس کی اطلاع کے بغیر خفی
نہ ہوتا تھا۔ اُس کے نوکروں کی تنخواہ ایک دن نہ چڑھتی تھی۔ اُسکی بزم - داد و دہش - دربار اور
دعوتوں کے قاعدے نہایت عمدہ تھے۔ جو قاعدہ ایک بار مقرر کر دیا گیا۔ کیا مجال کہ اُس سے کوئی
شخص یا کوئی سپاہی تجاوز کر سکے۔ اُس کا لباس پر تکلف اور اُس زمانہ کی وضع کے موافق ہوتا تھا۔ ابتداً
میں باز سے بہت شکار کھیلا کرتا تھا۔ پھر بھلے جانور کے شکار کا شوق ہو گیا تھا۔ آخر میں ظلم و فسق بہت
کرنے لگا تھا۔ رات دن شراب کا گلاس منہ سے لگا رہتا تھا۔ بیسیوں خوبصورت غلام پاس رکھا کرتا تھا
اُس کے ملک میں جہاں کہیں کوئی امر و خوبصورت نظر آتا اُس کو ہر طرح پکڑ کر لونڈوں میں داخل کر لیتا
تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچتی تھی کہ اپنے امراء کے بچوں اور کوکے زادوں بلکہ کوکاؤں تک کو بھی ان میں غل
کر لیا کرتا۔ یہ نالائق رسم اُس کے زمانہ میں اتنی مروج ہو گئی تھی کہ کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کے پاس
لونڈا نہ ہو۔ بلکہ لونڈا نہ رکھنا معیوب تھا۔ انہی بد اعمالیوں کی شامت سے اُس کے سارے بچے
جوان ہی مرے۔ وہ شعر بھی کہا کرتا تھا۔ پورا دیوان مرتب کر لیا تھا۔ شعر تو بہت تھے۔ مگر بے مزہ
تھے۔ میرے نزدیک ایسے شعر کہنے سے نہ کہنا بہتر ہے۔ بد اعتقاد آدمی تھا۔ حضرت خواجہ عبید اللہ کی
حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ دل کا اچھا نہ تھا۔ مزاج میں جیا بہت کم تھی۔ لچکے اور مسخرے اُس کے
ہم محبت تھے جو سردار اور علانیہ نالائق حرکتیں اور بیہودہ باتیں کیا کرتے تھے۔ بات اس بڑی طرح

۱۵۹۵ھ ۱۲۶۱ھ ۱۲۶۲ھ ۱۲۶۳ھ ۱۲۶۴ھ ۱۲۶۵ھ ۱۲۶۶ھ ۱۲۶۷ھ ۱۲۶۸ھ ۱۲۶۹ھ ۱۲۷۰ھ ۱۲۷۱ھ ۱۲۷۲ھ ۱۲۷۳ھ ۱۲۷۴ھ ۱۲۷۵ھ ۱۲۷۶ھ ۱۲۷۷ھ ۱۲۷۸ھ ۱۲۷۹ھ ۱۲۸۰ھ ۱۲۸۱ھ ۱۲۸۲ھ ۱۲۸۳ھ ۱۲۸۴ھ ۱۲۸۵ھ ۱۲۸۶ھ ۱۲۸۷ھ ۱۲۸۸ھ ۱۲۸۹ھ ۱۲۹۰ھ ۱۲۹۱ھ ۱۲۹۲ھ ۱۲۹۳ھ ۱۲۹۴ھ ۱۲۹۵ھ ۱۲۹۶ھ ۱۲۹۷ھ ۱۲۹۸ھ ۱۲۹۹ھ ۱۳۰۰ھ ۱۳۰۱ھ ۱۳۰۲ھ ۱۳۰۳ھ ۱۳۰۴ھ ۱۳۰۵ھ ۱۳۰۶ھ ۱۳۰۷ھ ۱۳۰۸ھ ۱۳۰۹ھ ۱۳۱۰ھ ۱۳۱۱ھ ۱۳۱۲ھ ۱۳۱۳ھ ۱۳۱۴ھ ۱۳۱۵ھ ۱۳۱۶ھ ۱۳۱۷ھ ۱۳۱۸ھ ۱۳۱۹ھ ۱۳۲۰ھ ۱۳۲۱ھ ۱۳۲۲ھ ۱۳۲۳ھ ۱۳۲۴ھ ۱۳۲۵ھ ۱۳۲۶ھ ۱۳۲۷ھ ۱۳۲۸ھ ۱۳۲۹ھ ۱۳۳۰ھ ۱۳۳۱ھ ۱۳۳۲ھ ۱۳۳۳ھ ۱۳۳۴ھ ۱۳۳۵ھ ۱۳۳۶ھ ۱۳۳۷ھ ۱۳۳۸ھ ۱۳۳۹ھ ۱۳۴۰ھ ۱۳۴۱ھ ۱۳۴۲ھ ۱۳۴۳ھ ۱۳۴۴ھ ۱۳۴۵ھ ۱۳۴۶ھ ۱۳۴۷ھ ۱۳۴۸ھ ۱۳۴۹ھ ۱۳۵۰ھ ۱۳۵۱ھ ۱۳۵۲ھ ۱۳۵۳ھ ۱۳۵۴ھ ۱۳۵۵ھ ۱۳۵۶ھ ۱۳۵۷ھ ۱۳۵۸ھ ۱۳۵۹ھ ۱۳۶۰ھ ۱۳۶۱ھ ۱۳۶۲ھ ۱۳۶۳ھ ۱۳۶۴ھ ۱۳۶۵ھ ۱۳۶۶ھ ۱۳۶۷ھ ۱۳۶۸ھ ۱۳۶۹ھ ۱۳۷۰ھ ۱۳۷۱ھ ۱۳۷۲ھ ۱۳۷۳ھ ۱۳۷۴ھ ۱۳۷۵ھ ۱۳۷۶ھ ۱۳۷۷ھ ۱۳۷۸ھ ۱۳۷۹ھ ۱۳۸۰ھ ۱۳۸۱ھ ۱۳۸۲ھ ۱۳۸۳ھ ۱۳۸۴ھ ۱۳۸۵ھ ۱۳۸۶ھ ۱۳۸۷ھ ۱۳۸۸ھ ۱۳۸۹ھ ۱۳۹۰ھ ۱۳۹۱ھ ۱۳۹۲ھ ۱۳۹۳ھ ۱۳۹۴ھ ۱۳۹۵ھ ۱۳۹۶ھ ۱۳۹۷ھ ۱۳۹۸ھ ۱۳۹۹ھ ۱۴۰۰ھ ۱۴۰۱ھ ۱۴۰۲ھ ۱۴۰۳ھ ۱۴۰۴ھ ۱۴۰۵ھ ۱۴۰۶ھ ۱۴۰۷ھ ۱۴۰۸ھ ۱۴۰۹ھ ۱۴۱۰ھ ۱۴۱۱ھ ۱۴۱۲ھ ۱۴۱۳ھ ۱۴۱۴ھ ۱۴۱۵ھ ۱۴۱۶ھ ۱۴۱۷ھ ۱۴۱۸ھ ۱۴۱۹ھ ۱۴۲۰ھ ۱۴۲۱ھ ۱۴۲۲ھ ۱۴۲۳ھ ۱۴۲۴ھ ۱۴۲۵ھ ۱۴۲۶ھ ۱۴۲۷ھ ۱۴۲۸ھ ۱۴۲۹ھ ۱۴۳۰ھ ۱۴۳۱ھ ۱۴۳۲ھ ۱۴۳۳ھ ۱۴۳۴ھ ۱۴۳۵ھ ۱۴۳۶ھ ۱۴۳۷ھ ۱۴۳۸ھ ۱۴۳۹ھ ۱۴۴۰ھ ۱۴۴۱ھ ۱۴۴۲ھ ۱۴۴۳ھ ۱۴۴۴ھ ۱۴۴۵ھ ۱۴۴۶ھ ۱۴۴۷ھ ۱۴۴۸ھ ۱۴۴۹ھ ۱۴۵۰ھ ۱۴۵۱ھ ۱۴۵۲ھ ۱۴۵۳ھ ۱۴۵۴ھ ۱۴۵۵ھ ۱۴۵۶ھ ۱۴۵۷ھ ۱۴۵۸ھ ۱۴۵۹ھ ۱۴۶۰ھ ۱۴۶۱ھ ۱۴۶۲ھ ۱۴۶۳ھ ۱۴۶۴ھ ۱۴۶۵ھ ۱۴۶۶ھ ۱۴۶۷ھ ۱۴۶۸ھ ۱۴۶۹ھ ۱۴۷۰ھ ۱۴۷۱ھ ۱۴۷۲ھ ۱۴۷۳ھ ۱۴۷۴ھ ۱۴۷۵ھ ۱۴۷۶ھ ۱۴۷۷ھ ۱۴۷۸ھ ۱۴۷۹ھ ۱۴۸۰ھ ۱۴۸۱ھ ۱۴۸۲ھ ۱۴۸۳ھ ۱۴۸۴ھ ۱۴۸۵ھ ۱۴۸۶ھ ۱۴۸۷ھ ۱۴۸۸ھ ۱۴۸۹ھ ۱۴۹۰ھ ۱۴۹۱ھ ۱۴۹۲ھ ۱۴۹۳ھ ۱۴۹۴ھ ۱۴۹۵ھ ۱۴۹۶ھ ۱۴۹۷ھ ۱۴۹۸ھ ۱۴۹۹ھ ۱۵۰۰ھ ۱۵۰۱ھ ۱۵۰۲ھ ۱۵۰۳ھ ۱۵۰۴ھ ۱۵۰۵ھ ۱۵۰۶ھ ۱۵۰۷ھ ۱۵۰۸ھ ۱۵۰۹ھ ۱۵۱۰ھ ۱۵۱۱ھ ۱۵۱۲ھ ۱۵۱۳ھ ۱۵۱۴ھ ۱۵۱۵ھ ۱۵۱۶ھ ۱۵۱۷ھ ۱۵۱۸ھ ۱۵۱۹ھ ۱۵۲۰ھ ۱۵۲۱ھ ۱۵۲۲ھ ۱۵۲۳ھ ۱۵۲۴ھ ۱۵۲۵ھ ۱۵۲۶ھ ۱۵۲۷ھ ۱۵۲۸ھ ۱۵۲۹ھ ۱۵۳۰ھ ۱۵۳۱ھ ۱۵۳۲ھ ۱۵۳۳ھ ۱۵۳۴ھ ۱۵۳۵ھ ۱۵۳۶ھ ۱۵۳۷ھ ۱۵۳۸ھ ۱۵۳۹ھ ۱۵۴۰ھ ۱۵۴۱ھ ۱۵۴۲ھ ۱۵۴۳ھ ۱۵۴۴ھ ۱۵۴۵ھ ۱۵۴۶ھ ۱۵۴۷ھ ۱۵۴۸ھ ۱۵۴۹ھ ۱۵۵۰ھ ۱۵۵۱ھ ۱۵۵۲ھ ۱۵۵۳ھ ۱۵۵۴ھ ۱۵۵۵ھ ۱۵۵۶ھ ۱۵۵۷ھ ۱۵۵۸ھ ۱۵۵۹ھ ۱۵۶۰ھ ۱۵۶۱ھ ۱۵۶۲ھ ۱۵۶۳ھ ۱۵۶۴ھ ۱۵۶۵ھ ۱۵۶۶ھ ۱۵۶۷ھ ۱۵۶۸ھ ۱۵۶۹ھ ۱۵۷۰ھ ۱۵۷۱ھ ۱۵۷۲ھ ۱۵۷۳ھ ۱۵۷۴ھ ۱۵۷۵ھ ۱۵۷۶ھ ۱۵۷۷ھ ۱۵۷۸ھ ۱۵۷۹ھ ۱۵۸۰ھ ۱۵۸۱ھ ۱۵۸۲ھ ۱۵۸۳ھ ۱۵۸۴ھ ۱۵۸۵ھ ۱۵۸۶ھ ۱۵۸۷ھ ۱۵۸۸ھ ۱۵۸۹ھ ۱۵۹۰ھ ۱۵۹۱ھ ۱۵۹۲ھ ۱۵۹۳ھ ۱۵۹۴ھ ۱۵۹۵ھ ۱۵۹۶ھ ۱۵۹۷ھ ۱۵۹۸ھ ۱۵۹۹ھ ۱۶۰۰ھ ۱۶۰۱ھ ۱۶۰۲ھ ۱۶۰۳ھ ۱۶۰۴ھ ۱۶۰۵ھ ۱۶۰۶ھ ۱۶۰۷ھ ۱۶۰۸ھ ۱۶۰۹ھ ۱۶۱۰ھ ۱۶۱۱ھ ۱۶۱۲ھ ۱۶۱۳ھ ۱۶۱۴ھ ۱۶۱۵ھ ۱۶۱۶ھ ۱۶۱۷ھ ۱۶۱۸ھ ۱۶۱۹ھ ۱۶۲۰ھ ۱۶۲۱ھ ۱۶۲۲ھ ۱۶۲۳ھ ۱۶۲۴ھ ۱۶۲۵ھ ۱۶۲۶ھ ۱۶۲۷ھ ۱۶۲۸ھ ۱۶۲۹ھ ۱۶۳۰ھ ۱۶۳۱ھ ۱۶۳۲ھ ۱۶۳۳ھ ۱۶۳۴ھ ۱۶۳۵ھ ۱۶۳۶ھ ۱۶۳۷ھ ۱۶۳۸ھ ۱۶۳۹ھ ۱۶۴۰ھ ۱۶۴۱ھ ۱۶۴۲ھ ۱۶۴۳ھ ۱۶۴۴ھ ۱۶۴۵ھ ۱۶۴۶ھ ۱۶۴۷ھ ۱۶۴۸ھ ۱۶۴۹ھ ۱۶۵۰ھ ۱۶۵۱ھ ۱۶۵۲ھ ۱۶۵۳ھ ۱۶۵۴ھ ۱۶۵۵ھ ۱۶۵۶ھ ۱۶۵۷ھ ۱۶۵۸ھ ۱۶۵۹ھ ۱۶۶۰ھ ۱۶۶۱ھ ۱۶۶۲ھ ۱۶۶۳ھ ۱۶۶۴ھ ۱۶۶۵ھ ۱۶۶۶ھ ۱۶۶۷ھ ۱۶۶۸ھ ۱۶۶۹ھ ۱۶۷۰ھ ۱۶۷۱ھ ۱۶۷۲ھ ۱۶۷۳ھ ۱۶۷۴ھ ۱۶۷۵ھ ۱۶۷۶ھ ۱۶۷۷ھ ۱۶۷۸ھ ۱۶۷۹ھ ۱۶۸۰ھ ۱۶۸۱ھ ۱۶۸۲ھ ۱۶۸۳ھ ۱۶۸۴ھ ۱۶۸۵ھ ۱۶۸۶ھ ۱۶۸۷ھ ۱۶۸۸ھ ۱۶۸۹ھ ۱۶۹۰ھ ۱۶۹۱ھ ۱۶۹۲ھ ۱۶۹۳ھ ۱۶۹۴ھ ۱۶۹۵ھ ۱۶۹۶ھ ۱۶۹۷ھ ۱۶۹۸ھ ۱۶۹۹ھ ۱۷۰۰ھ ۱۷۰۱ھ ۱۷۰۲ھ ۱۷۰۳ھ ۱۷۰۴ھ ۱۷۰۵ھ ۱۷۰۶ھ ۱۷۰۷ھ ۱۷۰۸ھ ۱۷۰۹ھ ۱۷۱۰ھ ۱۷۱۱ھ ۱۷۱۲ھ ۱۷۱۳ھ ۱۷۱۴ھ ۱۷۱۵ھ ۱۷۱۶ھ ۱۷۱۷ھ ۱۷۱۸ھ ۱۷۱۹ھ ۱۷۲۰ھ ۱۷۲۱ھ ۱۷۲۲ھ ۱۷۲۳ھ ۱۷۲۴ھ ۱۷۲۵ھ ۱۷۲۶ھ ۱۷۲۷ھ ۱۷۲۸ھ ۱۷۲۹ھ ۱۷۳۰ھ ۱۷۳۱ھ ۱۷۳۲ھ ۱۷۳۳ھ ۱۷۳۴ھ ۱۷۳۵ھ ۱۷۳۶ھ ۱۷۳۷ھ ۱۷۳۸ھ ۱۷۳۹ھ ۱۷۴۰ھ ۱۷۴۱ھ ۱۷۴۲ھ ۱۷۴۳ھ ۱۷۴۴ھ ۱۷۴۵ھ ۱۷۴۶ھ ۱۷۴۷ھ ۱۷۴۸ھ ۱۷۴۹ھ ۱۷۵۰ھ ۱۷۵۱ھ ۱۷۵۲ھ ۱۷۵۳ھ ۱۷۵۴ھ ۱۷۵۵ھ ۱۷۵۶ھ ۱۷۵۷ھ ۱۷۵۸ھ ۱۷۵۹ھ ۱۷۶۰ھ ۱۷۶۱ھ ۱۷۶۲ھ ۱۷۶۳ھ ۱۷۶۴ھ ۱۷۶۵ھ ۱۷۶۶ھ ۱۷۶۷ھ ۱۷۶۸ھ ۱۷۶۹ھ ۱۷۷۰ھ ۱۷۷۱ھ ۱۷۷۲ھ ۱۷۷۳ھ ۱۷۷۴ھ ۱۷۷۵ھ ۱۷۷۶ھ ۱۷۷۷ھ ۱۷۷۸ھ ۱۷۷۹ھ ۱۷۸۰ھ ۱۷۸۱ھ ۱۷۸۲ھ ۱۷۸۳ھ ۱۷۸۴ھ ۱۷۸۵ھ ۱۷۸۶ھ ۱۷۸۷ھ ۱۷۸۸ھ ۱۷۸۹ھ ۱۷۹۰ھ ۱۷۹۱ھ ۱۷۹۲ھ ۱۷۹۳ھ ۱۷۹۴ھ ۱۷۹۵ھ ۱۷۹۶ھ ۱۷۹۷ھ ۱۷۹۸ھ ۱۷۹۹ھ ۱۸۰۰ھ ۱۸۰۱ھ ۱۸۰۲ھ ۱۸۰۳ھ ۱۸۰۴ھ ۱۸۰۵ھ ۱۸۰۶ھ ۱۸۰۷ھ ۱۸۰۸ھ ۱۸۰۹ھ ۱۸۱۰ھ ۱۸۱۱ھ ۱۸۱۲ھ ۱۸۱۳ھ ۱۸۱۴ھ ۱۸۱۵ھ ۱۸۱۶ھ ۱۸۱۷ھ ۱۸۱۸ھ ۱۸۱۹ھ ۱۸۲۰ھ ۱۸۲۱ھ ۱۸۲۲ھ ۱۸۲۳ھ ۱۸۲۴ھ ۱۸۲۵ھ ۱۸۲۶ھ ۱۸۲۷ھ ۱۸۲۸ھ ۱۸۲۹ھ ۱۸۳۰ھ ۱۸۳۱ھ ۱۸۳۲ھ ۱۸۳۳ھ ۱۸۳۴ھ ۱۸۳۵ھ ۱۸۳۶ھ ۱۸۳۷ھ ۱۸۳۸ھ ۱۸۳۹ھ ۱۸۴۰ھ ۱۸۴۱ھ ۱۸۴۲ھ ۱۸۴۳ھ ۱۸۴۴ھ ۱۸۴۵ھ ۱۸۴۶ھ ۱۸۴۷ھ ۱۸۴۸ھ ۱۸۴۹ھ ۱۸۵۰ھ ۱۸۵۱ھ ۱۸۵۲ھ ۱۸۵۳ھ ۱۸۵۴ھ ۱۸۵۵ھ ۱۸۵۶ھ ۱۸۵۷ھ ۱۸۵۸ھ ۱۸۵۹ھ ۱۸۶۰ھ ۱۸۶۱ھ ۱۸۶۲ھ ۱۸۶۳ھ ۱۸۶۴ھ ۱۸۶۵ھ ۱۸۶۶ھ ۱۸۶۷ھ ۱۸۶۸ھ ۱۸۶۹ھ ۱۸۷۰ھ ۱۸۷۱ھ ۱۸۷۲ھ ۱۸۷۳ھ ۱۸۷۴ھ ۱۸۷۵ھ ۱۸۷۶ھ ۱۸۷۷ھ ۱۸۷۸ھ ۱۸۷۹ھ ۱۸۸۰ھ ۱۸۸۱ھ ۱۸۸۲ھ ۱۸۸۳ھ ۱۸۸۴ھ ۱۸۸۵ھ ۱۸۸۶ھ ۱۸۸۷ھ ۱۸۸۸ھ ۱۸۸۹ھ ۱۸۹۰ھ ۱۸۹۱ھ ۱۸۹۲ھ ۱۸۹۳ھ ۱۸۹۴ھ ۱۸۹۵ھ ۱۸۹۶ھ ۱۸۹۷ھ ۱۸۹۸ھ ۱۸۹۹ھ ۱۹۰۰ھ ۱۹۰۱ھ ۱۹۰۲ھ ۱۹۰۳ھ ۱۹۰۴ھ ۱۹۰۵ھ ۱۹۰۶ھ ۱۹۰۷ھ ۱۹۰۸ھ ۱۹۰۹ھ ۱۹۱۰ھ ۱۹۱۱ھ ۱۹۱۲ھ ۱۹۱۳ھ ۱۹۱۴ھ ۱۹۱۵ھ ۱۹۱۶ھ ۱۹۱۷ھ ۱۹۱۸ھ ۱۹۱۹ھ ۱۹۲۰ھ ۱۹۲۱ھ ۱۹۲۲ھ ۱۹۲۳ھ ۱۹۲۴ھ ۱۹۲۵ھ ۱۹۲۶ھ ۱۹۲۷ھ ۱۹۲۸ھ ۱۹۲۹ھ ۱۹۳۰ھ ۱۹۳۱ھ ۱۹۳۲ھ ۱۹۳۳ھ ۱۹۳۴ھ ۱۹۳۵ھ ۱۹۳۶ھ ۱۹۳۷ھ ۱۹۳۸ھ ۱۹۳۹ھ ۱۹۴۰ھ ۱۹۴۱ھ ۱۹۴۲ھ ۱۹۴۳ھ ۱۹۴۴ھ ۱۹۴۵ھ ۱۹۴۶ھ ۱۹۴۷ھ ۱۹۴۸ھ ۱۹۴۹ھ ۱۹۵۰ھ ۱۹۵۱ھ ۱۹۵۲ھ ۱۹۵۳ھ ۱۹۵۴ھ ۱۹۵۵ھ ۱۹۵۶ھ ۱۹۵۷ھ ۱۹۵۸ھ ۱۹۵۹ھ ۱۹۶۰ھ ۱۹۶۱ھ ۱۹۶۲ھ ۱۹۶۳ھ ۱۹۶۴ھ ۱۹۶۵ھ ۱۹۶۶ھ ۱۹۶۷ھ ۱۹۶۸ھ ۱۹۶۹ھ ۱۹۷۰ھ ۱۹۷۱ھ ۱۹۷۲ھ ۱۹۷۳ھ ۱۹۷۴ھ ۱۹۷۵ھ ۱۹۷۶ھ ۱۹۷۷ھ ۱۹۷۸ھ ۱۹۷۹ھ ۱۹۸۰ھ ۱۹۸۱ھ ۱۹۸۲ھ ۱۹۸۳ھ ۱۹۸۴ھ ۱۹۸۵ھ ۱۹۸۶ھ ۱۹۸۷ھ ۱۹۸۸ھ ۱۹۸۹ھ ۱۹۹۰ھ ۱۹۹۱ھ ۱۹۹۲ھ ۱۹۹۳ھ ۱۹۹۴ھ ۱۹۹۵ھ ۱۹۹۶ھ ۱۹۹۷ھ ۱۹۹۸ھ ۱۹۹۹ھ ۲۰۰۰ھ ۲۰۰۱ھ ۲۰۰۲ھ ۲۰۰۳ھ ۲۰۰۴ھ ۲۰۰۵ھ ۲۰۰۶ھ ۲۰۰۷ھ ۲۰۰۸ھ ۲۰۰۹ھ ۲۰۱۰ھ ۲۰۱۱ھ ۲۰۱۲ھ ۲۰۱۳ھ ۲۰۱۴ھ ۲۰۱۵ھ ۲۰۱۶ھ ۲۰۱۷ھ ۲۰۱۸ھ ۲۰۱۹ھ ۲۰۲۰ھ ۲۰۲۱ھ ۲۰۲۲ھ ۲۰۲۳ھ ۲۰۲۴ھ ۲۰۲۵ھ ۲۰۲۶ھ ۲۰۲۷ھ ۲۰۲۸ھ ۲۰۲۹ھ ۲۰۳۰ھ ۲۰۳۱ھ ۲۰۳۲ھ ۲۰۳۳ھ ۲۰۳۴ھ ۲۰۳۵ھ ۲۰۳۶ھ ۲۰۳۷ھ ۲۰۳۸ھ ۲۰۳۹ھ ۲۰۴۰ھ ۲۰۴۱ھ ۲۰۴۲ھ ۲۰۴۳ھ ۲۰۴۴ھ ۲۰۴۵ھ ۲۰۴۶ھ ۲۰۴۷ھ ۲۰۴۸ھ ۲۰۴۹ھ ۲۰۵۰ھ ۲۰۵۱ھ ۲۰۵۲ھ ۲۰۵۳ھ ۲۰۵۴ھ ۲۰۵۵ھ ۲۰۵۶ھ ۲۰۵۷ھ ۲۰۵۸ھ ۲۰۵۹ھ ۲۰۶۰ھ ۲۰۶۱ھ ۲۰۶۲ھ ۲۰۶۳ھ ۲۰۶۴ھ ۲۰۶۵ھ ۲۰۶۶ھ ۲۰۶۷ھ ۲۰۶۸ھ ۲۰۶۹ھ ۲۰۷۰ھ ۲۰۷۱ھ ۲۰۷۲ھ ۲۰۷۳ھ ۲۰۷۴ھ ۲۰۷۵ھ ۲۰۷۶ھ ۲۰۷۷ھ ۲۰۷۸ھ ۲۰۷۹ھ ۲۰۸۰ھ ۲۰۸۱ھ ۲۰۸۲ھ ۲۰۸۳ھ ۲۰۸۴ھ ۲۰۸۵ھ ۲۰۸۶ھ ۲۰۸۷ھ ۲۰۸۸ھ ۲۰۸۹ھ ۲۰۹۰ھ ۲۰۹۱ھ ۲۰۹۲ھ ۲۰۹۳ھ ۲۰۹۴ھ ۲۰۹۵ھ ۲۰۹۶ھ ۲۰۹۷ھ ۲۰۹۸ھ ۲۰۹۹ھ ۲۱۰۰ھ ۲۱۰۱ھ ۲۱۰۲ھ ۲۱۰۳ھ ۲۱۰۴ھ ۲۱۰۵ھ ۲۱۰۶ھ ۲۱۰۷ھ ۲۱۰۸ھ ۲۱۰۹ھ ۲۱۱۰ھ ۲۱۱۱ھ ۲۱۱۲ھ ۲۱۱۳ھ ۲۱۱۴ھ ۲۱۱۵ھ ۲۱۱۶ھ ۲۱۱۷ھ ۲۱۱۸ھ ۲۱۱۹ھ ۲۱۲۰ھ ۲۱۲۱ھ ۲۱۲۲ھ ۲۱۲۳ھ ۲۱۲۴ھ ۲۱۲۵ھ ۲۱۲۶ھ ۲۱۲۷ھ ۲۱۲۸ھ ۲۱۲۹ھ ۲۱۳۰ھ ۲۱۳۱ھ ۲۱۳۲ھ ۲۱۳۳ھ ۲۱۳۴ھ ۲۱۳۵ھ ۲۱۳۶ھ ۲۱۳۷ھ ۲۱۳۸ھ ۲۱۳۹ھ ۲۱۴۰ھ ۲۱۴۱ھ ۲۱۴۲ھ ۲۱۴۳ھ ۲۱۴۴ھ ۲۱۴۵ھ ۲۱۴۶ھ ۲۱۴۷ھ ۲۱۴۸ھ ۲۱۴۹ھ ۲۱۵۰ھ ۲۱۵۱ھ ۲۱۵۲ھ ۲۱۵۳ھ ۲۱۵۴ھ ۲۱۵۵ھ ۲۱۵۶ھ ۲۱۵۷ھ ۲۱۵۸ھ ۲۱۵۹ھ ۲۱۶۰ھ ۲۱۶۱ھ ۲۱۶۲ھ ۲۱۶۳ھ ۲۱۶۴ھ ۲۱۶۵ھ ۲۱۶۶ھ ۲۱۶۷ھ ۲۱۶۸ھ ۲۱۶۹ھ ۲۱۷۰ھ ۲۱۷۱ھ ۲۱۷۲ھ ۲۱۷۳ھ ۲۱۷۴ھ ۲۱۷۵ھ ۲۱۷۶ھ ۲۱۷۷ھ ۲۱۷۸ھ ۲۱۷۹ھ ۲۱۸۰ھ ۲۱۸۱ھ ۲۱۸۲ھ ۲۱۸۳ھ ۲۱۸۴ھ ۲۱۸۵ھ ۲۱۸۶ھ ۲۱۸۷ھ ۲۱۸۸ھ ۲۱۸۹ھ ۲۱۹۰ھ ۲۱۹۱ھ ۲۱۹۲ھ ۲۱۹۳ھ ۲۱۹۴ھ ۲۱۹۵ھ ۲۱۹۶ھ ۲۱۹۷ھ ۲۱۹۸ھ ۲۱۹۹ھ ۲۲۰۰ھ ۲۲۰۱ھ ۲۲۰۲ھ ۲۲۰۳ھ ۲۲۰۴ھ ۲۲۰۵ھ ۲۲۰۶ھ ۲۲۰۷ھ ۲۲۰۸ھ ۲۲۰۹ھ ۲۲۱۰ھ ۲۲۱۱ھ ۲۲۱۲ھ ۲۲۱۳ھ ۲۲۱۴ھ ۲۲۱۵ھ ۲۲۱۶ھ ۲۲۱۷ھ ۲۲۱۸ھ ۲۲۱۹ھ ۲۲۲۰ھ ۲۲۲۱ھ ۲۲۲۲ھ ۲۲۲۳ھ ۲۲۲۴ھ ۲۲۲۵ھ ۲۲۲۶ھ ۲۲۲۷ھ ۲۲۲۸ھ ۲۲۲۹ھ ۲۲۳۰ھ ۲۲۳۱ھ ۲۲۳۲ھ ۲۲۳۳ھ ۲۲۳۴ھ ۲۲۳۵ھ ۲۲۳۶ھ ۲۲۳۷ھ ۲۲۳۸ھ ۲۲۳۹ھ ۲۲۴۰ھ ۲۲۴۱ھ ۲۲۴۲ھ ۲۲۴۳ھ ۲۲۴۴ھ ۲۲۴۵ھ ۲۲۴۶ھ ۲۲۴۷ھ ۲۲۴۸ھ ۲۲۴۹ھ ۲۲۵۰ھ ۲۲۵۱ھ ۲۲۵۲ھ ۲۲۵۳ھ ۲۲۵۴ھ ۲۲۵۵ھ ۲۲۵۶ھ ۲۲۵۷ھ ۲۲۵۸ھ ۲۲۵۹ھ ۲۲۶۰ھ ۲۲۶۱ھ ۲۲۶۲ھ ۲۲۶۳ھ ۲۲۶۴ھ ۲۲۶۵ھ ۲۲۶۶ھ ۲۲۶۷ھ ۲۲۶۸ھ ۲۲۶۹ھ ۲۲۷۰ھ ۲۲۷۱ھ ۲۲۷۲ھ ۲۲۷۳ھ ۲۲۷۴ھ ۲۲۷۵ھ ۲۲۷۶ھ ۲۲۷۷ھ ۲۲۷۸ھ ۲۲۷۹ھ ۲۲۸۰ھ ۲۲۸۱ھ ۲۲۸۲ھ ۲۲۸۳ھ ۲۲۸۴ھ ۲۲۸۵ھ ۲۲۸۶ھ ۲۲۸۷ھ ۲۲۸۸ھ ۲۲۸۹ھ ۲۲۹۰ھ ۲۲۹۱ھ ۲۲۹۲ھ ۲۲۹۳ھ ۲۲۹۴ھ ۲۲۹۵ھ ۲۲۹۶ھ ۲۲۹۷ھ ۲۲۹۸ھ ۲۲۹۹ھ ۲۳۰۰ھ ۲۳۰۱ھ ۲۳۰۲ھ ۲۳۰۳ھ ۲۳۰۴ھ ۲۳۰۵ھ ۲۳۰۶ھ ۲۳۰۷ھ ۲۳۰۸ھ ۲۳۰۹ھ ۲۳۱۰ھ ۲۳۱۱ھ ۲۳۱۲ھ ۲۳۱۳ھ ۲۳۱۴ھ ۲۳۱۵ھ ۲۳۱۶ھ ۲۳۱۷ھ ۲۳۱۸ھ ۲۳۱۹ھ ۲۳۲۰ھ ۲۳۲۱ھ ۲۳۲۲ھ ۲۳۲۳ھ ۲۳۲۴ھ ۲۳۲۵ھ ۲۳۲۶ھ ۲۳۲۷ھ ۲۳۲۸ھ ۲۳۲۹ھ ۲۳۳۰ھ ۲۳۳۱ھ ۲۳۳۲ھ ۲۳۳۳ھ ۲۳۳۴ھ ۲۳۳۵ھ ۲۳۳۶ھ ۲۳۳۷ھ ۲۳۳۸ھ ۲۳۳۹ھ ۲۳۴۰ھ ۲۳۴۱ھ ۲۳۴۲ھ ۲۳۴۳ھ ۲۳۴۴ھ ۲۳۴۵ھ ۲۳۴۶ھ ۲۳۴۷ھ ۲۳۴۸ھ ۲۳۴۹ھ ۲۳۵۰ھ ۲۳۵۱ھ ۲۳۵۲ھ ۲۳۵۳ھ ۲۳۵۴ھ ۲۳۵۵ھ ۲۳۵۶ھ ۲۳۵۷ھ ۲۳۵۸ھ ۲۳۵۹ھ ۲۳۶۰ھ ۲۳۶۱ھ ۲۳۶۲ھ ۲۳۶۳ھ ۲۳۶۴ھ ۲۳۶۵ھ ۲۳۶۶ھ ۲۳۶۷ھ ۲۳۶۸ھ ۲۳۶۹ھ ۲۳۷۰ھ ۲۳۷۱ھ ۲۳۷۲ھ ۲۳۷۳ھ ۲۳۷۴ھ ۲۳۷۵ھ ۲۳۷۶ھ ۲۳۷۷ھ ۲۳۷۸ھ ۲۳۷۹ھ ۲۳۸۰ھ ۲۳۸۱ھ ۲۳۸۲ھ ۲۳۸۳ھ ۲۳۸۴ھ ۲۳۸۵ھ ۲۳۸۶ھ ۲۳۸۷ھ ۲۳۸۸ھ ۲۳۸۹ھ ۲۳۹۰ھ

مکرتا تھا کہ فوراً سمجھ میں نہ آتی تھی۔

لڑائیاں

وہ دو لڑائیاں تو سلطان حسین میرزا سے لڑا۔ ایک استرآباد میں۔ جہاں اُسکو شکست ہوئی۔ دوسری مقام جگن میں جو اندخود کی نواح میں ہے۔ اس لڑائی میں بھی مغلوب ہوا۔ دو دفعہ بدخشاں کے جنوب کی طرف کافرستان پر جہاد کیا۔ اسی سبب سے اسکے فرماؤں کے طغروں میں سلطان محمود غازی لکھا جاتا تھا۔

ممالک محروسہ

سلطان ابوسعید میرزا نے اپنے ملک میں سے استرآباد اُس کو دے دیا تھا۔ عراق کے جھگڑے کے بعد وہ خراسان بھی گیا۔ اسی زمانہ میں قنبر علی بیگ حاکم حصار سلطان ابوسعید میرزا کے حکم سے ہندی فوج کو لیکر میرزا کی مدد کے لیے عراق کو چلا۔ اور خراسان پہنچ کر سلطان محمود میرزا سے جا ملا۔ جو نہی خراسان والوں نے سلطان حسین میرزا کا شہرہ سنا وہ نہی سب نے بلوہ کر کے سلطان محمود میرزا کو خراسان سے نکال دیا۔ وہ سلطان احمد میرزا کے پاس سمرقند میں آ گیا۔ کئی مہینے کے بعد احمد شقاق۔ سید بدر اور خسرو شاہ وغیرہ سلطان محمود میرزا کو لیکر قنبر علی بیگ کے پاس آ گئے۔ پھر قلعہ مع اُن اضلاع کے جو کوہ کوئین کے جنوب میں واقع ہیں جیسے ترمذ۔ چغانیاں۔ حصار۔ ختلان۔ قندز اور بدخشاں۔ کوہ ہندوکش تک تمام ملک سلطان محمود میرزا کے قبضہ میں آ گیا۔ اُس کے بڑے بھائی سلطان احمد میرزا کے مرنے کے بعد سلطان احمد میرزا کا ملک بھی اسی کے تحت میں آ گیا۔

اولاد

اس کے پانچ بیٹے اور گیارہ بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑا مسعود میرزا تھا۔ اسکی ماں خاتونہ بیگم میر بزرگ ترمذی کی بیٹی تھی۔ دوسرا بیٹا باستغیر میرزا تھا۔ وہ پشہ بیگم کے پیٹ سے تھا۔ تیسرا بیٹا سلطان علی میرزا تھا۔ اس کی ماں ازبک خاندان سے تھی۔ اسکا نام تہرہ بیگم آغا تھا۔ یہ حرم تھی۔ چوتھا بیٹا سلطان حسین میرزا تھا۔ اس کی ماں میر بزرگ کی بیٹی تھی۔ اور اسکا نام بھی خاتونہ بیگم تھا۔ یہ لڑکا میرزا کے سامنے تیرہ برس کی عمر میں مر گیا۔ پانچواں بیٹا سلطان وکیل میرزا تھا۔ اس کی ماں بونس خاں کی بیٹی اور میری ماں کی چھوٹی بہن سلطان نگار خانم تھی۔ ان چاروں میرزاؤں کے حالات سالہائے آئندہ کے واقعات میں لکھے جائیں گے۔

۱۵ استرآباد خلیج کیسپن کے جنوب و مشرق میں واقع ہے ۱۲ جان لیڈن نے تن میں چکان لکھا ہے اور نوٹ میں بیان کیا ہے کہ مسٹر ٹکاف نے چکان سرائے لکھا ہے ۱۲ ۱۵ اندخود پہاڑ پنج کے مغرب میں پہاڑ کے نیچے ۸۸ میں مہرا کی طرف واقع ہے ۱۲ سیاہ پوشوں کا ملک ۱۲ ۱۵ خط مجید جو معروف و مشہور ہے۔ اگلے زمانہ میں بادشاہوں کے خزانے کے عنوان میں جو اُن کے نام لکھے جاتے تھے تو بطریق طغرای لکھے جاتے تھے ۱۲ ۱۵ یہ کوہستانی ملک ہے اور قرگیں کی سرحد پر ہے ۱۲ ۱۵ غلخان ۱۲

تین بیٹیاں باسنغ میرزا کی ہم وطن بہنیں تھیں۔ جن میں سب سے بڑی کی شادی سلطان محمود میرزا نے اپنے چچا منوچہر میرزا کے بیٹے ملک محمد میرزا کے ساتھ کی تھی۔ پانچ بیٹیاں میر بزرگ کی پوتی خانزادہ بیگم کے پیٹ سے تھیں۔ اُن میں سے سب سے بڑی کی شادی سلطان محمود میرزا کے بعد ابابکر شغری سے ہوئی تھی۔ انہی میں سے دوسری بیٹی بیگم تھی۔ جب سلطان حسین میرزا نے ہصار کا محاصرہ کیا تھا تو اپنے بیٹے حیدر میرزا (جو پائندہ سلطان بیگم بنت سلطان ابو سعید میرزا کے پیٹ سے تھا) سے اُسکی شادی کر کے ہصار کا محاصرہ اٹھالیا تھا۔ تیسری بیٹی آق بیگم تھی۔ چوتھی بیٹی عمر شیخ میرزا کے بیٹے جہانگیر میرزا سے اُس زمانہ میں نامزد ہوئی تھی جس زمانہ میں سلطان حسین میرزا نے قندز پر چڑھائی کی ہے اور عمر شیخ میرزا نے جہانگیر میرزا کو مع فوج کما کے لیے بھیجا ہے۔ جب پندرہویں دریا کے کنارے پر باقی چغانیانی آکر مجھ سے ملا تو یہ بیگمیں جو اپنی ماں کے ساتھ ترمذ میں تھیں باقی چغانیانی کی بیوی کے ساتھ میرے پاس آگئیں۔ اور جب ہم کھمروں میں پہنچے تو اُس کی شادی جہانگیر میرزا سے ہو گئی۔ اُس کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ آج کل وہ اپنی نانی خانزادہ بیگم کے ہمراہ بدخشاں میں ہے۔ پانچویں بیٹی زینت سلطان بیگم تھی۔ جب میں نے کابل لے لیا ہے تو اپنی والدہ قتل گکار خانم کے کہنے سے میں نے اُس سے شادی کر لی۔ مگر کچھ موافقت نہ ہوئی۔ دو تین برس کے بعد جھک کے مرض سے اُسکا انتقال ہو گیا۔ ایک بیٹی محمد و مہ سلطان بیگم تھی۔ سلطان علی میرزا اور یہ دونوں ایک ماں کے پیٹ سے تھے۔ اور میرزا سے یہ بڑی تھی۔ اب وہ بدخشاں میں ہے۔ دو اور بیٹیاں حرم کے پیٹ سے تھیں۔ ایک رجب سلطان دوسری محبت سلطان۔

بیویاں - حرم میں | سب میں بڑی بیوی خانزادہ بیگم بنت میر بزرگ تھی۔ میرزا اُس کو بہت چاہتا تھا۔ سلطان مسعود میرزا اُسی کے پیٹ سے تھا۔ جب وہ

مری تھی تو میرزا نے بڑا سوگ کیا تھا۔ اُس کے بعد میر بزرگ کی پوتی سے نکاح کر لیا۔ جو متوفیہ کی بھتیجی تھی۔ اُس کو بھی خانزادہ بیگم ہی کہا کرتے تھے۔ یہ بیوی پانچ بیٹوں اور ایک بیٹی کی ماں تھی۔ ایک بیوی پشتہ بیگم تھی۔ علی شیر بیگ بہار لو کی بیٹی۔ یہ علی شیر بیگ ترکمان قراوق بلوق کے امراء میں سے تھا۔ محمدی میرزا خلف جہان شاہ بارانی قراوق بلوق سے پشتہ بیگم کی پہلی شادی ہو گئی تھی۔ جن دونوں میں کہ عواق اور آذربائیجان کو اور زون حسن ابن مرزا آق قوق بلوق نے جو جہان شاہ کی اولاد سے تھا چھین لیا تو علی شیر بیگ کے بچے قراوق بلوق ترکمانوں کے پانچ چھ ہزار گھروں کے سمیت سلطان

۱۵ سنہ ۱۲۶۱ھ دین سلطان بیگ ۱۲ سیاح بھڑوں والے۔ یہ اُن کا نشان ہے ۱۲ سنہ ۱۲۶۱ھ بھڑوں والے ۱۲ اس وقت میں شمار کا طریقہ یہی تھا ۱۲

ابوسعید میرزا کی ملازمت میں آگئے تھے۔ ابوسعید میرزا کے شکست کھانے کے بعد اس ملک میں چلے آئے جس وقت سلطان محمود میرزا سمرقند سے حصار میں آیا اُس وقت یہ لوگ میرزا موصوف کی ملازمت میں آگئے اُسی زمانہ میں ان پشہ بیکم سے میرزا نے نکاح کر لیا۔ اس بیکم سے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ ایک بیوی سلطان بھگوانم تھی۔ اسکا حسب و نسب اوپر لکھا جا چکا ہے اور سرتیں بہت سی تھیں مگر سب سے چڑھی بڑھی ہریگی آغا ازبک تھی سلطان ابوسعید میرزا کی زندگی میں اس تعلق ہو گیا تھا۔ یہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ماں تھی۔ حرم میں جو بہت سی تھیں اُن میں سے دو کے ہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

میرزا کے امراء

امراء میں سے اول خسرو شاہ ترکستان کی قوم قنچاق سے تھا۔ لڑکپن میں اس نے امراء ترکخان کی جوتیاں جھاڑیں۔ پھر مزید بیک ارغون کی نوکری کر لی۔ اسی نے اُس کو کسی قدر بڑھا دیا۔ عراق کی تباہی کے زمانہ میں سلطان محمود میرزا کے ساتھ ہو گیا۔ چونکہ راستہ میں میرزا کی اچھی طرح خدمت کی۔ اس لیے میرزا نے بھی اس کے ساتھ بڑی رعایت کی۔ رفتہ رفتہ وہ بڑا آدمی ہو گیا۔ سلطان محمود میرزا کے زمانہ میں اُس کے نوکروں کی تعداد پانچ چھ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ دریائے آمو سے کوہ ہندو کش تک سوائے بدخشاں کے سارے ملک کا حاکم وہی تھا۔ وہاں کا تمام محاصل وہی خورد برد کرتا تھا۔ مدارات اور سخاوت بہت کرتا تھا۔ اگرچہ وہ ترک تھا مگر مالگزاری وصول کرنے میں بہت ہوشیار تھا۔ ساتھ ہی اس کے جس قدر پیدا کرتا تھا اُسی قدر اڑا دیتا تھا۔ سلطان محمود میرزا کے بعد میرزا کے بیٹوں کے زمانہ میں بہت ہی بڑا آدمی ہو گیا تھا۔ اس وقت اُس کے نوکروں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ گویا بندہ نماز تھا اور کھانے پینے میں بھی احتیاط کرتا تھا مگر تھاسیہ دل خاق کو دن۔ بے شبہ۔ بے وفا اور نکو نام شخص۔ اُس نے اس پنج روزہ دنیا کے واسطے اپنے ایک آقا زادے کو جسکی خود اُس نے خدمت کی تھی اور پالا تھا اندھا کر دیا۔ اور ایک کو قتل کر ڈالا۔ یہ وہ ناشائستہ حرکتیں تھیں جن کے سبب سے خدا کی درگاہ میں گنہگار اور مخلوق کے نزدیک مردود ہو کر قیامت تک قابلِ نفرین و لعنت ہو گیا۔ اور اس دنیا کے لیے اُس نے ایسے نالائق کام کیے۔ آخر میں باوجود اس قدر وسیع اور آباد ملک کے اور اتنے سااں جنگ اور نوکروں کے ایک مرغی پر اُسکا قابو نہ رہا۔ اس کتاب میں اُس کا یہ ذکر آگے لکھا جائیگا۔ ایک اور پیر محمد الچی بوغا توچین تھا۔ بلخ کے دروازے پر جنگ ہزار اسپ میں سلطان ابوسعید میرزا کے سامنے دعوئے کر کے خوب گھونسم گھونسا لڑا تھا۔ وہ بہادر آدمی تھا۔ ہمیشہ میرزا کے پاس رہا کرتا تھا۔ اور

سلطنت تان کو زیر ہے۔ یہ ایک جنگل ہے ترکستان میں۔ اس میں اتنا کہ بہت بہتے ہیں جو بڑے لیٹے اور میر جم ہوتے ہیں۔ اُن قوم کو بھی مشاخرین قنچاق کہتے ہیں ۱۲ سلطنت جان لیڈن نے یہ فقرہ (اور نیز خود سر ہو گیا تھا) اور لکھا ہے ۱۲

میرزا اسکی صلاح پر عمل کیا کرتا تھا جس وقت سلطان حسین میرزا نے قندز کا محاصرہ کیا ہے اُس وقت اُس نے خسرو شاہ کی چوٹ پر تھوڑی سی بے سامان فوج لیکر اندھا دھند شیخون مارا۔ مگر کچھ نہ کر سکا۔ بھلا اتنے بڑے لشکر کے سامنے کیا کر سکتا تھا۔ اُس کے پیچھے دشمن کے قادی غونجی نے تعاقب کیا۔ وہ دریا میں کود پڑا اور وہیں ڈوب گیا۔ ایک ایوب تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا کے ہاں خراسانی جوانوں کے گروہ میں داخل تھا۔ بہادر آدمی تھا۔ بایسنقر میرزا کی سرکار کا مختار تھا۔ کھانے پینے میں کفایت شعار تھا۔ بڑا سحرا اور چالاک آدمی تھا۔ سلطان محمود میرزا اُس کو ”بے جیا“ کہا کرتا تھا۔ ایک ولی تھا۔ خسرو شاہ کا چھوٹا اور سگابھائی۔ وہ اپنے آدمیوں کو اچھی طرح رکھتا تھا۔ اسی نے سلطان مسعود میرزا کو اندھا اور بایسنقر میرزا کو قتل کرایا تھا۔ وہ ہر کسی کی غیبت کیا کرتا تھا۔ بد زبان۔ فحش گو۔ خود پسند اور بد مغز آدمی تھا۔ سوائے اپنے کسی کو کسی کام میں کچھ نہ سمجھتا تھا۔ جب میں نے نواح کیل کائے اور دوشی میں جو نواح قندز میں سے ہے خسرو شاہ کو اُس کے ملازموں سے علیحدہ کر کے رخصت کیا ہے تو ولی اُن بک کے ڈر سے اندراب اور سرباب میں آ گیا تھا۔ اس نواح کی قوموں نے بھی اُسکو شکست دیکر لوٹ لیا۔ اور وہی قومیں مجھ سے اجازت لیکر کابل میں آ گئی تھیں۔ ولی شیبانی خاں کے پاس چلا گیا۔ شیبانی خاں نے اُس کو سمرقند میں مروا ڈالا۔ ایک شیخ عبداللہ برلاس تھا۔ سلطان محمد کی ایک بیٹی جو سلطان محمود خاں اور ابابکر میرزا کی خالہ تھی اسکی بیوی تھی۔ وہ زرق و برق اور چست لباس پہنا کرتا تھا شریف اور اہل آدمی تھا۔ ایک محمود برلاس نوند اک کے برلاسوں میں سے تھا۔ وہ ابوسعید میرزا کے زمانہ ہی میں داخل لمر او ہو گیا تھا۔ جن دونوں میں ابابکر میرزا نے مزید بیگ ارغون اور امرائے ترکان قزاق بلوچ کو ہمراہ لیکر سلطان محمود خاں پر چڑھائی کی ہے۔ اور میرزا اپنے بھائی کے پاس سمرقند چلا گیا ہے تو محمود برلاس نے حصار کونہ چھوڑا اور اُس کو خوب سنبھالے رکھا۔ وہ شاعر تھا اور صاحب دیوان تھا۔

بایسنقر میرزا پادشاہ سمرقند
ہوا خسرو شاہ نکالا گیا۔

سلطان محمود میرزا کے مرنے کی خبر کو خسرو شاہ نے لوگوں سے چھپایا اور خزانہ پر دست اندازی کی۔ بھلا ایسی خبر کیونکر

چھپی رہ سکتی تھی۔ فی الفور تمام شہر میں یہ خبر اڑ گئی۔ اور

سمرقند والوں کے ہاں گویا اُس دن گھی کے چراغ جل گئے۔ فوج و رعیت نے بلوہ کر کے خسرو شاہ کو گھیر لیا۔ احمد حاجی بیگ اور امرائے ترخان نے اس بلوہ کو فرو کیا۔ اور خسرو شاہ کو اُس کشمکش سے نکال کر حصار کی طرف چلتا کر دیا۔ سلطان محمود میرزا نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے مسعود میرزا کو حصار اور بایسنقر میرزا کو بخارا کا حاکم کر دیا تھا۔ اس موقع پر ان دونوں میں سے کوئی سمرقند میں نہ تھا۔ خسرو شاہ کے چلے جانے کے بعد

سلطان جان لیڈن کو ترجمہ میں یہ فقرہ اور بھی لکھا ہے (جب اس شہزادہ نے غرق کوخ کیا کرمان محمود برلاس کو دیدیا تھا) ۱۲

امرائے سمرقند اور حصار نے متفق ہو کر بایستغیر میرزا کے پاس آدمی دوڑایا۔ اور اُس کو بلا کر سمرقند کے تحت پر بٹھا دیا۔ اس وقت بایستغیر میرزا کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔

اسی زمانہ میں سلطان جنید برلاس اور بعض اکابر سمرقند کی تحریک سے محمود خاں نے سمرقند لینے کے لیے فوج کشی کی اور کنبائی کی نواح میں آ گیا۔ سمرقند سے بایستغیر میرزا بھی بہت سی مسلح فوج لیکر باہر نکلا۔ کنبائی کی نواح میں مقابلہ ہوا حیدر کو کلتاش جو مغلوں کے لشکر کا بڑا سردار تھا اور ہر اول تھا مع اپنے ہمراہیوں کے گھوڑوں پر سے اتر کر شیبہ مارنے میں مشغول ہوا۔ سمرقند و حصار کی فوج کے مسلح اور من چلے جانوں نے سوار ہو کر فی الفور گھوڑے پٹائے جو لوگ حیدر کو کلتاش کے زیر حکم گھوڑوں پر سے اتر پڑے تھے وہ دشمن کے گھوڑوں کی روند میں آ گئے۔ اس تباہی کے بعد باقی فوج مقابلہ نہ کر سکے۔ آخر مغلوں کو شکست ہوئی۔ اور بہت سے کام آئے بایستغیر میرزا نے۔ کبھی اُن میں سے اپنے سامنے بہت سوں کو قتل کروایا تھا مقتولوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ میرزا کا خیمہ تین جائے پٹا گیا۔

ابراہیم سارو نے (جو قوم منیکنگ سے تھا۔ اور چین سے میرے والد کی خدمت میں رہ کر امیری کے مرتبہ پر پہنچ گیا تھا اور آخر کسی جرم کے ارتکاب سے

ابراہیم سارو کی بغاوت اور اُس پر بادشاہ کی چڑھائی

نکا لیا گیا تھا) قلعہ سفرہ میں آ کر بایستغیر میرزا کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور میری مخالفت (اختیار کی) شعبان کے چھینے میں ابراہیم سارو کے فساد و فتنہ دفع کرنے کے قصد سے لشکر کے ساتھ میں سوار ہوا۔ مہینے کے آخر میں اس سفرہ کے سامنے میں آن اُترا۔ اُسی دن ہمارے سپاہیوں نے دلیری کر کے قلعہ قدیم کے قریب کی دیوار کے پاس پہنچتے ہی نئے قلعہ کو جو فی الحال بنا تھا چھین لیا۔ سید قاسم ایشک آغا آج سب سے اول رہا۔ سب سے پہلے فوج میں سے نکل کر اُس نے شمشیر زنی کی۔ سلطان احمد تنبل اور دوست محمد طغانی نے بھی بہت کوشش کی۔ مگر ایش بہادری قایدیم ہی نے لیا۔ ایش بہادری مغلوں میں ایک قدیم رسم ہے۔ ضیافت اور آتش خوری کے موقع پر جو شخص سب میں سے تنہا نکل کر تلوار مارتا ہے وہ اس ایش بہادری کو لیتا ہے۔ جب میں شہر خیمہ میں اپنے ماموں سلطان محمود خاں سے ملنے گیا تو ایش بہادری سید قاسم نے لیا۔ پہلے دن کی

۱۲۷۵ قمری سنہ میں کیا پی لکھا ہے۔ یہ مقام علاقہ سمرقند میں ہے ۱۲۷۵ شیبہ ایک شمس کا پتھر جوتا ہے ۱۲۷۵ شیبہ جان لین
۱۲۷۵ قمری کو یوں لکھا ہے (قیدیوں میں ایک ایک قیدی شاہی خیر کے سامنے لایا جاتا تھا اور قتل کر دیا جاتا تھا) ۱۲۷۵ شیبہ ۱۲۷۵
۱۲۷۵ قمری لکھا ہے جسے اُس نے کھائے ہیں جو کھانا جھوٹا ہے مگر اکثر اسکا استعمال امراء کی جھوٹ کھانے پر کیا جاتا ہے چنانچہ
ہمارے شہر پر۔ جان بیٹن نے لکھا ہے کہ یہ رسم یونانیوں کی رسم کے مطابق ہے۔ ۱۲

لڑائی میں خدا بیر دی میرے آئیکہ نے تیر تخت لے کھا کر قضا کی۔ چونکہ ہم بے زرہ بکتر مقابلہ کر بیٹھے تھے اس لیے ہمارے بعض سپاہی کام آئے اور بہت سارے زخمی ہوئے۔ ابراہیم سارو کے پاس ایک شخص نہایت عمدہ تخت انداز تھا۔ ایسا تیر انداز دیکھانہ سنا۔ اُس نے ہمارے اکثر آدمیوں کو زخمی کیا۔ قلعہ فتح ہونے کے بعد وہ میرا ملازم ہو گیا۔ جب محاصرہ کو بہت دن گزر گئے تو میں نے حکم دیا کہ دو تین جگہ سرکوب بنا کر سڑک لگاؤ۔ غرض لوگ قلعہ گیری کے اسباب جمع کرنے میں مصروف ہوئے اور محاصرہ کو چالیس دن گزر گئے۔ آخر ابراہیم سارو تنگ ہوا۔ اور خواجہ مولانا کی وساطت سے اُس نے فرمانبرداری اختیار کر لی۔ سوال کا مہینہ تھا کہ وہ ترکش اور تلوار گئے میں ڈال کر حاضر ہوا اور شہر اُس نے ہمارے سپرد کر دیا۔

خجند پر قابض ہونا مدت سے خجند بھی عمر شیخ میرزا کی عملداری میں تھا۔ لڑائی جھگڑوں کے زمانے میں میرزا کی سرکار بگڑنے سے سلطان احمد میرزا اُس کو دبا بیٹھا۔ جب میں اس کے بہت قریب آ گیا تو اُس پر بھی حملہ کر دیا گیا۔ خجند میں میرزا کا باپ عبد الوہاب شغاول حاکم تھا۔ میرے وہاں پہنچے ہی اُس نے بے تاثر شہر حوصلے کر دیا۔

محمود خاں سے ملاقات اسی زمانہ میں محمود خاں شاہرخیہ میں آیا ہوا تھا جن دنوں میں سلطان احمد میرزا نواح اندجان میں آ گیا تھا انہی دنوں میں

خان نے بھی آخشی کو آگھیرا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ میرے دل میں آئی کہ ہم میں اور اُس میں تھوڑا ہی فاصلہ ہے۔ چونکہ وہ باپ اور بڑے بھائی کی جگہ ہے۔ اس لیے اُس کی خدمت میں چلنا چاہیے۔ اس سے کچھلی کدورتیں رفع ہو جائیں گی۔ اور اس ترکیب کو جو دیکھنے والے دیکھیں گے اور سنے والے سنیں گے تو میرے حق میں مفید ہو گا۔ یہ سوچ کر چل کھڑا ہوا۔ شاہرخیہ کے باہر ایک باغ میں جس کو حیدر بیگ نے بنایا تھا خان سے میں نے ملازمت حاصل کی۔ خان اس باغ کی چو دری میں اُتر ا ہوا تھا۔ اندر پہنچے ہی میں نے تین دفعہ جھک کر سلام کیا۔ خان بھی تعظیم کیلئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ملنے اور تھپچھے پاؤں ہٹ کر ایک سلام کرنے کے بعد خان نے اپنے پاس بلایا۔ اپنے پہلو میں بٹھایا۔ اور نہایت شفقت و مہربانی فرمائی۔ دو ایک روز کے بعد کندھڑ اور امانی کے راستے سے آخشی اور اندجان کی طرف میں روانہ ہوا۔ آخشی میں آکر اپنے باپ کے مزار کی زیارت کی۔

میں صلیبی کمان کا تیر ۱۲ حصہ قلعہ کی دیوار کے برابر یا اُس سے بلند لکڑی کا یا مٹی کا ایک ٹیلہ سبانتے ہیں۔ اُس کو سرکوب کہتے ہیں ۱۲ جون ۱۲۹۹ء ۱۲۷۷ھ ترکوں میں یہ جان شاری اور اطاعت کی علامت تھی ۱۲۷۵ھ کنہرک ۱۲ معلوم ہوتا ہے کہ کندھڑ اور امانی کے راستے سے آخشی۔ تاشکندہ اور شاہرخیہ میں اکثر آمد و رفت رہتی تھی ۱۲

جمعہ کی نماز کے وقت میں آخشی سے چلا۔ بند سالار کے راستہ سے ہوتا ہوا مغرب و عشا کے مابین اندجان میں آگیا۔ یہ بند سالار کا راستہ نو فرسنگ کا ہے۔

قوم چکرک سے محصول لینا | اندجان کی صحرائی قوموں میں سے ایک قوم چکرک ہے۔ انکے پانچ ہزار گھر ہیں۔ یہ لوگ کاشغر اور فرغانہ کے بیچ

میں جو پہاڑ ہیں اُن میں رہتے ہیں۔ انکے پاس گھوڑے اور بھیڑیں کثرت سے ہیں۔ ان پہاڑوں میں بجائے معمولی بیلوں کے گاؤں قناس پالتے ہیں۔ اس سبب سے قناس بھی ان کے پاس بہت ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ کوہستان دشوار گزار میں رہتے ہیں اس لیے مالگزاری نہیں ادا کرتے۔ پس میں نے قاسم بیگ کو سردار لشکر کر کے اُن کی طرف بھیجا تاکہ اُس قوم سے کچھ مال وصول کرے اور ہمارے لشکر کے لیے بھیجے۔ قاسم بیگ نے جا کر بیس ہزار بھیڑیں اور پندرہ سو گھوڑے لیے اور اہل لشکر کو بانٹے۔

اور ایتبہ پر چڑھائی کا قصد اور ناکامی | جب لشکر چکرک سے واپس آیا تو اور ایتبہ کا قصد کیا گیا۔ اور ایتبہ مدت سے عمر شیخ میرزا کے قبضہ میں تھا۔ مگر میرزا نے جس سال انتقال کیا ہے اُسی سال وہ قبضہ سے نکل گیا تھا۔ آجکل بائستغیر

کی طرف سے اُسکا چھوٹا بھائی سلطان علی میرزا وہاں تھا۔ سلطان علی میرزا میرے آنے کی خبر لشکر آپ تو کوہستان بلغاروسیا کی طرف چلا گیا۔ اور اپنے آئمکہ شیخ ذوالنون کو اور ایتبہ میں چھوڑ گیا۔ میں خجند سے ہوتا ہوا اُدھر چلا۔ اثنائے راہ سے خلیفہ کو شیخ ذوالنون کے پاس بطریق رسالت بھیجا۔ اُس مردک سیہوش نے کوئی شافی جواب نہ دیا۔ اور خلیفہ کو گرفتار کر کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ خدا کو بچا نامنظور تھا خلیفہ کسی ترکیب سے نکل گیا۔ اور ہزاروں مصیبتیں اٹھا کر دو تین دن کے بعد پیدل اور ننگے بدن اور ایتبہ کی نواح میں آکر مجھ سے ملا۔ چونکہ جاڑے کا موسم قریب آگیا تھا اور لوگوں نے غلہ وغیرہ اٹھالیا تھا اس لیے چند روز کے واسطے اندجان کی طرف مراجعت کی گئی۔ میرے چلے آنے کے بعد خان کی فوج اور ایتبہ پر آگئی۔ وہاں والے مقابلہ نہ کر سکے۔ اور ایتبہ محمد حسین گورگان کے حوالے کر دیا۔ اُس دن سے ششہ تک اور ایتبہ محمد حسین گورگان ہی کے قبضہ میں رہا۔

۱۔ چکرک ۱۲۔ بالضم اول و بقول جان لیڈن بمسرا اول پہاڑی گائے ۱۳۔ جان لیڈن نے بجائے بلغاروسیا کے صرف دیہات مشیخا لکھا ہے ۱۴۔ گورگان کاف اول عربی اور کاف دوم فارسی۔ وہ شخص جو نیمیاں سے بھی شاہزادہ ہو۔ ترکی میں داماد کو بھی کہتے ہیں۔ چونکہ قراچار یونان جہ امیر تیمور چغتائی خان بن چنگیز خاں کا داماد تھا اس لیے قراچار کی اولاد کو گورگان یا کوگانی کہتے ہیں۔ ۱۵۔ ۱۶۔

سلسلہ ہجری کے واقعات

سلطان حسین میرزا کا بقصدِ حصار
ترنہ پر جانا۔ مسعود میرزا کا حصار
سے سمرقند کی طرف بھاگنا۔
اُس کے امراء کا ترستہ ہونا۔

سلطان حسین میرزا نے خراسان سے حصار پر لشکر کشی
کی اور جاڑے کے موسم میں وہ ترنہ میں آ گیا۔
سلطان مسعود میرزا بھی اپنا لشکر فراہم کر کے ترنہ ہی
کے مقام پر مقابلہ میں آجائے۔ خسرو شاہ خود تو
قندز کو مضبوط کر کے وہاں رہا۔ اور اپنے چھوٹے
بھائی ولی کو ایک لشکر کے ساتھ سلطان حسین میرزا

کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ ان لشکروں نے جاڑے کے موسم کا اکثر حصہ دریائے مذکور کے
کنارے پر گزارا۔ اور پارنہ اُتر کے سلطان حسین میرزا ایک تجربہ کار اور ہوشیار بادشاہ تھا۔ اُس نے
مقابل کے لشکر کو غافل کر کے بالابالا پانے چھتے آدمیوں کا ایک دستہ عبد اللطیف نجفی کے تحت
کھف کے راستہ سے روانہ کیا۔ حریف کے آگاہ ہونے تک عبد اللطیف نجفی نے مع اپنے لشکر
کے دریا سے عبور کیا۔ اور دریا کے کنارے کو مستحکم کر لیا۔ جوہنی سلطان مسعود میرزا کو یہ خبر معلوم
ہوئی وہ بھی وہ یا تو بُزدلی سے یا باہنی چٹانی کے بہکانے سے جو ولی کا مخالف تھا بے آنکھ اس
فوج سے مقابلہ کرے گھبرا کر حصار کی طرف چلتا بنا۔ حالانکہ ولی نے بہت سمجھایا کہ اُس لشکر پر جو دریا
سے پار ہوا ہے دفعۃً حملہ کرنا چاہیے۔ سلطان حسین میرزا نے دریائے عبور کر کے بدیع الزمان میرزا
ابراہیم حسین۔ ذوالنون ارغون اور محمد ولی بیگ کو تو فی الفور خسرو شاہ کی طرف روانہ کیا۔ اور
منظفر حسین میرزا اور محمد بزدق برلاس کو ختلان کی جانب چلتا کیا۔ اور آپ حصار کی جانب آیا۔
سلطان حسین میرزا کے قریب پہنچنے کی خبر ہوئی تو سلطان مسعود میرزا حصار میں اپنا ٹھکانہ
نامناسب سمجھا اور رود کمرد کے بالائی سمت سر دقاق کے راستہ سے اپنے چھوٹے بھائی بابر میرزا
کے پاس سمرقند چلا گیا۔ ولی بھی ختلان کی طرف بھاگ گیا۔ حصار کے قلعہ کا بند و بست باہنی چٹانی
محمد برلاس۔ اور قوج بیگ کے باپ سلطان احمد نے کر لیا۔ سلطان حسین میرزا نے یہ خبر سننے ہی

۱۱۶۱ھ ۱۲۱۲ء میں پنج اور حصار کے دریائے آمو پر ایک بڑا راستہ ہے ۱۲۱۲ھ مسعود میرزا
جو سلطان محمد میرزا کا بڑا بیٹا تھا اپنے باپ کے بعد برائے نام حصار وغیرہ کا بادشاہ ہوا تھا مگر زمامِ سلطنت
خسرو شاہ کے ہاتھ میں تھی ۱۱۶۱ھ جان لیڈن نے یہ فقرہ (تاکہ اُس کو دریائے آمو سے عبور کرنے کو روکے) اور بھی لکھا ہے ۱۲۱۲
۱۱۶۱ھ کھف دریائے آمو پر ترنہ کی بجلی جانب ہے۔ جان لیڈن کا خیال ہے کہ اس جگہ کا مطلب یہ ہے کہ دریا یہاں سے پایاب ہو گا۔
لیکن دیباہ کیا کہ آئیں کہ ہو گا کہ اُس میں سے پایاب آئیں کیس ۱۱۶۱ھ جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ نام نہیں ہے مگر محمد بزدق برلاس ہی ہے ۱۲۱۲

ابو الحسن میرزا کو کچھ فوج کے درہ کمرود کے اوپر کی جانب سلطان مسعود میرزا کے پیچھے روانہ کیا۔
ابو الحسن میرزا نے اس کو راستہ میں جالیا۔ مگر اُس سے کچھ ہونہ سکا۔ البتہ میرزا بیگ پٹانلی نے
خوب دادِ مردانگی دی۔

مقام قرائین پر امراء حسین میرزا سے
حمزہ سلطان وغیرہ کا لڑ کر فتح پانا اور وہاں
حمزہ سلطان وغیرہ کا اند جان میں آنا۔

حمزہ سلطان اور مہدی سلطان کئی برس سے شیبانی خان کو چھوڑ کر چلے آئے تھے اور
مع اپنے تمام ازبکوں کے سلطان محمود میرزا
کے نوکر ہو گئے تھے۔ یہ بھی مع اپنے ازبکوں کے اور محمد دغلت و سلطان دغلت بھی اپنے مغلوں
سمیت جو حصار میں رہتے رہتے تھے اُس بھگت میں مقام قرائین کی طرف بھاگ گئے سلطان
حسین میرزا نے ابراہیم ترخان۔ یعقوب اور ایوب کو کسی قدر فوج کے ساتھ حمزہ سلطان اور
مغلوں کی سرکوبی کے لیے جو قرائین میں تھے روانہ کیا۔ قرائین کے مقام پر دونوں لشکروں
میں لڑائی ہوئی۔ حمزہ سلطان وغیرہ نے سلطان حسین میرزا کی فوج کو شکست دی۔ اور اُس کے
اکثر امراء کو قید کر کے وہاں سے کوچ کیا۔ اسی بازگشت میں حمزہ سلطان۔ مہدی سلطان۔ چاق
سلطان (حمزہ سلطان کا بیٹا) محمد دغلت (جو بعد میں محمد حصار ی مشہور ہو گیا تھا) اور سلطان
حسین دغلت مع اُن ازبکوں کے جو ان سے متعلق تھے اور مع اُن مغلوں کے جو سلطان محمود
میرزا کے ملازموں میں سے حصار میں رہتے تھے رمضان ۹۸۷ کے مہینہ میں مجھ کو اطلاع کرنے کے
بعد اند جان میں میرے پاس آگئے۔ اُن دنوں میں سلاطین تیموریہ کے قاعدہ کے موافق میں شک
پر بیٹھا کرتا تھا۔ حمزہ سلطان۔ مہدی سلطان اور چاق سلطان جو آئے تو میں اُنکی تعظیم کے لیے کھڑا
ہو گیا۔ تو شک سے نیچے اُتر کر اُن سے بغلیہ ہوا۔ اور ان سلاطین کو تکیہ کے پاس دست راست
کی طرف بٹھایا۔ وہ غل بھی جن کا سردار محمد حصار ی تھا میرے ملازم ہو گئے۔

سلطان حسین میرزا نے
حصار کا محاصرہ کر لیا

وہاں سلطان حسین میرزا نے شہر حصار کا محاصرہ کر لیا۔ رات دن وہ
نقب لگانے قلعہ لینے۔ گولے برسانے اور توپیں جانے میں مصروف
رہتا تھا اور دم بھر چین سے نہ بیٹھتا تھا چارپائے جگہ اُسے نقب لگانی
جو نقب شہر کے دروازے کی طرف لگانی تھی وہ بہت آگے بڑھ گئی تھی۔ شہر والوں نے بھی نقب لگا کر اُس نقب کا
حال دریافت کر لیا۔ اہل شہر نے اوپر کی طرف سے محاصرین کی جانب دھواں کرنا شروع کیا۔ مگر محاصرین نے فوراً نقب
منہ بند کر دیا جس سے یہ دھواں اوپر ہی کی طرف پلٹ گیا۔ اور قلعہ والوں میں جاگٹھا۔ قلعہ والے
۱۲ فروری ۱۲۸۷ء

جان لیڈن نے اس فقرے کا ترجمہ یہ کیا ہے اور اکثر امراء کو گھوڑوں پر سے اتار کر قید کیا مگر پھر
اُن کو چلے جانے کی اجازت دیدی ۱۲۸۷ء عاق سلطان ۱۲۸۷ء مئی یا جون ۱۲۸۷ء

مرنے کے قریب ہو گئے۔ اور بھاگ کر باہر نکل آئے۔ آخر پانی کی ٹھلیاں لالا کر نقب پر ڈالیں۔ اور باہر والوں کو نقب سے مٹا دیا۔ ایک بار کچھ لوگوں نے جلدی سے نکل کر ان محاصرین سپاہیوں پر جو نقب کے منہ پر تھے حملہ کیا اور سب کو بھگا دیا۔ پھر ایک بار ایسا ہوا کہ شمال کی جانب جہاں خود میرزا اُترا ہوا تھا توپ کے سنگین گولے مار کر ایک برج چھوڑ کر دیا تھا عشا کے وقت وہ برج اڑ گیا۔ کچھ سپاہیوں نے جرات کر کے لڑائی کی اجازت چاہی۔ مگر میرزا نے یہ کہہ کر رات کا وقت ہے اجازت نہ دی۔ صبح ہوتے تک شہر والوں نے اس برج کو درست کر لیا۔ صبح بھی لوگ مقابلہ نہ کر سکے۔ اس دو ڈھائی مہینے میں سوائے دھمکانے یا دھس بنانے یا نقب لگانے یا گولے مارنے کے کوئی لڑائی جھگڑ نہیں ہوئی۔

بدیع الزمان میرزا جب بدیع الزمان میرزا مع اس فوج کے جو خسرو شاہ کی طرف سلطان حسین میرزا نے بھیجی تھی قندز سے تین چار فرسنگ ورے جا اُترا۔ تو خسرو شاہ اپنے ہمراہیوں کو درست کر کے قندز سے باہر نکل آیا۔

اور رات گزرنے کے بعد بدیع الزمان میرزا کے لشکر پر اسے حملہ کر دیا۔ یہ لوگ باوجودیکہ ایسے زبردست میرزا سردار اور امیر تھے جن کے ساتھ خسرو شاہ کے لشکر سے ڈگنی نہیں تو ڈیوڑھی فوج ضرور تھی صرف اپنی احتیاط کرتے رہے۔ اور خندق سے باہر نہ نکلے خسرو شاہ کے پاس اس وقت اچھے بُرے چھوٹے بڑے شاید چار پانچ ہزار آدمی ہو گئے۔ خسرو شاہ نے جس نے اس جاتی دنیا اور ان بیوفا نوکروں کے لیے اتنی بُرائی اور بدنامی اختیار کی اور ستم و ستم کرنا اپنا شعار بنایا اور اتنا بڑا ملک و بالیا۔ اور اتنے آدمیوں کی بھیڑ بھاٹ کر لی۔ جسکی تعداد آخر میں تیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اور جس کا علاقہ اپنے خداداد شاہ اور میرزاؤں سے بڑھ گیا تھا) اپنی تمام عمر میں اگر کوئی کام کیا تو یہی کیا۔ اسی میں خسرو شاہ اور اس کے تابعین سردار اور بہادر بن گئے۔ اور خندق سے باہر نہ نکلنے والے ڈروک مشہور ہو گئے۔ بدیع الزمان میرزا یہاں سے چلے بنا۔ اور تھوڑی دور طالعانی کے مقام پر آٹھ باغ میں جا پڑا خسرو شاہ تو قندز میں رہ گیا تھا اور اُس نے اپنے چھوٹے بھائی ولی کو بہت سی فوج کے ساتھ جو نہایت عمدہ اور با سامان تھی لشکر قتل اور پھاڑوں کے وامنوں کے ملک میں بھیج دیا۔ تاکہ باہر سے حرین کو وائے اور تنگ کرے چنانچہ ایک مرتبہ محب علی قوری کچھ مسلح اور چیدہ سپاہیوں کو ساتھ لیکر دریائے قتلان

۱۵ غالباً اس زمانہ میں پتھر کے گولے ہوتے تھے سیلوان موقعوں پر و سنگندوں کو لکھا ہے ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

کے کنارے پر دشمن سے مقابل ہوا اور اُس کو شکست دی۔ اور کچھ لوگوں کو گھوڑوں پر سے اتار کر اُنکے سر کاٹ لیے۔ اسکی دیکھا دیکھی سیدہم علی دربان قلی بیگ (اُس کا چھوٹا بھائی) پہلوں اور ایوب بھی مع چند پر جوش سپاہیوں کے نکلے۔ اور غیر کوہ کے دامنہ میں جو خواجہ چنگال کی فوج میں ہے لشکر خراسان کی برائی کے موقع پر پہنچ کر انہوں نے حمایہ کیا۔ سیدہم علی دربان اور قلی بابا کو مع اُن کے ہمراہیوں کے گرفتار کر لیا۔

سلطان حسین میرزا نے
حصار سے محاصرہ اٹھالیا

سلطان حسین میرزا کو ایک تو یہ خبر پہنچی۔ دوسرے حصار کے موسم بہار کی بارش سے لشکر نے بہت تکلیف اٹھائی تھی۔ ان وجوہ سے مصاحبت کی تجویز کی گئی۔ اندر سے محمود برلاس نکلا اور باہر سے حاجی پیر کا دل آیا۔ عمائد اور گویے وغیرہ جو مل کے وہ جمع ہوئے۔ اور سلطان محمود میرزا کی بڑی بیٹی سے جو خاندانہ بیگم کے پیٹ سے تھی حیدر میرزا کی جو پائندہ سلطان بیگم کے پیٹ سے تھا اور سلطان ابو سعید میرزا کا نواسا تھا شادی کر کے سلطان حسین میرزا نے حصار سے محاصرہ اٹھالیا۔ اور وہ قندز کی طرف روانہ ہو گیا۔ قندز پہنچ کر کسی قدر ریاست کی اور اُس کے محاصرے کی تجویز کی گئی۔ آخر بدیع الزمان میرزا نے بیچ میں پڑ کر ضلع کراوی جہانین کے جو لوگ کچھ گئے تھے وہ ربا کر دیے گئے۔ اور محاصرین واپس چلے گئے۔ خسرو شاہ کے اس قدر چڑھنے بڑھنے اور اپنی حد سے آگے قدم رکھنے کا سبب یہی ہوا کہ سلطان حسین میرزا نے دود دفعہ چڑھائی کی۔ اور اُس کو چھوڑ دیا۔

میرزا نے بلخ اور استر آباد
اپنے دونوں بیٹوں کو دیدیا

جب سلطان حسین میرزا بلخ میں پہنچا تو ماوراء النہر کی عمدہ نگرانی کے خیال سے بدیع الزمان میرزا کو بلخ دیا۔ اور مظفر حسین میرزا کو استر آباد۔ دونوں کو حکم دیا کہ صبح کو دربار میں بلخ اور استر آباد کے عطا ہونے پر آداب بجالائیں۔ وہ آداب بجالائے۔ اس انتظام سے بدیع الزمان میرزا کو خوف ہوا۔ بلکہ اتنی تہمت جو فساد رہا اور بغاوتیں ہوئیں تو اسی سبب ہوئیں۔

ترخانوں کا سمرقند
میں فساد وغیرہ

یہ ہے کہ باستغیر میرزا جس قدر حصار کے امراء اور فوج سے میل جول رکھتا تھا اُس قدر سمرقند والوں سے نہ رکھتا تھا۔ شیخ عبداللہ برلاس بڑا سردار اور وزیر تھا۔ اُسکے بیٹے میرزا کے ایسے منہ چڑھے ہوئے تھے کہ عاشق و معشوق سو مہتم تھے۔

اے جان لیڈن کے ترجمہ میں آگے یہ فقرہ ہر دوسری بار اُسی نے پھر دشمن کی فوج کے ایک حصہ پر حملہ کیا اور کچھ لوگوں کو گھوڑوں پر سے اتار کر اُنکے سر کاٹ لیے ۱۲۱۷ھ میں یا جون ۱۷۹۶ء

ترخانی اور سمرقندی امرا اس سے جلتے تھے۔ آخر درویش محمد ترخان بخارا سے آیا۔ سلطان علی میرزا کو قزاقی لے لاکر بادشاہ بنایا۔ اور پھر باغ نو میں آگیا۔ یہیں باستغیر میرزا بھی تھا۔ باستغیر میرزا کو کسی فریب سے گرفتار کر لیا۔ اور اُس کے آدمیوں سے الگ کر کے میرزا کو ارگ میں لے آئے۔ اور دونوں میرزاؤں کو ایک جگہ رکھا۔ اُن کا خیال تھا کہ ظہر کے وقت میرزا کو کوک سرائے میں بھیج دیا جائے۔ باستغیر میرزا اطہارت کے بہانے سے اُس مکان میں جو باغ کی بارہ درنی کے مشرق و شمال کے بیچ میں ہے چلا گیا۔ دروازے پر ترخانیوں کے سپاہی کھڑے تھے۔ میرزا کے ساتھ محمد قلی توچین اور حسن شریعتی اندر آ گئے۔ اتفاقاً جس مکان میں میرزا اطہارت کے لیے آیا تھا اُس کے پیچھے ایک دروازہ تھا۔ جو اینٹوں سے تیغا کیا ہوا تھا۔ اور جس کو توڑ کر باہر جاسکتے تھے۔ میرزا نے فوراً اُس تینے کو توڑ ڈالا اور باہر نکل کر ارگ سے عاقر کی طرف فصیل سے اُدھر موری کے راستہ سے نکل فصیل دیوہی سے کودا۔ اور خواجہ کفشر کے پاس خواجہ کاہ خواجہ کے گھر میں جا پہنچا۔ دروازے پر کھڑے ہونے والے تھوڑی دیر کے بعد اندر گئے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ میرزا بھاگ گیا۔ دوسرے دن ترخانی اکھٹے ہو کر خواجہ کاہ خواجہ کے مکان پر گئے اور میرزا کے مفور کو طلب کیا۔ خواجہ نے دینے سے انکار کیا۔ ترخانی بھی زبردستی نہ چھین سکے۔ اس لیے کہ خواجہ کمزور نہ تھا۔ دو ایک روز کے بعد خواجہ ابوالمکارم اور حاجی بیگ وغیرہ امرا اور بہت سے سپاہیوں اور اہل شہر نے ہجوم کر کے میرزا کو خواجہ کے گھر سے نکال لیا۔ اور سلطان علی میرزا کو مع ترخانیوں کے ارگ میں گھیر لیا۔ یہ لوگ ایک دن بھی ارگ کو نہ بچا سکے۔ محمد ترخان چار راہ دروازہ سے نکل بھاگا۔ اور بخارا چلے آیا۔ سلطان علی میرزا اور درویش محمد ترخان پکڑے گئے۔ باستغیر میرزا احمد حاجی بیگ کے گھر میں تھا۔ کہ درویش محمد ترخان کو پکڑ لائے۔ اُس سے دو ایک باتیں پوچھیں۔ مگر وہ جواب دہانی نہ دے سکا۔ سچ یہ ہے کہ اُسے ایسا کام بھی نہ کیا تھا جو جواب دے سکتا۔ میرزا نے اُس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ وہ تھرا کر ستون سے چمٹ گیا۔ ستون کو چھینے سے کیا چھوڑتے تھے فوراً گردن اڑا دی گئی سلطان علی میرزا کی نسبت حکم ہوا کہ کوک سرائے میں لپکا کر آنکھوں میں نیل کی سلائیاں پھیر دی جائیں۔

۱۵ قزاقی کیش کو جنوب میں ۱۲ میل اور نئے باغ واقع سمرقند میں آگیا ۱۲ میل غد فر ۱۲ میل فصیل دیوہی وہ دوسری فصیل ہوتی ہو جو قلعہ سے باہر ہوتی ہے۔ ان دونوں دیواروں کے بیچ میں راستہ ہوتا ہے ۱۲ میل ترکوں اور عربوں میں رسم تھی کہ ستون اور خیمہ کی چوب کو مقدس جانتے تھے۔ اسی لیے مجرم اُس سے پٹ کر پناہ لیتا تھا ۱۲ میل کوک سرائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس کتاب میں لکھا ہے کہ امیر تیمور نے جو محل سمرقند میں بنوائے ہیں اُن میں سے ایک کوک سرائے یعنی ستر محل بھی یاد پیش دہی۔ لاکر ڈی نے تاریخ چنگیز خان کے صفحہ ۱۷۱ میں لکھا ہے کہ چنگیز خان غیر خان کو مہسنے گوشت سرائے میں طار کو بڑی بہادری سے پچا یا تھا مورا ڈالا۔ اسی واقعہ کو صفحہ ۲۲۷ میں پھر بیان کیا ہے کہ واقعہ کوک سرائے ہوا۔ مگر سمرقند کا کہیں نام نہیں بیان کیا۔ شاید امیر تیمور نے اس محل کو دوبارہ بنایا ہوگا۔ یا مونتخ مذکور نے غلطی کی ہے ۱۲

امیر تیمور نے جو بڑی عمارتیں بنائی تھیں اُن میں سے ایک کوک سرائے ہے۔ یہ مکان سمرقند کے ارک میں واقع ہے۔ اس عمارت کی عجیب خاصیت ہے۔ جو شخص امیر تیمور کی اولاد میں سے ابھرتا ہے اور تخت پر بیٹھتا ہے وہ یہیں تخت پر بیٹھتا ہے۔ اور سلطنت کا دعوائے کرنے میں جو مارا جاتا ہے وہ اسی مکان میں مارا جاتا ہے۔ چنانچہ کنا یہ کہا کرتے ہیں کہ فلان بادشاہ کو کوک سرائے میں لے گئے۔ یعنی مار ڈالا۔ سلطان علی میرزا کو کوک سرائے میں لے گئے۔ اور اُس کی آنکھوں میں سلائییاں پھیر دی گئیں۔ معلوم نہیں جراح کے قصد سے یا انارٹی پن سے سلطان علی میرزا کی آنکھوں کو کچھ ضرر نہ پہنچا۔ میرزا اُس وقت اس بات کو چھپا گیا اور خواجہ بیچے کے گھر میں چلا گیا۔ دو تین دن بعد بھاگ کر ترخانوں کے پاس بخارا جا پہنچا۔ اس واقعہ سے خواجہ عبید اللہ کی اولاد میں دشمنی ہو گئی۔ امکا بڑا بڑے کا طرفدار ہو گیا اور چھوٹا چھوٹے کا۔ کچھ دن بعد خواجہ بیچے ابھی بخارا چلا گیا۔

بالتغر میرزا کو علی میرزا
نے شکست دی
بالتغر میرزا نے فوج جمع کر کے علی میرزا پر جانب بخارا چڑھائی کی۔ جو بھی یہ بخارا کے قریب پہنچا وہی سلطان علی میرزا اور ترخان احرار ہارواؤنٹے ہو سائے آئے۔ تھوڑی ہی لمبائی کی بعد سلطان علی میرزا کو فتح ہوئی اور بالتغر میرزا کو شکست۔ احمد حاجی بیگ اور اچھے لچھے سردار گرفتار ہو گئے۔ جن میں سے اکثر کو قتل کر ڈالا۔ احمد حاجی بیگ کو درویش محمد ترخان کے قتل کی تہمت میں اُس کے عزیزوں اور غلاموں نے نکل کر بے عزتی سے قتل کیا۔ سلطان علی میرزا اسی وقت بالتغر میرزا کے پیچھے پیچھے سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔

سمرقند پر بابر بادشاہ کا پہلا حملہ
یہ خبر عید کے چاند میں مجھے پہنچی میں بھی سمرقند لینے کے لیے مع لشکر اسی مہینے میں روانہ ہوا۔

چونکہ سلطان حسین میرزا اخصار و قندرز سے واپس ہو گیا تھا اس لیے سلطان مسعود میرزا اور خسرو شاہ مطمئن ہو گئے تھے۔ اب سلطان مسعود میرزا بھی سمرقند لینے کے خیال سے شہر سبز میں گیا۔ خسرو شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی ولی کو میرزا لکھنماقا کر دیا۔ تین چار مہینے تک تین چار طرف سے سمرقند گھرا رہا۔ خواجہ بیچے نے سلطان علی میرزا کے پاس سے میرے پاس آکر میل ملپ کی باتیں کیا اور ملاقات کی ٹھیرائی۔ سمرقند سے دو تین کوس بیچے کی طرف ہشکر مقام سفد کی جانب سے میل بخو لشکر سمیت گیا۔ اور سلطان علی میرزا اپنے لشکر سمیت آیا۔ ادھر سے علی میرزا مع چار پانچ آدمیوں کے

آیا اور ادھر سے میں چار پانچ آدمیوں کو لیے ہوئے دریائے کوہکٹ میں جا کر دریا کے اندر ہم دونوں نے گھوڑوں پر بیٹھے بیٹھے باہم ملاقات اور مزاج پرسی کی۔ اس کے بعد وہ اُس طرف چلا گیا۔ اور میں اس طرف چلا آیا۔ ملا بٹائی اور محمد صالح کو میں نے وہیں خواجہ کے ساتھ دیکھا۔ محمد صالح سے تو میں جب ہی ایک دفعہ ملا تھا۔ مگر ملا بٹائی اسکے بعد آکر میرے پاس بہت دن تک رہا۔ سلطان علی میرزا کے اس ملنے کے بعد چونکہ جاڑا سر پر آگیا تھا اور اہل سمرقند بھی کیل کانٹے سے درست تھے ایسے میں اندجان کی طرف پلٹ آیا۔ اور سلطان علی میرزا بخارا چلا گیا۔ سلطان مسعود میرزا شیخ عبداللہ بکراں کی بیٹی بہت شیدا تھا۔ اُس نے اُس سے شادی کر لی۔ اور ملک لینے کا خیال ترک کر کے حصار کی طرف اُٹ پھر گیا۔ بلکہ مسعود میرزا کا آنا اسی غرض سے تھا۔ شیراز اور کنبائی کی نواح سے مہدی سلطان بھاگ کر سمرقند چلا گیا۔ اور حمزہ سلطان مقام رابین سے اجازت لیکر سمرقند پہنچا۔

سنہ ہجری کے واقعات

مہدی سلطان نے
عبدالکریم کو شکست دی
اس جاڑے میں بایستغیر میرزا کا کام خاصی ترقی کے ساتھ چل رہا تھا۔ جب عبدالکریم اشرف سلطان علی میرزا کی طرف سے اُس نواح کے لینے کے لیے آیا تو مہدی سلطان بھی بایستغیر میرزا کی عمدہ فوج کے ساتھ جھٹ پٹ سمرقند سے نکلا اور جھٹ پٹ اسکے سر پر آدھمکا۔ عبدالکریم اشرف اور مہدی سلطان دونوں دوہرہ ہو گئے۔ دونوں میں شمشیر بازی ہوتے ہی عبدالکریم کا گھوڑا اُس سمیت گرا۔ وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ مہدی سلطان نے ایک ہاتھ تلوار کا ایسا مارا جس سے عبدالکریم کا پہنچاٹ گیا۔ مہدی سلطان نے اُس کو تو گرفتار کر لیا اور اُس کی فوج کو سخت شکست دی۔ ان سلاطین نے جو دیکھا کہ سمرقند کے معاملات بگڑ رہے ہیں اور میرزاؤں کی سرکاری دنگا رہی ہیں تو انہیں سب شیبانی خاں کے پاس چلے گئے۔

بخاریوں پر سمرقندیوں کی چڑھائی اور ناکامی
سمرقندیوں کا اتنا ہی کام بنا تھا کہ سلطان علی میرزا پر فوج کشی کر نیکو آمادہ ہو گئے۔ بایستغیر میرزا رسول پر آیا اور سلطان علی میرزا خواجہ کارزون میں آیا۔ اسی موقع پر خواجہ مراد شیبانی کے بھڑکانے سے خواجہ ابوالکارم نے اور امرائے اندجان میں سے ویس لاغری محمد باقر۔ میر قاسم دولائی۔ اور بایستغیر میرزا

سنہ مطبوعہ سنہ میں (دربارے) آکر کجمان لیڈن نے لکھا ہے (دبیائے کوہک کے درمیان میں) ۱۲ سنہ ملا بٹائی کا حال سلطان علی میرزا کے دلت کے شر میں لکھا جائیگا ۱۲ سنہ ستمبر ۱۲۹۱ء ۱۲ سنہ اشرف ۱۲ سنہ قوفین اور اسکی نواح ۱۲ سنہ جان لیڈن نے (خواجہ کارزون) لکھا ہے مگر یہ نام غلط اور بہار متن کا نام صحیح معلوم ہوتا ہے ۱۲ سنہ شیبانی ۱۲

کے ملازمان خاص ہیں سے ایک جماعت نے بخارا پر چڑھائی کر دی۔ یہ سب شہر کے قریب ہی پہنچے تو کہ بخاریوں کو اطلاع ہو گئی۔ اور حملہ آور بنے نیل مرام واپس آئے۔

سمرقند رو بارہ چڑھائی
کرنے کے لیے بابر بادشاہ کا روانہ ہونا۔

جس وقت میں اور سلطان علی میرزا دونوں ملے تھے اُس وقت یہ اقرار ہو گیا تھا کہ گرمی کے موسم میں وہ بخارا سے اور میرزا جان سے اگر ہم دونوں سمرقند کو گھیر لیں۔ اس وعدے پر میں رمضان میں اندجان سے سوار ہوا۔ یار سیلانی کی نواح میں پہنچے ہی جو سنا کہ دونوں میرزا باہم مقابلہ میں پڑے ہوئے ہیں تو میں نے تولون خواجہ مغل کو دو سے تین سے قزاق فوج کے ساتھ بطریق ایلغار اُدھر روانہ کیا۔ جو نہی یہ لوگ قریب پہنچے بآستغفر میرزا میری خبر نہ بڑی پریشانی اور بے سامانی کے ساتھ اُلٹا پھر گیا۔ میری یہ فوج اُسی رات کو ندلان سے چلی اور بہت مخالفتوں کو تیروں سے مار کر بہتوں کو گرفتار کر کے اور بہت سی لٹ لیکر واپس آئی۔ ایک دو روز کے بعد میں قلعہ شیراز میں پہنچا۔ شیراز قاسم دولدائی کے پاس تھا۔ داروغہ شیراز اُس کو نہ بچا سکا اور میرے حوالے کر دیا۔ شیراز ابراہیم سارک کو سونپ دیا گیا۔ دوسرے دن عید کی نماز پڑھنے کے بعد میں سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ اور فوراً آبیاریں آن اُتر آج ہی قاسم دولدائی فیصل لاغی حسن نبیرہ۔ سلطان محمد سیف اور سلطان محمد ویس تین چار سو آدمیوں کے ساتھ میرے پاس آگئے اور ملازمت حاصل کی۔ کہنے سے کہ بآستغفر میرزا کے بھاگتے ہی ہم الگ ہو کر حضور کی خدمت میں آگئے ہیں۔ آخر معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ شیراز کے بچانے کا دعوے کر کے سلطان بآستغفر میرزا سے جدا ہوئے تھے۔ جب شیراز کا یہ حال دیکھا تو عاجز ہو کر یہاں آگئے۔

قاسم بیگ نے چند
مغلوں کو مروا ڈالا

جس وقت میں قزاق بلاق میں آکر اُترا اُس وقت اُن مغلوں کو گرفتار کر کے لائے جنہوں نے خود سری سے بعض دیہات کو جو رستہ میں ملے تھے لوٹ لیا تھا۔ قاسم بیگ نے۔ نظر انتظام حکم دیا کہ ان میں سے دو تین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ چار پانچ برس کے بعد مصیبت و آوارگی کے زمانہ میں جب میں ملک سیجا سے خان کے پاس جانے لگا تو اسی سبب سے قاسم بیگ مجھ سے علحدہ ہو کر حصار چلا گیا۔

مقام بام میں لشکر باری کا قیام
قزاق بلاق سے چلے اور دریا سے اُتر کر بام کی نواح میں

۱۱ مئی ۱۵۹۷ء کو کہتے ہیں کہ شیراز شہر سمرقند سے پچیس میل شمال میں ہے ۱۲ مئی کو کھیت میدان میں محفوظ کیے جاتے ہیں اور اُن پر سیاہی قینات رہتے ہیں۔ جاڑے کے موسم میں وہاں امراء خیمے ڈیرے ڈال کر رہتے ہیں اور لطیف موسم اُٹھاتے ہیں ۱۲ مئی قزاق بلاق ۱۲

ٹھہرے۔ آج ہی بعض امراء خیابان پر بالسفر میرزا کی فوج سے جا بھرے۔ سلطان احمد تہل کی گردن میں برچھا لگا۔ مگر وہ بچ گیا۔ خواجگی ملا صدر (خواجہ کلاں کا بڑا بھائی) کی گردن میں تیر لگا۔ اسی وقت اسکا انتقال ہو گیا۔ یہ شخص بہت اچھا جوان تھا۔ میرے باپ نے ازراہ عنایت اسکو مہر دار کر دیا تھا یہ صاحب علم آدمی تھا۔ لغت بہت جانتا تھا۔ انشا پر دانا چھتا تھا۔ اور بڑا شیر شکار تھا جب ہم نواح بام میں آئے تو شہر کے بہت سے دوکاندار اور ان کے علاوہ اور لوگ اشکر کے بازار میں آکر سودا سلف بیچنے لگے۔ ایک دن ظہر کی نماز کے وقت دفعۃً عام شورش مچ گئی۔ اور یہ سب سلمان کٹ گئے۔ مگر میرے لشکر کا انتظام اس طرح کا تھا کہ میں نے جو حکم دیا کہ ان لوگوں کا مال اسباب کوئی اپنے پاس نہ رکھے۔ سب واپس دیدیا جائے تو دوسرے ہی دن بہر دن چڑھے سے پہلے پہلے ایک تاکے کا کمرہ اور ٹوٹی ہوئی سوئی بھی لشکر والوں کے پاس نہ ہی بکل اسباب مالکوں کے حوالے کر دیا گیا۔

پورت خان کی طرف بڑھنا یہاں سے کوچ کر کے سمرقند کے مشرق کی جانب پورت خان میں جا اترے۔ یہ مقام سمرقند سے تین کوس کے فاصلہ پر

ہوگا۔ یہاں چالیس یا پچاس دن تک ہمارا ٹھہرنا ہوا۔ اس عرصہ میں کئی دفعہ اندر اور باہر کی فوج کے دل چلوں میں خیابان کے مقام پر خوب لڑائیاں ہوئیں۔ ایک بار خیابان میں ابراہیم بیگ چک نے دھاوا کیا۔ اس کے چہرے پر تلوار کا زخم لگا۔ اسی کے بعد سے اسکو ابراہیم چاقی کہنے لگے۔ دوسری دفعہ خیابان ہی میں پل مفاک پر ابو القاسم کوہ بھجا لڑا۔ اور اس نے اپنی پیاز سی کے خوب ہاتھ نکالے۔ پھر ایک دفعہ خیابان ہی میں نواح برتاؤ میں خفین سی لڑائی ہوئی۔ میر شاہ قوچین نے پیاز سی کے ہاتھ نکالے۔ میر شاہ قوچین کے اس طرح تلوار لگی کہ اس کی ادھی گردن کٹ گئی۔ تاہم شہر گریع گئی تھی۔

سمرقند پر حملہ اور شہر والوں کی دعا انہی دنوں میں جبکہ ہم پورت خان میں تھے سمرقند میں

نے ایک آدمی بھیجا کہ ازراہ فریب درخواست کی کہ غار عاشقاں کی طرف آئے۔ ہم قلعہ حوالے کر دینگے ہم لوگ اس خیال سے شب کو پل مفاک پر

۱۲ لفت میں خیابان اس عام تفرج گاہ کو کہتے ہیں جسے راستہ پر دورویہ درخت لگے ہوئے ہوں۔ اور جو بہت وسیع ہو ۱۳

۱۴ جس کو اس زمانہ میں چیف جسٹس کہتے ہیں ۱۵۔ ۱۶ جان لیڈن نے میر شکار کا ترجمہ جادو اور نیز نگات جادو

لکھا ہے ۱۷ پورت خان یعنی خان کا مکان یا چوکی ۱۸ چاقی یعنی چراہو اچہرہ ۱۹ ایک گاؤں کا

نام ہے جو دریائے مفاک پر واقع ہے۔ یہ دریا سمرقند کے مائل بہ شرق بہتا ہے ۲۰ کوہ پر ۲۱

یہ ایک مغبوط لکڑی کا عصا ہوتا ہے جس کے ایک سرے پر فولاد کے گولے زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ

بہت ہیبت ناک ہتھیار ہے۔ ہمارے ملک کے میواتی اور دیہاتی بانس کے ٹکڑے رکھا کرتے ہیں جن میں لوہے کے کڑے

چڑھے ہوئے ہیں یا گنداسے جڑے ہوئے ہوتے ہیں غالباً پیاز سی اسی قسم کا حربہ ہو ۲۲ ترناؤ ۲۳

چند سواریوں کا ایک دستہ اور کچھ پیدل مقام موعود پر بھیجے گئے۔ اندر والے چار پانچ پیدلوں ہی کو پکڑ کر لے گئے تھے کہ اور لوگ ہوشیار ہو گئے۔ یہ بڑے بہادر سپاہی تھے جن میں سے ایک کا نام حاجی تھا۔ جو میرے چھٹپن سے میرے پاس رہا تھا۔ دوسرا محمود کوہ بر سنگ تھا۔ ان سب کو مار ڈالا جن دنوں میں ہم اسی یورت میں تھے اُن دنوں میں سمرقند سے اہل شہر اور اہل بازار اس قدر آتے تھے کہ لشکر شہر نظر آتا تھا۔ جو چیز شہر سے یعنی چاہو وہ لشکر میں لیلو۔ اسی زمانہ میں سمرقند کے علاوہ اور قلعوں پہاڑوں اور جنگلوں کے رہنے والے ہمارے پاس آ گئے تھے۔ پہاڑ کے دامنہ میں قلعہ ارکت کو وہاں والوں نے خوب جنگی کر لیا تھا۔ اس یورت سے ہمیں ارکت پر قبضہ کرنے کے لیے ضرور جانا پڑا مگر وہاں والے ہم سے مقابلہ نہ کر سکے۔ خواجہ قاضی کے توسط سے حاضر ہو گئے۔ میں اُنکی خطا معاف کر کے سمرقند کا محاصرہ کرنے پھر چلا آیا۔

۳۰۔ ہجری کے واقعات

سمرقند کا پھر آکر محاصرہ کر لیا

باغ میدان کے پیچھے مرغزارِ قلبہ میں آکر اُترنا ہوا۔ سمرقند کے لوگوں میں سے بہت سپاہی اور اہل شہر پل محمد حبیب کے قریب جمع ہوئے۔ اور ہم پر حملہ آور ہوئے۔ چونکہ ہماری فوج تیار نہ تھی اس لیے فوج کے درست ہونے تک سلطان علی اور بابا قلی کو مخالف پکڑ کر قلعہ میں لے گئے۔

ایک لڑائی

چند روز بعد ہم یہاں سے اُٹھے اور کوہک پہاڑ پر قلبہ کے قریب جا ٹھہرے۔ آج ہی سید یوسف بیگ سمرقند سے نکل کر یہاں میری ملازمت میں حاضر ہوا میں جو اُس پڑاؤ سے اس پڑاؤ پر آ گیا تو سمرقندی سمجھے کہ میں اُٹا پھر گیا۔ تمام سپاہی اور شہری پل میرزا کے قریب زاوہ واڑ سے پل محمد حبیب تک منڈائے میں نے حکم دیا کہ جو فوج موجود ہے تیار ہو جائے۔ اسی فوج نے دو طرف سے پل میرزا اور پل محمد حبیب پر حملہ کیا۔ خدا شقائے نے میرا منصوبہ پورا کیا۔ دشمن کو شکست ہوئی۔ اُنکے اچھے اچھے سردار اور سپاہی پکڑے گئے۔ جو لوگ پکڑے گئے اُن میں محمد مسکین تھا۔ حافظ دولائی تھا جسکے تلوار لگ کر کلمہ کی اُننگلی کٹ گئی تھی۔ محمد قاسم نبیرہ (حسین نبیر کا چھوٹا بھائی) تھا۔ اُنے طبقہ کے لوگوں میں سے دیوانہ جامہ باف اور کل قاسم تھا۔ یہ لوگ پتھر سے لڑنیوالوں کے سرغنہ تھے۔ اور پاک شہدے تھے۔ غرض ایسے بہت سے سپاہی اور شہر کے لوگ تھے جو ہچکچاتے جاتے تھے۔ سمرقند والوں کو یہ ایسی پوری شکست ہوئی کہ اس کے بعد شہر کا کھانا مکھانا موقوف ہو گیا۔ اب یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہمارے آدمی خندق کے کنارے تک جانے لگے۔ اور بہت سے لونڈی غلام پکڑ کر لانے لگے۔

تجزیر قشلاق آفتاب برج میزان میں آیا اور سردی شروع ہو گئی۔ جو امراء و صلاح کار تھے اُنے مشورہ کر کے یہ بات قرار پائی کہ شہر والے سب عاجز ہو رہے ہیں۔ خدا چاہے تو آج کل میں ہم شہر لیے لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ سردی کی تکلیف کا خیال ہے اس لیے شہر کے قریب سے اُٹھ کر کسی قلعہ میں قشلاق کی تجویز کرنی چاہیے۔ اگر ہم کو چلا جانا ہی منظور ہوگا تو وہاں سے بے تردد ہم چلے جائیں گے قشلاق کے لیے خواجہ دیدار کا قلعہ مناسب معلوم ہوا۔ یہاں تو اُٹھ کر اُس مرغزار میں جو قلعہ خواجہ دیدار کے سامنے ہے جا اترے۔ قلعہ میں مکانات وغیرہ بنائے لیے مقامات تجویز کیے گئے۔ راج مزدور اور دستم مقرر کر کے ہم چھاؤنی میں آگئے۔ قشلاقی مکانات تیار ہونے تک ہمارا کیمپ مرغزاری ہی میں پڑا رہا۔

شیبانی کا آنا اور ناکام جانا اس اثنا میں بالستغرمیرزا نے شیبانی خاں کے پاس ترکستان میں متواتر آدمی بھیجے اور اُس کو ملک کیلئے بلایا۔ ہمارا قشلاقی

گھرتیار ہو کر ہم اُن میں آئے ہی تھے کہ شیبانی خاں ترکستان سے مارا مار دو سرے دن صبح ہی ہمارے پڑاؤ پر آئے موجود ہوا۔ ہمارا لشکر تتر بتر تھا۔ قشلاق کی فکر میں کچھ لوگ رباط خواجہ کچھ لوگ کاند اوپر کچھ تیراز گئے ہوئے تھے۔ جو فوج موجود تھی اُسی کو درست کر لیا گیا۔ شیبانی خاں ہمارا مقابلہ نہ کر سکا۔ پھر چلا گیا۔ اور سو ادشہر میں جا اُترا۔ چونکہ بالستغرمیرزا کا دعائے برآیا اس لیے شیبانی خاں میں اور اُس میں پورا میل جول نہ ہوا۔ شیبانی چند روز پھر اگر کچھ کام نہ نکلا۔ آخر مایوس ہو کر ترکستان کی طرف اُٹا پھر گیا۔ بالستغرمیرزا سمرقند چھوڑ کر بالستغرمیرزا نے سات چھینے تک تکلیف محامہ اٹھائی۔ اُس کو فقط شیبانی خاں کی مدد کی امید تھی۔ جب اُدھر سے مایوس ہو گیا تو ناچار خسرو شاہ پاس چلا گیا۔

چلا گیا جس وقت ترند کی نواح میں دریائے آمون سے میرزا کا گز رہوا اور سید حسین اکبر نے جو سعودیہ کا خویش اُسکا معتبر اور حاکم ترند تھا یہ خبر سنی اُسی وقت وہ بالستغرمیرزا کے سر پر آدھمکا۔ میرزا تو دریائے پار ہو چکا تھا مگر کچھ آدمی اور تھوڑا سا اسباب پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ اُسکے ہاتھ لگا میرزا خان وہیں دریا میں ڈوب گیا۔ محمد طاہر نامی بالستغرمیرزا کا غلام گرفتار ہو گیا۔ بالستغرمیرزا خسرو شاہ اچھی طرح پیش آیا۔

سلطان حسین میرزا اور بیچ الزمان میرزا کے اُن جھگڑوں کا حال معلوم ہوا جنکا انجام یہ ہوا کہ دونوں باپ بیٹوں میں ٹھٹ پٹ ہو گئی۔ بیچ الزمان میرزا کی لڑائی اسکی مفصل کیفیت یہ ہے کہ پچھلے سال بلخ اور استرآباد بیچ الزمان میرزا اور مظفر حسین میرزا کو سلطان حسین میرزا نے دیدیا تھا۔ اُس وقت تو اسپر و نوئی رضا مندی حاصل کر لی تھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ پھر جب اب تک بہت ایلچی آئے گئے۔ علی شیر بھی سفیر ہو کر آیا۔

اور اُس نے بہت کوشش کی لیکن بدیع الزمان میرزا اپنے چھوٹے بھائی کو استر آباد دینے پر راضی نہ ہوا۔ اُسے صاف جواب دیدیا کہ میرے بیٹے مومن میرزا کا جب ختنہ ہوا تو یہ شہر اُس کو عنایت ہوا تھا ایک دن میرزا میں اور علی شیر بیگ میں ملاقات ہوئی۔ اُس موقع پر جو گفتگو ہوئی وہ میرزا کی تیز فہمی اور علی شیر بیگ کی رقت قلب کی دلیل ہی۔ علی شیر بیگ نے بدیع الزمان میرزا کے کان میں کچھ بھید کی باتیں بہت چُپکے سے کہیں۔ اور کہا کہ ان باتوں کو یاد رکھنا۔ میرزا نے اُسی وقت کہا کونسی باتیں؟ علی شیر بیگ صورت دیکھنے لگا اور رو دیا۔ آخر باپ بیٹوں میں اتنی گفتگو ہوئی کہ باپ نے باپ پر اور بیٹے نے بیٹے پر استر آباد اور بلخ میں فوج کشی کی یعنی مظفر حسین میرزا اور مومن میرزا کے جھگڑے نے اتنا طول بھیجھا کہ مظفر حسین میرزا کے باپ سلطان حسین میرزا نے محمد مومن میرزا باپ بدیع الزمان میرزا پر رنج میں اور سلطان حسین میرزا کے بیٹے مظفر حسین میرزا نے بدیع الزمان میرزا کے بیٹے مومن میرزا پر استر آباد میں چڑھائی کر دی۔ کورواں کے نیچے سبزہ زار بیگ چراغ لیشی جانب سے سلطان حسین میرزا اور بالائی طرف سے بدیع الزمان میرزا کے تھانے۔

بدیع الزمان میرزا کی شکست | رمضان کی پہلی تاریخ بدھ کے دن ابو الحسن میرزا سردار انجین حسین میرزا میں سے چند سرداروں اور ایک دستہ فوج کو ہمراہ لیکر دفعۃً سامنے آیا۔ کچھ بہت لڑائی

نے ہونے پائی تھی کہ بدیع الزمان میرزا کو شکست ہوئی۔ اُسکے اچھے اچھے سپاہی گرفتار ہو گئے۔ سلطان حسین میرزا نے سب کو مروا ڈالا۔ نہ صرف اسی موقع پر بلکہ جب کبھی اُس کے کسی بیٹے نے سرکشی کی اُسے اُسکو شکست دی اور اُنکے نوکروں میں سے جو جو ہاتھ لگا اُسکو مروا دیا۔ سلطان حسین میرزا کیا کرتا۔ وہ حق پر تھا۔ یہ میرزا اس قدر عیش اور بدکاری میں مشغول ہوئے تھے کہ انکے باپ جیسے ہوشیار و تجربہ کار بادشاہ کو اتنی دور سے آنا پڑا اور رمضان جیسے متبرک مہینے میں گو ایک ہی رات کا فاصلہ رہ گیا تھا مگر اسے نہ باپ کا لحاظ کیا اور نہ خدا کا خوف کیا۔ اس کو شراب پینے۔ جلے کرنے اور مزے اڑانے سے کام رہا۔ یہ بندھی ہوئی بات ہے کہ ایسے شخص کو ایسی ہی شکست ہونی چاہیے۔ جو لوگ اس طرح عیش و نشاط کے بندے بن جاتے ہیں اُن پر ہر کوئی قابو پا جاتا ہے۔ استر آباد کی چند سالہ حکومت میں بدیع الزمان میرزا کے حواشی اور ملازم خوب زرق و برق ہو گئے تھے۔ میرزا کے ہاں سونے اور چاندی کا سامان ڈھیروں ہو گیا تھا۔ ہر قسم کے عمدہ عمدہ کپڑے اور تہچاق گھوڑے موجود تھے۔ بھاگتے وقت ساری کائنات یہیں چھوڑی اور پہاڑ کے ناہموار راستے سے ایک خطرناک گھائی میں گھس گیا۔ اور بڑی شکل سے یہاں سے نکلا۔ اس مقام پر اسکے بہت لوگ تلف ہو گئے۔

بلخ بھی لے لیا | سلطان حسین میرزا اپنے بیٹے کو شکست دینے کے بعد بلخ میں آیا۔ بدیع الزمان میرزا کی طرف سے بلخ کا حاکم شیخ علی طغانی تھا۔ اُس سے کچھ نہ ہو سکا۔ اُسے بلخ کو حوالے کر دیا۔ سلطان حسین میرزا نے بلخ کو ابراہیم حسین میرزا کے سپرد کیا۔ محمد ولی بیگ اور شاہ حسین چہرہ کو اُسکے ساتھ چھوڑ کر آپ خراسان کی طرف مراجعت کی۔

یہ شہر دارالسلطنت نہ بنا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ قلعہ کی تفصیل کا گرواؤ لا قدم سے ناپا جائے۔ ناپا تو وہیں نہرا چھ سو قدم نکلا۔

سمرقند کے باشندے اور اہل کمال | یہاں کے باشندے سب سنی پاک مذہب تشرع اور متدین ہیں۔ ہمارے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد ائمہ اسلام جتنے ماوراء النہر میں پیدا ہوئے ہیں اتنے کسی ولایت میں نہ پیدا ہوئے ہونگے۔ شیخ ابو المنصور ماتریدی جو علم کلام کے اماموں میں سے ہیں وہ ماتریدی کے رہنے والے تھے۔ ماتریدی سمرقند کے ایک محلہ کا نام ہے۔ ائمہ کلام کے دو فرقے ہیں۔ ایک ماتریدیہ دوسرا اشعریہ۔ ماتریدیہ شیخ المنصور سے منسوب ہے۔ خواجہ اسماعیل خرکست جو بخاری شریف کے جامع ہیں وہ بھی اسی ماوراء النہر کے تھے۔ صاحب ہدایہ (حنفی مذہب میں ہدایہ سے بڑھ کر فقہ کی کوئی کتاب کم معتبر ہوگی) مرغینان کے رہنے والے تھے۔ یہ قصبہ ملک فرغانہ میں ہے اور فرغانہ بھی ماوراء النہر میں داخل ہے جو ملک کونارس پر واقع ہے۔

حدود | ماوراء النہر کے مشرق میں فرغانہ اور کاشغر ہے۔ مغرب میں بخارا اور خوارزم۔ شمال میں تاشکند اور شاہرخیہ (جسکو شانش اور بکانت لکھتے ہیں) جنوب میں بلخ اور ترمذ ہے۔

دریا | دریائے کوہک اسکے شمال میں سمرقند سے دو کوس کے فاصلہ پر بہتا ہے۔ سمرقند اور دریائے یحج میں ایک ٹیکرا ہے جسکو کوہک کہتے ہیں۔ چونکہ یہ دریا اس پہاڑ کے نیچے سے بہتا ہے اسلئے اسکا نام دریائے کوہک مشہور ہو گیا ہے۔ اس دریائے کوہک سے ایک بڑی ندی نکلی ہے۔ بلکہ وہ خاصا چھوٹا سا دریا ہے جسکو دریا درغم کہتے ہیں۔ یہ ندی سمرقند کے جنوب میں بہتی ہے اور سمرقند سے ایک کوس شرعی کے فاصلہ پر ہوگی۔ سمرقند کے باغات مقامات اور کئی پرگنوں اسی ندی سے سیراب ہوتے ہیں۔ سمرقند سے بخارا اور قرکول تک تھینا چالیں کوس کا فاصلہ ہے۔ یہ سارا ملک دریائے کوہک ہی سے مزروع اور آباد ہے۔ اتنا بڑا دریا تمام زراعت اور عمارت ہی کے کام میں آجاتا ہے۔ گرمیوں میں تو یہ حال ہے کہ تین چار مہینے بخارا تک اسکا پانی نہیں پہنچے پاتا۔

میوے | سمرقند میں انگور، خربوزہ، سیب، انار، بلکہ سارے میوے عمدہ ہوتے ہیں اور بہت ہوتے ہیں سمرقند کے دو میوے مشہور ہیں۔ سیب اور انگور صاحبی۔

موسم | سردی یہاں خوب ہوتی ہے مگر کابل کی سی برف نہیں پڑتی۔ ہوا اچھی ہے لیکن گرمیوں میں کابل جیسی نہیں ہوتی۔ سمرقند کے باغات اور عمارتیں | سمرقند اور اسکی نواح میں امیر تیمور اور ریح بیگ کی بنائی ہوئی عمارتیں اور باغ بہت سے ہیں۔ امیر تیمور نے ارک سمرقند میں ایک بڑا چومنزہ محل بنایا ہے جسکا نام کوک مرآت مشہور ہے۔ یہ عمارت بہت عالیشان ہے۔ آہنی دروازہ کے پاس شہر میں ایک جامع مسجد سنگین بنائی ہے بہت سنگتراشوں نے (جنکو وہ اپنے ساتھ ہندوستان سے لائے تھے) اس مسجد میں کام کیا ہے۔ اس مسجد کے پیش طاق میں یہ آیت شریفہ افواہیہ ابراہیم القواعد الخ ایسے جلی قلم سے لکھی ہوئی ہے کہ ایک کوس

جس کا تھناہ سیکل کا ماطہ ہے ۱۲ طہ خواجہ صاحب کی زندگی کا آخری حصہ جو کہ نزدیک میں جو مضافات سمرقند سے گزرا ہے اس لیے ان کو ترکیبی کہتے ہیں ۱۲

فاصلہ سے پڑھی جاسکتی ہے۔ یہ بھی بہت بڑی عمارت ہے۔ سمرقند کے مشرق میں دوباغ امیر کے بنائے ہوئے ہیں۔ ایک بہت فاصلہ پر ہے۔ اسکا نام باغ بولدی ہے۔ دوسرا قریب ہوا اسکا نام باغ دلکشا ہے۔ باغ دلکشا سے فیروزہ دروازہ تک چٹان ہے جسکے دونوں طرف صنوبر کے درختوں کی قطار ہے دلکشا میں بھی ایک بڑا محل ہے اس محل میں امیر کی ہندوستان والی لڑائی کی تصویر بنائی گئی ہے۔ کوہک پہاڑ کے دامنہ میں سیاہ آب کان گل کے کنارہ پر (جسکو دریائے رحمت کہتے ہیں) ایک اور باغ بنایا ہے۔ اسکا نام نقش جہاں ہے۔ جب میں نے دیکھا ہے تو وہ ویران پڑا تھا۔ نام ہی نام رہ گیا ہے۔ سمرقند کے جنوب میں باغ چار ہے۔ یہ باغ شہر کے قریب ہی ہے۔ سمرقند سے نیچے کی جانب باغ شمال اور باغ بہشت ہے۔ محمد سلطان میرزا ابن جہانگیر میرزا نے جو امیر تیمور کا پوتا تھا قلعہ سنگین کے دروازہ کے پاس ایک مدرسہ بنایا ہے۔ امیر تیمور کا مزار اور امیر کی اولاد میں سے جو سمرقند کا بادشاہ ہوا ہے اسکی قبر اسی مدرسہ میں ہے۔ اُلغ بیگ میرزا کی عمارتوں میں سے سمرقند کی شہریناہ کے اندر مدرسہ اور خانقاہ ہے۔ خانقاہ کا گنبد بہت بڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ اتنا بڑا گنبد دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ اسی مدرسہ اور خانقاہ کے پاس ایک حمام نہایت عمدہ بنا ہوا ہے۔ جو حمام میرزا کے نام سے مشہور ہے۔ اسکا فرش ہرسم کے پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ خراسان اور سمرقند میں اس قطع کا حمام شاید ہی دوسرا ہو۔ مدرسہ کے جنوب میں ایک مسجد ہے۔ اسکو مسجد مقطع کہتے ہیں۔ مقطع اس سبب سے نام رکھا گیا ہے کہ لکڑی کے ٹکڑے تراشکر انکو اسلی اور خطائی نقشوں سے منقش کیا ہے۔ ساری دیواریں اور چھتیں اسی طرح کی ہیں۔ اس مسجد کے قبلہ میں اور مسجد مدرسہ کے قبلہ میں بہت فرق ہے۔ غالباً اس مسجد کے قبلہ کچھ منجوت کے طریقہ پر رکھا گیا ہے۔ کوہک پہاڑ کے دامنہ میں ایک اور بڑی عمارت رصد کی ہے جس سے زینج لکھی جاتی ہے۔ یہ مکان سہ منزلہ ہے۔ اُلغ بیگ میرزا نے اسی رصد سے زینج کو رنگائی لکھی ہے۔ آجکل دنیا میں اسی زینج کا رواج ہے۔ دوسری زینج پر کم عمل کیا جاتا ہے۔ اس زینج سے پہلے زینج التیانی رائج تھی جسکو خواجہ نصیر نے ہلاکو خاں کے زمانہ میں مراغہ میں رصد بنا کر لکھا تھا۔ غالباً اس وقت تک دنیا میں سات آٹھ رصدوں سے زیادہ نہ تیار ہوئی ہوں۔ اُن میں سے ایک رصد خلیفہ مامون نے بنائی تھی۔ جس پر زینج مامونی لکھی گئی ہے۔ ایک بطلموس نے بھی بنائی تھی۔ ایک رصد ہندوستان میں ہے جو راجہ بکرما جیت کے زمانہ میں اُتھین اور دھار (ملک مالوہ جس کو اب مندو کہتے ہیں) میں بنائی گئی تھی۔ اہل ہند کے ہندو آجکل اسی سے کام لیتے ہیں۔ اس کو بنے ہوئے ایک ہزار پانچ سو چوبیس برس ہوئے ہیں۔ اور زیچوں کی نسبت یہ زینج بہت ہی ناقص ہے۔ اسی کوہک پہاڑ کے دامنہ میں مغرب کی طرف ایک اور باغ بنایا ہے۔ اسکا نام باغ میدان ہے۔ اس باغ میں ایک بڑا مکان بھی ہے۔ جسکو چہل ستون کہتے ہیں۔ اس کے سارے ستون پتھر کے ہیں۔ اس عمارت کے چار برجوں میں چار مینار کی

۱۲ صدم ہوا کہ سیاہ آب کا بڑا رصد بنا سے مامون ہے ۱۲ اس کا ۱۲ مگر زینج میں پڑی ہے۔ جو علم جہانہ کا عالم تھا ۱۲ اس کی دو ستونوں کے ستون پتھر کے ہیں ۱۲

ملہ باغ بے عیب یعنی عمدہ باغ ۱۲ جس راستہ پر درویدہ درخت لگے ہوئے ہوں اور وہ عام تفرج گاہ ۱۲ سیاق عبارت سے

صورت پر چار بڑج نکالے ہیں۔ اوپر چڑھنے کے راستے انہی برجوں میں سے ہیں۔ سب مقاموں میں پتھر ہی کے ستون ہیں۔ بعض ستون مار پیچ قطع کے بنے ہوئے ہیں۔ اوپر کی منزل میں چاروں طرف دلاں ہیں۔ اس عمارت کی کرسی اور فرش تمام سنگین ہیں۔ اس کے اُس طرف جدھر کو بہت پہاڑ ہے ایک باغیچہ ہے جس میں ایک بڑی بارہ درہ بنائی ہو۔ بارہ درہ میں ایک بڑا سنگین تخت رکھا ہے۔ اس تخت کا طول چھینا چودہ پنہرہ گز کا۔ عرض سات آٹھ گز کا۔ اور اونچان ایک گز کی ہے۔ اس اتنے بڑے پتھر کو بڑی دوسو سے لائے ہیں۔ اس میں ایک درز پر لگی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ درز یہاں لانی کے بعد پڑی ہے۔ اسی باغ میں ایک پتھر درہ ہے۔ اُسکی تمام دیواروں پر چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ اسکو چینی خانہ کہتے ہیں بلکہ خطائے آدمی بھیجکر اسکو منگوایا تھا۔ شہر کے اندر ایک اور پُرانی عمارت ہے۔ جسکو مسجد تعلقہ کہتے ہیں۔ اس میں یہ عجیب صنعت ہے کہ مسجد کے صحن میں اگر لات مارو تو کفن لٹ کی آواز آتی ہے۔ اس بھید کو کوئی نہیں جانتا۔ سلطان احمد میرزا کے زمانہ میں بھی ہر طبقہ کے امرا نے بہت سے باغ و باغیچے بنائے تھے۔ اُن میں سے درویش محمد نرغان کا چار باغ اپنی طرز۔ صفائی اور ہوا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ باغ میدان کسے بچے کی جانب ایک بلندی پر جو قلبہ کے مرغزار کے اوپر واقع ہے بنایا ہے۔ تمام باغ جو اس مرغزار میں ہیں وہ اس باغ کے زیر پا ہیں۔ چار باغ کے درجے بھی ترکیب کے ساتھ بنائے ہیں۔ نارتون۔ سرو اور سفیدار کے درخت لگائے ہیں۔ یہ مقام نہایت ہی عمدہ ہے۔ صرف عیب اتنا ہے کہ کوئی بڑی نہر اس میں نہیں ہے۔ شہر سمرقند عجب ایک آراستہ شہر ہے۔ اس میں ایک خصوصیت یہ ہے جو اور شہروں میں کم ہوگی کہ ہر پیشے والوں کے بازار الگ الگ ہیں۔ مخلوط نہیں ہیں۔ یہ اچھی رسم ہے۔ نان بابیوں اور آتش پزروں کی دوکانیں بہت عمدہ ہیں۔ سمرقند کا کاغذ نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اور تمام عالم میں جاتا ہے۔ کاغذ کے کارخانے جگہ جگہ از کہتے ہیں مقام کان گل میں ہیں۔ اور کان گل سیاہ آب کے کنارے پر ہے۔ جس کو آب رحمت بھی کہتے ہیں۔ سمرقند کی عمدہ اشیاء میں دو سری چیز محل قمری ہو اسکو بھی ورد و رجا ہیں۔ شہر کے گرد اگر دو بہت سے عمدہ سبزہ زار ہیں۔ ایک سبزہ زار کان گل کے سوا د شہر کے مرغزار۔ نام سے مشہور ہے جو سمرقند سے کوئی کوس بھر شرعی کے فاصلہ پر مشرق میں ذرا مائل بشمال واقع ہے۔ سیاہ آب جس کو دریائے رحمت کہتے ہیں کان گل کے بیچ میں سے جاری ہے۔ یہاں سات آٹھ آسیا پانی ہوگا۔ اسکے گرد بالکل دلدل رہتی ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ اس سبزہ زار کا اصل نام کان گیر تھا۔ مگر تاریخوں میں کان گل ہی لکھا دیکھا ہے۔ سمرقند کے پادشاہوں نے ہمیشہ قورقوغ کی طرح اس سبزہ زار کی حفاظت کی ہے۔ ہر سال مہینے دو مہینے اس میں ضرور آکر رہتے ہیں۔ اس مرغزار کے اوپر کی جانب مشرق و جنوب کے بیچ میں دو سر مرغزار ہے۔ اسکو پورت خان کہتے ہیں جو سمرقند کے مشرق میں ایک کوس شرعی کے فاصلہ پر ہوگا۔ دریائے سیاہ اُس میں نہا ہوا کان گل میں جاتا ہے۔

نیکو باد و چو کوباش اور بعض دوسری خاص قطع کے ہیں ۱۲ سالہ شاہی چین ۱۲ سالہ مارا کر تری جو کونکلا کہتے ہیں اسکا پھول بڑا بڑا ہوتا ہے۔ جو کونکلا کہتے ہیں۔ ایک درخت کا بھی نام جو نہایت خوبصورت اور گھٹن کا ہوتا ہے۔ وہ مقام میں جاوے گا موسم گزارتے ہیں ۱۳ خان کے اترنے کا مقام ۱۲

بڑھا ہوا ہے۔ کیش میں ایک مقبرہ اور ایک مدرسہ بھی بنایا ہے۔ جہانگیر میرزا کی اور امیر کی بعض اولاد کی قبریں اسی میں ہیں۔ چونکہ سمرقند کی طرح کیش میں شہر بننے کی قابلیت نہ تھی اسلئے آخر سمرقند ہی دار الخلافہ مقرر ہوا۔ ایک علاقہ قرشی ہے۔ اس کو سنت اور خشب بھی کہتے ہیں۔ قرشی مغلی زبان کا لفظ ہے۔ مغلوں کی زبان میں قبرستان کو قرشی کہتے ہیں۔ شاید چنگیز خاں کے تسلط کے بعد اسکا یہ نام زبان زد ہو گیا۔ پانی یہاں بہت کم ہے۔ یہاں کی بہار کا موسم نہایت اچھا ہوتا ہے۔ خربوزے کی زراعت کثرت سے ہوتی ہے۔ یہ علاقہ سمرقند کے جنوب میں مائل بہ مغرب اٹھارہ فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ باغیچہ جاذور کی صورت کا یہاں ایک جاذور ہوتا ہے اُس کو قیل قویہ و غ بھی کہتے ہیں۔ چونکہ یہ جاذور اس ملک میں بے شمار ہوتا ہے اسلئے یہاں اسکا نام مرغ قرشی مشہور ہو گیا ہے۔ ایک خراز کا علاقہ ہے۔ ایک علاقہ کرغیہ کا ہے۔ سمرقند اور بخارا کے درمیان میں ایک علاقہ قراکول ہے جو نسبت اوروں کے دریا سے بہت نشیبی جانب میں بخارا سے ساٹھ فرسنگ مغرب اور شمال کے درمیان میں ہے۔ اس میں بہت سے پرگنہ ہیں۔ ایک پرگنہ سفید ہے۔ اسکے متصل بہت سے پرگنہ ہیں۔ انکی ابتداء یارسیلیق سے ہے۔ اور انتہا بخارا تک ہے۔ انکے راستہ میں ایک فرنگ بھی ایسا نہیں ہے کہ جہاں کوئی گانوں آباد نہ ہو۔ یہ مشہور ہے کہ امیر تیمور فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس ایک باغ ہے جسکا طول تیس فرسنگ کا ہے۔ یہ اشارہ انہی پرگنوں سے تھا۔ ایک پرگنہ شاد واد ہے۔ شہر اوجائی شہر سے ملا ہوا۔ یہ بہت اچھا پرگنہ ہے۔ ایک جانب اسکے وہ پہاڑ ہے جو شہر سبز اور سمرقند کے بیچ میں ہے۔ اسکے دیہات اسی پہاڑ کے دامن میں بستے ہیں۔ دوسری طرف دریائے کوہک ہے۔ یہاں مو انہایت عمدہ صفائی اچھی۔ پانی کثرت سے اور خالص سستی ہے۔ جن لوگوں نے مصر اور شام کو دیکھا ہے وہ بھی اس جگہ کو بے نظیر بیان کرتے ہیں لکھ اور پرگنوں میں گراں نہیں ہیں چکا کوڈ کر کیا ہے۔

اولاد تیمور میں سے سمرقند کے بادشاہ

کیا تھا۔ جہانگیر میرزا کے مرنے کے بعد اُسکے چھوٹے بیٹے کو حاکم کیا۔ اسکے انتقال کے بعد اسکے بڑے بیٹے محمد سلطان کو یہاں کی حکومت دی تھی شاہ رخ میرزانے سارا ملک ماوراء النہر اپنے بڑے بیٹے الف میرزا کو دیا تھا۔ الف بیگ میرزا سے اُس کے بیٹے عبد اللطیف میرزانے لیا۔ اور اس پنج روزہ بے ثبات دنیا کے لیے اپنے دانشمند اور بڑے باپ کو شہید کیا۔ الف بیگ میرزا کے مرنے کی تاریخ اچھی لکھی گئی ہے۔ وہ یہ ہے ۵

۱۵ ان کا نام غیاث الدین جہانگیر میرزا تھا۔ یہ امیر کے بڑے بیٹے تھے اور امیر کے سامنے ان کا انتقال ہوا تھا ۱۳۱۵

جس زمانہ میں ایشیا میں مسلمان ہی مسلمان حکومتیں نظر آتی تھیں اُس زمانہ میں ایشیا کے یہ چار مقام مشہور تھے۔

۱۶ شعبان ۱۵۰۰ سمرقند ۱۵۰۰ عوط دمشق ۱۵۰۰ مصلحہ شیراز ۱۲۰۰ جہانگیر میرزا کے مرنے کے بعد اُسکے بڑے

آلغ بیگ بحر علوم و حسد کہ دنیا و دین را از بود و نیست
ز عباس مشہر شہادت چشید شدش حرف تاریخ عباس گشت
عبد اللطیف نے بھی پانچ چھ مہینے سے زیادہ سلطنت نہیں کی۔ چنانچہ یہ بیت مشہور ہے ۵
پدرکش بادشاہی را نشاید اگر شاید بحر شش مہ سپاہ
اس کے مرنے کی تاریخ بھی اچھی لکھی گئی ہے ۵

عبد اللطیف خسرو چشید فر کہ بود در ملک بنگانش فریدون و ندوشت
بابا حسین گشت شب جمعہ اش تیر تاریخ ایں نويس کہ بابا حسین گشت
عبد اللطیف میرزا کے بعد عبد اللہ میرزا (ابراہیم سلطان میرزا کا بیٹا شاہ رخ میرزا کا پوتا۔ اور
آلغ بیگ میرزا کا داماد) تخت پر بیٹھا۔ یہ میرزا ڈیڑھ برس یا قریب دو برس کے بادشاہ رہا ہوگا۔
اس کے بعد سمرقند کو سلطان ابوسعید میرزا نے لے لیا۔ اور اپنے جیتے جی اپنے بڑے بیٹے سلطان
احمد میرزا کو دیدیا تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا کے انتقال کے بعد سلطان احمد میرزا سمرقند کا بادشاہ
ہوا۔ جب سلطان احمد میرزا فوت ہو گیا تو سلطان محمود میرزا تخت نشین سمرقند ہوا۔ سلطان محمود
میرزا کے بعد بایستغیر میرزا کو تخت پر بٹھایا۔ ترغانیوں کے فساد میں بایستغیر میرزا کو تخت سے
اُتار دیا۔ اور اُس کے چھوٹے بھائی سلطان علی میرزا کو دو ایک دن کے لیے بٹھا دیا۔ اس کے بعد
پھر وہی بایستغیر میرزا بادشاہ ہو گیا۔ چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ بایستغیر میرزا سے میں نے چھینا
آئندہ کے واقعات میں اس کے اور حالات لکھے جائیں گے۔

سمرقند کے تخت پر بیٹھتے ہی میں نے وہاں کے امراء کے ساتھ گزشتہ زمانہ کی طرح عنایت
و مہربانی کرنی شروع کی۔ جو امراء میرے ہمراہ تھے اُنکے ساتھ بھی اُنکے موافق سلوک کیا۔ سلطان
احمد تنبل کے ساتھ بہت سی رعایت کی گئی۔ اوسط درجہ کے امیروں میں تقاضا میں نے اُسکو بڑے
درجہ کے امیروں میں کر دیا۔ سمرقند کا سات مہینے محاصرہ رہا۔ اور بڑے تڑو سے اُسکو فتح کیا۔ اس فتح
میں کچھ لوٹ اہل لشکر کے ہاتھ نہ لگی۔ سمرقند کے علاوہ تمام ملک میرا مطیع ہو گیا تھا۔ یا سلطان علی میرزا کا۔
جو ملک ہمارا ہو گیا تھا اُس کو ہم تباہ نہ کر سکتے تھے۔ اور جو ملک لُٹ کھٹ گیا تھا بھلا اُس سے کچھ حصول
ہی کیونکر کیا جاسکتا تھا۔ جو کچھ لشکر والوں کے پاس تھا وہ ہو چکا۔ اور جب سمرقند فتح ہوا تو اُسکا
یہ دہاڑا تھا کہ اُلٹی تخم و تقاوی کی احتیاج تھی۔ ایسی صورت میں وہاں سے کوئی لے ہی کیا سکتا
تھا۔ ان باعثوں سے لشکر والے بالکل ٹوٹ گئے۔ اور ہم بھی اُنکو کچھ نہ دے سکے۔ لوگوں کو اپنی اپنی
گھر بھی یاد آنے لگے۔ ایک ایک دو دو کھسکنے لگے۔ سب سے اول جان قلی بیان نے بھاگنے میں پہل
کی۔ پھر ابراہیم بیگ چل چلا۔ یہ اسی طرح سارے مغل بھاگ گئے۔ اس فساد کے فرو کرنے کے لیے خواجہ

لوگوں کا چلا جانا میرے ساتھ والے امرا اور سپاہی جتھے اُن میں سے بہتوں کے گھبار اندھان میں تھے۔ جب یہ لوگ اندھان لینے سے مایوس ہو گئے تو چھوٹے بڑے

امراء اور سپاہی سات آٹھ سو آدمیوں کے قریب میرے پاس سے چلے گئے۔ جانیوالے امراء میں سے علی درویش بیگ۔ علی مزید تو چین۔ محمد باقر بیگ۔ شیخ عبداللہ ایشک آغا اور سیرم لاغی تھے۔ میرے شریک حال اچھے بُرے کوئی دوسو سے زیادہ اور تین سو سے کم آدمی رہ گئے۔ ان میں امراء یہ تھے۔ قاسم بیگ تو چین۔ ویس لاغی۔ ابراہیم ساروی بیگلر۔ شیرم طغائی۔ اور سید یم قرایمصاجول اور اہل خدمت میں سے یہ لوگ رہ گئے۔ میر شاہ تو چین۔ سید قاسم ایشک آغا جلاڑ۔ قاسم عجب محمد دوست۔ علی دوست طغائی۔ بشیر۔ خدایر دی تو عی مغل۔ یارک طغائی۔ سلطان قلی۔ بابا قلی۔ پیر ویس۔ شیخ ویس۔ یار علی۔ بلال۔ قاسم میر آخور اور حیدر رکابدار۔ اس وقت مجھے بڑا ہی صدمہ ہوا۔

سمرقند پر بار دیگر چڑھائی

بے اختیار ہو گیا اور خوب رویا۔ میں خجندہ میں چلا آیا ہ میری والدہ اور
 میری نانا اور مہرے ہمراہوں کے اطوار و حال کو خجندہ میں مہرے ہاں

بھیج دیا تھا۔ یہ رمضان کا مہینہ ہم نے خجند میں گزارا۔ سلطان محمود خان کے پاس آدمی بھیج کر کمک مانگی۔ اور سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ خان نے اپنے بیٹے سلطان محمد خاں اور احمد بیگ کو پانچ چھ ہزار فوج کے ساتھ سمرقند پر چڑھائی کرنے کے لیے معین کیا۔ اور خود بھی اورا تپہ تک آگیا۔ میں وہاں خان سے ملا۔ اور یار ایللاق کے راستہ سے سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان محمد خان اور احمد بیگ دوسرے راستہ سے مارا ایللاق میں پہلے سے آگئے تھے۔ میں بورکہ ایللاق کے راستہ سے لشکر ارمین جو یار ایللاق میں ایک بڑا شہر اور وہاں کے حاکم کا مستقر ہے آیا۔ سلطان محمد اور احمد بیگ شیبانی خاں کے آنے اور اس کے شیرازہ و ذراخ شیراز کے تاراج کرنے کی خبر سنکر اُٹے پھر گئے۔ اب ضرور ہوا کہ میں بھی خجند کو اُٹا پھر جاؤں۔

جب سلطنت لینے کا خیال اور ملک گیری کا دعویٰ ہو تو ایک دوسرے کے ہاتھوں سے لڑنا شروع ہو جاتا ہے۔

طلب کرنیکے لیے میں خان کے پاس تاشکند گیا شاہ بیگم اور اود عزیز واقارب سے ملے ہوئے تھا اٹھ

خسر و شاہ نے بلخ لینے کا ارادہ کیا | چند روز کے بعد خسر و شاہ بلخ لینے کے ارادہ کو دانہ ہوا۔ پہلے اپنے ایک سردار نظر بہادر کو تین چار ہزار فوج کے ساتھ بلخ کی طرف بھیجا۔ پھر چار دن کے بعد بالستغرمیرزا کو لیکر خود بھی آگیا۔ اور بلخ کو گھیر لیا۔ بلخ میں ابراہیم حسین میرزا اور سلطان حسین میرزا کے اکثر امراء موجود تھے۔ خسر و شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی ولی کو ایک بڑا لشکر دیکر شیرخان پر حملہ کرنے اور اُس کی فوج کو تاراج کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ولی گیا اور پاس سے بھی شیرخان پر حملہ نہ کر سکا۔ جو لوگ اُس کے ہمراہ تھے اُنکو اُن قوموں کی تاخت و تاراج کے لیے روانہ کیا جو چول درک میں رہتی تھیں۔ ان لوگوں نے چول درک کو جالوٹا۔ تخمیناً ایک لاکھ سے زیادہ بکریاں اور تقریباً تین ہزار اونٹ انکے ہاتھ لگے۔ ولی نے یہاں سے سان اور جاریک کے ملک کو جالوٹا اور برباک کر دیا جو لوگ پہاڑ میں پناہ گزیں ہوئے تھے اُن کو پکڑ لایا۔ اور بلخ میں اپنے بھائی سے املا جس زمانہ میں خسر و شاہ بلخ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا تو ایک دن نظر بہادر اپنے سردار کو جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے سواو بلخ کی نہریں توڑ ڈالنے اور اُنکے پانی کو خراب کرنے کے لیے بھیجا۔ فنیگر ہی بیرونی سان جی جو سلطان حسین میرزا کا ایک سردار تھا۔ سترانشی آدمیوں کے ساتھ اندر سے باہر نکلا۔ اور نظر بہادر کے مقابلہ میں آکر اُس کو دیر کیا۔ اور اُسکا سر کاٹ کر قلعہ میں لے آیا۔ سچ یہ ہے کہ بڑی بہادری کی۔ اور ایک نمایاں کام کیا۔

ذوالنون ارغون پر سلطان حسین میرزا کی چڑھائی اور بست کی فتح | اسی سال سلطان حسین میرزا نے ذوالنون ارغون پر اور اُس کے بیٹے شاہ شجاع پر فوج کھینچی۔ ذوالنون نے اپنی بیٹی بدیع الزمان میرزا کو دیدی تھی اور دونوں باپ بیٹے میرزا کے ملازم ہو کر باغی ہو گئے تھے۔ سلطان حسین میرزا قلعہ بست میں آکر اس وقت میرزا کے لشکر میں غلہ کا سخت قحط ہو گیا۔ قریب تھا کہ بھوک سے تنگ آکر لشکر وہاں سے بھاگ جائے۔ مگر قلعہ بست کے داروغہ نے قلعہ حوالہ کر دیا۔ جو ذخیرہ قلعہ میں موجود تھا اُسکو لیکر انہوں نے خراسان کی طرف مراجعت کی۔

سلطان حسین میرزا کے بیٹوں کی بغاوت | جب سلطان حسین میرزا جیسا بڑا پادشاہ اس قدر سامان اور اسباب کے ہوتے ہوئے کئی دفعہ قندھار اور قندھار پر چڑھائی کر کے بغیر لیے اُٹا پھر گیا تو پھر اُس کے بیٹے اور امراء بھی اتنے دلیر اور سرکش ہو گئے۔ سلطان حسین میرزا نے اپنے بیٹے محمد حسین میرزا کی بغاوت دفع کرنے کے لیے جو استر آباد کا حاکم مقرر ہوا تھا اور وہاں باغی ہو گیا تھا۔ محمد ولی بگ کے تحت حکم ایک بڑا لشکر مع چند امراء ایفخار کے ساتھ روانہ کیا۔ اور آپ مقام اُلنگ نشین میں ٹھہرا۔ اسی موقع پر بدیع الزمان میرزا

۱۔ شیرخان بلخ کا مغربی علاقہ ۱۲ میلان نزدک۔ چول۔ ریلے میدان کو کہتے ہیں ۱۲ میلے فارسی تھیں میں توستان مبارک لکھا ہوا ہے

اور ذوالنون کا بیٹا شاہ بیگ فوج کشی کر کے عین غفلت میں دفعۃً سلطان حسین میرزا کے سر پر
 آسموچہ ہوا۔ حسن اتفاق سے سلطان مسعود میرزا جو حصار چھنوا کر سلطان حسین میرزا پاس چلا آتا
 تھا اُسی دن آپہنچا۔ اور جو لشکر استرآباد پر گیا تھا وہ بھی آج ہی میرزا سے آن ملا۔ سامنا ہوتے
 ہی بے لڑے بھڑے بدیع الزمان میرزا اور شاہ بیگ بھاگ گئے۔ سلطان حسین میرزا سلطان مسعود
 میرزا سے اچھی طرح ملا۔ اُس کو اپنی بیٹی سے منسوب کرنے کی عزت بخشی اور اُس پر بہت عنایت و مہربانی
 کی۔ لیکن باقی چچانیاں کے ہٹانے سے جو خسر و شاہ کا چھوٹا بھائی تھا اور اس سے پہلے سلطان
 حسین میرزا کا نوکر تھا میرزا خراسان میں نہ ٹھہرا۔ ایک بہانہ سے نکل کھڑا ہوا۔ اور سلطان حسین میرزا کو
 بے رخصت ہوئے خسر و شاہ کے پاس چلا آیا۔ خسر و شاہ نے بالسنفر میرزا کو حصار سے بلالیا تھا۔ اپنی
 دونوں میں میرزا شاہ میرزا آفغیگٹ میرزا کا بیٹا اپنے باپ سے باغی ہو کر ہزارہ میں آیا۔ اپنی بے اعتدالیوں
 کی بدولت ہزارہ میں بھی نہ ٹھہر سکا۔ اور خسر و شاہ ہی کے پاس چلا آیا۔ بعضے کو تہ اندیشوں کا قصد تھا
 کہ تینوں بادشاہ زادوں کو قتل کر کے خسر و شاہ کو بادشاہ کر دیں۔ یہ حرکت تو مصلحت کے خلاف
 دیکھی۔ مگر سلطان مسعود میرزا کو جس کو خسر و شاہ نے بچہ سا پالا تھا اور جس کا وہ تالیق بھی رہا تھا اس
 پنج روزہ دنیا کے لیے جس نے نہ اُس کے ساتھ وفا کی اور نہ کسی اور کے ساتھ وفا کر گئی لہذا اُس نے فتنہ
 سے اندھا کر دیا۔ مسعود میرزا کے چند کو کا عوہیز اور رفقا اس خیال سے کہ سمرقند میں سلطان
 علی میرزا کے پاس میرزا کو لیجا بیٹے کی پیش میں لے آئے۔ وہاں والے بھی ہلاک کرنے کے درپے
 ہوئے۔ یہ لوگ کیش سے بھاگ کر چار حوی کے راستہ سے سلطان حسین میرزا کے پاس چلے گئے۔
 سچ یہ ہے کہ جو شخص اس طرح کی بُری حرکت کرے اور ایسے کام کا مرتکب ہو اُس پر قیامت تک لعنت
 ہوتی رہیگی۔ جو شخص خسر و شاہ کے یہ اعمال سنیں گے اُس پر لعنت ہی کرے گا۔ اور جس کو ان افعال پر
 لعنت کرتے نہ سنیں گے اُس کو بھی لعنت کا سزاوار جائیگا۔ اس نالائق حرکت کے بعد بالسنفر میرزا
 کو بادشاہ کیا۔ اور حصار کی طرف بھیج دیا۔ میرزا شاہ میرزا کو باسیان کی طرف روانہ کیا۔ اور
 سید کامل کو بطریق ملک اُس کے ساتھ کر دیا۔

۹۰۴ ہجری کے واقعات مطابق ۱۹ اگست ۱۵۹۲ء

سمرقند پر دوبارہ توجہ اور ناکامی | سمرقند اور اندجان لینے کے لیے دوبارہ توجہ ہوئی مگر کچھ
 کام نہ بنا۔ پھر خجند چلا آیا۔ خجند ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ جب سود و سوا آدمی کا سردار وہاں مشکل سے
 اوقات بسر کر سکتا ہو تو جسکو سلطنت کا دعوے ہو وہ کس طرح گزر کر سکے۔ اور بخلا بیٹھ سکے سمرقند
 لینے کے خیال سے محمد حسین کو رگدان دغلت کے پاس جو اوراتیہ میں تھا آدمی بھیجے گئے اور اُس سے

ملہ جان لینڈل نکھار کر اپنی بیٹی سے شادی کر دی مگر آئینہ کی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت نہیں ہوئی بلکہ کچھ عرصہ بعد سلطان حسین میرزا کی ایک بیٹی تھی اس کی ماں نے اپنی بیٹی کی منگھونہ کی۔ اس کے بہت دن بعد جب مسعود میرزا باہر

۱۲ صحت کامل کا بابا شاہ اور سلطان عمر شیخ کے بھائیوں میں سے تھا

جو چکا ہو تو بیگ سلطان (سلطان حسین میرزا کی دوسری بیٹی) سے مرزا کی شادی ہوئی اس لیے وہ آفغیگٹ نہیں ہی جو سمرقند کا مشہور بادشاہ

کہلا بھیجا کہ یار ایلان کے دیہات میں سے مقام بشاغرخ کو جو حضرت خواجہ کی ملک میں سے تھا اور ان جھگڑوں میں اُس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ عاریۃً اس جاٹے کے موسم میں ہمیں دیدے تاکہ وہاں ٹھیکر کمر قند کے علاقہ پر چڑھائی کریں۔ اور جو کچھ ہو سکے وہ کیا جائے۔ محمد حسین میرزا بھی رہی ہو گیا۔ نجد سے میں بشاغرخ کی طرف روانہ ہوا۔ جس وقت مقام زامین میں پہنچا مجھے تپ چڑھائی بخار ہی میں لہلہاتا ہوا زامین سے مارا مار پھاڑی راستہ طے کر کے رباط خواجہ پر آ گیا۔ خیالی تھا کہ عین غفلت میں سیڑھیاں لگا کر تفصیل پر چڑھ جائیں گے۔ اور خواجہ رباط کے قلعہ کو جو پرگنہ شادوار کا صدر مقام ہے چھین لیں گے۔ نماز کے وقت وہاں پہنچا ہوا۔ وہاں والے ہوشیار ہو گئے۔ ہم اُلٹے پھرائے اور بغیر کہیں ٹھیکر کے۔ بشاغرخ میں آ گئے۔ بخار ہی میں تیرہ چودہ فرسنگ کا راستہ بڑی سختی اور محنت سے میں نے قطع کیا۔ چند روز بعد ایہم سار د۔ شیرم طغانی۔ ویس لاغری اور کچھ امیروں۔ مصاحبوں اور ملازموں کو بطریق ایغار مقرر کیا تاکہ یار ایلان کے قلعوں کو خواہ بزو و شیر خواہ بمصاحت لے لیں۔ اُن دنوں میں یار ایلان سید یوسف کے پاس تھا۔ سمرقند سے میرے چلے آنے کے بعد وہ وہیں رہ گیا تھا۔ اور سلطان علی میرزا نے بھی اُس کے ساتھ رعایت کی تھی۔ اُس نے اپنے چھوٹے بھائی اور اپنے بیٹے کو یار ایلان کے قلعوں کے انتظام پر مقرر کر دیا تھا۔ احمد یوسف جو آجکل سیالکوٹ کا حاکم ہے اُن قلعوں میں تھا۔ ہمارے سب سرداروں اور فوج نے جاٹے بھر یہ کارروائی کی کہ اُن قلعوں میں سے بعض کو صلح سے بعض کو لڑ بھر کر اور بعض کو عیاری و دزدی سے چھین لیا۔ اُس ملک میں اُنہیوں اور مغلوں کے ڈر کے مارے کوئی گانوں ایسا نہ تھا جس میں قلعہ نہ ہو۔

یار ایلان سے بعد صلح بشاغرخ جانا

اسی موقع پر سید یوسف بیگ۔ اُسکا چھوٹا بھائی اور اُسکا بیٹا تینوں ہم سے بدگمان ہو گئے۔ اُن کو خراسان کی طرف بھیجا گیا۔ یہ جاننا بھی انہی رگڑوں جھگڑوں میں گزرا۔ جب گرمی کا موسم آیا تو مخالفوں نے خواجہ تھکے کو صلح کے لیے بھیجا۔ اور آپ بھی لشکر کشی کی اشتغالک سے شیراز اور کابد کی نواح میں آ گئے۔ میر ساتھ کل سپاہی دو سو سے زیادہ اور تین سو سے کم تھے۔ دشمنوں کا چاروں طرف سے هجوم اندھان کی طرف پھر پٹ کر جانے میں نصیب نے کچھ مدد نہ کی۔ اور کوئی تدبیر نہ بنا پڑی۔ ضرورتاً کسی قدر صلح کر لی اور بشاغرخ کی طرف مراجعت کی گئی۔

اور ایتبہ کے ایلانوں میں سرگردان پھرنا

نجد ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ کسی سردار کی مشکل سے اُس میں گزند ہو سکتی ہے۔ ڈیرہ دو برس کے قریب وہاں میرا ٹھیکر بنا ہوا۔ وہاں کے مسلمانوں نے جہاں تک اُن کا مقدور تھا پیہ سے مدد دیں اور خدمت کرنے

راہیں۔ براہ مہم ۱۲ ص ۱۲ مقام سمرقند کے مغرب میں ہے ۱۲ ص ۱۲ جان لیڈن نے صرف ۱۲ فرسنگ لکھے ہیں یعنی ۵۴ میل ۱۲ ص ۱۲ جب حضرت آیت اللہ علیہ السلام نے مدینہ منورہ کو توجہ فرمائی تو علی میرزا نے

۱۲ ص ۱۲ اور ایک علی شہزادہ کا مد بھی لکھا ہے ۱۲ ص ۱۲ جان لیڈن نے صرف ۱۲ فرسنگ لکھے ہیں یعنی ۵۴ میل ۱۲ ص ۱۲ جب حضرت آیت اللہ علیہ السلام نے مدینہ منورہ کو توجہ فرمائی تو علی میرزا نے

۱۲ ص ۱۲ جان لیڈن نے صرف ۱۲ فرسنگ لکھے ہیں یعنی ۵۴ میل ۱۲ ص ۱۲ جب حضرت آیت اللہ علیہ السلام نے مدینہ منورہ کو توجہ فرمائی تو علی میرزا نے

میں کمی نہیں کی۔ اب بار درگنجد کس منہ سے جایا جائے۔ اور جنجد جا کر کوئی کرے ہی کیا ہے
نہ جانیکے لیے اپنے میسر ہے کوئی مامن نہ رہنے کے لیے اپنے مقرر ہے کوئی مسکن

آخر اسی تردد اور پریشانی میں اور آئیبہ کے جنوب میں جو ایلانی ہیں وہاں چلا گیا۔ اس نواح میں حیران پریشان
بے ٹھکانے سرگردان پھر کر کچھ دن گزارے۔

انہی دنوں میں ایک دن خواجہ ابوالمکارم جو میری طرح جلاوطن ہو کر
خواجہ ابوالمکارم سے ملاقات

اپنے رہنے کے متعلق مشورہ کیا۔ اور پوچھا کہ اب کیا کروں افسوس کہ میری حالت پر رو دیا۔ اور
فائقہ پڑھ کر چلا گیا۔ میرا بھی دل بھرا آیا اور میں رو دیا۔

اسی دن ظہر کا کچھ وقت باقی تھا کہ ناگاہ پہاڑ کی گھاٹی میں سے ایک سوار نمودار ہوا۔ سیوا
مرغینان جانا علی دوست طغانی کا نوکر تھا۔ اسکا نام یو کجوق تھا۔ علی دوست نے اس کے ہاتھ

کہلا بھیجا تھا کہ اگرچہ مجھ سے بہت خطائیں سرزد ہوئی ہیں مگر میں امید وار ہوں کہ براہِ خداوندی میرے
گناہ بخش دیجیے اور اس طرف تشریف لے آئیے۔ میں مرغینان نذر کر کے حق خدمت ادا کروں تاکہ میرے

گناہ دھوئے جائیں۔ اور میری شرمندگی جاتی رہے۔ ایسی پریشانی اور حیرانی میں اس فوید کے سنتے ہی
کوئی توقف اور سوچ نہ کیا۔ مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔ اسی وقت مرغینان کی طرف بطریق ایلغار میں

روانہ ہو گیا۔ یہاں سے مرغینان تک تقریباً چوبیس فرسنگ کا راستہ ہو گا۔ اُس ساری رات اور دوسرے
دن ظہر تک کہیں توقف نہ کیا۔ اور سید سے چلے گئے۔ ظہر کے وقت تنگ آب نام ایک گاؤں میں جو جنجد

کے علاقہ میں ہے اُترے۔ گھوڑوں کو ذرا سستایا اور دانہ کھلا کر ادھی رات کو نفاہ کے وقت تنگ آب
سے چل نکلے۔ اس ادھی رات کو صبح تک۔ دوسرے دن دن بھر اور دن کی رات کو صبح ہونے سے ذرا پہلے تک

چلتے رہے۔ جب مرغینان ایک فرسنگ رہ گیا تو ویس بیگ وغیرہ نے سوچ کر عرض کیا کہ علی دوست
وہی شخص ہے جسے کیسی کیسی بُرائیاں کی ہیں۔ نہ کوئی شخص بیچ میں ایک دو دفعہ آیا گیا اور نہ کچھ عہد و

پیمان اور گفتگو ہوئی۔ پھر کس بھروسے پر ہم وہاں جا رہے ہیں۔ بیچ یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ اندیشہ
بلا وجہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر ٹھیرے اور مشورت کی گئی۔ آخر یہی قرار پایا کہ گو یہ اندیشہ واپسی ہو مگر اس سے

پہلے سوچنا چاہیے تھا تین چار دن کلپنی بٹھائی کہیں ٹھیرے نہیں۔ چوبیس بچیں فرسنگ گئے۔ نہ گھوڑوں میں دم رہا۔
نہ آدمیوں میں۔ بھلا یہاں سے کیونکر اُٹھا پھر اُچاڑے۔ اور یہاں سے پلٹا بھی جاتے تو کہاں جایا جائے جب

یہاں تک آگئے تو اب چلنا ہی چاہیے۔ خدا جو چاہے وہ کرے۔ اسی بات کو مفید اور خدا پر توکل کر
روانہ ہو گئے۔ اب صبح کی نماز کا اول وقت تھا کہ قلعہ مرغینان کے دروازہ پر ہم جا پہنچے علی دوست

طغانی دروازہ کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ دروازہ بند رکھا۔ اور عہد کرنیکی التجا کی۔ عہد و پیمان ہو گئے تو اُسے

دروازہ کھولا اور ملازمت حاصل کی۔ علی دوست سے ملنے کے بعد قلعہ میں ایک مناسب مکان میں ہم آ رہے۔ میرے ہمراہ چھوٹے بٹھے دو سو چالیس آدمی تھے۔ بات یہ تھی کہ اوزون حسن اور احمد تہنیل نے اہل ملک پر نہایت ظلم و ستم برپا کر رکھے تھے۔ اس سبب سے سارے اہل ملک نے میرے آنے کی خواہش کی۔ مرغینان میں آنے کے دو تین دن بعد بشاغرج والوں میں سے جوئے بھرتی کیے تھے اُن کو اور علی دوست بیگ کے نوکروں میں سے سو سے زیادہ آدمیوں کو قاسم بیگ کے ہمراہ اندجان کے جنوب کی طرف اشیاریون۔ توروق شاریون اور جکر اکون جیسی پہاڑی قوموں پر بھیجا گیا۔ تاکہ دریائے خجند سے پار ہو کر اُس طرف کے قلعوں کو لے لیا جائے۔ اور وہاں کے پہاڑی لوگوں کو جس طرح ہو سکے ہماری طرف مائل کر لیا جائے۔

اوزون حسن اور تہنیل کا تھوڑے دن بعد اوزون حسن اور سلطان احمد تہنیل جہانگیر منرا سمیت مرغینان پر حملہ جتنی فوج موجود تھی اُس کو اور کچھ مغلوں کو فراہم کر کے آخشی اور

اندجان سے جس قدر ہو سکا اُس قدر لشکر ہمراہ لیکر مرغینان پر حملہ کرنے کے خیال سے آئے۔ اور مرغینان سے ایک کوس شرعی ملکہ کے فاصلہ پر مشرق کی طرف سنگان نامی گاؤں میں ٹھہرے۔ ایک دو روز سستائے اور سامان درست کر کے مرغینان کے قرب و جوار کے مقامات میں آئے۔ باوجودیکہ قاسم بیگ۔ ابراہیم سارو اور ویس لاغری وغیرہ جیسے سرداروں کو دودھ و بطریق ایلغار روانہ کر دیا گیا تھا اور میرے پاس تھوڑی سی فوج رہ گئی تھی مگر جتنی تھی اُسی کو درست کر کے مقابلہ میں نکل آیا۔ ان لوگوں نے دشمنوں کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ اُس دن خلیل چہرہ دستار بیچ خوب لڑا۔ اور کامیاب ہوا۔ دشمن کچھ نہ کر سکے۔ بار دیگر انکو شہر کے قریب آئیکا جوند نہ ہوا قاسم بیگ جو اندجان کے جنوبی پہاڑی ملک میں گیا ہوا تھا اشیاریون۔ توروق شاریون جیکے کون کو اور اُس طرف کی رعایا کو جن میں دیہاتی۔ جنگلی۔ پہاڑی اور خانہ بدوش قومیں تھیں ساتھ لیے ہوئے آیا۔ دشمنوں کے سپاہی بھی ایک ایک دودھ بھاگ کر آنے شروع ہوئے۔ ابراہیم سارو۔ ویس لاغری وغیرہ جو آخشی کی طرف دریائے اتر کر گئے تھے انہوں نے بھی قلعہ باب پر اور دو ایک اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اوزون حسن اور تہنیل ظالم۔ فاسق اور کافروں کا فروں اشخاص تھے۔ ساری رعیت اُن سے ناراض تھی۔ آخشی کے عائد میں سے حسن دیکھنے اپنے گروہ سمیت کچھ لچے شہدوں کو اپنے ساتھ بلوے پر آمادہ کیا۔ ان سب نے اُن لوگوں کو جو آخشی کے قلعہ سنگین میں تھے لاٹھوں سے مارتے مارتے ارک میں دھسا دیا۔ اور ابراہیم سارو۔ ویس لاغری۔ سیدی قرا اور سردار ان ہمای کو قلعہ سنگین آخشی میں گھسایا۔ سلطان محمود خان نے بندہ علی اور اپنے کو کلتاش حیدر اور حاجی غازی مسغت کو جو اُسی زمانہ میں شیباق خان کے پاس سے بھاگ کر خان کے پاس آ گیا تھا مع امر آئے

قبیلہ نارین کے ہماری کمک کے لیے بھیجا۔ اسی موقع پر یہ کمک آن پہنچی۔ اور زون حسن یہ خبر سنتے ہی گھبرا گیا۔ جن لوگوں کو اُس نے بڑھایا تھا اور جو اُس کے کام کام کے آدمی تھے سب کو آخشی کے ارک کی کمک پر معین کر کے بھیج دیا۔ یہ لوگ صبح کو دریا کے کنارہ پر پہنچے۔ ہمارے لشکر کو اور مغلوں کے لشکر کو ان کا حال معلوم ہوا۔ کچھ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھوڑوں کے سامان کو اُنہار کے دریا سے پار ہو جاؤ۔ دشمنوں کی فوج جو کمک کو آئی تھی گھبرا گئی۔ اور کشتی کو اوپر کی طرف نہ کھینچ سکی۔ یہ فوج قلعہ میں جو نہ جاسکی تو اپنی جان بچا کر جس راستہ سے گئی تھی اسی راستہ سے پیچھے ہٹ آئی۔ ہماری فوج اور مغلوں کی فوج میں سے جو جہاں تھا وہ وہیں سے گھوڑوں کی ننگی پیٹ پر سوار ہو کر حملہ آور ہوا۔ کشتی نشین ذرا نہ لڑ سکے۔ قار لو غلج بخشی نے مغل بیگ کے ایک لڑکے کو لایا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ اس سے کیا حاصل ہوا۔ کام تو بگڑ چکا تھا۔ کشتی والے اسی حرکت کے سبب سے اکثر قتل ہوئے۔ ایک دفعہ ہی اُن لوگوں کو جو دریا میں تھے خشکی میں لا کر سب کو مار ڈالا۔ اور زون حسن کے معتبر آدمیوں میں سے قار لو غلج بخشی جلیل دیوانہ اور قاضی غلام تھے۔ ان میں سے قاضی غلام اس بہانہ سے بچ گیا کہ غلام تھا مہاسپاہیوں میں سے سید علی جو جکل میرے پاس چڑھا بڑھا ہوا ہے اور حیدر قلی قلکہ کا شعری وغیرہ پانچ چھ آدمی شہر آئی آدمیوں میں سے بچے۔ دشمن یہ خبر سنکر مرغینان کی نواح میں نہ ٹھہر سکے۔ اور اند جان کی طرف بڑی سرکشی کے ساتھ چلے گئے۔ اند جان میں ناصر بیگ کو چھوڑ آئے تھے۔ جو اور زون حسن کا بہنوئی تھا۔ اگر اُسکا ثانی نہ تھا تو ثالث ضرور تھا۔ وہ ایک تجربہ کار آدمی تھا۔ اور بڑا بہادر بھی تھا۔ ان کیفیتوں کو سنکر اور ان لوگوں کی بے بنیادی سمجھ کر قلعہ اند جان کو اُس نے مضبوط کر لیا۔ اور میرے پاس آدمی بھیجا۔ جبکہ مخالف اند جان پہنچے تو اُن کو قلعہ کی مضبوطی معلوم ہوئی۔ اب کوئی بات قرار نہ پائی۔ اور بس منتشر ہو گئے۔ اور زون حسن تو آخشی کی طرف اپنے گھر چلا گیا۔ سلطان احمد تنبل اپنے ملک آتش کو روانہ ہوا۔ جہاں نگیر میرزا کو اُس کے حواشی اور ملازم اور زون حسن سے علیحدہ کر کے تنبل کے پاس لے بھاگے۔ ابھی تنبل آتش نہ پہنچا تھا کہ یہ لوگ اُس سے جا ملے۔

فتح اند جان جونہی میں نے یہ سنا کہ اند جان والے میرے طرفدار ہیں وہی میں نے کچھ تاخیر کیا سورج نکلنے ہی میں مرغینان سے چل نکلا اور دن ڈھلے اند جان میں آگیا۔ ناصر بیگ اور اُس کے دونوں بیٹے دوست بیگ۔ میرم بیگ حاضر ہوئے۔ میں اُن سے ملا میں نے اُنکا حال پوچھا۔ اُنپر عنایت و مہربانی کی۔ اور شفقت و مکرمت کا اہمید و اکیا۔ تقریباً دو برس ہوئے تھے کہ آبائی ملک ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اللہ کی عنایت سے ذیقعدہ سنہ ہجری میں یہ بھر فتح ہو گیا۔ سلطان احمد تنبل جہاں نگیر میرزا کو لیے ہوئے آتش گیا تھا۔ وہ جو آتش میں پہنچا تو وہاں کے اوباشوں اور باریک

لاٹھیوں سے مار مار کر اوتش سے باہر نکال دیا۔ اور قلعہ کو میرے لیے بچا کر میرے پاس آدمی بھیجا۔ جہاں گھر اور قبل چنڈ آدمیوں کے ساتھ حیران و پریشان اوتش سے اور گند میں آئے۔

اوزون حسن کا عزل و اخراج اوزون حسن جب اندجان میں نہ جاسکا تو آخشی کی طرف چلا گیا

تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ شہر آخشی میں جا پہنچا۔ چونکہ وہی مفسد و فاسق سرغنہ اور فساد کی جڑ تھا۔ اس لیے اس خبر کے سننے میں اندجان میں چار پانچ دن سے زیادہ نہ ٹھہرا۔ اور آخشی روانہ ہو گیا۔ آخشی میں میرے پیچھے ہی اُس کو کچھ نہ بن پڑی۔ عہد اور امان کا طلبگار ہوا۔ اور قلعہ میرے حوالے کر دیا۔ میں چند روز آخشی میں ٹھہرا۔ آخشی و کاشان کا جو بی تمام میں نے انتظام کیا۔ اور وہاں کے سب کام درست کیے۔ پھر امراء مغول کو جو اس موقع پر میری مدد کے لیے آئے تھے رخصت دی۔ اور اوزون حسن کو اُس کے متعلقین اور اہل و عیال سمیت اندجان میں اپنے ہمراہ لے آیا۔ چونکہ اُس سے عہد کر لیا تھا اس لیے اُسکی جان و مال کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ قیرانگین کے راستہ سے اُس کو حصار چلانے کی اجازت دیدی۔ وہ اپنے تھوڑے سے آدمیوں کے ہمراہ حصار چلا گیا۔ اور اُس کے تمام باقی ماندہ نوکر چاکر یہاں رہ گئے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے ہمارے اور خواجہ قاضی کے متعلقوں کو ٹوٹا اور تباہ کیا تھا۔ بعض امیروں کے متفق ہو کر مجھے عرض کیا کہ ان بڑائیوں کے باعث اور ہماری طرف کے مسلمانوں کی بربادی اور لٹنے کے سبب یہی لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے آقاؤں کے ساتھ کیا کیا جو ہمارے ساتھ کرینگے۔ اگر انکو گرفتار کر لیا جائے یا لوٹ لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ ہمارے کپڑے پہنتے ہیں اور ہماری بکریاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔ بھلا یہ ستم کون سہہ سکتا ہے؟ اگر اڑوئے ترقم ان کو گرفتار نہ کیا جائے یا تاراج نہ کیا جائے تو کم سے کم اتنا تو ضرور ہونا چاہیے کہ جو لوگ جھگڑوں اور مصیبتوں میں ہمارے ساتھ رہے ہیں انکو حکم ہو جائے کہ اپنا اپنا مال اسباب جو موجود ہے پہچان کر لے لیں۔ اگر اتنے ہی میں اُنکا پیچھا چھٹ جائے تو ان کو احسان ماننا چاہیے حقیقت میں یہ بات معقول معلوم ہوئی۔ حکم دیدیا گیا کہ ہاں جو لوگ ہمارے ساتھی تھے وہ اپنا مال پہچان کر لے لیں۔ اگرچہ ایسا کرنا ٹھیک تھا اور بے موجب نہ تھا مگر ذرا جلدی ہوئی۔ کیونکہ جہاں گیر میرزا جیسا دشمن بغل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس طرح لوگوں کو بھڑکانا اچھا نہ تھا۔ ملک گیری اور ملک داری میں گو بعض کام ظاہر معقول اور باوجہ معلوم ہوتے ہوں مگر ہر کام کے لیے لاکھ طرح کی اونچ نیچ دیکھنی واجب اور لازم ہے۔ ہم نے جو بے سوچے ایک ایسا حکم دیدیا تو اُس سے کس قدر فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ یہی بے تامل حکم دیدینا اندجان سے ہمارے دوبارہ نکلنے کا باعث ہوا۔ اسی سے مغلوں کو اندیشے پیدا ہوئے۔ یہی لوگ رہا ملک اور چینی سے جو دو آگے بڑھا

لاٹھیوں سے مار مار کر اوتش سے باہر نکال دیا۔ اور قلعہ کو میرے لیے بچا کر میرے پاس آدمی بھیجا۔ جہاں گھر اور قبل چنڈ آدمیوں کے ساتھ حیران و پریشان اوتش سے اور گند میں آئے۔ اوزون حسن جب اندجان میں نہ جاسکا تو آخشی کی طرف چلا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ شہر آخشی میں جا پہنچا۔ چونکہ وہی مفسد و فاسق سرغنہ اور فساد کی جڑ تھا۔ اس لیے اس خبر کے سننے میں اندجان میں چار پانچ دن سے زیادہ نہ ٹھہرا۔ اور آخشی روانہ ہو گیا۔ آخشی میں میرے پیچھے ہی اُس کو کچھ نہ بن پڑی۔ عہد اور امان کا طلبگار ہوا۔ اور قلعہ میرے حوالے کر دیا۔ میں چند روز آخشی میں ٹھہرا۔ آخشی و کاشان کا جو بی تمام میں نے انتظام کیا۔ اور وہاں کے سب کام درست کیے۔ پھر امراء مغول کو جو اس موقع پر میری مدد کے لیے آئے تھے رخصت دی۔ اور اوزون حسن کو اُس کے متعلقین اور اہل و عیال سمیت اندجان میں اپنے ہمراہ لے آیا۔ چونکہ اُس سے عہد کر لیا تھا اس لیے اُسکی جان و مال کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ قیرانگین کے راستہ سے اُس کو حصار چلانے کی اجازت دیدی۔ وہ اپنے تھوڑے سے آدمیوں کے ہمراہ حصار چلا گیا۔ اور اُس کے تمام باقی ماندہ نوکر چاکر یہاں رہ گئے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے ہمارے اور خواجہ قاضی کے متعلقوں کو ٹوٹا اور تباہ کیا تھا۔ بعض امیروں کے متفق ہو کر مجھے عرض کیا کہ ان بڑائیوں کے باعث اور ہماری طرف کے مسلمانوں کی بربادی اور لٹنے کے سبب یہی لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے آقاؤں کے ساتھ کیا کیا جو ہمارے ساتھ کرینگے۔ اگر انکو گرفتار کر لیا جائے یا لوٹ لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ ہمارے کپڑے پہنتے ہیں اور ہماری بکریاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔ بھلا یہ ستم کون سہہ سکتا ہے؟ اگر اڑوئے ترقم ان کو گرفتار نہ کیا جائے یا تاراج نہ کیا جائے تو کم سے کم اتنا تو ضرور ہونا چاہیے کہ جو لوگ جھگڑوں اور مصیبتوں میں ہمارے ساتھ رہے ہیں انکو حکم ہو جائے کہ اپنا اپنا مال اسباب جو موجود ہے پہچان کر لے لیں۔ اگر اتنے ہی میں اُنکا پیچھا چھٹ جائے تو ان کو احسان ماننا چاہیے حقیقت میں یہ بات معقول معلوم ہوئی۔ حکم دیدیا گیا کہ ہاں جو لوگ ہمارے ساتھی تھے وہ اپنا مال پہچان کر لے لیں۔ اگرچہ ایسا کرنا ٹھیک تھا اور بے موجب نہ تھا مگر ذرا جلدی ہوئی۔ کیونکہ جہاں گیر میرزا جیسا دشمن بغل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس طرح لوگوں کو بھڑکانا اچھا نہ تھا۔ ملک گیری اور ملک داری میں گو بعض کام ظاہر معقول اور باوجہ معلوم ہوتے ہوں مگر ہر کام کے لیے لاکھ طرح کی اونچ نیچ دیکھنی واجب اور لازم ہے۔ ہم نے جو بے سوچے ایک ایسا حکم دیدیا تو اُس سے کس قدر فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ یہی بے تامل حکم دیدینا اندجان سے ہمارے دوبارہ نکلنے کا باعث ہوا۔ اسی سے مغلوں کو اندیشے پیدا ہوئے۔ یہی لوگ رہا ملک اور چینی سے جو دو آگے بڑھا

ہتے نہیں اور کند کی طرف روانہ ہوئے اور تینل کے پاس آدھی بجھا۔ میری والدہ کے پاس تقریباً ڈیڑھ دو ہزار تینل تھے۔ انکے علاوہ حصار سے حمزہ سلطان۔ مہدی سلطان اور محمد و غلت کے ساتھی بغل آگئے تھے جنکی تعداد اتنی ہی ہوگی۔ مغلوں کی قوم نے ہمیشہ بڑائیاں اور بغاوتیں کی ہیں۔ آج تک پانچ دفعہ تو مجھ ہی سے بغاوت کی ہے۔ یہ نہیں کہ مجھ کو غیر سمجھ کر مجھ سے ایسا کیا ہو۔ بلکہ اپنے سرداروں کے ساتھ بھی بار بار ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ مغلوں کی اس بغاوت کی خیر سلطان قلی چناق نے مجھے پہچانی۔ یہ وہ شخص ہے جس کے باپ خدا پروردی بولاق کے ساتھ مغلوں میں سب سے زیادہ میں نے سلوک کیے تھے۔ اور جس کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ خود بھی مغلوں کے ساتھ تھا۔ اس نے بڑا کام کیا کہ اپنے گروہ اور قوم سے جدا ہو کر مجھے یہ خبر دی۔ اگرچہ اس موقع پر کام کر گیا لیکن آخر میں اس نے وہ بڑائیاں کی ہیں کہ اس طرح کی سوہدستیں بھی ہوں تو اکارت ہیں چنانچہ اسکا ذکر آگے آئیگا۔ اس نے آئندہ جو بدوائیاں کیں وہ اُسکے بغل ہو نیکا نتیجہ تھا۔

مغلوں سے لڑائی اور مغلوں کی فتح | اس خبر کے آتے ہی امراء کو جمع کیا گیا اور صلاح لی گئی۔

سب نے عرض کیا کہ یہ چھوٹا سا کام ہے۔ حضور کے چلنے کی کیا ضرورت ہے۔ قاسم بیگ امراء اور لشکر کا سردار ہو کر سب کو لیجائے۔ یہی بات قرار پائی۔ اس کا کوہل سمجھا گیا۔ ایسا سمجھنا غلط تھا۔ اسی دن قاسم بیگ اپنے لشکر اور امراء کو لیے ہوئے روانہ ہوا۔ یہ لوگ راستہ ہی میں تھے اور ہنوز منزل پر نہ پہنچے تھے کہ تینل مغلوں میں آں ملا۔ اسی رات کی صبح کو یاسی کچیت کے گھاٹ سے دریائے ایلامیش کے پار ہوتے ہی مٹھ بیٹھ ہو گئی اور خوب لڑائی ہوئی۔ قاسم بیگ خود سلطان محمد ارغون کے مقابل ہوا۔ اور دو تین مرتبہ چنے بے پنے ایسی تلواریں ماریں کہ اُس کو سر نہ اٹھانے دیا۔ اس کے علاوہ میرے اور بھی بہت سے جوان خوب مقابل ہو کر لڑے مگر آخر کار شکست کھائی۔ قاسم بیگ۔ علی دوست طغانی۔ ابراہیم سار۔ دیس لاغری۔ سیدی قرا اور امراء و مقربین میں تین چار اور توکل آئے اور باقی اکثر امراء وغیرہ گرفتار ہو گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں سے علی درویش بیگ۔ میرم لاغری۔ توقد بیگ۔ طغانی بیگ۔ محمد دوست۔ علی دوست۔ میر شاہ قوجین اور میرم دیوانہ تھے۔ اس معرکہ میں دو جوان خوب لڑے۔ ہماری طرف سے ابراہیم سار کے چھوٹے بھائیوں میں سے محمد نامی۔ اور دوسرے ہمدانی مغلوں میں سے شہسوار نامی کی مٹھ بیٹھ ہوئی۔ شہسوار نے ایسی تلوار ماری کہ خود کو کاٹ کر صدر کے سر میں چھب گئی۔ باوجود اس زخم کے صدر نے ایسا ہاتھ مارا کہ اُسکی تلوار شہسوار کے سر میں سے پھیلی برابر پڑی کاٹ کر اکاشی ہوئی مکمل گئی۔ شہسوار کے سر پر خون نہ تھا۔ اور اُسکے سر کا زخم اچھی طرح باندھ دیا گیا تھا اس سبب سے وہ اچھا ہو گیا۔ دوسرے کوئی نہ تھا جو صدر کی خبر لیتا۔ تین چار دن کے بعد اسی زخم سے صدر مر گیا۔ گویا مصیبت سے اور جھگڑوں سے چھٹ گیا۔

ہاتھ نہ آیا۔ یونہی اُسے پھر آئے۔ اوش کے قلعوں میں سے ایک قلعہ مادو ہے جو اُس زمانہ میں بہت مضبوط مشہور تھا۔ تنبل نے اپنے چھوٹے بھائی خلیل کو اس قلعہ میں انتظام کے لیے کوئی ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ چھوڑ رکھا تھا۔

ہم پلٹ کر آئے اور مادو کے قلعہ پر ایک سخت لڑائی لڑی اور مادو کا قلعہ مادو پرورش اور اُس کا فتح ہونا

وہ اتنا اونچا ہو گا کہ اگر وہاں سے تیر ماریں تو شاید فصیل کے اندر نہ پہنچے۔ اُس کا ایک نالہ اسی جانب بہتا ہے۔ قلعہ کے نیچے دونوں طرف اس طرح فصیل بنائی ہو کہ گلی سے گلی ہی اور اُس کو دریا تک پہنچا دیا ہے۔ رشتہ کے گرد خندق ہے۔ چونکہ دریا قریب ہی اسیلے اُس میں سے توپ کے گولوں کے برابر بڑے بڑے پتھر قلعہ پر لا کر جمع کیے۔ جتنے بچے اور بڑے پتھر قلعہ مادو پر سے برسائے گئے ہیں تنے قلعوں پر لڑا گیا ہو ہیں مگر کسی قلعہ پر سوائے پتھر کسی نے نہیں برسائے۔ عبد القدوس کوہ برکتہ بیگ کا بڑا بھائی فصیل کے نیچے پہنچ گیا تھا۔ فصیل پر سے اُس پر لیا پتھر اڑا دیا کہ اُس کا پاؤں کہیں نہ ٹک سکا اور معلق ہو کر اس طرح گر کر سر پیچے اور پاؤں اوپر۔ ایسی اونچی جگہ سے اگرچہ لڑتا ہوا پشتہ کے نیچے آ رہا لیکن بال بال بچا۔ اور اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر میں چلا گیا۔ دُہری فصیل والے نالے پر یار علی بلال کے سر پر ایک پتھر لگا۔ اُس کا سر پھٹ گیا۔ اُس کے لڑنے نے زخم کو باندھ دیا۔ اس لڑائی میں بہت لوگ پتھروں سے ضائع ہوئے۔ اسکے دوسرے دن جو لڑائی ہوئی تو چاشت کے وقت سے پہلے دریا کی نالہ چھیں لیا گیا۔ یہ لڑائی شام تک رہی۔ دریا کی نالہ پر جو قبضہ ہو گیا تھا تو دشمن پانی نہ لے سکے۔ صبح کو انہوں نے امان چاہی۔ اور باہر نکل آئے۔ ان کے سردار خلیل کو جو تنبل کا چھوٹا بھائی تھا مع ستر اسی بلکہ سو آدمیوں کے گرفتار کر کے اندجان بھیج دیا گیا۔ تاکہ احتیاط سے وہاں نظر بند رکھیں۔ چھ ماہے امر اور سردار اور عمدہ سپاہی بھی دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تھے۔ یہ اچھا بدلہ مل گیا۔

مادو کو فتح کر کے اور جو توبہ نام ایک گاؤں میں جو اُس کے آنگن میں دونوں شکر پڑے رہے

پلٹ کر مقام آنگن میں جو باطرس رنگ آدیپنی کے دیہات میں سے ہے آٹھرا۔ ان دونوں لشکروں میں ایک فرسنگ کا فاصلہ ہو گا۔ انہی دنوں میں قنبر علی بیماری کی وجہ سے اوش چلا گیا۔ کوئی عہدینہ بھریا چالیس دن یہیں پڑے رہے۔ اور کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ مگر چارے غلہ لانے والے اور دشمنوں کے غلہ لانے والے روز لڑتے رہے۔ ان دنوں میں راتوں کو لشکر کے گرد بہت بندوبست کیا جاتا تھا خندقیں کھودی گئی تھیں جہاں خندق نہ تھی وہاں جھانکڑ لگا دیے گئے تھے جس قدر فوج تھی سب مصلح خندق کے کنارہ پر رہتی تھی۔ اتنی احتیاط پر بھی تیسرے چوتھے دن رات کو لشکر میں غل غبار اُٹھ جاتا تھا۔

۱۱۔ تقریباً۔ ابجے۔ پانی پر قبضہ کر لینے کے بعد وہ بہت دیر تک باہر نہ پھر سکے۔ ۱۲۔ جان لیڈن نے سن میں اچھا اور نوٹ میں بوالہ شکر تری کے اوپر بھی لکھا ہے۔

ایک دن غلہ آوروں کا سردار ہو کر سیدی بیگ طغانی گیا تھا۔ غنیم کے سپاہیوں نے دفعہ آن گھیرا۔ اور اثنائے جنگ میں سیدی بیگ کو کھڑے لیا۔

بالتقر میرزا کا شہید ہونا
 اسی برس میں خسرو شاہ بلخ پر فوج کشی کرنے کے خیال سے بالتقر میرزا کو بلا کر قند زمیں لایا۔ اور پھر بلخ کی طرف روانہ ہوا جس وقت مقام ادباج میں پہنچا اُس وقت کجنت کا ذرِ نعمت خسرو شاہ کو سلطنت کی ہوس ہوئی۔ اسی ہوس میں اُسے بالتقر میرزا جیسے خوش طبع، پُر فضیلت اور صاحبِ حسب و نسب بادشاہ زادہ کو امرِ اسمیت گرفتار کر لیا۔ اور کمان کے چلہ سے پھانسی دیکر محرم کی دسوائے کو شہید کر ڈالا۔ اور اُس کے امراء اور مقررہوں کو بھی مار ڈالا۔ بھلا سلطنت ایسے نالائق اور بے ہنر آدمی کو کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ جسکا نہ حسب و نسب درست نہ حیثیت۔ نہ جس میں نہ ہنر نہ تدبیر۔ نہ شجاعت۔ نہ انصاف اور نہ عدالت۔

بائستقر میرزا کا محل حال

میرزا کی ولادت اور اُس کا نسب۔ وہ ۸۲ھ میں مقام حصار پیدا ہوا تھا۔ سلطان محمود میرزا کا ننھلا بیٹا تھا۔ سلطان مسعود میرزا سے چھوٹا۔ اور سلطان علی میرزا۔ سلطان حسین میرزا اور سلطان ولیم میرزا (جو خان میرزا مشہور ہے) سے بڑا۔ اُس کی ماں کا نام پشتہ بیگم تھا۔ میرزا کا حلیہ یہ ہے :- بڑی بڑی آنکھیں۔ گول چہرہ۔ میانہ قد۔ پُرطاحت جوان۔ چہرہ کا ڈول ترکمانوں کا سا۔ اخلاق و اطوار یہ تھے، عادل۔ خوش طبع انسان۔ اور صاحبِ فصیلت بادشاہ زندہ تھا۔ اُس کا اُستاد سید محمود شیعہ تھا۔ اسی سبب سے بائستقر میرزا بھی مطعون تھا۔ کہتے ہیں آخر سمرقند میں وہ اس عقیدہ سے پھر گیا تھا۔ اور پاک اعتقاد ہو گیا تھا۔ شراب کا بڑا شوقین تھا جس وقت شراب نہ پیے ہوئے ہوتا اُس وقت نماز پڑھتا تھا۔ شراب کے نشہ میں نماز نہ پڑھتا تھا۔ اُسکی سخاوت اور فیاضی اعتدال کے ساتھ تھی۔ نستعلیق خط کا خوشنویس تھا۔ مصوّر بھی بُرا نہ تھا۔ شعر بھی خاصا کہتا تھا۔ عادی نثر مخلص تھا۔ اُس کا کلام اتنا نہ ہو کہ دیوان مرتب ہو جائے۔ یہ مطلع اُسی کا ہے :-

سایہ دار از ناتوانی جا بجای آؤستم
گر نہ گیرم بروئے دیو اسے ز پائی آؤستم

سمرقند میں بالستغیر میرزا کی غزلیں اتنی مشہور ہیں کہ ہر گھر میں اُن کے اشعار سن لو۔ لڑائیاں اُس کی یہ ہیں :- وہ ڈولہ لڑائیاں لڑا ہے۔ ایک دفعہ سلطان محمود خاں سے۔ بالستغیر میرزا کی مختصر بیٹھی ہی سلطان محمود خاں نے سلطان جنید برلاس وغیرہ مفتریوں کے بہکانے اور بھڑکانے سے سمرقند چھیننے کے لیے فوج کشی کی۔ بگڑہ آق کوتل سے ہوتا ہوا رباط سعد اور کنبائی کی نواح میں آیا۔ بالستغیر میرزا بھی سمرقند سے نکلا اور کنبائی میں مقابلہ کر کے محمود خاں کو شکست فاش دی۔

میں چار ہزار نعل بالستغیر میرزا کے حکم سے قتل کر دیے گئے۔ حیدر کو کلتاش جو خان کا بہت

۱۳۔ یہ ایک مشہور و نامور استاد ہے جو قلاب دین کے پاس پر ۱۲۔ عادی ۱۲۔ ۱۳۔ یہ شہر اسی کی ایک مشہور و غراں کا ہے ۱۴۔ انا کوئی عینی سفید راستہ جو آقا بیخ بہاؤ کو دین میں ہے ۱۵۔

منہ چڑھا ہوا تھا اس لڑائی میں مارا گیا: دوسری بار بخارا میں سلطان علی میرزا سے لڑائی ہوئی۔ اور
بائستغ میرزا مغلوب ہو گیا۔ اُس کے قبضہ میں یہ ملک تھے۔ اُس کے باپ سلطان محمود میرزا نے
اُس کو بخارا دیا تھا۔ باپ کے بعد امراء نے متفق ہو کر سمرقند کا بادشاہ کر دیا۔ کچھ مدت تک بخارا بھی
اسی کی قلمرو میں داخل رہا۔ ترخانوں کی بغاوت کے بعد، بخارا قبضہ سے نکل گیا۔ جب میں نے
سمرقند فتح کر لیا تو وہ خسرو شاہ پاس بھاگ گیا۔ خسرو شاہ نے حصار چھین کر اُس کو دیدیا۔ میرزا
کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ خسرو شاہ کے پاس آنے کے زمانہ میں اُس نے اپنے چچا سلطان طلس غیا
ث کی بیٹی سے شادی کی۔ اس کے سوا اور کوئی بیوی یا حرم نہ تھی۔ اُس نے ایسے استقلال کو ساتھ
سلطنت نہیں کی کہ ایک شخص کو بھی بڑھایا ہو۔ اور امیر بنایا ہو۔ اُس کے امراء وہی باپ اور
چچا کے امراء تھے۔

امراء کا آنا۔ تنہا سے بائستغیر میرزا کے واقعہ کے بعد سلطان احمد قراول قوج بیگ کا باپ اپنے بھائیوں۔ عزیزوں۔ بال بچوں اور نوکروں سمیت قراگیلین سے چلا۔ اور

مجھے اطلاع دیکر میرے پاس آگیا۔ قبر علی اوسم میں بیار ہو گیا تھا۔ تندرست ہو کر وہ بھی چلا آیا۔ اس عجیب موقع پر سلطان احمد قراول اپنے ہمراہیوں سمیت بطور غیبی کمک کے جو آگیا تو اس کو نیک سون خیال کیا۔ اور دوسرے دن صبح کو سامان درست کر کے دشمن کے مقابلہ کے لیے ہم روانہ ہو گئے۔ دشمن آنجان میں نہ ٹھہر سکا۔ اپنے پڑاؤ سے چل کھڑا ہوا۔ ہم اُسی کے پڑاؤ میں اُن اُترے کسی قدر سامان۔ فرش فروش اور نیچے ڈیرے وغیرہ ہمارے اہل لشکر کے ہاتھ لگے۔ اسی رات نبل جہانگیر نے کو لیے ہوئے ہماری بائیں طرف سے جوتا ہوا موضع خوبان میں جو اند جان کی جانب ہمارے پہلو میں ہم سے تین فرسنگ کے راستہ پر ہو گا آگیا۔ دوسرے دن ہم بھی برانفار۔ جرانفار۔ قول اور ہراول کو مرتب کر۔ گھوڑوں پر سامان ڈال۔ ہتھیار لگا اور صف بند ہی کر اُن پیدلوں کو جو تورا اٹھائے ہوئے تھے اپنے آگے کیا۔ اور غنیم کی طرف روانہ ہوئے۔ برانفار میں علی دوست طغانی مع اپنی بیروں کے تھا۔ جرانفار میں ابراہیم سارو۔ ونس لاغری۔ سیدی قرا۔ محمد علی شہر کنجنگ بیگ (خواجہ کلا) کا بھائی، بعض اور مصاحبین۔ سلطان احمد قراول اور کوچ بیگ مع اپنے ہمراہیوں کے مقرر ہوئے۔ قاسم بیگ میرے پاس قول میں تھا۔ قبر علی ہراول اور ہمارے بعض مصاحبین و ملازمین موضع سقا میں جو خوبان کے جنوب و مشرق میں مقام خوبان سے کوس بھر پر ہے پہنچے تھے کہ خوبان سے غنیم درست ہو کر نکلا۔ ہم بھی پوری احتیاط کے ساتھ بہت جلد آگے بڑھے۔ قوروں اور پیادوں کو مرتب کر دیا گیا تھا۔ وہ مقابلہ کے محل پر پہنچے رہ گئے۔ عنایت الہی سے اُن کی کچھ ضرورت نہ ہوئی۔

ملہ ہمارے نیٹے اور جان لیڈن کو تو جرم میں گرفتار کیا گیا ہے اور جی ہنس چکے ہیں کہ ۱۲ سالہ یہ قلم عصا اور دشمنان کے شمالی اور فرغانہ کے جنوبی پہاڑوں میں ہے۔ جان لیڈن خٹے نوٹ میں بجا کر لکھتے ہیں کہ جو ان کے سامنے تھی۔ جو ان بھی لکھا ہے کہ ۱۲

یہاں سے بھی یہی لفظ رہنے دیا ہے ۱۲۔ ۱۳۔ کیکسنگ مینی (چھٹا سر دار) خواجہ کلاں کا بڑا بھائی ۱۲۔

九

اُن لوگوں کے پیچھے سے پہلے ہماری جرافٹ اور دشمن کی برائے فائدہ لگے جگہ لڑنے لگی خواہر کلاں بھائی
کینجک بیٹے ہاں خوب متعدی و لڑا کینجک لکے بیگ کے بعد محمد علی بمشر بھی اچھا لڑا۔ دشمن اتنا حملہ بھی
نہ جھیل سکا اور بھاگ نکلا۔ برائے فائدہ اور ہراول کو لڑنیکا موقع نہ ملا۔ بہت سے لوگ گرفتار ہو کر
آئے ہیں نے قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ ہمارے امرا میں سے قاسم بیگ اور علی دوست بگ نے
لیکن زیادہ تر علی دوست بیگ نے احتیاط اور نقصان کے خیال سے بھگوڑوں کے تعاقب میں
دور بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔ اس سبب سے اُنکے بہت سے لوگ گرفتار نہ ہوئے۔ ہم وہیں ضعیف جوان
میں اتر پڑے۔ میں پہلے پہل باقاعدہ لڑائی یہی لڑا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم
سے فتح عنایت کی۔ میں نے اس کو نیک شکون خیال کیا۔ دوسرے دن میری داؤد شاہ سلطان بیکم
اس خیال سے کہ اگر جہانگیر میرزا پکڑا گیا ہو تو اُس کو چھڑا لیں اندجان سے تشریف لائیں جاؤ
قریب آ گیا تھا۔ بیرونجات میں غلہ اور گھاس کا نام نہ تھا۔ اس واسطے اور کند پرورش کرنی سبب
نہ سمجھی۔ اور اندجان کی طرف مراجعت کی گئی۔

۱۵ نشان پروار ۱۳ کے عالم میں نے (سند ساقی) کا لفظ لکھا ہے ۱۲ کے ہاں عالم میں نے (عالمات قرآن اکابر مجربہ) لکھا ہے ۱۲

متراد دشمن کے علاقوں کو عیاری سے تباہ کرتے رہے۔ اُنکے گھوڑے بکڑا لے۔ آدمیوں کو مار ڈالا۔ اور اُن کو خوب دق کیا۔ اگر ہم جاڑے بھر اسی قشلاق میں رہتے تو عجب نہ تھا کہ گرمیوں کے آتے تک بے لڑے دشمن تباہ ہو جاتے کیونکہ ہم نے اتنے ہی دنوں میں دشمن کو بہت تنگ اور عاجز کر دیا تھا۔ اس وقت قبر علی نے اپنے علاقہ میں جا کی اجازت چاہی۔ ہر چند اُسکو یہ باتیں سمجھائیں اور منع کیا مگر وہ اور زیادہ جانے پراڑ گیا۔ عجب ہلکا اور فندی آدمی تھا۔ مجبوراً اُسکو جانے کی اجازت دیدی۔ پہلے اُس کے علاقہ میں خجند تھا۔ اس دفعہ جاند جان لیا ہے تو اسفرہ اور کند بادام بھی اُسی کو دیدیا گیا۔ ہمارے امراء میں قبر علی ہی کے پاس بہت ملک اور بہت سے آدمی تھے۔ جتنا یہ ذی مقدمہ تھا اتنا کوئی نہ تھا۔ ہم چالیس پچاس دن تک اس قشلاق میں رہے۔ قبر علی کی وجہ سے لشکر کے اور لوگوں کو بھی رخصت دینی پڑی اور ہم بھی آخر اند جان میں آگئے جتنے دن ہم قشلاق میں رہے اتنے دن تنبل کے آدمی نچلے نہ بیٹھے۔ خان کے پاس تاشکند لوگوں آئے جانے کا لگا لگا ہی رہا۔ احمد بیگ (جو سلطان محمود خان کے بیٹے سلطان محمد سلطان کا بیگ آتکے اور خان کا رعایتی بڑا سردار تھا اور تنبل کا چچرا بھائی تھا) اور بیگ تلبہ جو خان کا اشک آغا تھا اور تنبل کا سکا بڑا بھائی تھا) نے خان کے اور تنبل کے پاس آمد و رفت کر کے خان کو اس پر آمادہ کیا کہ تنبل کی مدد کریں۔ بیگ تلبہ جب سو پیدا ہوا تھا مغستان ہی میں رہا تھا۔ اور مغلوں ہی میں رہ کر چھوٹے سے بڑا ہوا تھا۔ ہمارے ملک میں کبھی نہ آیا تھا۔ اور اس ملک کے کسی بادشاہ کی خدمت میں نہیں رہا تھا۔ ہمیشہ اس نے ان قوانین ہی کی خدمت میں کی تھیں۔ اپنے گھر بار اور اہل و عیال کو تاشکند میں چھوڑ کر یہ خود اپنے چھوٹے بھائی تنبل کے ساتھ ہو گیا۔

قاسم عجب کی گرفتاری ان دنوں میں ایک عجیب حادثہ ہوا۔ وہ یہ کہ قاسم عجب کیل خشی میں عاریہ چھوڑ گیا تھا۔ وہ تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ خزاؤں کے

تقابل میں نکلا۔ دریائے خجند سے پار ہو کر مقام خجراتا میں پہنچا تھا کہ تنبل کی بہت سی فوج سے اُسکا مقابلہ ہوا اور مقابلہ ہوتے ہی وہ بکڑا گیا۔ جب تنبل نے ہمارے لشکر کو چلے جانے کی خبر سنی اور اُسکا بڑا بھائی بیگ تلبہ خان سے باتیں کر کے آگیا اور ایک کا آنا اُسکو یقینی ہو گیا تو تنبل اور کند سے میان دو آب میں آگیا۔ اس اثناء میں کاخان سو تحقیق خبر آئی کہ خان نے تنبل کی مدد کے لیے محمد سلطان خانیکہ اپنے بیٹے کو (جو سلطانیم مشہور تھا) مع احمد بیگ کے مقرر کیا ہے۔ اُسکے ساتھ پانچ چھ ہزار آدمی ہیں اور جو کشت کے راستہ سے کاخان کو آگھیرا ہم نے بھی کچھ اُن لوگوں کا انتظار نہ کیا جو ادھر ادھر گئے ہوئے تھے جس قدر لوگ موجود تھے انہی کو ہمراہ لے بلا توقف اُسی کر دکراتے جاڑے میں اللہ پر توکل کیا۔

وہ شخص جو خجند لوہ کی سرکار کا رخصت ہوا ۱۲ سالہ دار و قدر دیوار خاندان جس کو انگریزی میں جبریل کہتے ہیں ۱۲ سالہ اور کنڈ ۱۲ سالہ اور چہ قند ۱۲

اور سلطانیم اور احمد بیگ پر چڑھائی کرنے کے لیے اندجان سے براہ بند سالار ہم روانہ ہوئے۔ اتنے ہی کہیں دم نہ لیا۔ دوسرے دن آخشی میں آکر ٹھہرے۔ اس رات ہلاکی سردی تھی۔ یہ حال تھا کہ بعض کے تو ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ اور بہت لوگوں کے کان ایسے ہو گئے تھے جیسے مڑجھائے ہوئے سیب ہوتے ہیں۔ آخشی میں ہم نے زیادہ توقف نہ کیا۔ قاسم عجیب کی جگہ یارک طغانی کو عاریہ آخشی میں چھوڑ کر ہم کاشان کی طرف روانہ ہو گئے۔ کاشان کو بس بھر رہا ہو گا جو خبر آئی کہ ہمارے آنے کی سنکر احمد بیگ اور سلطانیم پریشان ہوئے اور فوراً بھاگ گئے۔ تنبل کو ہمارے آنے کا جو حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بھائی کی کمک کے لیے بطریق ایلغار آگے پیچھے تیسرا پہر تھا کہ تنبل کے لشکر کے سپاہی ٹوکنڈہ کی طرف سے نمودار ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی کے یوں جلد اور بے موقع پلٹ جانے اور ہمارے اس طرح جھٹ پٹ پیچ جانے پر تنبل حیران رہ گیا۔ میں نے کہا خدا کی کار سازی ہے کہ وہ انکو اس طرح لے دیا ہے کہ ان لوگوں کے گھوڑوں میں مکان سے دم نہیں رہا ہے۔ لڑائی ہو تو خدا سے امید ہے کہ ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ جائے پائیگا۔ ویسے لاغری وغیرہ نے عرض کیا کہ دن آخر ہو گیا ہے۔ اگر آج مقابلہ بھی ہوا تو کل یہ کہاں بچ کر جائیں گے۔ کل جہاں یہ ہو گئے وہیں ہم ان کو آگے رکھ لیں گے۔ یہی صلاح ٹھہری اور اس وقت لڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اس طرح غنیم کا قابو میں آنا اور پھر پکڑ کر نکل جانا اس ترکی مثل کا مصداق ہے۔ ”قابو میں آئے ہوئے کو چھوڑ دینے سے بڑھاپے تک افسوس کرنا پڑتا ہے۔“

کار بار ابوقت باید جست کار بوقت سست باشد سست
دشمن نے صبح تک کی فرصت کو غنیمت جانا بلاتوں رات وہ کہیں نہ ٹھہرا اور قلعہ ارخیان میں آ گیا۔ جب صبح کو ہم نے غنیم پر چڑھائی کی اور اُس کو اپنی جائے پر نہ پایا تو ہم بھی اُس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ چونکہ ہم نے قلعہ ارخیان کے قریب محاصرہ مناسب نہ جانا اس لیے کوس بھر کے فاصلہ پر قریب نسکا میں ڈیرے ڈال دیے۔ تین چالیس دن تک ہم تو اسی پڑاؤ میں پڑے رہے اور تنبل قلعہ ارخیان میں رہا۔ کچھ کچھ لوگ ادھر سے ادھر سے آتے تھے اور دو دو ہاتھ کر کے پلٹ جاتے تھے۔ ایک ات وہ شیخون لیکر آئے۔ لشکر سے دور ہی سے کچھ تیر مار کر اُسے پھر گئے۔ ہمارے لشکر کے گرد خندق کھود دی گئی تھی اور جھانکڑ لگا دیے گئے تھے۔ اس سبب سے وہ کچھ نہ کر سکے۔ ہم اسی مقام میں تھے کہ دو تین مرتبہ قبیلہ علی نے بگڑ کر اپنے علاقہ میں جانا چاہا۔ آخر ایک دفعہ چلا ہی تھا کہ بعض امر کو بھیج کر بڑی دقت سے اُس کو اُلٹا پھیرا۔ اسی اثناء میں سید یوسف فخری نے سلطان احمد تنبل کے پاس آدمی بھیجے اور اُس سے ساز و باز کی۔ اندجان کے پہاڑوں کے دامنوں میں جو اضلاع ہیں

اُن میں دو ضلع مشہور ہیں۔ ایک ادنیور۔ دوسرا چم۔ چم میں سید یوسف بڑا آدمی تھا۔ رفتہ رفتہ میری سرکاری روشناس ہو گیا۔ وہ اپنی حد سے بڑھ گیا تھا۔ اگرچہ اُس کو کسی نے امیر نہ پایا تھا۔ مگر وہ خود امیری کا دعویٰ کرنے لگا۔ بڑا ہی منافق اور تلون مزاج آدمی تھا۔ اس دفعہ جو میں اندجان لیا ہے تو جب سے اب تک دو تین مرتبہ مجھ سے ملکر تنبل سے باغی ہو گیا۔ اور دو تین بار تنبل کے ساتھ ہو کر مجھ سے پھر گیا۔ اُس کی آخری بغاوت یہی تھی۔ اُس کے ساتھ بہت سے قبائل تھے۔ اس خیال سے کہ وہ تنبل کے پاس نہ پہنچ جائے اور ہم اُسکو راستہ ہی میں گھیر لیں ہم بھی سوار ہو گئے۔ تیسرے دن ہم پشتخاران کے مقام میں پہنچے لیکن تنبل کی فوج قلعہ پشتخاران میں داخل ہو چکی تھی۔ اس حملہ میں جو سردار ساتھ تھے اُن میں سے علی درویش بیگ اور قوچ بیگ مع اپنے بھائیوں کے پشتخاران کے دروازہ پر جا پہنچے اور گھسان کی لڑائی لڑے۔ قوچ بیگ نے اپنے بھائیوں سمیت لڑائی میں کوشش کر کے اگر نہاموری حاصل کی پشتخاران سے ایک کس کے فاصلہ پر ایک اونچی جگہ ہم اترے۔ تنبل جہانگیر میرزا کو لیے ہوئے آیا اور قلعہ پشتخاران کو پیٹھ کے پیچھے رکھ کے اتر پڑا۔

جہانگیر میرزا سے صلح تین چار دن کے بعد ہمارے اُن افراد میں سے جو خلاف تھے علی و دو اور قنبر علی سلاخ نے مع اپنے قواہ و لواحق کے صلح کی تجویز کرنی

شروع کیس۔ ہمارے طرفداروں کو اس کی ذرا خبر نہ ہوئی۔ ہم لوگ اس پر اصرار راضی نہ تھے مگر جب بڑے دو امیر بھی دھم دھم کر کے تھ تو انکی بات نہ سننے اور صلح نہ کرنے میں اور خوف تھے۔ نہ وہ اسی طرح صلح کرنی پڑی کہ دریا سے نجد سے آہستی کی طرف کا ملک جہانگیر میرزا لیلے۔ اور اندجان کی جانب کا ملک میرے قبضہ میں رہے۔ اور کند کو بھی اپنے اہل و عیال کے بلالینے کے بعد ہمارے ہی قبضہ میں دیدے۔ اس تقسیم کے بعد میں اور جہانگیر میرزا یہ اتفاق سمرقند پر چڑھائی کریں سمرقند فتح ہو جائے تو سمرقند میں لیلوں اور اندجان جہانگیر میرزا کو دیدیا جائے۔ یہی بات قرار پائی۔ دوسرے دن جہانگیر میرزا اور تنبل آئے۔ رجب کے مہینے کا آخر تھا۔ جب اُنہوں نے مجھ سے ملازمت حاصل کی اور جو بات مقرر ہوئی تھی اُس کا عہد اور پیمان کر لیا۔ جہانگیر میرزا کو آہستی کی طرف رخصت دی گئی۔ اور میں اندجان میں آ گیا۔ اندجان میں آتے ہی میں نے تنبل کے چھوٹے بھائی غنیمت کو جو قید تھے رہائی دی۔ اور سب کو خلعت دیکر رخصت کر دیا۔ اُنہوں نے بھی ہمارے امراء اور ہوا جو کو جو قید تھے جیسے طغائی بیگ۔ دوست محمد۔ میر شاہ قوچین۔ سیدی بیگ۔ قاسم عجب۔ پیرویس اور میرم دیوان، رہا کر کے بھیج دیا۔

علی دوست کا فروغ | اندجان میں آنے کے بعد علی دوست کا اور ہی ڈھنگ ہو گیا جو لوگ

محببتوں اور جھگڑوں میں میرے رفیق تھے اُن سے بُرے سلوک کرنے لگا۔ پہلے تو خلیفہ کو نکالا۔ پھر ابراہیم سارو اور ویس لاغوی کو بے سبب اور بیگناہ ماخوذ کر کے اُن کا گھر بار لوٹ لیا۔ اور اُنکو اُن کے علاقوں سے نکال دیا۔ آخر قاسم بیگ کی بھی خبر لی۔ ظاہر میں یہ اڑتا لیا کہ خلیفہ اور ابراہیم سارو خواجہ قاضی کے دوست ہیں۔ مجھ سے اُن کا بدلا لیں گے۔ اُسکا بیٹا محمد دوست تو بادشاہت ہی کے ڈھنگ برتنے لگا۔ اسکی مجلس و ضیافت کا طریق۔ دربار کا قرینہ اور سامانِ ریش بالکل بادشاہوں کا سا ہونے لگا۔ ان دونوں باپ بیٹوں نے تنہا کے برتنے پر یہ حرکتیں کرنی اختیار کیں۔ مجھے بھی اتنا اقتدار اور اختیار نہ رہا کہ ان کو ایسی نامعقول حرکتوں پر روک سکوں۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ تنہا جیسا دشمن ان کی حمایت پر میری بغل میں بیٹھا ہوا تھا۔ جو ان کا جی چاہتا تھا وہ کرتے تھے۔ کیا نازک موقع تھا کہ میں دم نہ مار سکتا تھا۔ اُس زمانہ میں ان دونوں باپ بیٹوں سے میں نے بڑی ذلت کی برداشت کی۔

پہلی شادی عائشہ سلطان بیگم میرے چچا سلطان احمد میرزا کی بیٹی جس سے میرے باپ اور چچا کی زندگی میں ملگنی ہو گئی تھی وہ نجد میں آ گئی۔ شعبان کے مہینے میں میں نے اُس سے شادی کی اگرچہ ابتدائیں جبکہ نئی نئی شادی ہوئی ہے مجھے اُس سے بہت محبت تھی۔ مگر مارے شرم کے دسویں۔ پندرھویں۔ بیسویں دن میں اُس کے پاس جایا کرتا تھا۔ آخر خود ہی وہ محبت نہ رہی۔ اور حجاب اور زیادہ ہو گیا۔ مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد میری والدہ خاتیم نے بہت دھمکایا اور بڑی دقتوں سے مجھے اُس کے پاس بھیجا۔

عاشق ہونا اُردو بازار میں ایک لڑکا تھا۔ بابری نام جس میں ہمنامی کی بھی ایک مناسبت تھی۔ انہی دنوں میں مجھے اُس کے ساتھ عجیب لگاؤ پیدا ہو گیا۔

اُس پر یوش پہ کیا ہوا شیدا بلکہ اپنی خودی بھی کھو بیٹھا۔ اس سے پہلے میں کسی پر فریفتہ نہ ہوا تھا۔ کسی سے ہر محبت کی بات تک نہ کی تھی۔ بلکہ دل لگی کا نام بھی نہ سنا تھا۔ اس زمانہ میں ایک آدھ شعر فارسی میں بھی کہا کرتا تھا۔ اُن میں سے ایک شعر یہ ہوتا ہے: کس چوں من خراب و عاشق و رسوا مباد۔ ایسے محبوبے چو توبے رحم و بے پروا سب باد۔ مگر حال یہ تھا کہ اگر کبھی بابری میرے سامنے آ جاتا تھا تو مارے شرم کے میں لگا ہر راس کو طرف نہ دیکھ سکتا تھا۔ چہ جائیکہ اُس سے ہل سکوں اور باتیں کر سکوں۔ اضطرابِ دل کی یہ حالت تھی کہ اُس کے آنے کا شکریہ تک ادا نہ کر سکتا تھا۔ یہ تو کہاں کہ نہ آنے کا گلہ زبان لا سکتا۔ اور زبردستی بلانے کی تو مجال ہی کس کو تھی۔ اسی شیفٹگی کے زمانہ میں ایک دن اپنے حشم و خدم کے ساتھ میں ایک گلی میں چلا جاتا تھا۔ دفعۃً بابری سے میرا آنا سامنا ہوا۔

سیری عجیب حالت ہوئی۔ قریب تھا کہ اپنے آپے میں نہ رہوں۔ آنکھ اٹھا کر دیکھنا یا بات کرنا تو ممکن نہ تھا۔ بہت جھپٹتا ہوا اور گھبراتا ہوا میں آگے بڑھ گیا۔ محمد صالح کی یہ بیت بے اختیار یاد آگئی۔

شوم مشرندہ ہر گہ یار خود را در نظر بسیم رفقاں سوئے من بنیند و من سوئے دگر بنیم
یہ بیت بالکل میرے حسب حال تھی۔ اُن دنوں میں عشق و محبت کا ایسا زور اور جانی اور جنون کا انتہا غلبہ ہوا کہ کبھی کبھی ننگے سر ننگے پاؤں محلوں میں۔ باغوں میں اور باغیچوں میں ٹھلا کرتا تھا۔ نہ اپنے اور بیگانے کی طرف التفات تھا۔ نہ اپنی اور دوسرے کی پروا تھی۔ شعر یہ تھا معلوم مجھ کو مجھے الفت میں پیش آیا کسی کو کوئی دل دے تو یہی گت اسکی ہوتی ہے کبھی دیوانوں کی طرح اکیلا پہاڑ اور جنگل کھوندتا پھرتا تھا۔ کبھی باغوں اور محلوں میں کوچہ بکوچہ بھٹکتا پھرتا تھا۔ نہ پھرنے میں اور میٹھے میں پنا اختیار تھا۔ نہ چلنے میں اور میٹھے میں قرا تھا۔ شعر اب میٹھے اٹھنے کی بھی مجھ میں تو نہیں تاب کیا اور تو ایدل مجھے یتاب کرے گا

اسی سال میں سلطان علی میرزا اور محمد مزید ترخان کا بگاڑ ہو گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ترخانی بہت مقدر و معتبر ہو گئے تھے۔ باقی تو درو بست۔ بخارا کو دبا بیٹھا تھا۔ یہاں تک کہ بخارا کی آمدنی میں سے ایک جتہ کسی کو نہ دیتا تھا۔ محمد مزید ترخان بھی سمرقند کا بالکل مالک بن بیٹھا تھا۔ اس نے سارا ملک اپنے بیٹوں۔ متعلقوں اور عزیزوں کے لیے گھیر لیا تھا۔ شہر کی آمدنی سے جو تھوڑی سی رقم راتہ کے طور پر مقرر کر دی گئی تھی اُس کے سوائے ایک پیہ سلطان علی میرزا کو کسی طریقہ سے نہ پہنچتا تھا۔ سلطان علی میرزا جوان ہو گیا تھا۔ وہ اس طریقہ کا تحمل کب تک کرتا۔ اپنے رفیقوں کے بل پر محمد مزید ترخان کے درپے ہوا۔ محمد مزید ترخان اس بات کو تار گیا۔ میرزا کو اور اُس کے نوکروں۔ چاکروں۔ متعلقوں۔ عزیزوں اور اُن امراء کو جو اُس سے ملے ہوئے تھے جیسے سلطان حسین ارغون۔ پیر احمد۔ اوزون حسن کا چھوٹا بھائی خواجہ حسین۔ قرآبرلاس۔ صالح محمد اور بعض اور امراء اور سپاہیوں کو ساتھ لیکر شہر سے باہر آگیا۔ اسی زمانہ میں سلطان محمود خاں نے محمد حسین و غلت۔ احمد بیگ اور اپنے بہت سے مغلوں کو خان میرزا کے ہمراہ سمرقند کی طرف بھیجا تھا۔ حافظ بیگ دولدائی اور اُس کا بیٹا طاہر بیگ تو خان میرزا کے بیگ آتے ہی تھے۔ حسن نسیر۔ ہندو بیگ اور کچھ اور لوگ جو حافظ بیگ اور طاہر بیگ سے لگاؤ رکھتے تھے سلطان علی میرزا کے پاس سے بھاگ کر خان میرزا کے پاس چلے گئے۔ محمد مزید خان نے یہ کیا کہ لوگوں کو بھیجا اور خان میرزا اور لشکر مغل کو بلایا یا شاد واری نواح میں آکر خان میرزا اور امراء مغل سے ملاقات کی۔ چونکہ امراء مغل کا محمد مزید بیگ اور

سلطان علی میرزا اور اُن امراء اور سپاہیوں کو ساتھ لیکر شہر سے باہر آگیا۔ اسی زمانہ میں سلطان محمود خاں نے محمد حسین و غلت۔ احمد بیگ اور اپنے بہت سے مغلوں کو خان میرزا کے ہمراہ سمرقند کی طرف بھیجا تھا۔ حافظ بیگ دولدائی اور اُس کا بیٹا طاہر بیگ تو خان میرزا کے بیگ آتے ہی تھے۔ حسن نسیر۔ ہندو بیگ اور کچھ اور لوگ جو حافظ بیگ اور طاہر بیگ سے لگاؤ رکھتے تھے سلطان علی میرزا کے پاس سے بھاگ کر خان میرزا کے پاس چلے گئے۔ محمد مزید خان نے یہ کیا کہ لوگوں کو بھیجا اور خان میرزا اور لشکر مغل کو بلایا یا شاد واری نواح میں آکر خان میرزا اور امراء مغل سے ملاقات کی۔ چونکہ امراء مغل کا محمد مزید بیگ اور

محمد مزید ترخان اس منصوبہ کو تار گیا اور اُن امراء اور سپاہیوں کو ساتھ لیکر شہر سے باہر آگیا۔ اسی زمانہ میں سلطان محمود خاں نے محمد حسین و غلت۔ احمد بیگ اور اپنے بہت سے مغلوں کو خان میرزا کے ہمراہ سمرقند کی طرف بھیجا تھا۔ حافظ بیگ دولدائی اور اُس کا بیٹا طاہر بیگ تو خان میرزا کے بیگ آتے ہی تھے۔ حسن نسیر۔ ہندو بیگ اور کچھ اور لوگ جو حافظ بیگ اور طاہر بیگ سے لگاؤ رکھتے تھے سلطان علی میرزا کے پاس سے بھاگ کر خان میرزا کے پاس چلے گئے۔ محمد مزید خان نے یہ کیا کہ لوگوں کو بھیجا اور خان میرزا اور لشکر مغل کو بلایا یا شاد واری نواح میں آکر خان میرزا اور امراء مغل سے ملاقات کی۔ چونکہ امراء مغل کا محمد مزید بیگ اور

ان لوگوں سے خوب میل جول نہ ہوا۔ بلکہ مغلوں نے محمد مزید ترخان کی گرفتاری کا ارادہ بھی کر لیا۔
 مزید ترخان اور اس کے امراء اس چال کو سمجھ گئے۔ اور بہانہ کر کے مغلوں سے کنارہ کر گئے۔
 ان کے الگ ہوتے ہی مغلوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ یہ لوگ یار سیلاق میں آکر ٹھہرے تو
 سلطان علی میرزا سمرقند سے تھوڑی سی فوج کے ساتھ دفعۃً خان میرزا پر مغلوں کے لشکر پر آپڑا۔
 منغل بے رٹے بھاگ نکلے۔ آخر میں سلطان علی میرزا سے یہ ہی ایک عمدہ کام ہوا۔

محمد مزید ترخان اور سب لوگ غنی میرزا وغیرہ میرزاؤں سے باہون کر گئے تھے۔
 عبدالوہاب منغل کو جو اس سے پہلے میرے پاس تھا اور جسے اندجان کے
 بگھر جانے کے موقع پر خواجہ قاضی کا خوب ساتھ دیا تھا اور اپنی جان
 لڑادی تھی میرے پاس بھیجا۔ اور مجھے اپنی مدد کے لیے بلایا۔ میں خود

اس معاملہ کے واسطے خراب و خستہ ہو رہا تھا۔ سمرقند ہی رچھائی کرنے کے لیے جہانگیر میرزا سے
 صلح کر لی تھی۔ فوراً میر منغل کو جہانگیر میرزا کے پاس ڈاک چوکی میں آخشی بھیجا۔ اور آپ سمرقند
 کی جانب بانیکوآدہ ہوا۔ ذیقعد کا مہینہ تھا جو سمرقند کی طرف لشکر کی روانگی ہوئی۔ یہ جوئے دن
 مقام قبا میں ہم پہنچے۔ ظہر کے وقت خبر آئی کہ تنبل کے چھوٹے بھائی خلیل نے آوش کا قلعہ
 چوری سے آکر چھین لیا ہے۔ اسکا مفصل حال یہ ہے کہ اُن قیدیوں کو جنکا سردار تنبل کا
 چھوٹا بھائی خلیل تھا رہا کر دیا گیا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ تنبل نے خلیل کو اہل عیال
 وغیرہ کے لائیکے واسطے جو اور کند میں تھے بھیجا تھا۔ یہ اس بہانہ سے اور کند میں آکر ٹھہر گیا۔
 لگا چیلے والے کرنے کہ آج آتا ہوں۔ کل آتا ہوں۔ جب میں مع لشکر سوار ہو گیا تو میدان صاف
 دیکھا اور آوش کو خالی پایا۔ راتوں رات چوری سے آکر دفعۃً آوش کو لے لیا۔ یہ خبر ہم نے سنی
 مگر ٹھہرنا اور اُس سے لڑنا کسی وجہ سے خلاف مصلحت دیکھا۔ اور سمرقند کی طرف ہم متوجہ ہو گئے۔
 وہ وجوہات یہ تھیں کہ ایک تو میرے سارے سپاہی سامان جنگ درست کرنے کے لیے اپنے اپنے
 گھر مختلف مقامات میں چلے گئے تھے اور ہم سب صلح کے بھروسے پر دشمنوں کے فریبوں سے
 غافل اور بے خبر تھے۔ دوسرے علی دوست اور قبیل علی جیسے ہمارے دو بڑے سرداروں سے
 ایسی حرکتیں ظاہر ہو چکی تھیں کہ اُن پر اعتماد نہ رہا تھا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ تیسرے تمام
 امراء سمرقند نے جنکا سردار محمد مزید ترخان تھا منغل عبدالوہاب کو میرے پاس سیر بلانیکو لیے
 بھیجا تھا۔ بھلا سمرقند جیسے پائے تخت کو چھوڑ کر اندجان جیسے چھوٹے سے ملک میں کون اوقات
 ضائع کرتا۔ میں تو قبا سے مرغینان میں آگیا۔ مرغینان میں قوچ بیگ کے باپ سلطان احمد بیگ
 کو مقرر کیا تھا۔ وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے میرے ہمراہ نہ ہو سکا۔ مرغینان ہی میں رہ گیا۔

ہاں۔ قوج بیگ اپنے دو ایک بھائیوں سمیت میرے ساتھ ہو گیا میں سفر کے راستے پر
ہو لیا مجھے نام ایک موضع میں جو اسفرہ کے توابعات میں سے ہے اگر اترنا اتفاقاً حسنہ قاسم بیگ
مع اپنی فوج کے اور علی دوست مع اپنی فوج کے اور سید قاسم اور بہت سے عمدہ سپاہی اسی رات
تجمع کے مقام میں اس طرح جیسے کوئی ڈاک میں آتا ہے آئے اور میرے ساتھ ہو لیے۔ یہاں سے چلے
دشت خیابان کا راستہ طے کرتے ہوئے پل خوابان پڑھ کر مقام اور ایتیمہ میں ہم آئے قنبر علی اپنے علاقہ خجند
سے قبل کے پاس اسپر بھروسہ کر کے فوج کشی کے باب میں گفتگو کرنے آخشی آیا۔ جو نہی وہ آخشی میں
آیا دوہی قبل نے اُسے قید کر لیا۔ اور اُس کے علاقہ پر چڑھائی کر دی۔ ترکی مثل مشہور ہے
بھروسہ نہ کر دوست پر اپنے تو کہ بھر دینا وہ بھٹس تری کھال میں

جس وقت قنبر علی کو ایک جائے سے دوسری جائے لیجا رہے تھے اُس وقت رستہ میں سے وہ
پیادہ پانزارد قوتوں سے بھاگ نکلا۔ اور ہم مقام اور ایتیمہ ہی میں تھے کہ ہم سے آگیا۔ اور ایتیمہ ہی
میں خبر آئی کہ شیبانی خاں قلعہ ہوسی میں باقی ترخان کو زیر کر کے بخارا کی طرف روانہ ہوا ہے۔
ہم اور ایتیمہ سے سیلغ بورکہ ہوتے ہوئے سنگر آذ میں آئے۔ سنگر آذ کے داروغہ نے قلعہ جوالے
کر دیا۔ چونکہ قنبر علی تباہ اور برباد ہو کر آیا تھا اس لیے اُس کو تو سنگر آذ میں چھوڑا اور ہم آگے
بڑھے۔ جب ہم مقام یورت خان میں اترے تو امرائے سمرقند نے جنکا سردار محمد مرید ترخان تھا
اگر ملازمت کی سمرقند کی تغیر کے باب میں میں نے اُن سے مشورہ کیا۔ سب نے کہا کہ خواجہ
بھی پادشاہ کا خواستگار ہے۔ اگر خواجہ اس بات پر جم جائے تو سمرقند بڑی آسانی سے بے کھٹکے
ہاتھ آجائیگا۔ اس خیال سے کئی بار خواجہ تجھے کے پاس بات چیت کرنے کے لیے آدمی بھیجے۔ خواجہ
نے مجھے سمرقند میں بلالینے کے باب میں کوئی نچتہ جواب نہ بھیجا۔ مگر کوئی ایسی بات بھی نہ کہی کہ
جس سے میں مایوس ہو جاؤں۔ یورت خان سے کوچ کیا اور مقام درغم کے قریب میں اترائیں
خواجہ تجھے کے پاس محمد علی کتا بدار کو بھیجا۔ وہ جواب لایا کہ آئیے شہر حاضر ہے۔ شام ہونے ہی
ہم درغم سے سوار ہو کر شہر کی طرف چلے۔ سلطان محمود دولدانی۔ سلطان محمد دولدانی کا باپ
یورت خان سے بھاگ کر دشمنوں پاس چلا گیا اور اُن کو اس ارادہ کی خبر کر دی۔ جب یہ بھیج
اُن پر کھل گیا تو جو خیال ہم نے کیا تھا وہ پورا نہ ہوا۔ ناچار ہم اُسے پھر آئے اور درغم کے پاس
آئے اترے۔

اور امرار کا آنا اور علی دوست کا چانا | ابراہیم سارو منگلین نے جو سب سے زیادہ میرا مورد عنایت
تھا اور جس زمانہ میں یاریلاق تھا اُس زمانہ میں
علی دوست نے اُسکو برباد کر کے نکال دیا تھا میرے بیٹے محمد یوسف کے ساتھ اگر ملازمت حاصل کی

لکھنا۔ بابا ہرملہ خلیفہ جان لیڈن نے سن ۱۲۷۵ میں تو جس لکھنا ہے اور عارضیہ میں (اگرچہ لکھنا ہے ۱۲۷۵ جان لیڈن نے سن ۱۲۷۵ میں چان اور عارضیہ میں خلیفہ لکھا ہے۔ مندرجہ لکھنا نے خلیفہ

۱۲۷۵ جان لیڈن نے سن ۱۲۷۵ میں چان اور عارضیہ میں خلیفہ لکھا ہے۔ مندرجہ لکھنا نے خلیفہ

غرض میرے تمام امراء اور مہاجین علی دوستیک جن کے خلاف تھا جن میں سے اُسے بعض کو جلاوطن بعض کو تاراج اور بعض کو برباد کر دیا تھا ایک ایک کر کے سب میرے پاس آ گئے۔ اب علی دوست کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ چونکہ تنہا کے بل پر مجھ کو اور میرے دوستوں کو بہت تنگ کیا تھا اور ستایا تھا اس لیے مجھ کو اس مردک سے نفرت ہو گئی تھی۔ وہ بھی مارے ڈر کے اور مارے شرمندگی کے میرے پاس نہ ٹھہر سکا مجھ سے اُس نے رخصت چاہی۔ میں نے بھی خوشی سے بے تامل رخصت دیدی۔ علی دوست اور محمد دوست دونوں رخصت لیتے ہی تنہا کے پاس چلے گئے۔ اُس کے مقرب ہو گئے اور دونوں نے بہت سی جڑائیاں اور بغاوتیں میرے ساتھ کیں۔ دو ایک برس کے بعد علی دوست کے ہاتھوں میں سرطان پھوڑا ہو گیا اور وہ اُسی سے مر گیا۔ محمد دوست اُن کیوں کے پاس آ گیا تھا۔ اگرچہ اُن کیوں میں چلے آنے سے اُس کو خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ اور اُس کا چلا آنا اُس کے حق میں بُرا نہ تھا۔ مگر وہ وہاں سے بھی نکحرامی کر کے بھاگ گیا اور اندجان کے پہاڑوں میں فتنہ و فساد برپا کرتا رہا۔ آخر کار اُن کیوں نے پکڑ کر اُس کو اندھا کر دیا۔ یہ مثل سیج ہے کہ فلاں شخص کے نمک نے اُسکی آنکھیں پھوڑ دیں۔

شیبانی خاں بخارا لیتا ہے | اُن دونوں کے رخصت دینے کے بعد میں نے غوری برلاس کو کچھ فوج کے ساتھ بخارا کی طرف سُن گن لینے کے واسطے بھیجا۔ معلوم ہوا کہ شیبانی خاں نے بخارا کو لے لیا۔ اور وہ سمرقند کی جانب چلا آتا ہے۔ میں اُس نواح میں اپنا ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیش کی طرف چلا گیا۔ امرائے سمرقند کے گھر بھی اکثر کیش میں تھے۔ کیش میں آنے کے بعد دو ایک ہفتے گزرے تھے جو خبر آئی کہ سلطان علی میرزا نے سمرقند شیبانی خاں کے حوالے کر دیا۔ اسکا مفصل حال یہ ہے کہ سلطان علی مرزا کی ماں زہرہ بیگی آغلنے اپنی نادانی اور بوقونی سے خنہ شیبانی خاں پاس آدمی بھیجا۔ اور کہلا بھیجا کہ اگر شیبانی خاں تجھ سے نکاح کر لے تو میرا بیٹا سمرقند اُس کو دیدیگا لیکن شیبانی خاں سمرقند لینے کے بعد سلطان علی میرزا کے باپ کا ملک پھر اُسکو دیدے۔ اس کارروائی سے یوسف خان واقف تھا بلکہ اُسی خدا نے یہ سمجھائی تھی۔

۱۰۶ شہ تجری کے واقعات

شیبانی خاں کا سمرقند میں آنا شیبانی خاں اس عورت کے وعدہ پر چلا آیا اور باغ عیدان میں آ کر اور علی میرزا کا قتل ہونا سلطان علی میرزا نے یہ کیا کہ نہ کسی امیر سردار۔ ملازم ایویا ہی کو خبر کی نہ کسی سے صلاح لی۔ دوپہر کے قریب صرف تھوڑی سی چھوٹی بڑ

۱۰۶ شہ تجری کے واقعات ۱۱ سلطان علی میرزا نے سمرقند شیبانی خاں کے پاس آدمی بھیجا۔ اور کہلا بھیجا کہ اگر شیبانی خاں تجھ سے نکاح کر لے تو میرا بیٹا سمرقند اُس کو دیدیگا لیکن شیبانی خاں سمرقند لینے کے بعد سلطان علی میرزا کے باپ کا ملک پھر اُسکو دیدے۔ اس کارروائی سے یوسف خان واقف تھا بلکہ اُسی خدا نے یہ سمجھائی تھی۔

خانگی ملازموں کے ساتھ چار راہہ دروازہ سے باہر نکل باغ میدان میں شیبانی خاں پاس گیا۔ شیبانی خاں میرزا سے کچھ اچھی طرح نہ ملا۔ ملاقات کے بعد اپنے سے بہت نیچی جگہ بٹھایا۔ خواجہ بیگنے نے جو میرزا کے جانے کی خبر سنی تو گھبرا گیا۔ خواجہ سے سوال کے اسکے اور کچھ نہ بن پڑی کہ وہ بھی شیبانی خاں کے پاس چلا آیا۔ شیبانی خاں نے ملاقات کے وقت خواجہ کی تعظیم نہ دی۔ اور شکایت آمیز باتیں کیں۔ جب خواجہ چلنے لگا تو شیبانی خاں خواجہ کی تعظیم کو اٹھ کھڑا ہوا تو خواجہ علی بیٹا خان علی پائی مقام رباط خواجہ میں تھا۔ اپنے میرزا کے نکل آئینی سستے ہی وہ بھی شیبانی خاں کے پاس آ گیا۔ اس بکھت عورت نے جو ناقص العقل تھی خاوند کرینکی ہوس میں اپنے بیٹے کی عزت کو اور گھر بار کو برباد کر دیا۔ شیبانی خاں نے اس کی ذرا پروا نہ کی بلکہ اس کو حرم اور شربت کے برابر بھی نہ سمجھا۔ سلطان علی میرزا بھی اپنے معاملہ میں حیران اور اپنے چلے آنے سے بہت پشیمان تھا۔ اُس کے بعض متفرقوں نے یہ کیفیت دیکھ کر چاہا کہ میرزا کو لے بھاگیں۔ مگر سلطان علی میرزا راضی نہ ہوا۔ چونکہ موت آہی گئی تھی اس لیے اُس کو نہ بچ سکا۔ تیمور سلطان کے پاس چلا گیا۔ چار پانچ دن بعد مرغزار قلبہ میں اُس کو قتل کر ڈالا۔ وہ اس ناپائدار اور جانبوالی جان کے لیے بدنام ہو کر مرا کیونکہ ایک عورت کے کہنے میں آ گیا۔ اور نیکناموں کے زمرے سے نکل گیا۔ ایسے شخص کے حالات اس کے زیادہ نہ لکھنی چاہیں اور ایسی بڑی حرکتیں اس سے زیادہ کوئی سن بھی نہیں سکتا۔ سلطان علی میرزا کے قتل کر نیلے بعد۔ خان نے جان علی کو بھی میرزا کے پاس بھیج دیا۔ چونکہ خواجہ بیگنے سے شیبانی خاں خائف تھا اس لیے اس کو دونوں بیٹوں خواجہ محمد زکریا اور خواجہ بانی سمیت خراسان چلے جانے کی رخصت دیدی۔ مگر پیچھے پیچھے کچھ ازبک بھی گئے۔ انہوں نے حضرت خواجہ کو مع دونوں لڑکوں کے نواح خواجہ کار زون میں شہید کر دیا۔ شیبانی خاں کہا کرتا تھا کہ یہ کام میں نے نہیں کیا بلکہ قبر علی اور کیک بے نے کیا ہے۔ یہ تو میرا ہی عمل ہے کہ عذر گناہ بہتر از گناہ۔ جب کسی پادشاہ اور خان کے امراء ایسا کام بے اُس کے پوچھے سمجھے کریں تو پھر اس کی پادشاہی اور خانی ہی کیا۔

کیش کا چھوڑنا | جو نہی از بکوں نے سمرقند پر قبضہ کیا وہ نہی ہم بھی کیش سے حصار کی طرف چلے گئے۔ محمد مزید ترخان اور امراء سمرقند مع اپنے متعلقوں اور بال بچوں کے ہمارے ساتھ چلے۔ علاقہ چغتایان کے مرغزار میں پہنچنے کے بعد محمد مزید ترخان اور سمرقند کے امراء ہم سے علیحدہ ہو کر خسرو شاہ پاس چلے گئے اور اُس کے نوکر ہو گئے۔ ہماری یہ حالت ہو گئی کہ ہم شہر اور ملک سے محروم نہ کہیں ہمارے رہنے کا موقع نہ جانے کا ٹھکانا۔ گو خسرو شاہ نے ہمارے خاندان سے بہت کچھ برائیاں کی تھیں مگر چار اُسی کے ملک میں سے جانا پڑا۔ مجھے ایک خیال تھا کہ ملک قراتگین اور آلائی کے راستہ سے ہوتے ہوئے اپنے چھوٹے خان دادا اچھ خان کے پاس چلنا چاہیے۔ مگر یہ خیال پورا نہ ہوا۔

۱۲ سلطہ قلی قزاقوں نے تیرمیں سے فاسی شہروں کے حوالے سے لکھا ہے ۱۲

۱۲ سلطہ قزاقوں نے تیرمیں سے فاسی شہروں کے حوالے سے لکھا ہے ۱۲

۱۲ سلطہ قزاقوں نے تیرمیں سے فاسی شہروں کے حوالے سے لکھا ہے ۱۲

مکرو سے بہت اونچی جانب پھر کر سرہ تاق اور آسانی کے اوپر سے ہمارا چلنا ہوا۔ جب ہم نوذک کی نواح میں پہنچے تو خسرو شاہ کا ایک نوکر آیا۔ نوگھوڑے اور نو پارچے اپنے آفاقی طرف سے اُسے نذر کیے۔ کھرو و کی گھائی میں ہم پہنچے۔ اُس وقت شیر علی چہرہ خسرو شاہ کے بھائی ولی کے پاس چلا گیا۔ دوسرے دن قوج بیگ لگ بھگیا اور حصار روانہ ہو گیا۔ دُرہ کھرو و میں آکر ہم اوپر کی جانب چلے۔ ان تنگ راستوں۔ گدھب گڑھوں اور نہایت خوفناک گھاٹیوں میں ہمارے بہت سے ٹھٹھے اور اونٹ تھک کر چلنے کے قابل نہ رہے تین چار منزلیں کر کے ہم سو تاق کی گھائی میں پہنچے۔ گھائی اور کس ہلاکی گھائی! میں نے کبھی ایسی دھلواں اور تنگ گھائی نہیں دیکھی تھی۔ اور کبھی ایسے تنگ راستوں اور گدھب گڑھوں میں سے مجھے چلنے کا اتفاق نہوا تھا۔ بڑی تشویش اور صوبت کے ساتھ ان خطرناک تنگیوں اور گڑھوں سے نکل کے اور نہایت رنج و مشقت اٹھانیکے بعد اونچی اونچی تنگ اور مہلک گھاٹیوں کو طے کر کے قان کی نواح میں پہنچا ہوا۔ قان کی پہاڑوں میں بڑی جھیل ہے جسکا محیط تخمیناً کوس بھر ہوگا۔ نہایت خوبصورت جھیل ہے۔ اس مقام پر خسرو آئی کہ ابراہیم ترخان قلعہ شیراز میں ہی۔ اور اُسے قلعہ کو خوب مضبوط کر لیا ہے۔ یاریلیاق کے علاقہ کے قلعوں کو بھی قنبر علی اور ابوالقاسم کوہ بردست کر کے وہاں ہو بیٹھے ہیں۔ یہ دونوں خواجہ دیدار میں تھے۔ جب اُن کوں نے سمرقند لیا ہے تو یہ خواجہ دیدار میں نہ ٹھہر سکے۔ اور یاریلیاق میں چلے آئے ہیں۔ اس مقام قان کو سیدھے ہاتھ کی طرف چھوڑا اور مقام کسود کی طرف رُخ کیا۔ ملک قان مہمان نوازی۔ سخاوت و سخاوت میں مشہور تھا۔ جس زمانہ میں سلطان حسین میرزا نے حصار چھینا ہے اُس زمانہ میں سلطان مسعود میرزا اپنے چھوٹے بھائی بایستغیر میرزا پاس سمرقند میں اسی راستہ سے گیا تھا۔ ملک قان نے ستر اسی گھوڑے اسکی نذر کیے تھے اور بہت خاطر و مدارات کی تھی۔ میرے لیے ایک صرف ایک مرل سا بھجویا اور آپ نہ آیا جدا کی قدرت ہے۔ جب ہم پر وقت پڑا ہے تو جو لوگ سخاوت میں مشہور تھے وہ جیسے ہو گئے اور جو لوگ بامروت تھے وہ مروت کو بھول گئے۔ خسرو شاہ بھی بہت ہی مخی و کریم مشہور تھا۔ بدیع الزمان میرزا کے ساتھ اُسے کیسی خدمتگزاریاں کیں جن کا بیان ہو چکا ہے۔ اسکے علاوہ باقی ترخان وغیرہ کے ساتھ اُسے بہت انس ویت و سخاوت برتی۔ دو دفعہ ہم کو اُسکے ملک سے گزرنیکا موقع ہوا۔ ابنائے جس تو در کنار جوبات ہمارے اونے نوکر کے ساتھ کرنی چاہیے تھے وہ ہمارے ساتھ نہ کی۔ بلکہ ہمارے نوکروں کے برابر بھی ہکو نہ سمجھاے کی کے ساتھ ایدل اہل چہاں نے نیکی جو آپ ہی بڑا ہو اُس سے امید کیسی اس خیال سے کہ شاید کسود کے قلعہ میں ازبک ہوں قان سے نکلے ہی کہیں دم نہ لیا اور قلعہ کسود کو جاگھیرا لیکن قلعہ پہلے ہی ویران تھا۔ مدت سے کوئی اُس میں نہ تھا۔ وہاں سے چلا کر ہم دریائے کوہک کے کنارے پر آن اُترے۔ مقام یاری کے موڑ سے بذریعہ پل دریائے کوہک کے پار ہوئے۔ قاسم بیگ کے زیر حکم بعض امراء کو قلعہ رباط خواجہ کی طرف بھیجا تاکہ اُسکو دھوکے سے فتح کر لیا جائے۔ ہم یاری اور

لے جان لیڈن نے صرف سرہ تاق ہی لکھا ہے۔ ایانی نہیں لکھا ہے۔ ۱۱۱۱ کھرو و کا پہاڑ ملک حصار کے نیچے کی جانب ہی تر تاق تک پہنچا ہے چنان

مکر و دس بہت اونچی جانب پھر کر سرہ تاق اور آسانی کے اور سے ہمارا چلنا ہوا۔ جب ہم نونگ کی نواح میں پہنچے تو خسرو شاہ کا ایک نوکر آیا۔ نوگھوڑے اور نوپارے اپنے آقا کی طرف سے اُسے نذر کیے۔ کھمرو کی گھائی میں ہم پہنچے۔ اُس وقت شیر علی چہرہ خسرو شاہ کے بھائی ولی کے پاس چلا گیا۔ دوسرے دن قوج بیک لگ ہو گیا اور حصار روانہ ہو گیا۔ درۂ کھمرو میں آکر ہم اوپر کی جانب چلے۔ ان تنگ راستوں۔ گدھب گڑھوں اور نہایت خوفناک گھاٹیوں میں ہمارے بہت سے ٹھوٹے اور اونٹ تھک کر چلنے کے قابل نہ رہے تین چار منزلیں کر کے ہم سو تاق کی گھائی میں پہنچے۔ گھاٹی اور کس ہلاکی گھاٹی! میں نے کبھی ایسی دھولوں اور تنگ گھاٹی نہیں دیکھی تھی۔ اور کبھی ایسے تنگ راستوں اور گدھب گڑھوں میں سے مجھے چلنے کا اتفاق نہوا تھا۔ بڑی تشویش اور صعوبت کے ساتھ ان خطرناک تنگیوں اور گڑھوں سے نکل کے اور نہایت رنج و مشقت اٹھانیکے بعد اونچی اونچی تنگ اور مہلک گھاٹیوں کو طے کر کے قان کی نواح میں پہنچا ہوا۔ قان کا پہاڑوں میں بڑی جھیل ہے جسکا محیط تخمیناً کوس بھر ہوگا۔ نہایت خوبصورت جھیل ہے۔ اس مقام پر خسرو آئی کہ ابراہیم ترخان قلعہ شیراز میں ہی۔ اور اُسے قلعہ کو خوب مضبوط کر لیا ہے۔ یارسیلاق کے علاقہ کے قلعوں کو بھی قنبر علی اور ابوالقاسم کوہ بردست کر کے وہاں ہو بیٹھے ہیں۔ یہ دونوں خواجہ دیدار میں تھے۔ جب ازبکوں نے سمرقند لیا ہے تو یہ خواجہ دیدار میں نہ ٹھہر سکے۔ اور یارسیلاق میں چلے آئے۔ میں نے مقام قان کو سیدھے ہاتھ کی طرف چھوڑا اور مقام کسود کی طرف رخ کیا۔ ملک قان مہمان نوازی۔ سخاوت و شکرگزار اور انسانیت میں مشہور تھا۔ جس زمانہ میں سلطان حسین میرزا نے حصار جھینا ہے اُس زمانہ میں سلطان مسعود میرزا اپنے چھوٹے بھائی بایق میرزا پاس سمرقند میں اسی راستہ سے گیا تھا۔ ملک قان نے ستراسی گھوڑے اسکی نذر کیے تھے اور بہت خاطر و مدارات کی تھی۔ میرے لیے ایک صرف ایک مرل سا بھجوا دیا اور آپ نہ آیا خدا کی قدرت ہے۔ جب ہم پر وقت پڑا ہے تو جو لوگ سخاوت میں مشہور تھے وہ خیس ہو گئے اور جو لوگ بامروت تھے وہ مروت کو بھول گئے۔ خسرو شاہ بھی بہت ہی سخی و کریم مشہور تھا۔ بدیع الزمان میرزا کے ساتھ اُسے کیسی خدمتگزاریاں کیں جن کا بیان ہو چکا ہے۔ اسکے علاوہ باقی ترخان وغیرہ کے ساتھ اُسے بہت انسانیت و سخاوت برتی۔ دو دفعہ ہم کو اُسکے ملک سے گزرنیکا موقع ہوا۔ انہائے جنس تو درکنار جو بات ہمارے اونے نوکر کے ساتھ کرنی چاہیے تھی وہ ہمارے ساتھ نہ کی۔ بلکہ ہمارے نوکروں کے برابر بھی ہکو نہ سمجھا۔

کی کے ساتھ ایدل اہل جہاں نے نیکی جو آپ ہی بڑا ہو اُس سے امید کیسی

اس خیال سے کہ شاید کسود کے قلعہ میں ازبک ہوں قان سے نکلے آئی کہیں دم نہ لیا اور قلعہ کسود کو جا گھیرا لیکن قلعہ پہلے ہی ویران تھا۔ مدت سے کوئی اُس میں نہ تھا۔ وہاں سے چلکر ہم دریائے کوہک کے کنارے پرآن اترے۔ مقام یاری کے موڑ سے بذریعہ پل دریائے کوہک کے پار ہوئے۔ قاسم بیک کے زیر حکم بعض امراء کو قلعہ رباط خواجہ کی طرف بھیجا تاکہ اُسکو دھوکے سے فتح کر لیا جائے۔ ہم یاری اور

لے جان لیڈن نے صرف سرہ تاق ہی لکھا ہے۔ ایاتی نہیں لکھا ہے۔ قلعہ کھمرو کا پہاڑ ملک حصار کے نیچے کی جانب سو تاق تنگ پہنچا ہے جہاں

بہارِ نیکوۃ، ص ۱۲۱، باب ۱۲، فصل ۱۲، باب ۱۲، فصل ۱۲، باب ۱۲، فصل ۱۲

میں سے جو حاضر تھا وہ لائے اور دعائیں دینے لگے۔ صبح کو معلوم ہوا کہ ازبکوں نے دروازہ آہنی قیضہ کر لیا ہے اور وہاں وہ جم کر کڑ رہے ہیں۔ میں فی الفور سوار ہو کر دروازہ آہنی کی طرف روانہ ہوا۔ میرے ساتھ کوئی چند آدمی بھی ہو گئے۔ مگر نئے فتح شدہ شہر کے لفنگے جو ازبکوں کو کونے کونے ڈھونڈتے پھرتے تھے میرے پیچھے سے پہلے انکو آہنی دروازہ سے باہر نکال چکے تھے۔ شیبانی خاں نے جو یہ خبر سنی تو گھبرا کر سورج نکلنے ہی سو ڈیڑھ سو آدمیوں کو ساتھ لے دروازہ آہنی پر آ موجود ہوا۔ قابو میں آہی گیا تھا۔ لیکن میرے ساتھ بہت تھوڑے سے آدمی تھے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا۔ شیبانی خاں نے دیکھا کہ کچھ کام نہیں چلنے کا۔ دم بھر نہ ٹھہرا اور اُلٹا پھر گیا۔

یہاں سے پلٹ کر میں بستان سرکے میں آن اتر ایشہر کے اکابر۔ اشراف اور بڑے شہر کے باہر قیام کرنا بڑے لوگ آئے۔ مجھ سے ملے اور سب نے مجھے مبارکباد دی۔ تقریباً ایک سو چالیس برس تک سمرقند ہمارے خاندان کا دار السلطنت رہا ہے۔ یہ اجنبی لیڈر اخراجے کہاں سے آگھٹا تھا۔ اور مالک بن بیٹھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کیا ہوا ملک پھر عنایت کیا۔ اور ہمارا لٹا گھٹا شہر پھر ہمارے قبضہ میں آ گیا۔ سلطان حسین میرزا نے بھی ہری کو اسی طرح غفلت دیکر فتح کیا تھا جس طرح میں نے اب سمرقند کو لیا ہے مگر اندازہ شناس اور اہل انصاف پر روشن ہو کہ اُس کام میں اور اس کام میں بڑا فرق ہے۔ اُسکا لینا اور تھا اور اسکا لینا اور ہے۔ اول تو یہ کہ سلطان حسین میرزا بہت طاقتور نہایت تجربہ کار اور بڑی عمر کا بادشاہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اُسکا مقابل یادگار محمد میرزا ستراٹھارہ برس کا نا آزمودہ کار لڑکا تھا۔ تیسرے یہ کہ دشمن کے ہاں سے میر علی میرا خورنے جو ساری باتوں سے واقف تھا میرزا کے پاس آدمی بھیجے اور عین غفلت میں اُس کو بلوایا۔ چوتھے یہ کہ میرزا کا مقابل قلعہ میں نہ تھا۔ باغ زانغاں میں تھا۔ جس وقت سلطان حسین میرزا نے ہرات لیا ہے اُس وقت یادگار میرزا اور اُسکے ساتھی شہر انجوا کے ایسے عادی تھے کہ اُس رات کو بھی یادگار محمد میرزا کے دروازہ پر جوتین پہرہ دار تھے وہ بھی تو میرزا کی طرح نشہ میں چور تھے۔ پانچویں اسی غفلت کی حالت میں جس کا ذکر پہلے سے حملہ آور نے پہلی ہی باتیں فتح پائی۔ میں سمرقند لینے کے زمانہ میں کل انیس برس کا تھا۔ نہ اس قدر معاملات سے واقف تھا۔ نہ صاحب تجربہ تھا۔ دوسرے یہ کہ میرا مقابل شیبانی خاں جیسا ترقی یافتہ۔ گرگ باران دیدہ اور گھاگ آدمی تھا۔ تیسرے یہ کہ سمرقند میں کسی نے مجھ سے ساز و باز نہ کی تھی۔ مانا کہ شہر والے دل سے میرے ساتھ تھے مگر شیبانی خاں کے ڈر سے کوئی کان نہ ملا سکتا تھا۔ چوتھے یہ کہ میرا دشمن قلعہ میں تھا۔ میں نے قلعہ بھی لیا اور دشمن کو بھی بھگایا۔ پانچویں یہ کہ پہلی بار جو سمرقند پر حملہ کر نیکیے لیے آیا تو اُسکا دشمن کو چونکا کر گیلہ باوجود اس کے اب دوسری دفعہ آیا اور خدا کے حکم سے شہر کو فتح کر لیا۔ اس کہنے سے میری عرض کسی کی حقارت کرتی نہیں ہے۔ یہ ایک واقعی بات تھی جو بیان کی گئی۔ اور اس لکھنے سے اپنی سچی کرنی

میرا مقصود نہیں ہے۔ جو بچ تھا وہ لکھد یا۔ شعراء نے اس فتح کی بہت سی تاریخیں لکھی تھیں۔ ان میں سے ایک بیت یاد رہ گئی ہے۔

باز گفتہ خرد کہ تاریخش فتح بابر بہادر است۔ بدال

شادوار وغیرہ علاقجات سمرقند کی فتح کے بعد تومان شادوار۔ تومان سفد اور تومانوں کے قلعوں کے لوگ آگے پیچھے میرے پاس آنے شروع ہوئے۔ بعض قلعوں میں سے تو اُنہوں کے آدمی مارے ڈر کے خود کل بھاگے۔

بعض قلعہ والوں نے اُنہوں کو مار کر نکال دیا۔ اور ہمارے طرفدار ہو گئے۔ بعض نے اپنے قلعہ اور لوگو قید کر کے ہماری خاطر قلعوں کو مستحکم کر لیا۔ اسی زمانہ میں شیبانی خاں کے اور اُنہوں کے اہل و عیال مع اسباب ترکستان سے آگئے شیبانی خاں خواجہ دیدار اور علی آباد کی نواح میں پڑا ہوا تھا۔ اب جو قلعہ والوں کا قلعوں کو حوالے کر دینا اور لوگوں کا اس طرح میری طرف رجوع ہونا اُسے دیکھا تو وہ بخارا کی طرف چلا گیا۔ غنایت الہی سے تین چار مہینے میں سفد اور تسمیان کا قلعہ میرے قبضہ میں آگئے۔ باقی ترخان بھی موقع دیکھ کر قرشی کے قلعہ میں آ گیا۔ قرشی اور کھوڑا زدون اُنہوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ قرآن کو بھی ابو الحسن میرزا کی فوج نے مرو سے آ کر دیا۔ اس وقت میں تاجانہ کی کے ساتھ کامیاب ہو رہا تھا۔

اہل و عیال وغیرہ کو سمرقند میرے چلے آنیکے بعد اندجان سے میری مائیں۔ اہل و عیال مع اسباب وغیرہ بڑی دقت اور مصیبت سے اور تسمیان میں آگئے تھے۔ میں نے آدمی بھیج کر سب کو سمرقند میں بلالیا۔ انہی دنوں میں سلطان احمد میرزا کی بیٹی عائشہ سلطان بیگم (جو میری پہلی بیوی تھی) کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ اُس کا نام فخر النساء بیگم رکھا۔ میری پہلوی بیٹی کی اولاد بھی تھی۔ اس وقت میری عمر انیس برس کی تھی۔ چلہ ہی کے اندر یہ لڑکی مر گئی۔

سمرقند کی فتح کے بعد سردار اور گردونواح کے بادشاہوں۔ سرداروں سرحدی امراء سے مدد چاہنی اور امیروں کے پاس مدد طلب کر نیکی لیے متواتر میرے ایلچی اور ہر کارے گئے اور آئے بعض نے تو باوجود تجربہ کار ہونے کے آنکھ چرائی۔ اور بعض نے اس ڈر سے کہ ہمارے خاندان کے ساتھ اُن سے بے ادبیاں اور خجشیں واقع ہو گئی تھیں جان کر کافی دی۔ جنہوں نے لگ بھگ وہ

معتد بہ تھی۔ چنانچہ ہر ایک کا حال اپنے اپنے موقع پر لکھا جائیگا۔ اس دوبارہ سمرقند لینے کے زمانہ میں علی شیر بیگ زندہ تھا۔ ایک دفعہ اُس کا خط بھی آیا تھا۔ جسکے جواب میں میں نے بھی اُسکو خط لکھا تھا۔ اور خط کی پشت پر ترکی کا ایک شعر لکھ بھیجا تھا۔ اُس کے جواب آنے تک یہاں معاملہ درہم برہم ہو گیا۔ شیبانی خاں نے جب سمرقند لیا ہے تو ملا بتائی کو نوکر کر لیا تھا۔ اُس زمانہ سے وہ شیبانی خاں کے ساتھ

اس زمانہ میں شیبانی خاں کے ہاں بیٹے اب علی محمد اسباب و مسائل کے لیے لکھے گئے۔ اس زمانہ میں شیبانی خاں کے ہاں بیٹے اب علی محمد اسباب و مسائل کے لیے لکھے گئے۔

میرا مقصود نہیں ہے۔ جو بچ تھا وہ لکھد یا۔ شعراء نے اس فتح کی بہت سی تاریخیں لکھی تھیں۔ ان میں سے ایک بیت یاد رہ گئی ہے۔ باز گفتہ خرد کہ تاریخش فتح بابر بہادر است۔ بدال

رہتا تھا۔ پھر میں نے جو سمرقند فتح کیا تو چند روز بعد ملا سمرقند میں آ گیا تا سم بیگ نے اُس سے بدظن ہو کر اُس کو شہر سبز بھجوا دیا۔ چونکہ وہ ایک قابل آدمی تھا اور اُس سے کوئی خطا بھی سرزد نہ ہوئی تھی۔ اُس نے چند روز بعد میں لے پھر اُسے سمرقند میں بلالیا۔ وہ ہمیشہ غریب اور قصیدے لکھا کرتا تھا۔ اُس نے نوا کے مقام میں ایک غزل میرے نام پر لکھ کر پیش کی تھی۔ اُسی زمانہ میں ایک رباعی کہہ کر گزرائی۔ وہ رباعی یہ ہے۔ رباعی

نہ غلہ مرا کزو تو انم نوشید
نہ چہل غلہ تا تو انم پوشید
آزاکہ نہ خوردن است نے پوشید
در علم دہنر کجا تو اند کو شید

میں اُن دنوں میں ایک آدمی بیت کہا کرتا تھا۔ پوری غزل نہ کہتا تھا۔ میں نے یہ رباعی ترکی میں لکھی اور اُس کو بھیجی۔ رباعی۔

ہر کام ترے دل کے موافق ہوگا
لمبا نیگا سب کچھ ترا ایسا سمجھا
چھپ جائیگا جسم اور بھر جائیگا گھر
کپڑا غلہ تجھے ملیگا اتنا
ملا نے اس کے بعد رباعی کے پہلے مصرعے کے قافیہ کو ردیف کر دیا۔ اور دوسرے قافیہ میں ایک اور رباعی لکھ کر پیش کی۔ رباعی

ہوگا شہر بحر و بر ہمارا مرزا
مہل ہی اگر ہمیں کچھ انعام ملا
اور اپنی طبیعت سے سمیت ہوگا
تو اُس سے چلیگا کس طرح کام اپنا

اسی زمانہ میں خواجہ ابوالبرکات شہر سبز سے آیا تھا اُس نے کہا ”تم کو اُسی قافیہ میں کہنی چاہیے تھی۔“ وہ رباعی خواجہ ابوالبرکات نے لکھی۔

معاملات کا سنور کر بگڑنا
اس جاڑے میں میرے معاملات نہایت ترقی پر تھے۔ اوشیانی خاں کے

تَنْزِل پر۔ مگر اس شان میں دو ایک واقعے بہت بُرے ہوئے جن لوگوں نے مَرَوے آکر قراول پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ اُسکو نہ تھا مگر۔ قراول پھر اُنکوں کے ہاتھ آ گیا۔ دہوسی کے قلعہ میں ابراہیم ترخان کا چھوٹا بھائی احمد ترخان تھا۔ شیبانی خاں نے دہوسی کو اُگھیرا۔ جب تک کہ ہم لشکر جمع کریں اور مقابلہ کے قابل ہوں شیبانی خاں نے حملہ کر کے قلعہ چھین لیا۔ اور خوب قتل عام کیا۔ سمرقند لینے کے زہنہ میں میرے ساتھ کل دو سو چالیس آدمی تھے۔ پانچ چھ مہینے میں فضل الہی سے اتنی فوج ہو گئی کہ شیبانی خاں جیسے شخص سے سرپل کے مقام پر کسی بھاری لڑائی ہوئی جیسا کہ آگے بیان کیا جائیگا۔ گرد و نواح والوں میں سے صرف خان کے پاس سے ایوب بیگ چک اور شفق محمود بیگ چامے سے پانچ سے آدمی تھیلے ہوئے مدد کے لیے آئے تھے۔ اور جہانگیر میرزا کی جانب سے تَنْبَل کا چھوٹا بھائی دو سے آدمیوں کے ساتھ آ گیا تھا۔

جیسے فارسی میں غلہ۔ تہہ اردو میں غلہ دہ۔ تہہ جو غلہ کا مہل ہر وہ ایک قسم کا کپڑا بھی ہوتا ہے جس کا کازی رنگ ہوتا ہے۔ پس شاعر کہتا ہے کہ

لے نو۔ یہاں کی شہر و غیرہ سے مراد نہیں ہے بلکہ اُس علم کو کہتی ہے کہ ایک مقام میں سے ایک مقام میں جاتا ہے اور وہاں سے دوبارہ جاتا ہے۔ ۱۲

افسوس ہے کہ سلطان حسین میرزا جیسے تجربہ کار بادشاہ کے پاس سے جس سے زیادہ شیبانی خاں کو تک کوئی نہ جانتا تھا ایک آدمی نہ آیا۔ بدیع الزمان میرزا نے بھی خبر نہ لی۔ خسرو شاہ نے اس ڈر سے کہ ہمارے خاندان کے ساتھ بہت بُرائیاں کی تھیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور مجھ سے اُس کا دم بند ہوتا تھا کسی کو نہ بھیجا۔

شیبانی خاں سے مقابلہ اور شوال کے مہینے میں شیبانی خاں سے نبرد آزمائی کے لیے میں شکست کھا کر سمرقند چھوڑنا۔ باغ نویں آیا۔ پانچ چھ دن لشکر جمع کرنے اور سامان جنگ تیار کر نیکے واسطے باغ نویں ٹھہرنا پڑا۔ باغ نوے میں سوار ہوا۔

کوئچ در کوئچ چلا اور مقام پُل سے گزر کر آن اُترا۔ لشکر کے ٹکر و خندق اور لکڑی کے کٹہرے سے خوب احتیاط کر دی گئی۔ شیبانی خاں اُدھر سے مقابلہ کے واسطے چلا۔ اور نواح خواجہ کا درون میں آٹھیرا۔ دونوں لشکروں میں تھینا ایک فرسنگ کا فاصلہ ہوگا۔ چار پانچ دن تک انہی مقاموں میں پڑے رہے۔ اور ہمارے آدمی اُدھر سے اور دشمن کے آدمی اُدھر سے نکلتے اور کسی قدر لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ ایک دن دشمن کی فوج بہت آگے بڑھ آئی۔ اُس دن اچھی لڑائی ہوئی مگر کوئی غالب نہ آیا۔ ہماری طرف والوں میں سے ایک نشان بردار نے یہ بُری حرکت کی کہ بھاگ نکلا اور خندق میں آگیا۔ کہتے ہیں کہ وہ نشان سیدی قرار بیگ کا تھا۔ سیدی قرار بیگ اگرچہ ڈینگیا تو بہت تھا مگر تلوار کا بیٹھا تھا۔ اسی موقع پر شیبانی خاں نے ایک رات شب خون مارنا چاہا۔ ہمارے لشکر کا گرد اولا کٹہرے اور خندق سے مضبوط کر دیا گیا تھا۔ دشمن کچھ نہ کر سکا۔ خندق کے کنارے پر سواروں نے غل شور مچایا اور تھوڑے سے تیر مار کر اُلٹے پھر گئے۔ اب میں نے لڑائی کے انتظام میں پوری توجہ اور کوشش کی۔ قنبر علی میرزا مددگار تھا۔ باقی ترخان اڑو ہزار آدمیوں کے ساتھ پہلے کیش میں آیا پھر دو روز بعد ہم سے آں ملا۔ سید محمد دُخت میرزا پہلے ہی سے ہزار پانسے آدمیوں کے ساتھ میرے خان دادا کی طرف سے میری مدد کے لیے مقام دیول میں جو سولہ کوس پہلے آگیا تھا۔ وہ بھی دوسرے دن ہم سے آ ملا۔ اس عہدہ موقع پر ذرا میں نے لڑنے میں طبیعی کی بہت تندی سبکدست بردار ہو کر تیغ ہدندیاں گزردیشیت دست دریغ میں لڑائی میں اُس دن اس لیے جلدی کی کہ لشکر بولہ وز دونوں لشکروں کے بیچ میں تھے۔

۱۲ء مطابق ۲۰ اپریل ۱۲۷۶ء ۱۲ء قرا بیگ

۱۳ء جان لیڈن نے تن میں (سید محمد دُخت میرزا کا بیٹا) اور نوٹ میں (میرزا داد) لکھا ہے ۱۲

۱۲ء دُبل ۱۲

۱۴ء جان لیڈن نے مسابز بولہ وز لکھا ہے۔ یہ آٹھ ستاروں کا نام ہے ۱۳

اگر وہ دن گزر جاتا تو تیرہ چودہ دن تک وہ دشمن پر مبارک ہوتے۔ یہ لحاظ بالکل لغو تھے حقیقت
 میں بموقع جلدی کر بیٹھا۔ صبح ہی مقابلہ کرنے کے لیے جنگی لباس پہن لیا۔ گھوڑوں پر سارڈال۔
 جرنفار۔ برنفار۔ قول اور ہراول سے لشکر کو مرتب کر کے میدان کی طرف چلا۔ برنفار میں
 ابراہیم سارڈ۔ ابراہیم جانی۔ ابوالقاسم کوہ بر اور بعض اور امراء تھے۔ جرنفار میں محمد ترخان
 ابراہیم ترخان اور امراء کے سمرقندی یعنی سلطان حسین ارغون۔ قرابراس۔ پیر احمد اور خواجہ حسین
 تھے۔ قول میں قاسم بیگ اور بعض ملازمان خاص تھے۔ ہراول میں قنبر علی سلاخ۔ بندہ علی خواجہ علی
 میر شاہ قوچین۔ سید قاسم انشاک آغا۔ خالدار (بندہ علی کا چھوٹا بھائی)۔ قوچ بیگ حیدر قاسم بیگ
 (قاسم بیگ کا بیٹا) تھے۔ اور جس قدر عمدہ اور اونچی سپاہی اور میرے مصاحب تھے وہ بھی ان کے
 ساتھ تھے۔ ادھر سے ہم تیار ہو کر نکلے۔ ادھر سے دشمن بھی صفیں باندھ نمودار ہوا۔ اُسکے برنفار
 میں محمود سلطان۔ جانی بیگ سلطان۔ تیمور سلطان۔ اور جرنفار میں حمزہ سلطان۔ مہدی سلطان
 اور بعض اور سلطان تھے۔ دونوں لشکروں کی صفیں بھڑموتے ہی دشمن کے برنفار کا اوج ہمارے
 بائیں سے چکر کھا کر ہماری پشت پر چلا۔ میں نے بھی اپنا منہ اُسکی طرف نہ پھیر لیا۔ ہمارا ہراول ہمیں
 تمام ہوشیار۔ تجربہ کار۔ تلو دیے اور اچھے اچھے جوان و سردار مقرر ہوئے تھے۔ دست راست پر
 رہ گیا۔ ہمارے آگے کوئی نہ رہا۔ باوجود اسکے اُن لوگوں کو جو آگے بڑھے تھے ہم نے مارتے مارتے
 اور بھگاتے بھگاتے اُنکے قول میں جادھنایا۔ یہاں تک فوج پہنچی کہ شیبانی خاں سے اُس کے
 ہمراہیوں میں سے بعض بڑھے سردار چلا اُٹھے کہ شیبانی! بھاگنا چاہیے۔ اب ٹھہرنیکا موقع نہ رہا۔
 اگر وہ استقلال کے ساتھ جھارہا۔ دشمن کے برنفار نے ہمارے برنفار کو ہزیمت پر پہنچے سے
 آہ پر تلے کیا۔ چونکہ ہمارا ہراول سیدھے ہاتھ کی طرف رہ گیا تھا اس لیے ہمارا آگاکھل گیا تھا۔
 پس آگے اور پیچھے سے غنیم کی فوج حملہ کر کے لگی تیر مارنے۔ مغلوں کا لشکر جو کمک کے لیے آیا
 تھا اُس نے دشمن سے لڑنے کے بدلے اُٹا ہمارے ہی لوگوں کو لوٹنا اور گھوڑوں پر سے گرانا
 شروع کیا۔ ہمیشہ سے ان کمبخت مغلوں کی عادت یہی ہے کہ اگر فتح پائیں تو جھٹ دشمنوں کو لوٹنے
 لگیں اور اگر شکست کھائیں تو اپنی ہی طرف والوں پر ہاتھ صاف کریں۔ دشمن کی فوج جو سامنے
 تھی اور جس نے کئی بار سخت حملے کیے تھے اُسکو مار کر ہٹا دیا گیا۔ پھر وہ سب سانوٹے ہو گئے۔
 سامنے سے بھی حملہ ہوا۔ اور جو دشمن کی فوج عقب میں آگئی تھی اُس نے بھی پیچھے سے حملہ کر کے
 نشان پر تیر برسلنے شروع کیے۔ غرض آگے اور پیچھے سے سب نے ہلا کر کے ہماری فوج کے پاؤں

۱۲ھ اور بمشکل اُن میں سے کچھ میرے ساتھ رہ گئے ۱۲ھ دوبارہ سب سانوٹے ہو گئے اور حملہ
 کیا۔ دشمن کی فوج کے اُس حصے نے جو اسی وقت ہمارے عقب پر چڑھ آیا تھا ہماری فوجوں پر تیر برسلنے شروع کیے ۱۲ھ

اُکھیر دیے۔ لڑائی کے وقت ازبکوں میں ایک تو تلغہ بہت بڑی بات ہے۔ اُن کی کوئی لڑائی تو تلغہ بغیر نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ آگے پیچھے سردار و سپاہی سب تیر برساتے ہوئے جلوریز آتے ہیں۔ اور جب شکست کھاتے ہیں تو اسی طرح جلوریز اُلٹے پھر جاتے ہیں۔ میرے ساتھ اُس وقت دس پندرہ آدمی رہ گئے تھے۔ دریائے کوہک قریب تھا۔ میرے برافزار کا اوج دریا پر پہنچ گیا تھا۔ ہم بھی دریا کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ دریا پر پہنچتے ہی آدمی اور گھوڑے لباس و ساز سمیت دریا میں کود پڑے۔ آدھے سے زیادہ دریا میں پایاب چلنا ہوا۔ اسکے بعد گہرا پانی تھا۔ ایک تیر کے پرتاب تک مع لباس و ساز گھوڑے تیرا کر پار ہو گئے۔ دریائے بکھنے کے بعد گھوڑوں کے جنگی ساز کاٹ ڈالے اور اُن کو ڈیٹایا۔ جب دریائے شمال کی طرف نکل گئے تو دشمن سے دور ہو گئے۔ مگر اکیلے دو کیلے کو لوٹنے والے اور ننگا کر نیوالے یہی کجمنت مغل تھے۔ ابراہیم ترخان کو اور بہت سے عمدہ سپاہیوں کو مغلوں ہی نے لوٹ لیا۔

گھوڑوں سے نیچے گرا دیا اور مار ڈالا۔
بعض سرداروں کا بھاگنا | دریائے کوہک کے شمال کی طرف بڑھ کر قلبہ کی نواح میں دریائے پار ہوا۔ دو غاروں کے درمیان میں شیخ زادہ دروازہ سے نکل میں اور بعض کا ساتھ دینا | ارک میں آ گیا۔ اس لڑائی میں ہمارے بڑے بڑے سردار چڑچڑ

جوان اور بہت سے لوگ مارے گئے۔ ان میں ابراہیم ترخان۔ ابراہیم سارو۔ ابراہیم جانی یہ عجیب بات ہے کہ تینوں سردار ابراہیم نام کے ایک لڑائی میں تلف ہوئے۔ ابوالقاسم کوہ بر (حیدر قاسم بیگ کا بڑا بیٹا)۔ خدا بیرونی شاندار۔ خلیل (سلطان احمد تنبل کا چھوٹا بھائی) جبکہ ذکر کئی دفعہ ہو چکا ہے) اس لڑائی میں کام آئے۔ انکے علاوہ اور بہت لوگ رادھرا دھسر بھاگ گئے۔ بھاگے ہوؤں میں سے محمد مزید ترخان۔ خسرو شاہ کے پاس حصار اور قندز چلا گیا۔ قنبر علی سلاخ مغل نے بھی جسکو میں نے اپنی مہربانی اور پرورش سے بڑا سردار بنا دیا تھا باوجود ان رعایتوں کے ایسے نازک وقت میں میرا ساتھ نہ دیا۔ آتے ہی سمرقند سے اپنے گھر پار کو لیکر خسرو شاہ پاس چل دیا۔ بعض سردار اور سپاہی جیسے کریم داد۔ خدا داد ترکمان۔ جانکے کوکلتاش اور ملا بابا ساغری اور اتیبہ چلے گئے۔ ملا بابا اُس زمانہ میں میرا نوکر نہ تھا۔ بطور مہانوں کے تھا۔ البتہ شیرم طغائی وغیرہ مع اپنے ہمراہیوں کے میرے ساتھ سمرقند میں آئے۔ مشورہ کر کے ہم سب نے اپنا مرنا جینا قلعہ سمرقند ہی میں ٹھان لیا۔ اوقلعہ کو

لے تو لے۔ دشمن کے بازو کی طرف مڑنا ۱۳ قلعہ قلی نسخہ میں ایک گزیر لکھا ہے ۱۴ محمد درویش خاں (مطبوعہ) نسخہ ۱۲ خانکد کوکلتاش ۱۵ شاہوی ۱۶

مضبوط کرنے میں ہم مصروف ہو گئے۔ ان لوگوں نے تو یہ کیا اور میری والدہ صاحبہ اور بہنوں نے یہ کیا کہ قلعہ میں آتے ہی اپنا مال اسباب اور نوکر چاکر تو آورا تیبہ میں بھیج دیے اور آپ جزیرہ چھوڑ کر آدمیوں کے ساتھ قلعہ میں رہ گئیں۔ کچھ اسبکے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ کڑی پہنے اور سختی جھیلنے کے وقتوں میں ان صاحبوں نے ایسا ہی ہلکاپن اور دوئی برتی ہے۔

دوسرے دن خواجہ ابوالمکارم - قاسم بیگ اور تمام مقرب سرداروں سمیت قلعہ میں محصور ہو کر لڑنا اور شکست کھا کر سہ قند چھوڑنا

بات بٹھری کہ قلعہ کا انتظام کیجیے اور مرنا ہو تو - جینا ہو تو یہیں رہیے۔ میں اور قاسم بیگ مع فوج خاص کے کمک کے واسطے مقرر ہوئے۔ اسی واسطے ہم شہر کے بچوں بیچ مدرسہ الخ بیگ میرزا کے دروازہ کی بڑی محراب میں سفید خیمہ نصب کے ہو بیٹھے۔ دوسرے سرداروں اور سپاہیوں کے لیے شہر کے دروازوں پر اور شہر کے گز فیض پر مورچے تقسیم کر دیے گئے۔ دو تین دن بعد شیبانی خاں آیا اور شہر سے کسی قدر دور آ کر شہر کے لفنگے اور اوباش گلی گلی اور کوچہ کوچہ سے علیحدہ علیحدہ جتھے بنا کر لفنگا نہ نعرے مار ہوئے مدرسہ کے دروازے پر آئے اور جوش و خروش کے ساتھ لڑنے کے لیے آگے بڑھے شیبانی خاں لڑنے کے لیے سوار تو ہو گیا تھا مگر قلعہ کے قریب بھی نہ آ سکا۔ چند روز اسی طرح گزرے۔ شہر کے اوباش اور لفنگے جنہوں نے کبھی تیر و تلوار کا زخم نہ کھایا تھا۔ حملہ کا زور اور لڑائی کا ہنگامہ نہ دیکھا تھا۔ اس طریقہ سے دلیر ہو گئے۔ اور دور دور تک پیش قدمی کرنے لگے۔ اگر آزمودہ کار لوگوں نے ان کو ان ہیودہ پیش قدمیوں سے روکا تو لگے ان پر طعن کرنے۔ ایک دن شیبانی خاں نے آہنی دروازہ کی طرف حملہ کیا۔ شہر کے لفنگوں کا ہواؤ تو ٹھل ہی گیا تھا ہمیشہ کی طرح دلیری سے دور تک مقابلہ کے لیے چلے گئے۔ ان کے پیچھے میں نے سواروں کی ایک ٹکڑی انکی بازگشت روک لی۔ روانہ کی۔ ملازمان خاص - مقررین اور کوکلتاشوں میں سے نوبان کوکلتاش - قل نظر طغانی - اور مزید وغیرہم اشتر گردن کی طرف نکل آئے تھے۔ اُدھر سے دو تین اُزبکوں نے ان کی طرف گھوڑے ڈالے۔ قل نظر سے مٹھ بھڑ ہو گئی جس قدر اُزبک تھے پیدل ہو کر حملہ آور ہوئے شہر کے لفنگوں کے پاؤں انہوں نے اُکھیر دیے اور ہٹاتے ہٹاتے دروازہ آہنی میں نگوں ٹھیکل دیا تو بیج بیگ اور میر شاہ تو چین خواجہ خضر کی مسجد کے ایک طرف چھپے کھڑے رہے۔ پیدل لوگ

۱۱ سفید خیمہ ایک قسم کا پبلک خیمہ ہوتا تھا جو ہیڈ کوارٹر میں نصب کیا جاتا تھا ۱۲

۱۳ شتر گردن (اونٹ کی گردن) اُس مقام کو کہتے ہیں جہاں نیچے سے اوپر کی طرف پانی چڑھے اور چڑھ کر

دوسری طرف جاری ہو جائے۔ جیسے دلی کے قلعہ میں ہے اور وہاں اُسکو شتر گلو کہتے ہیں ۱۴

میدان صاف کر نیکی بعد خواجہ خضر کی مسجد کی طرف دشمن کے سوارانکے مقابلہ میں آئے۔ قوتج بیگ نے حملہ کر کے اُن اُنکوں کے جو آگے بڑھ آئے تھے مارے تلواروں کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ اور ایسا نمایاں کام کیا جس کو سب لوگ کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بھگورڈوں کو اپنے بھاگنے کی بڑی ہی تھی۔ کیسا تیر مارنا اور کس کا لڑنا۔ میں دروازے کے اوپر سے تیر رہنا ہاتھ اور میرے ساتھی بھی تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ ان اوپر کے تیروں کی بھمارنے دشمنوں کو خواجہ خضر کی مسجد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ وہ وہیں سے اُلٹے پھر گئے۔ ہمارا قاعدہ تھا کہ محاصرہ کے زمانہ میں روز رات کو قلعہ کی تفصیل پر ہم نگہبانی کے لیے پہرا دیا کرتے تھے۔ کبھی میں کبھی قاسم بیگ اور کبھی کوئی سردار یا کوئی مقرر بین میں سے گشت کیا کرتا تھا۔ دروازہ فیروزہ سے دروازہ شیخ زادہ تک تفصیل کے اوپر ہم گھوم پھر سکتے تھے اور اور جگہ پیدل ہو جاتے تھے۔ ایک ہی پھیرے میں شام سے صبح ہو جاتی تھی۔ ایک دن شیبانی خاں نے دروازہ آہنی اور دروازہ شیخ زادہ کے بیچ میں حملہ کیا۔ میں ملک پر تھا۔ یہاں لڑائی پڑتے ہی ادھر موجود ہوا۔ دروازہ کا دروازہ اور دروازہ کوٹل کا چھ دھیان نہ رکھا۔ اُسی دن دروازہ شیخ زادہ کے اوپر سے میں نے ایک چمکے ہوئے سفید گھوڑے کو ایسا تاک کر تیر مارا کہ تیر لگتے ہی وہ مر گیا۔ اُس عرصہ میں دشمنوں نے اس قدر زبردست حملہ کیا کہ شتر گردن کے قریب سیدھے تفصیل کے نیچے آگے ہم یہاں لڑائی میں مشغول ہو کر دوسری طرف سے غافل ہو گئے۔ شیبانی خاں نے پچیس چھتیس سیڑھیاں ایسی چوڑی کہ جن پر دو تین آدمی ساتھ ہی چڑھ جائیں تیار کر کے سات سو اٹھ سو چیدہ جوانوں کو ان سیڑھیوں کے ہمراہ دروازہ آہنکران اور دروازہ سوزنگران کی درمیانی تفصیل کے سامنے پوشیدہ مقرر کر دیا۔ اور خود دروازہ آہنکران اور دروازہ شیخ زادہ کے بیچ میں دھاوا کیا۔ ہم سب تو اس طرف لڑائی میں مصروف رہے۔ اُس طرف کے مورچے غیر محفوظ ہونے ہی چھپے ہوئے لوگ جھٹ پٹ کینگاہ سے نکل دروازے مذکورہ کی درمیانی تفصیل پر محمد مزید ترخان کی چوٹی کے روبرو سیڑھیاں لگا کر ایک دفعہ ہی چڑھ آئے۔ یہاں قوتج بیگ اور محمد قلی تو چھین سے اپنی اپنی فوجوں کے اور ایک اور گروہ کے متعین تھے۔ یہ فوج محمد مزید ترخان کی چوٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ دروازہ سوزنگران میں قرا برلاس کا مورچہ تھا۔ دروازہ کا دروازہ میں شیرم طفائی اور اُس کے بھائیوں اور قتلخ خواجہ کو کلتاش کا مورچہ تھا۔ چونکہ لڑائی نہ پوری

۱۲۰ جان لیڈن کے ترجمہ میں "کالفا نہیں ہے" ۱۲۰ دھوبی داڑھ دروازہ + سوتی والوں کا دروازہ ۱۲۰

۱۲۰ تلواروں کا دروازہ ۱۲۰

تھی۔ اس لیے اُن مورچوں کے تمام سپاہی بے فکر ہو کر اپنے اپنے کاموں کے لیے تشریف ہو گئے تھے کوئی اپنے گھر چلا گیا تھا اور کوئی بازار چلا گیا تھا۔ صرف مورچوں کے سردار دو دو تین تین چھوڑ کر اور نوکروں کے ساتھ رہ گئے تھے۔ باہنہمہ قوچ بیگ۔ محمد قلی قوچین شاہ صوفی بیگ اور ایک اور شخص نے بڑی جرأت و بہادری کی۔ دشمن کے سپاہی کچھ تو تفصیل پر آگئے تھے اور کچھ چڑھ رہے تھے کہ یہ چاروں سردار (جن کا ذکر ہوا) جھپٹ کر وہاں جا پہنچے لڑ لڑ کر اور مارتے مارتے دشمنوں کو دیوار کے نیچے اتار دیا۔ اور نوک دُم بھگا دیا۔ قوچ بیگ نے سب سے بڑھ کر عمدہ کام کیے۔ اُس کا قابلِ قدر اور نمایاں ایک کام یہ تھا کہ اس محاصرہ کے زمانہ میں دو دفعہ اُس نے وادِ مردانگی دی تھی۔ قرابِ لاس دروازہ سوزنگران کے مورچہ پر اکیلا رہ گیا تھا۔ وہ بھی خوب جمار ہا۔ قتلِ خوابہ کو کھٹا سن اور قتلِ نظر میرزا وادِ زہ کا درستان والے مورچہ میں تھے۔ یہ بھی تھوڑے ہی سے آدمیوں کے ساتھ یہاں خوب ڈٹے رہے۔ اور تعاقب کر کے اچھی طرح لڑتے رہے۔ پھر ایک دفعہ قاسم بیگ حملہ کرنے کے لیے تھوڑی سی فوج کے ساتھ دروازہ سوزنگران سے باہر نکل آیا۔ مقامِ خواجہ کفشیہ تک اُن کو بڑا کچھا کر کے کسی اُن بکوں کو گرایا اور اُن کے سر کاٹ لایا۔ اب غلہ کاٹنے کا وقت آ گیا تھا لیکن شہر میں کوئی نئے اناج کا ایک دانہ نہ لایا۔ اور محاصرہ کی مدت نے طول کھینی۔ لوگ بھوکے مرنے لگے۔ یہ نوبت پہنچی کہ غریب غربا گتوں اور گدھوں کے گوشت کھانے لگے۔ گھوڑوں کیلئے آگھاس جو کا نام تیرہا تو گھوڑوں کو درختوں کے پتے کھلانے لگے۔ اسی موقع پر یہ تجربہ ہوا کہ سب پتوں میں شہتوت اور قریافانج کے پتے گھوڑوں کو زیادہ موافق آتے ہیں۔ بہت لوگوں نے خشتک لکڑیوں کی چھیلن پانی میں بھگو کر گھوڑوں کو کھلائی۔ تین چار مہینے تک شیبانی خاں شہر کے پاس نہ بھٹکا۔ دور ہی دور سے شہر کے گرد ادھر ادھر جا بے بدلتا رہا۔ اب ان کوئی آدھی رات گئے جبکہ لوگ عین غفلت میں تھے دروازہ فیروزہ کی جانب آیا اور نقارے بجا کر حملہ کرنے کا غل مجانے لگا۔ میں اُس وقت مدرسہ میں تھا۔ بہت ہی تردد اور خوف پیدا ہوا۔ اسکے بعد اُس نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ ہر رات آنا۔ نقارے بجانا حملہ کا غل مجاتا اور ایک ہل چل ڈال دیتا۔ ہر چند میں نے چاروں طرف اپنی اور آدمی بھیجے مگر کسی بھی موذی بھیجی بھلا جس وقت میں طاقتدار تھا اور شکست و نقصان کا نام نہ تھا جب اُس وقت کسی نے بات نہ پوچھی تو اس بُرے وقت میں کوئی کیوں خبر لیتا۔ ان صاحبوں کی امید پر

۱۷۔ جان لیٹن نے یہ فقرہ اور لکھا ہے (حدا بلکل بیکار ہو گیا) ۱۲ ۱۷ سیاہ لکڑی ۱۲ ۱۷ اطراف کے

تمام شہزادوں اور سرداروں ۱۲

قلعہ میں ٹھہرنا بیوقوفی تھی۔ انگوں کا قول ہے کہ قلعہ بچانے کے لیے ایک تو سر کی حاجت ہو دوسرے دو ہاتھوں کی۔ تیسرے دو پاؤں کی۔ سر سردار ہے۔ دونوں ہاتھ دو مکئییں ہوتی ہیں جو دو طرف سے آتی ہیں۔ دونوں پاؤں پانی اور خوراک کا وہ ذخیرہ ہیں جو شہر میں ہو۔ جو ہمارے اطراف و جوانب میں تھے ہم نے اُن سے مدد چاہی مگر جن سے مجھے کمک کی امید تھی اور وہ میرے گرد و نواح میں تھے اُن میں سے ہر ایک اپنے اپنے خیال میں تھا۔ سلطان حسین میرزا جیسے جوان مرد۔ صاحب تجربہ بادشاہ نے میری مدد نہ کی اور نہ میرا دل بڑھانیکے لیے کوئی ایچی بھیجا۔ بلکہ شیبانی خاں پاس کمال الدین حسین گارگہی کو محاصرہ کے زمانہ میں ایچی بنا کر بھیجا۔ تنبل اندجان سے بشکنت کی نواح تک آگیا۔ احمد بیگ وغیرہ خان کو تنبل کے مقابلہ میں لائے۔ لک لکان اور چار باغ ترک کی نواح میں دونوں کی مٹھ بھیر ہوئی۔ اور بے لڑے بھڑے دونوں پلٹ گئے۔ سلطان محمود خاں سپاہی نہ تھا۔ فن سپاہ گری و بالکل عاری تھا جب تنبل کا اور خان کا یہاں مقابلہ ہوا ہے تو خان کی بزدلی کا حال کھل گیا۔ احمد بیگ تھا تو اُجڑ مگر دو لختواہ اور بہادر تھا۔ اپنے اُسی اُجڑین کے ساتھ کہہ بیٹھا کہ یہ تنبل چیز ہی کیا ہے۔ جس سے اتنا ڈرتے ہو گھبراتے ہو۔ اگر تم کو اُسی دیکھ کر خوف آتا ہے تو اپنی آنکھیں بند کر کے اُس کے سامنے آ جاؤ۔

سنہ ہجری کے واقعات

سمرقند چھوڑ کر تاشکند جانا | محاصرہ کی مدت نے طول کھینچا۔ نہ کہیں سے مدد آئی۔ نہ کسی مدد بھیجی۔ آخر کار فوج اور رعیت کے دل ٹوٹ گئے۔ ایک

ایک دو دو نے شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا۔ شیبانی خاں محصورین کے دق ہونیکو سمجھ گیا۔ اور غار عاشقاں میں اُن اُترا۔ میں بھی شیبانی خاں کے رو برو کوئے پایاں میں ملک محمد میرزا کے مکانوں میں آگیا۔ انہی دنوں میں اوزون حسن جو جہانگیر میرزا کی بغاوت میں سرغنہ اور سمرقند سے میرے نکلنے کا باعث تھا اور جس نے بعد میں بہت بڑے فتنے اور فساد برپا کیے تھے (جنکا بیان ہو چکا ہے) دس پندرہ آدمیوں کو لیے ہوئے شہر میں آیا۔ اب شہر والوں اور سپاہیوں کی عسرت اور تکلیف بے انتہا ہو گئی تھی۔ میرے مصاحب اور معتبر لوگ فطیل کو دود کر بھاگنے لگے۔ چنانچہ امراء میں سے ولس شیخ اور

۱۰ جولائی سنہ ۱۲۶۵ ۱۵ غار عاشقاں کے نواح ۱۲ ۱۶ نیچو گلی ۱۲ ۱۶ لندن سن

وہیں باہری کو دیکھ کر بھاگ نکلے۔ میں سب طرف کی کمک سے مایوس ہو گیا۔ کہیں سے امید نہ رہی۔ اول تو خوراک اور گودام کی پہلے ہی کمی تھی۔ اور جتنا تھا اب وہ بھی زبردست تھا۔ کہیں سے رسد بھی نہ آئی۔ اسی موقع پر شیبانی خاں نے صلح کی گفتگو شروع کی۔ اگر کسی طرف سے کوئی امید ہوتی یا کھانے کو پاس ہوتا تو صلح کی گفتگو کون سنتا۔ مجبوراً ایک طرح کی صلح کر لی۔ اُدھی رات آئی ہوگی جو اپنی والدہ خانم کو ساتھ لیکر شیخ زادہ دروازہ سے میں نکل کھڑا ہوا۔ دو عورتیں اور بھی ساتھ نکلیں۔ ایک بیچکا حنیفہ۔ دوسری منکلیٹ کوکٹاش۔ میری بڑی بہن خانزادہ بیگم اسی بھگڑ میں رہ گئیں اور شیبانی خاں کے ہاتھ آگئیں۔ اندھیری رات تھی۔ سفد کی بڑی بڑی نہروں میں پھنک کر ہم راستہ بھول گئے۔ آخر بڑی مشکل سے صبح ہوتے خواجہ دیدار سے نکلے اور سنتوں کے وقت پشتہ قاربوغ پر جا پہنچے۔ پشتہ قاربوغ کے شمال سے چل کر موضع خوزک کے نیچے نیچے ہوتے ہوئے ایلان اونی کی طرف جائیکے لیے ہم روانہ ہوئے۔ راستے میں قنبر علی اور قاسم بیگ کے ساتھ گھوڑے دوڑائے گئے۔ میرا گھوڑا آگے نکل گیا۔ میں نے ٹیڑھے ہو کر اور مڑ کر دیکھا کہ ان کے گھوڑے کتنے پیچھے رہ گئے ہیں۔ گھوڑے کا تنگ ڈھیلا ہو گیا تھا۔ زین الٹ گیا۔ میں سر کے بھل زمین پر گر پڑا اگرچہ میں اُسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ لیکن شام تک میری عقل بے ٹھکانے رہی۔ یہ عالم اور واقعات گزشتہ آنکھوں کے سامنے اور دل میں خوابِ خیال کی طرح آتے تھے اور مٹ جاتے تھے۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا کہ ہم ایلان اونی میں جا کر ایک گھوڑا ذبح کیا اور گوشت کے تکے کر کے کباب لگائے۔ تھوڑی دیر گھوڑوں کو آرام دیا۔ پھر ہم سوار ہو گئے۔ صبح ہونے سے پہلے موضع خلیلہ میں ہم آئے۔ خلیلہ سے درخ میں پہنچے۔ اُس زمانہ میں وہاں حافظ محمد بیگ دولدانی کا بیٹا اور طاہر دولدانی تھے۔ نہایت فریب گوشت اور مہد کی روٹیاں وہاں خوب دستی تھیں۔ میٹھے خربوزے اور عمدہ انگور ڈھیر تھے۔ ایسی نایمیری کے بعد یہ ارزانی اور ایسی آفت کے بعد یہ امن نصیب ہوا۔

وہ ساری مصیبت گئی اور تنگی ملا خوب آرام اور گوشت روٹی

(شو) موت کا خوف اُٹھ گیا دل سے بھوک کی آگ جو گئی کا فور

اپنی عمر بھر میں ہم کو نہ کبھی ایسا لطف آیا تھا اور نہ کبھی امن و ارزانی کی اتنی قدر ہوئی تھی۔

۱۲۔ یہ تو مجھ ہے اور جان لیڈن نے کھول کر لکھا ہے کہ شہر خالی کر دینے پر صلح کرنی ۱۲۔ ۱۳۔ بیچکا حنیفہ ۱۲۔

۱۴۔ منکلیٹ ۱۲۔ ۱۵۔ خوزک ۱۲۔ ۱۶۔ جان لیڈن کے متن میں۔ دزک او۔ نوٹ میں جو تاریخ لکھا ہے ۱۲۔

۱۷۔ اس زمانہ میں حافظ محمد بیگ دولدانی کا بیٹا طاہر دولدانی وہاں کا حاکم تھا ۱۲۔

کہ عسرت کے بعد عشرت کی بڑی لذت آتی ہے۔ اور محنت کے بعد فراغت کی بہت فائدہ ہوتی ہے۔ ساری عمر میں پانچ چار دفعہ اسی طرح تکلیف کے بعد راحت اور محنت کے بعد فراغت میسر ہوتی ہے۔ لیکن یہ پہلا ہی موقع تھا کہ دشمن کے ہاتھ سے اور بھوک کی بلا سے رہائی پا کر اسن اور ارزانی کی راحت اور خوشی نصیب ہوئی ہے۔ غرض ورنہ میں تین چار دن تک استراحت کی۔ اس کے بعد اور آئیبہ جانیکا قصد ہوا۔

ساغرج جانا | مقام ساغرج راستہ سے تھوڑی دور ہٹا ہوا ہے۔ چونکہ میں ایک مدت تک

وہاں رہا تھا اس لیے چلتے چلتے وہاں کی بھی سیر کر لی۔ وہ آتون جو بہت مدت سے میری والدہ خانیم کے پاس رہتی تھی اور اس ہٹروم میں گھوڑوں کی کمی کے سبب سے مجبوراً سمرقند میں رہ گئی تھی ناگاہ قلعہ ساغرج میں نظر آئی۔ اس سے بات چیت کر کے بعد معلوم ہوا کہ سمرقند سے یہاں تک بیچاری پیدل آئی تھی۔ میری چھوٹی خالہ خوب نگار خانم کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور آئیبہ میں میرے پاس اور خانیم کے پاس یہ سناؤنی آئی۔ ادوی جان بھی اندجان میں فوت ہو گئی تھیں۔ یہیں ان کی بھی خبر آئی۔ اماں جان میرے نانا جان کے مرنے کے بعد اپنی ماؤں اور چھوٹے بھائی بہنوں یعنی شاہ بیگم۔ سلطان محمود حناں۔ سلطان نگار خانم اور دولت سلطان خانم سے نہ ملی تھیں اور ان سے تیرہ چودہ برس تک پھڑکی رہیں۔ انہی عزیزوں اور قریبوں سے ملنے کے لیے وہ تاشکند کی طرف روانہ ہوئیں محمد حسین میرزا سے صلاح کر کے میں نے موضع دہکت میں جو توابعات اور آئیبہ سے ہے قتلان کرنے کی ٹھیرائی۔ اسباب وغیرہ سمیت میں دہکت میں آیا اور اسباب کو وہیں چھوڑ کر چند روز بعد میں بھی شاہ بیگم اور اپنے خان دادا وغیرہم سے ملنے کے لیے تاشکند پہنچا۔ شاہ بیگم اور خان دادا سے ملا۔ تھوڑے دن وہاں رہا۔ والدہ صاحبہ کی سنگی بہن مہر نگار خانم بھی جو سب میں بڑی تھیں سمرقند سے چلی آئیں۔ میری والدہ بیمار ہو گئیں اور ایسی بیمار ہو گئیں کہ بچنے کی امید نہ تھی۔ حضرت خواجگان خواجہ بھی سمرقند سے نکل کر فرکت میں آگئے تھے۔ میں فرکت گیا اور خواجہ سے ملا۔ میری استہدائی کہ خان دادا براہ مہربانی دشمنیت کچھ ملک اور علاقہ مجھے دیں۔ انہوں نے مجھے اور آئیبہ

۱۵ بشاغ ۱۲ ۱۵ خوب نگار خانم سلطان محمد حسین کو رگان دولت کی بیوی تھیں جس کے پاس

اس وقت آوایبہ تھا ۱۲ ۱۵ قتلان نگار خانم ۱۳ ۱۵ دوش خان ۱۵ یعنی سوتیل بائیں ۱۲ ۱۵

سلطان محمود میرزا کی بیوی اور شاہ بیگم کی بیٹی ۱۲ ۱۵ شاہ بیگم کی سب میں چھوٹی بیٹی ۱۲ ۱۵ سلطان محمد

سابق بادشاہ سمرقند کی بیوی ۱۲ ۱۵ خواجہ کا خواجہ ۱۲

غایت کیا۔ مگر محمد حسین میرزا نے حوالہ نہ کیا۔ معلوم نہیں کہ اُس نے خود ہی نہیں دیا یا حضرت کا ایمانہ تھا۔ بہر حال تھوڑے دن بعد میں مقام دہکت میں آ گیا۔

دہکت کا بیان | دہکت اور اتیبہ کے پہاڑی موانعات میں سے ہے۔ یہ موضع ایک اونچے پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ اس پہاڑ سے نکلے ہی ملک میسی آ جاتا ہے۔

اُس ملک کے باشندے گوجا جٹک ہیں مگر ترکوں کی طرح بیٹروں اور گھوڑیوں کے ریور کے ریور رکھتے ہیں۔ دہکت میں جس قدر بھیڑیں ہیں اُن کا تخمینہ چالیس ہزار کا کیا جاتا ہے۔ یہاں کسانوں کے مکانوں میں ٹھیرنا ہوا۔ میں وہاں کے ایک چودھری کے ہاں اُترا۔ یہ شخص تقریباً ستیڑا برس کا آدمی تھا۔ اُس کی ماں بھی اب تک زندہ تھی۔ یہ عورت بڑی عمر رسیدہ تھی۔ کوئی ایک سو گیارہ برس کی ہوگی۔ امیر تیمور جب ہندوستان میں آئے ہیں تو اُس کے عزیزوں میں سے ایک شخص اُن کے لشکر میں تھا۔ یہ بات بڑھیا کو یاد تھی کبھی کبھی وہ کہانی کے طور پر بیان کیا کرتی تھی۔ اسی دہکت میں اسی عورت کے اپنے پیٹ کے نیچے پوتا پوتی۔ پوتا پوتی اور سپر و تاسروتی سب ملکر چھپاؤ سے آدمی اس وقت زندہ تھے۔ اور مرے ہوؤں سمیت دوسرے آدمی بیان کیے جاتے تھے اسکا ایک پوتا اس وقت چھپس چھپس برس کا جوان تھا۔ جس کی ڈاڑھی سیاہ تھی۔ جب میں دہکت میں تھا تو دہکت کے پہاڑوں میں ہمیشہ پیدل سیر کیا کرتا تھا۔ بیشتر ننگے پاؤں پھرتا تھا۔ ننگے پاؤں پھرتے پھرتے پاؤں ایسے سخت ہو گئے۔ تھے کہ پہاڑ اور پتھری زمین میں فرق نہ معلوم ہوتا تھا۔ اسی سیر کی اثناء میں ایک دن عصر اور مغرب کے بیچ میں ہم نے دیکھا کہ ایک بگڑی پر ایک شخص گائے لیے چلا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا۔ یہ راستہ کدھر جاتا ہے؟ اُس نے کہا۔ گائے کی طرف دیکھو اور اُسیر سے نظر نہ ہٹاؤ۔ تم کو خود معلوم ہو جائیگا کہ یہ راستہ کدھر نکلتا ہے۔ خواجہ اسد نے ہنسی سے کہا ”اگر گائے خود راستہ بھول جائی تو ہم کیا کریں؟“ اسی جاڑے میں بہت سے سپاہیوں نے جو میرے ساتھ مار دھاڑ میں نہ پھر سکتے تھے اند جان جانے کی رخصت مانگی۔ قاسم بیگ نے باصرار عرض کیا کہ یہ لوگ جاتے ہیں۔ کوئی ملبوس خاص جہانگیر میرزا کے لیے ضرور بھیجے۔ میں نے اپنی ٹوپوں میں سے ایک قاقم کی ٹوپی میرزا کو بھیجی۔ قاسم بیگ نے پھر تہ نکرار عرض کیا کہ تمہیں کو بھی کچھ بھیجتے

سے قلمی اور ملبوسہ سنو میں اس جاتے دہکت لکھا ہے مگر اپنی سنو میں اول دہکت لکھا تھا اور جان بیڈن کو ترجمہ مسجل دہکت ہی لکھا ہے اسلئے میرزا دہکت ہی صحیح ہے ۱۲ لے یہاں کے مہاجک کسان یا گنواہیں۔ انکی زبان فارسی ہے۔ یہ لوگ انکی اولاد

میں سے ہیں جو اگلے ترکوں کے حملوں سے چیتراہاں رہتے تھے ۱۲

تو کیا مضائقہ ہے۔ اگرچہ میرا دل نہ چاہتا تھا مگر قاسم بیگ کے بچہ ہونے سے نویان کو کلتاش سے ایک بڑی تلوار جو اس نے اپنے لیے سمرقند میں بنوائی تھی لیکر تنبل کو بھیج دی۔ خدا کی قدرت ہے کہ یہی تلوار آخر میرے سر پر پڑی۔ چنانچہ سال آئندہ کے واقعات میں لکھا جائے گا۔ کئی دن بعد میری نانی اماں ایسن دولت بیگم جو اس جگڑ میں سمرقند رہائی تھیں اپنے متعلقوں۔ اپنے اسباب اور چند شکلوں اور بھوکوں سمیت میرے پاس آگئیں۔ اسی جاڑے میں شیبانی خاں دریائے جند کی برف کھوندتا ہوا شاہرخیہ اور بشکنت کے علاقہ میں آیا۔ اور اسکو تاراج کرنے لگا۔ اس خبر کے سنتے ہی میں نے اپنے ساتھیوں کی کمی پورا خیال کیا۔ اور میں فوراً سوار ہو کر جند کے اُن پایابی دیہات کی طرف روانہ ہو گیا جو مقام ہشتنگ کے سامنے واقع ہیں غضب کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ اس نواح میں ہادریش کی ہوا تھمتی سی نہیں۔ اور جھگڑ کی چلتی رہتی ہے۔ آجکل ایسی ٹھنڈی تھی کہ ان دو تین دن میں ہمارے دو تین آدمی جاڑے کی شدت سے مر گئے۔ مجھے وہاں نہانے کی احتیاج ہوئی۔ ایک نہریں جس کے کناروں پر تمام برف جمی ہوئی تھی مگر بیچ میں پانی کے بہاؤ کے سبب سے برف نہ تھی اُتر کر نہایا۔ سولہ غوٹے لگائے۔ پانی کی سردی بدن میں بیٹھ گئی۔ دوسرے دن نواح کے سامنے برف پر سے دریائے جند کے پار ہوئے۔ اور دوسرے دن بشکنت میں پہنچے۔ لیکن شیبانی خاں نواح شاہرخیہ کو لوٹ مار کر چلے پایا تھا۔ اُن دنوں میں ملا حیدر کا بیٹا عبداللہ بشکنت کا حاکم تھا۔ جس زمانہ میں میں سمرقند میں تھا اُس زمانہ میں عبداللہ بشکنت کا ایک چھوٹا بھائی مومن نام ناکارہ اور پریشان میرے پاس سمرقند میں آیا تھا۔ میں نے کسی قدر اُس کی پرورش کی تھی معلوم نہیں کہ نویان کو کلتاش نے سمرقند میں اُس کے ساتھ کیا بد سلوکی کی تھی جس کا بل وہ دل میں رکھتا تھا۔

نویان کو کلتاش کا مرنا | از بکوں کی ٹیڑی فوج کے چلے جانے کی خبر سننے کے بعد میں نے خان کے پاس آدمی بھیجا اور بشکنت سے کوچ کر کے موضع آہنگران میں تین چار دن تک توقف کیا۔ ملا حیدر کے چھوٹے بیٹے مومن نے سمرقند میں ملاقات ہو جانے کی وجہ سے نویان کو کلتاش اور احمد قاسم وغیرہ کی دعوت کی۔ میں تو بشکنت سے چلا گیا۔ اور یہ سب بشکنت میں ٹھہر گئے۔ یہ جلسہ ایک کھڑپر ہوا تھا میں وضع شام سیرک

۱۱۷۰ نویان کو کلتاش اس وقت حضرت کے ہمراہ تھا ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ہادریش وہ جنگل ہے جو گند بادام اور جند کے بیچ میں مرغینان کے مغرب میں ہے اور جہاں ہوا کے ہمیشہ جھگڑ چلتے رہتے ہیں۔ اسکا مفصل بیان قصبہ گند بادام کے ذکر میں لکھا گیا ہے ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ جلن یڈن نے شاہرخیہ لکھا ہے ۱۱۷۵

جو آہنگران کے ثواب میں سے ہے جاؤ ترا۔ دوسرے دن خبر آئی کہ نوبیان کو کلتاش نشہ میں کھڑے کر کر مر گیا۔ حق نظر کو جو اس کا سگاماموں تھا بہت سے آدمیوں کے ہمراہ وہاں بھیجا۔ یہ لوگ موقع واردات پر گئے اور تحقیقات کے بعد نوبیان کو بشکنت میں دفن کر کے واپس آئے۔ ان لوگوں نے اُس مقام سے جہاں یہ جلسہ تھا ایک تیر کے فاصلہ پر ایک گہرے کھڈ کے اندر نوبیان کی لاش کو پڑا ہوا دیکھا۔ بعض کو گمان ہوا کہ موتن نے نوبیان سے سمرقند والے کینہ کا بدلہ لیا ہے۔ مگر کسی کو پورا تحقیق نہ ہوا۔ مجھ کو اس واقعہ کا بہت ہی رنج ہوا۔ اتنا رنج کسی کے مرنے کا نہیں ہوا تھا۔ آٹھ دن تک میں برابر روتا رہا۔ اُس کے مرنے کی تاریخ ”فوت شد نوبیان“ ہاتھ آئی تھوڑے دن بعد پٹ کریں دہکت میں گیا۔ مسیحا کی طرف جانا دہکت پست زمین میں تھا اس لیے آب بردن اور آمانی سے گزر کر ہم کو ہستان مسیحا میں چلے آئے۔ آب بردن ایک قریہ ہے جو مسیحا کی انتہا پر واقع ہے۔ اس آب بردن سے نیچے کی جانب ایک چشمہ ہے۔ اس چشمہ پر ایک قبر ہے۔ چشمہ کی بالائی طرف مسیحا کا علاقہ ہے۔ اور نشیبی جانب یلغز کا۔ اس چشمہ کے کنارے پر جو پتھر تھا اُس پر یہ اشعار کندہ کر دیے۔ ثنوی۔

شنیدم کہ چشمہ فرخ سرشت بسر چشمہ شد بسنگِ نوشت
نہیں چشمہ چوں مابے دم زدند برقتند تا چشم برہم زدند
گرفتیم عالم بہ مردی و زور ولیکن نہرِ دیم با خود بہ گور
اس کو ہستان میں پتھروں پر اشعار اور کتبے کندہ کرنے کی بہت رسم ہے۔ ان ہی دنوں میں جبکہ میں مسیحا میں تھا۔ ملا جوئی شاعر نے حصار سے آکر ملازمت حاصل کی۔ اُس زمانہ میں میں نے یہ طبع لکھا تھا کہ

ترا نقشہ مصور سے کبھی پورا نہیں کھینچتا تجھے سبوح کہتے ہیں پر اُس سے بھی تو بڑھ کر
نشیبانی خاں اور اتیبہ کی نواح میں آیا اور لوٹ مار کر کے چل دیا۔ جن دنوں میں وہ اور اتیبہ کی نواح میں تھا۔ میں نے اپنے لشکر کی کمی اور بے سامانی پر کچھ خیال نہ کیا۔ گھر بار کو مسیحا چھوڑا۔ اور خود آب بردن اور آمانی سے نکل پہاڑوں پر سے ہوتا ہوا دہکت کی نواح میں آگیا۔ ارادہ تھا کہ صبح جھپٹے کے وقت لکھنے ہو کر جو بس چلے اور جو بن پڑے اُس میں کمی نہ کیجیے مگر چونکہ نشیبانی خاں جلدی سے چل دیا تھا اس لیے ہم بھی اُسی پہاڑی راستہ سے مسیحا میں آگئے

دل میں آیا کہ یوں پہاڑوں میں ٹکرانا بے سود ہے۔ نہ گھروں نہ ملک۔ نہ چین نہ آرام۔ اس کو بہتر یہ ہے کہ خان کے پاس تاشکند چلے چلیں۔ قاسم بیگ وہاں چلنے پر راضی نہ ہوا غالباً اسکو اس لیے وہاں چلنے میں اندیشہ ہوا کہ قراہ بلاق میں لوٹ مار کے انتظام کے خیال سے اُس نے تین چار مغلوں کو قتل کر دیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ ہر چند میں نے اصرار کیا مگر اُس نے نہ مانا۔ وہ تو اپنے بھائیوں اور ہمراہیوں سمیت مجھ سے علیحدہ ہو کر حصار چلا گیا۔ اور میں بت دن کے پہاڑ سے محل خان کے پاس تاشکند کی طرف روانہ ہوا۔ اسی زمانہ میں تنبل لشکر جمع کر کے مرغزار آہنگراں پر چڑھ آیا۔ اس وقت تنبل کے اہل لشکر میں سے محمد و غلت (جو محمد حصار میں شہور تھا)۔ سلطان حسین و غلت (جو اسکا چھوٹا بھائی تھا) اور قنبر علی سلاخ نے بالاتفاق تنبل کے خلاف میں سازش کی۔ مگر تنبل پر یہ راز فاش ہوتے ہی یہ لوگ وہاں ٹھیر نہ سکے۔ اور بھاگ کر خان کے پاس آ گئے۔ بقرعید ہمیں شاہرخیم میں ہوئی یہم یہاں ذرا نہ ٹھیرے اور سیدھے تاشکند میں خان کے پاس چلے آئے۔ میں نے یہ رباعی مہولی قافیہ میں کہی تھی۔ مگر مجھے اس کے قافیہ کی صحت میں کسی قدر شک تھا۔ کیونکہ اُس زمانہ میں مصطلحات شعر سے میں اچھی طرح واقف نہ تھا۔ خان تھا تو طبیعت وار آدمی اور شعر بھی کہہ لیتا تھا۔ مگر اُس کی غزل جیسی چاہیے ویسی نہ ہوتی تھی۔ میں نے یہ رباعی خان کو سنائی اور اپنا تردد بھی عرض کیا۔ اُس نے کوئی ایسا شافی جواب نہ دیا جس سے دل کو تسلی ہو جاتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ خان بھی کلام کے حسن و قبح سے کم واقف تھا۔ وہ رباعی یہ ہے ۷

آفت زدہ کو پوچھتا ہے کب کوئی آوارہ وطن کو خاک حاصل ہو خوشی
اس بیوٹنی سے کیوں نہو مجھ کو الم غربت میں تو سعد ما بھی خوش ہو بھی

آخر میں معلوم ہوا کہ ترکی زبان میں تا دال سے اور عین قاف اور کاف سے قافیہ کے موقع پر آپس میں بدل جاتے ہیں۔

تنبل و رایتیم میں آیا | چند روز کے بعد تنبل اور ایتیم پر چڑھ آیا۔ یہ سننے ہی خان نے بھی فوج کے دائیں بائیں صفیں ہالہ کی صورت میں قائم کیں۔ اور مغلوں نے اپنے قاعدہ کے موافق یوں نشان باندھے۔ خان گھوڑے سے نیچے اتر کھڑا ہوا۔ نشان کو لا کر خان کے آگے کھڑا کیا۔

۱۲ راستہ سے ۱۳ جان لیڈن میں یہاں یہ فقرہ ہے (گھوڑوں کی دُموں کے نشان اس کے سامنے کھڑے ہو) یہ جھنڈے قطاس سے اس طرح بنائے جاتے ہیں کہ مثلث جھنڈے پر قطاس کو باندھتے ہیں۔ قطاس پہاڑی گائے بیل کی دُم کا ہوتا ہے یہ دُم بالکل گھوڑے کی دُم کے مشابہ ہوتی ہے۔ جس گائے یا بیل کی یہ دُم ہے اُس کی پیچھے

ایک مغل ایک گائے کے ہاتھ کی ہڈی کو ایک سفید بٹے سوئی کپڑے سے باندھ کر اور اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے نے تین سفید بٹے کپڑے نشان کی قطاس کے نیچے باندھ کر نشان کی لکڑی کے نیچے سے نکالے۔ کپڑوں میں سے ایک کپڑے کا کونا خان اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر کھڑا ہو گیا۔ اُنہی کپڑوں میں سے دوسرے کپڑے کا کنارہ جو اسی طرح لیٹا نشان میں باندھا تھا اس میں اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر کھڑا ہو گیا۔ تیسرے کپڑے کا کنارہ سلطان محمد خانیگہ یونہی دبا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر جس مغل نے ان کپڑوں کو باندھا تھا گائے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر مغلی زبان میں کچھ تقریر کی اور اثنائے تقریر میں اکثر نشان کی طرف دیکھتا رہا۔ اور اشارہ کرتا رہا۔ خان نے اور سب کھڑے ہونوالوں نے نشان کی طرف غبر افشانی کی۔ ایک دفعہ ہی ساری ترہیاں اور نقارے بجنے لگے۔ جتنے سپاہی صف بستہ کھڑے تھے دفعتاً ان کے نعرے مارنے لگے۔ تین باریہ رسم ادا کی۔ پھر سب سوار ہو گئے۔ اور نعرے مارنے ہوئے کھوڑے اڑانے لگے۔ چنگیز خاں نے جو قاعدے مقرر کیے تھے وہ اب تک مغلوں میں جاری ہیں پھر برانغار والا برانغار میں۔ برنغار والا برنغار میں اور قول والا قول میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر جو باپ دادا کے وقت سے مقرر تھی جا کھڑا ہوا۔ معمول ہے کہ جو لوگ بہت عزت دار اور بھروسے کے ہوتے ہیں وہ برانغار اور برنغار کے اوج یعنی فوج کے کمانداروں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ برانغار والوں میں سے قوم چراس اور بیک چک باہم اس بات پر جھگڑ پڑے کہ اوج میں کون رہے۔ اس وقت چراس کا سردار قشقہ محمود تھا جو بڑا بہادر تھا۔ اور قوم بیک چک (جو قوموں میں ایک نامی قوم ہے) کا سردار ایوب یعقوب تھا۔ دونوں قویمیں اوج کے لیے ایسی جھگڑیں کہ تلواریں کھینچ گئیں۔ آخر ظاہر یہ مصاکحت ہو گئی کہ ایک اُن میں سے جرحا میں اعلیٰ جگہ اور دوسری لڑائی میں صف بندی کے وقت اوج میں کھڑی ہو۔ دوسرے دن سام سیرک کی نواح میں لشکر نے جرحا ڈاکٹر شکار کھیلا۔ پھر آگے چلے اور چار باغ براق میں آکر اترے۔ اسی منزل میں آج میں نے پہلے پہل ایک

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۹) اور پیٹ پر جھنڈو لے اور لمبے بال ہوتے ہیں۔ اس دم کو کبھی گھوڑوں کی گردن میں آرائش یا رتبہ کے نشان کے لیے لٹکاتے ہیں۔ یہ پہاڑی گائے یا بیل ایسا طاقتور ہوتا ہے کہ اکثر پہاڑی لوگ اُن پہاڑی نالوں سے جو زور سے گرتے ہیں اُسکی دم پکڑ کر پار ہو جاتے ہیں۔ غالباً جس طرح ہندوستان میں بعض جھنڈوں پر سورج یا باندھتے ہیں اسی طرح مغل ان جھنڈوں پر گائے کی دم باندھتے ہونگے۔ اور اسکو قطاس کہتے ہونگے ۱۲

۱۵ سلطان محمود خاں کا بیٹا ۱۲۱۵ء یہ ایک طرح کا شکار ہے جو سردار اور بادشاہ بڑی شان و شوکت سے کھیلا کرتے تھے۔ اس میں کبھی کئی میل کا حلقہ باندھا جاتا تھا۔ اس کا بیان چنگیز خاں اور امیر تیمور کی تاریخوں میں لکھا ہے ۱۲

ساری غزل لکھی۔ اُس غزل کا مطلع یہ ہے ۵
روح ساہم کو نہ دنیا میں وفادار ملا
راز داں کوئی بھروسہ کا نہیں دل کے سوا
اس غزل کے سات شعر ہوئے۔ پھر جو غزل لکھی اسی ترتیب سے لکھی۔ یہاں سے کوچ بہ کوچ
دریائے خجند کے کنارہ پر پہنچے۔ ایک دن سیر کرنے گئے اور دریا کے پار جا کے آتش پکائی۔
سرداروں اور سپاہیوں کو خوب جلے اڑوائے۔ آج ہی میرے کمر بند کا طلائی حلقہ
چوری گیا۔ دوسرے دن خان قلی۔ بیان قلی اور محمد ویس بھاگ کر تنبل کے پاس
چلے گئے۔ سب کو گمان ہوا کہ وہ حرکت انہی سے صادر ہوئی تھی۔ مگر تحقیق نہیں ہوا۔
احمد قاسم کوہ بر بھی اجازت لیکر اور آتیبہ چلا گیا۔ اس جانے کے بعد پھر وہ نہ آیا۔ اور
تنبل کے پاس چلا گیا۔

۹۰۰ ہجری (مطابق ۱۷ جولائی ۱۵۸۷ء) کے واقعات

مصیبت پڑنی خان کی یہ یورش بہت ہی بیفائدہ تھی۔ نہ قلعہ لیا نہ دشمن کو زیر کیا گئے
اور چلے آئے۔ میں جتنے دن تاشکند میں رہا اتنے دن میں نے بیحد
تنگی اور مصیبت اٹھائی۔ نہ ملک قبضہ میں تھا نہ پھر اُس کے ملنے کی امید تھی۔ نوکریاں
اکثر چلے گئے تھے۔ جو کچھ پاس رہ گئے تھے وہ مفلسی کے سبب سے میرے ساتھ ساتھ پھرتے
تھے۔ جب میں ماموں جان کے دربار میں حاضر ہوتا تھا تو کبھی ایک آدمی اور کبھی دو آدمی
ساتھ ہوتے تھے۔ بڑی بات یہ تھی کہ اس موقع پر کوئی غیر نہ تھا۔ سب اپنے جگہ ہی تھے۔
ماہجون کو آداب کیا اور شاہ بیگم کے پاس چلا آیا۔ اپنے گھر کی طرح آزادی کے ساتھ ننگے سر ننگے
پاؤں چلا آیا کرتا تھا۔ آخر ایسی سرگردانی اور اس بے گھرے ہونے سے میں تنگ آ گیا۔ اور
زندگی سے بیزار ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسی سختی کے جینے سے جدھر سینک سمٹے
اُدھر چلا جاؤں۔ اور ایسا چھپ جاؤں کہ کسی کی نظر نہ پڑے۔ لوگوں کے سامنے ایسی دولت و
بد حالی میں رہنے سے بہتر ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اتنی دور نکل جاؤں جہاں مجھے کوئی نہ پہچانے
یہ سوچ کر خطا جانے کا ارادہ مصمم کر لیا۔ مجھے بچپن سے ملک خطا کی سیر کا شوق تھا مگر سلطنت
اور تعلقات کے سبب سے نہ جاسکتا تھا۔ اب سلطنت جاتی رہی۔ والدہ۔ اُن کی ماں اور
بھائی سب ایک جائے ہو گئے ہیں۔ جو سیر کرنے کے موافق تھے وہ جاتے رہے۔ اور

سارے اندیشے رفع ہو گئے۔ میں نے خواجہ ابوالمکارم کی معرفت سب سے یہ بات کہی کشتیانی تھا جیسا دشمن پیدا ہو گیا ہے۔ مغلوں کو اور ترکوں کو اس سے یکساں مضرت پہنچے گی۔ ابھی تک اُس نے ان قوموں کو پورے طور سے زیر نہیں کیا ہے۔ اور اُس کی طاقت نہیں بڑھی ہے۔

اس وقت میں اُسکا تذکرہ کرنا واجب ہے۔ چنانچہ بزرگوں کا قول ہے کہ
امروز بکشت چومی توان گشت آتش چو بلند شد جہاں سوخت
مگذار کہ زہ کشد کہاں را دشمن چو بہ تیری توان دوخت

چوبیس چھیل برس سے کچیک خاں یعنی چھوٹے ماموں اور بڑے ماموں میں بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اور میں نے بھی چھوٹے ماموں کو نہیں دیکھا تھا۔ اچھا ہے کہ میں بھی چھوٹے ماموں سے ملوں۔ اور دونوں میں باعث ملاقات بھی ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اس بہانہ یہاں پہنچا جاؤں۔ اب بالکل دل میں ٹھکانا کہ غلستان اور طغان چلیے۔ پھر کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ میں نے اس منصوبہ سے کسی کو آگاہ نہیں کیا تھا اور نہ یہ کسی پر ظاہر کر سکتا تھا۔ اس لیے اپنی والدہ سے بھی اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ اور نہ اُن لوگوں سے جو میرے ساتھی تھے اور طرح طرح کی امیدوں سے میرے ساتھ مصیبتیں جھیلنے پھرتے تھے۔ خواجہ ابوالمکارم نے جب یہ باتیں شاہ بیگم اور بڑے خان واداسے کہیں تو پہلے اُن کی مرضی پائی گئی پھر سمجھے کہ شاید مواسات نہ کرنے سے مکرر رخصت چاہی ہے۔ اس وجہ سے اُنہوں نے رخصت

دینے میں ذرا تاثر کیا۔ اتفاقاً انہی دنوں میں چھوٹے خان واداکے پاس سے ایک آدمی آیا اور صحیح خبر لایا کہ چھوٹے خان آتے ہیں۔ میرا منصوبہ پورہ رہ گیا۔ اتنے میں ایک اور آدمی آیا اور اُس نے بیان کیا کہ خان موصوف قریب آگے ہیں۔ شاہ بیگم چھوٹے خان واداکے چھوٹی بہنیں سلطان نگار خانم و دولت نگار خانم سلطان محمد خانیکہ اور میرزا خان سب مل کر ماموں کچیک خاں کی پیشوائی کرنے کو گئے۔ تاشکند اور سیرام کے درمیان میں تیغ ایک

گاہوں ہے۔ اور اور کئی گاہوں ہیں جن میں ابراہیم انا اور اسحاق انا کی قبریں ہیں۔ ہم ان دیہات تک گئے۔ ہم یہ نہ جانتے تھے کہ کچیک خاں اسی وقت آجائیں گے۔ ہم تو بخانی سے سیر کرنے کے لیے سوار ہو گئے تھے۔ دفعۃً خان سے آمنا سامنا ہو گیا۔ میں آگے بڑھ جوں ہی میں گھوڑے پر سے اُتر اوروہی کچیک خاں وادامجھے پہچان گئے۔ بہت ہی گھبرائے۔ شاید یہ خیال دل میں ہوگا کہ کسی جائے میں اُتر کر بیٹھوں اور یہ پورے ادب قاعدہ کے ساتھ مجھ سے ملے۔ میں نے یہ کیا کہ جھٹ پٹ اُن کے پاس پہنچ گھوڑے پر سے کود پڑا۔ اور گو کسی رسم کے

لے ایک فارسی نسخہ میں یہ ہے دھیر میرا خیال پورا ہو جائے گا

ادا کرنے کا موقع نہ تھا مگر گھوڑے سے اترتے ہی میں گھٹنوں کے بھل جھکا اور بنگلیہ ہوا۔ وہ بہت ہی سٹیٹائے اور جھینپے۔ فوراً سلطان سعید خاں اور بابا خان سلطان سے کہا کہ گھوڑوں پر سے اترنا اور جھکنا اسے بلو۔ خان کے بچوں میں سے یہی دونوں ہمراہ آئے تھے۔ دونوں تیرہ چودہ برس کے ہونگے۔ ان دونوں سے ملنے کے بعد سب سوار ہو کر شاہ سلیم باس آئے۔ ماموں کچک خاں شاہ سلیم سے اور سب بیگمیں سے ملے۔ بنگلیہ ہوئے۔ بیٹھے اور اپنی اپنی رام کہانیاں آدھی رات تک کہتے سنتے رہے۔ دوسرے دن چھوٹے ماموں نے مغلوں کی رسم کے موافق خلعت۔ اپنے ہتھیار اور اپنے خاصے کا گھوڑا مع زین مجھے عنایت کیا۔ خلعت میں یہ چیزیں تھیں۔ مغلی ٹوپی، مقتول دارچکن کے کام کی اطلس خطائی کی الخاق اور چرائی وضع کی تور خطائی جس میں پتھر کی ایک تختی اور ایک تھیلی لگی ہوئی تھی۔ تھیلی کے گرد تین چار چیزیں انگوٹھیوں کی وضع کی جن کو عورتیں عطر دان اور بوئے کی طرح گلوں میں لٹکانی ہیں لٹکی ہوئی تھیں۔ اسی طرح اٹنی طرف بھی اسی ترکیب کی تین چار چیزیں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہاں سب تاشکنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بڑے ماموں بھی تاشکنہ سے تین چار فرسنگ پیشوائی کیلئے آئے اور ایک مقام پر شامیانہ کھڑا کر کے ٹھیرے۔ چھوٹے خان سامنے سے آئے جب قریب آئے تو بڑے خان کا اٹو ہاتھ کی طرف سے خان کے پیچھے پھر کر آگے آئے اور اترے۔ آداب گاہ پر پہنچے تو نودفعہ جھکے۔ پھر آکر بنگلیہ ہوئے۔ بڑے خان بھی چھوٹے خان کے پاس آؤی اٹھ کھڑے ہوئے اور چٹ گئے۔ بہت دیر تک لپٹے کھڑے رہے۔ الگ ہونیکے بعد بھی چھوٹے خان نودفعہ جھکے پیشکش اور سوغاتیں گزارنے کا وقت بھی بہت سی دفعہ جھکے۔ پھر آکر بیٹھ گئے۔ چھوٹے خان کے سارے ہمراہی بڑی طمراق سے مغلوں کی رسم کے موافق آراستہ تھے۔ مغلی ٹوپیاں سروں پر تھیں۔ چکن کے کام کی خطائی اطلس کی الخاقین پہنے ہوئے تھے۔ مغلوں کی رسم کے موافق ترکش لگائے ہوئے سبز ساغری زین کسے ہوئے گھوڑوں پر سوار تھے۔ چھوٹے خان تھوڑے سے آدمی ساتھ لائے تھے۔ یہ سب ہزار سے زیادہ اور دو ہزار سے کم ہونگے۔ ہمارے چھوٹے ماموں ایک خاص ڈھنگ کے آدمی تھے۔ تلوار کے دھنی تھے۔ بڑے قوی مضبوط اور جو المراد تھے۔ سارے ہتھیاروں میں تلوار پر عرش تھے اور اس پر بھر و سار کھتے تھے۔ انکا قول تھا

سے سونے کے تاروں کا کام۔ شاید اس سے مراد کارچوبی یا زردوزی کام ہو ۱۲ ملے ہندوستان

میں کیری اور عطر دان دونوں چیزیں لٹکاتے ہیں۔ یہ اصل میں ہم مغلوں ہی کا رواج ہے۔ بوٹا گلے میں لٹکائے بھی رسم بھی وہی کی ہے ۱۲۔

سے یاز انوکے بھل بیٹھے ۱۲

کہ شش پر پیازی کبستن۔ تبریز اور تبریشہ اگر لگے تو ایک جائے زخم دے۔ اور تلوار لگے تو سر سے پاؤں تک کام کر جائے۔ اپنے بھروسے کی تیز تلوار کو کبھی اپنے سے علیحدہ نہ کرتے تھے۔ وہ تلوار اُن کی کمر میں لگی رہتی تھی۔ یا اُن کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ چونکہ ملک کے کنارہ اور گوشہ میں اُنہوں نے پرورش پائی تھی اس لیے کسی قدر درشت گو اور گنوار آدمی تھے۔ جب میں چھوٹے ماموں کے ساتھ واپس آیا ہوں تو اُسی آرائش اور ہیئت سے تھا جس کا بیان اوپر ہوا ہے۔ خواجہ ابوالکارم بڑے خان دادا کے ساتھ آیا تھا۔ اُس نے مجھے نہ پہچانا۔ پوچھنے لگا کہ یہ کون سے سلطان ہیں؟ میں نے بات کی تو وہ پہچان گیا۔ دونوں خان کا خشتی پر چڑھائی کر دی۔ کنڈریک اور امانی کے راستہ سے روانہ ہوئے۔ کرنا اور بابر کو اگے روانہ کرنا جلد آہنگران میں پہنچتے ہی چھوٹے خان کو اور مجھ کو آگے روانہ کر دیا۔ رآیان کے پہاڑ کو طے کر کے نواح زیرقان اور کرسان میں دونوں خان پھر آئے۔ نواح کرسان میں ایک دن لشکر کا جائزہ لیا۔ تیس ہزار سوار کا تخمینہ ہوا۔ جو دیہات ہمارے سامنے تھے اُن میں سے خبر آئی کہ تنبل بھی اپنی فوج کو جمع کر کے آخشی میں آگیا ہے۔ دونوں خانوں نے مشورہ کیا اور یہ بات قرار دی کہ لشکر میں سے کچھ فوج میرے ساتھ کر دی جائے۔ میں دریائے جند سے عبور کر کے دوش اور آدرگند کی طرف بڑھوں اور اُس کے پیچھے جا پہنچوں۔ یہی بات قرار پا گئی۔ ایوب بیگ چک کو مع اُس کی قوم کے۔ جان حسن شہرین کو مع اُس کے ناریوں کے۔ محمد حصار ی دغلت۔ سلطان حسین دغلت اور سلطان احمد میرزا دغلت کو مع اُسکے دغلتوں کے میرے ہمراہ کیا۔ قنبر علی ساریق پاشا میرزا انبارچی کو بھی اس لشکر کا سردار مقرر کر کے ساتھ کر دیا۔ ہم مقام کرسان میں دونوں صاحبوں سے رخصت ہوئے۔ نواح بیگان میں میرزا کو ذریعہ

۱۰ شش پر ایک قسم کا عصا ہے جس کے چھ پیلو ہوتے ہیں۔ پیازی ذیہ بھی عصا ہے جو نہایت سخت ہوتا ہے (کبستن ایک قسم کی برچی ہے)۔ شیرزن (وہ بھولا جوڑائی کا ہتھیار ہے) تبریشہ (کھار) ۱۱ نسخہ مطبوعہ میں تبریشہ ہے ۱۲ باقی کے راستہ سے ۱۳ روضۃ القفا میں لکھا ہے کہ دونوں خان نے ۱۵ ہجری مطابق ۲۱ جولائی ۱۵۰۲ء میں تاشقند چھوڑا تھا۔ یہ روانگی بابر کی حمایت اور تنبل کے دفعہ کرینگے لیے تھی ۱۲ ۱۵ دایاں ۱۳ ۱۵ جان لیڈن نے (دزقان اور قرمان) لکھا ہے۔ قلعی نسخہ میں (ذیرمان اور گرمان لکھا) ۱۲ ۱۵ قرمان ۱۲ ۱۵ قریب ۱۲ ۱۵ بارین ۱۵ جان لیڈن کے ترجمے معلوم ہوتا ہے کہ محمد حصار ی دغلت وغیرہ تینوں دغلت تو ساتھ ہوئے مگر ان کی قوم ہمراہ نہیں آئی ۱۲ ۱۵ ند دسر ۱۲ ۱۵ خان مان۔ کارزن ۱۲ ۱۵ قرمان ۱۲ ۱۵ سقان ۱۲

دریائے جمند کو عبور کیا۔ پھر رابطہ قاتان سے چلکر ہم نے مقام قبا کو فتح کیا اور رابطہ اللایلو کے راستہ سے آتش پر چڑھائی کر دی۔ صبح کے وقت آتش والے بالکل غافل تھے کہ ہم وہاں جا پہنچے۔ وہاں والوں سے کچھ نہ بن پڑا۔ آتش ہمارے حوالہ کر دیا۔ اہل ملک بالطبع میری طرف مائل تھے۔ مگر تہیل کے خون سے اور مجھ سے دور ہونے کے باعث سے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ جو بھی میں آتش میں آیا وہ بھی اندجان کے مشرق اور جنوب کے پہاڑوں اور میدانوں سے تمام قومیں اُمنڈ آئیں۔ اور گند جو اگلے زمانہ میں فرماندار السلطنت تھا اُس کا قلعہ بہت عمدہ ہے اور سرحد پر واقع ہے۔ وہاں والوں نے بھی میری اطاعت اختیار کر کے ایک آدمی بھیجا اور اظہار اطاعت کیا۔ چند روز بعد مرغینانیوں نے بھی اپنے حاکم کو مار کر نکال دیا اور مجھ سے مل گئے۔ دریائے جمند سے اندجان کی جانب جتنے قبضے تھے سوائے اندجان کے سب کے باشندے میرے مطیع ہو گئے۔ اُس وقت اگرچہ اتنے قلعے میرے قبضہ میں آ گئے تھے اور ایسا فتنہ و فساد ملک میں پا ہو گیا تھا مگر تہیل کے مغر کا کیرانہ جھڑا۔ آخشی اور کرسان کے بیچ میں اپنے لشکر کے سوار اور پیادوں سمیت بڑے خان اور چھوٹے خان کے مقابلہ میں آمو جو دہوا۔ خندق اور شاخ بند سے اپنے لشکر کی حفاظت کر کے ہو بیٹھا۔ کئی دفعہ جانبین میں ہلکی ہلکی لڑائی ہوئی مگر کوئی غالب اور مغلوب نہ ہوا معلوم نہ ہوا۔ چونکہ اطراف اندجان کے اہل ملک اکثر میرے تابع ہو گئے تھے اس لیے اندجان کے بھی دل سے میرے خواستگار تھے مگر موقع نہ پاتے تھے۔

اندجان کی فتح کی کوشش کی جاتی ہے | میرے دل میں آئی کہ کسی دن رات کو اندجان کے قریب جاسیے اور کوئی آدمی بھیج دوں کہ امر او شیوخ سے کچھ باتیں کیجیے۔ کیا عجب ہے کہ وہ ہمیں کسی طرف سے بلالیں۔ یہ خیال کر کے میں آتش سے سوار ہوا۔ اور آدھی رات آئی ہوگی کہ اندجان سے ایک کوس کے فاصلہ پر چل دھڑان کے سامنے آکر ٹھہرا۔ قبر علی بیگ اور کئی سرداروں کو آگے بھیجا اور سمجھا دیا کہ شہر میں خفیہ آدمی بھیجو اور شیوخ و امر سے باتیں کر لو۔ ہم ان سرداروں کے آنے کے انتظار میں اُسی طرح گھوڑوں پر سوار کھڑے رہے۔ ہم میں سے کوئی اونگھ رہا تھا۔ کسی کی آنکھ لگ گئی تھی۔ شاید تین پہر رات گزری ہوگی کہ ایک دفعہ غل غپاڑے کے ساتھ طہیل جنگ کی آواز آئی۔ ہمارے ساتھی نیند میں تھے ہی۔ نہ اُنہوں نے دشمنوں کی کمی بیشی پر خیال کیا اور نہ ایک نے دوسرے کی خبر لی۔ دفعہ سب کے سب بھاگ نکلے۔

رابطہ اللایلو ۱۲ ۱۱۵۰ اور کند ۱۲ ۱۱۵۰ قرمان ۱۲ ۱۱۵۰ جان لیڈن نے تن میں (جلد خزان) اور نوٹ میں بحوالہ ترجمہ فارسی چل دختران لکھا ہے ۱۶ ۱۱۵۰ وہ نقارہ جو فوج کے ساتھ گھوڑے پر ہوتا ہے ۱۲

مجھے بھی اتنی فرصت نہ ملی کہ ان لوگوں کو اکٹھا کروں۔ مگر میں باغیوں کی طرف چلا۔ میرا شاہ تو چین۔ بابا شیرزاد اور دوست ناصر میرے ساتھ چلے۔ ہم چاروں کے علاوہ سب بھاگ گئے۔ ہم تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ وہ لوگ تیر مارتے ہوئے اور غل مچاتے ہوئے ہم پر آ پڑے۔ ایک سوار جو قشتہ گھوڑے پر تھا میرے قریب آ گیا۔ میں نے ایک تیر مارا۔ تیر گھوڑے کے لگا۔ گھوڑا فوراً مر گیا۔ وہ لوگ ذرا ٹھیر گئے۔ یہ تینوں آدمی جو میرے ہمراہ تھے کہنے لگے کہ اندھیری رات ہے۔ دشمنوں کی تعداد معلوم نہیں اور لشکر سارا بھاگ گیا۔ ہم چار سے کتنے آدمی مارے جائیں گے۔ یہاں سے جلد بچے۔ پہلے بھاگے ہوؤں کو سمیٹے اور پھر لڑیے۔ ہم دوڑے اور اپنے لوگوں میں پہنچے۔ ہر نیند چاک تک مارے اور ٹھیرانا چاہا مگر کوئی نہ ٹھیرا۔ آخر ہم ہی چاروں اُلٹے پھرے اور تیر مارنے لگے۔ اُدھروالے ذرا ٹھیر گئے۔ جب دو ایک دفعہ ہم کو انہوں نے دیکھا کہ تین چار آدمیوں سے زیادہ نہیں ہیں تو پھر وہ ہمارے تعاقب میں اور گرانے میں مشغول ہوئے۔ اسی طرح تین چار دفعہ اپنے لوگوں کو میں نے ٹھیرانا چاہا۔ جب کوئی نہ رکا تو ناچار انہی تینوں کے ساتھ بلٹ کرایے تیر مارے کہ دشمنوں کا مُنہ پھیر دیا۔ دشمن تین کو سب برابر پُشتہ قرا توں اور پشاون کے سامنے تاک ہم لوگوں کا تعاقب کرتے رہے۔ جب ہم پُشتہ کے پاس پہنچے تو پیشتر اور محمد علی ملے۔ میں نے کہا کہ یہ گنتی کے آدمی ہیں۔ آؤ ہم ان سے سلٹ لیں۔ جب ہم نے اُن کی طرف گھوڑے ڈپائے تو وہ ٹھیر گئے۔ اس کے بعد ہمارے جو لوگ بھاگ گئے تھے اور متفرق ہو گئے تھے اُدھر اُدھر سے جمع ہو کر آنے لگے۔ اس بگڑ میں بعض اچھے اچھے سپاہیوں نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اور سیدھے آتش پہنچے۔ یہ بات یوں ہوئی کہ ایوب بگ چک کے تو مان میں سے کچھ مغل ہم سے جدا ہو کر لوٹ مار کرنے اند جان کی نواح میں آئے تھے۔ ہمارے لشکر کا جو غل سُنا تو دبکے ہوئے آگے آئے۔ اور پلوں میں غلطی ہو گئی۔ یہ پلوں دو قسم پر ہے۔ ایک تو قومی ہوتی ہے۔ مثلاً بعض قوم میں لفظ ”دردانہ“ بعض میں لفظ ”توقبائی“ اور بعض قوم میں لفظ ”لولو“ مقرر کر لیتے ہیں۔ دوسری یہ کہ تمام لشکر میں لڑائی کے وقت دو لفظ پلوں کے قرار پاتے ہیں تاکہ معرکہ جنگ میں جس وقت دو آدمی آپس کے ملیں اُس وقت کوئی ایک لفظ مقرر رکھے اور دوسرا جواب میں دوسرا لفظ معہود کہے۔ اس سے مدعا یہ ہے کہ اپنے اور دشمن کے آدمی میں شناخت ہو جائے۔ اور یگانہ و بیگانہ میں تمیز رہے۔ اُس یورش میں پلوں کے الفاظ ”تاشکنہ“ اور ”سیرام“ تھے۔ یعنی اگر ایک ”تاشکنہ“ کہے تو دوسرا ”سیرام“۔ اور اگر ایک ”سیرام“ کہے تو دوسرا ”تاشکنہ“۔ اس موقع پر خواجہ محمد علی سب سے آگے تھا۔ مغل تاشکنہ تاشکنہ کہتے ہوئے آئے۔

۱۵ خاپوک۔ جان لیڈن نے دونوں نام یہ لکھے ہیں (خواب و شباموم) ۱۲ ملے محمد علی بمشر ۱۲

خواجہ محمد علی جوہر ایک تھا گھبرا کر جواب میں "تاشکند" تاشکند کہنے لگا بغض اس خلاف جواب سے باغی تصور کر کے شور و غل مچانے لگے اور طبل جنگ بجا کر تیر برس آنے لگے۔ اسی غلط فہمی سے ایک دفعہ ہی ہم تتر بتر ہو گئے۔ میرا منصوبہ پورا نہ ہوا۔ پھر میں آتش ہی میں واپس آ گیا۔ جب ہم سے شہر والے۔ میدانی۔ اور کوہستانی رجوع ہو گئے تو تنبل اور اندجان پر چڑھائی اُس کے ہمراہی بیدل اور عاجز ہو گئے۔ اس کے پانچ چھ دن بعد اُس کا لشکر ہارٹوں اور جنگلوں کی طرف بھاگنے لگا۔ جو لوگ اُس کے پاس سے بھاگ آئے تھے وہ بیان کرنے لگے کہ تنبل میں کچھ دم نہیں رہا ہے۔ اب تین چار دن میں کھل جائیگا کہ وہ تباہ ہو گیا۔ اس خبر کے سننے ہی میں اندجان جانے کے لیے تیار ہوا۔ اندجان میں تنبل کا چھوٹا بھائی سلطان محمد گل بیگ تھا۔ ہم تو یلگوں کے راستہ سے چلے۔ اندجان کے جنوب کی طرف سے مقام باکان سے فوج کی ایک کڑی ٹہر کے وقت روانہ کی اور میں خود اُس کے پیچھے پیچھے چل کر پشتہ عیش کے دامنہ میں جو جاکان کی طرف سے آیا۔ قراولوں نے خبر دی کہ سلطان محمد گل بیگ اپنے سب آدمیوں کے ساتھ باغات اور محلات کے باہر پشتہ عیش کے دامنہ میں نکل آیا ہے۔ ہماری فوج کی وہ کڑی جو آگے روانہ ہوئی تھی ابھی جمع نہ ہونے پائی تھی۔ میں نے اُس کے جمع ہونے کا انتظار نہ کیا اور میں فوراً دشمن کی طرف قدم بڑھائے ہوئے روانہ ہو گیا۔ گل بیگ کے ساتھ پانچ سو آدمیوں سے زیادہ ہونگے۔ اگرچہ میری فوج زیادہ تھی مگر اہل لشکر متفرق ہو رہے تھے۔ مقابلہ کے وقت شاید اتنی ہی فوج میرے پاس بھی ہو۔ ترتیب اور صف بندی کا کچھ خیال نہ کیا۔ باگیں اٹھائے ہوئے میں غنیم کے سر پر جادھمکا۔ ہمارے پہنچنے ہی اُن کے پاؤں اکھڑ گئے اور تلوار کے دو دو ہاتھ بھی نہ ہونے پاتے کہ وہ بھاگ نکلے۔ ہمارے لوگ دروازہ جاکان تک دشمنوں کو مارتے اور گراتے ہوئے گئے۔ جب ہم دشمن کو شکست دیتے ہوئے آبادی کے قریب محلہ خواجہ کتہ میں پہنچے تو شام ہو گئی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ بہت جلد میں دروازہ پر پہنچ جاؤں۔ بوڑھے اور بچے۔ کارامرا میں سے ناصر بیگ (دوست بیگ کے باپ) اور قنبر علی بیگ وغیرہ نے عرض کیا کہ شام ہو گئی ہے۔ اندھیرے میں شیر کے پاس پہنچنا عقل کے خلاف ہے۔ مناسب یہ ہے کہ کسی قدر ہٹ کر ٹھہر جائیں۔ صبح ہوئے اس کے کہ یہ لوگ شہر ہم کو دیدیں اور کیا کر سکتے ہیں؟ انی تجربہ کار امراء کے کہنے میں آکر ہم وہاں سے پلٹ آئے۔ اگر اُس وقت شہر کے دروازہ پر ہم جا بیٹھیں تو بیشک وہ شہر ہمارے ہاتھ آجائے۔

۱۲ تلبہ (سنہ ۱۲ شہوت بن۔ تو تسمی شہوت۔ توق یعنی بن ۱۲) ۱۳ جان لیڈن فی فقرہ یوں لکھا جو اندجان کا شہر ۱۵ فوج کی ایک رصد خان کڑی روانہ کی ۱۶) ۱۷ خاکان جاکان ۱۸ ۱۹ تلبہ ۲۰ ۲۱ تلبہ ۱۲

جوئے جاکان سے ہٹنا

عشا کو وقت تھا جو جاکان کی ندی سے اتر کر رباط قورون گھاؤں کے پاس خیمہ زن ہوئے۔ اگرچہ تنبل کی بربادی کی خبر اندجام میں پہنچ گئی تھی مگر نا تجربہ کاری کی وجہ سے ہم چوک گئے۔ جوئے جاکان جیسے مضبوط مقام کو تو درست کر کے نہ ٹھہرے۔ دریا سے اتر کر رباط قورون گھاؤں کے پاس چٹیل میدان میں جا اترے۔ روند نہیں۔ چوکی پہرہ نہیں۔ اُس پر طرہ یہ کہ بخیر ہو کر سو رہے۔ صبح ہوئے ہی کو تھی اور ہمارے لوگ میٹھی ٹینڈ میں پڑے اینڈ رہے تھے کہ اتنے میں قبضہ علی دوڑتا ہوا اور چلاتا ہوا آیا کہ غنیمت آگیا ہوا اٹھو! اٹھو! وہ یہ کہتا ہوا بلا توقف چلا گیا۔ میرا قاعدہ تھا کہ امن کے زمانہ میں بھی میں ہمیشہ کپڑے پہنے ہوئے سویا کرتا تھا۔ میں جلدی سے اٹھتے ہی تلوار و ترکش لگا سوار ہو گیا نشان بردار کو نشان درست کرنے کی بھی فرصت نہ ہوئی۔ وہ بوہی نشان کی لکڑی ہاتھ میں لیے ہوئے سوار ہو گیا۔ جس طرف سے کہ دشمن چلا آتا تھا اُسی جانب ہم چلے۔ اول دہلہ میں دس پندرہ آدمی میرے ہمراہ تھے۔ ایک تیر کے پر تاب پر ہم آئے ہونگے کہ غنیمت کے اگلے دستہ فوج سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ اس وقت میرے ساتھ کوئی دس آدمی ہونگے۔ ہم اُن پر جھپٹے تیر مارتے ہوئے اور جو آگے تھے اُن پر حملہ کر کے انکو پس پا کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ ان کے پیچھے کوئی ایک تیر کے فاصلہ تک ہم پہنچے ہونگے کہ غنیمت کے قول سے جا بھرے۔ سلطان احمد تنبل ٹھینا سو آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ تنبل مع ایک آدمی کے صف لشکر کے سامنے کھڑا ہوا حکم دے رہا تھا۔ ”انکو مارو۔ انکو مارو۔“ مگر اُس کی فوج کچھ ایسی حالت میں کھڑی ہوئی تھی کہ گویا اس شش و پنج میں بہت کہ بھاگ بایں یا نہ بھاگیں۔ اس وقت میرے ساتھ صرف تین آدمی رہ گئے تھے۔ ایک دوست ناصر۔ دوسرا میرزا آقائی کو کھلتا ش اور تیسرا کریم داد خدا داد ترکمان۔ ایک تیر جو اُس وقت میری چٹکی میں تھا میں نے تنبل کے خود پر مارا۔ پھر میں نے ترکش پر ہاتھ ڈالا۔ میرے خان دادا نے ایک تیر خاردار سبز لکڑی کا مجھ کو دیا تھا۔ وہی ہاتھ میں آیا۔ اُس کو مارتے ہوئے میرا جی دکھا۔ میں نے اُس کو پھر ترکش میں ڈال دیا۔ اس نکالنے اور ڈالنے میں اتنی دیر لگی جتنی دیر میں وہ تیر مارے جائیں۔ دوسرا تیر چلہ میں رکھ کر میں آگے چلا۔ یہ تینوں ہمراہی بھی بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ میرے سامنے جو دو آدمی آئے اُن میں ایک تنبل تھا۔ وہ بھی آگے بڑھا بیچ میں ایک شاہ راہ تھی۔ میں شاہ راہ کے اس جانب سے اور وہ اُس طرف سے آیا یہیں ہم دونوں کا مقابلہ یوں ہوا کہ میرا سیدھا ہاتھ دشمن کی طرف اور تنبل کا سیدھا ہاتھ میری طرف ہو گیا۔ تنبل کے پاس گھوڑے کی ذرہ کے علاوہ سارا سامان جنگ تھا۔ میرے پاس تلوار اور

لے زورق ۱۲ سالہ اگرچہ ہم سن بچے تھے کہ تنبل برباد ہو گیا اور اندجام کی طرف بھاگ گیا ۱۳ سالہ زورق ۱۲

تیر کمان کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے کمان کو کان تک کھینچ کر ایک تیر جو میرے ہاتھ میں تھا تہیل کو مارا۔ اُس وقت ایک تیر شبیبہ میری سیدھی ران میں لگا اور وار پار ہو گیا۔ میرے سر پر لپے کی ٹوپی تھی تہیل نے جھپٹ کر تلوار کا ایک ایسا بانڈا سپر آکر میرا سر میں ہو گیا۔ اگرچہ ٹوپی کا تو ایک تار نہ کٹا مگر میرا سرا اچھی طرح زخمی ہو گیا۔ میں نے تلوار صاف نہ کی تھی۔ وہ کسی قدر زنگ آلودہ ہو گئی تھی اُس کے نکالنے کی مہلت نہ ملی۔ بہت سے دشمنوں میں میں اکیلا گھر گیا۔ اب ٹھیرنے کا موقع نہ تھا۔ میں نے گھوڑے کی باگ اُلٹی پھیری۔ ایک اور تلوار کا ہاتھ میرے تیروں پر پڑا۔ میں سات آٹھ قدم اُٹھا پھر ہونکا کہ پیدل سپاہیوں میں سے تین آدمی آئے اور میرے ساتھ ہو گئے۔ میرے بعد تہیل نے دوست ناصر کے بھی تلوار ماری۔ ایک تیر کے پر تباہ تک لوگ میرے پیچھے پیچھے آئے۔ اُلغ چاکاں شاہ ایک بڑی اور گہری ندی ہے ہر جائے سے پایاب نہیں ہے۔ خدا کی عنایت سے ہم سیدھے ندی کے اُس مقام پر آ گئے جہاں سے ندی پایاب تھی۔ ندی کے پار ہوتے ہی دوست ناصر کا گھوڑا جو تھک گیا تھا گر پڑا۔ ہم نے ٹھیر کر اُسے پھر سوار کیا۔ اور قرابوٹق و فراغینہ کے بیچ میں جو ٹیلے ہیں انکو یکے بعد دیگرے طے کرتے ہوئے غیر راستہ سے آوش کی طرف ہم چلے۔ جس وقت ہم ران ٹیلوں سے نکل رہے تھے اُس وقت مزید طغائی آکر ہمارے ہمراہ ہو گیا۔ اُنکے بھی سیدھے پاؤں میں ران کے نیچے کی طرف تیر لگا تھا۔ اگرچہ وہ وار پار نہ ہوا تھا۔ لیکن آوش تک وہ بڑی تکلیف سے پہنچا۔ اس لڑائی میں ہمارے اچھے اچھے آدمیوں کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا۔ ناصر بیگ۔ محمد علی۔ بشتر خواجہ محمد علی۔ خسرو کو کلتاش اور نعمان چہرہ ہمیں کام آئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے بڑے سپاہی بھی مارے گئے۔

دونوں ماموؤں سے | دونوں خان تہیل کا تعاقب کرتے ہوئے اندجان کی نواح میں
اندجان کے قریب ملنا | اترے۔ خان کلاں شکار گاہ کے کنارہ پر میری نانی ایٹوٹ بیگم کے باغ میں جس کو قوش تنگیر یاں کہتے ہیں خیمہ زن ہوا۔ خان خور
لنگر بابا تو کل کے قریب اُترا۔ میں دو دن کے بعد آوش سے آیا۔ خان کلاں سے قوش تنگیر یاں
میں ملاقات کی۔ خان۔ سہ سہ ہی مجھے معلوم ہوا کہ جو مقامات میرے قبضہ میں تھے وہ
خان خور کو دیدیے گئے ہیں۔ مجھ سے یہ عذر کیا کہ شیبائی خاں جیسے دشمن نے سمرقند جیسے شہر
کو چھین لیا ہے اور وہ روز بروز منقرض ہوتا جاتا ہے۔ اسی صہلت سے ہم خان خور کو اتنی دیر

۱۵ ایٹوٹ جاکاں شاہ ۱۲ لنگر خاکن شاہ ۱۳ ۱۵ تراوک ۱۲ خراوق ۱۲ ۱۵ ملگیران یعنی پرندوں کی چٹل ۱۲

۱۵ یعنی خانقاہ بابا توکل ۱۲

لائے ہیں۔ چونکہ خان خور دے قبضہ میں یہاں کوئی جگہ نہیں ہے اور اُس کا ملک دور تو اسلے
 خجند کے جنوب میں جتنا ملک اندھا جان ملک ہے خان خور کو دینا چاہیے تھا۔ تا کہ وہ یہاں اپنی
 چھوڑی ڈالے۔ دریا سے خجند کے شمال سے آتش تکر کے ملک کو مجھے دینے کا وعدہ کیا
 اور یہ اقرار کیا کہ اس ملک پر پورا قبضہ ہو جائے تو سمرقند کا سقدہ فتح کر کے تمہیں دیدینگے۔
 پھر سا۔ افرغانہ خان خور دے کو ہو جائے گا۔ غالباً یہ ساری باتیں میرے دھوکا دینے کی تھیں۔
 کام نکلنے کے بعد یہ وعدہ پورا ہوتا معلوم نہ ہوتا تھا۔ میں کیا کر سکتا تھا۔ خواہی نخواستہی رانسی ہو گیا
 ان کلاں کے پاس سے اٹھ کر میں خان خور دے سے مل گیا۔ راستہ میں قنبر علی بیگ جو سلطان
 مشہور ہے میرے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ نے دیکھا! ان لوگوں نے ابھی سے ہمارا ملک چڑھ لیا۔
 ان سے آپ کا کوئی کام نہیں نکلنے کا۔ اس وقت آتش۔ مرغیان۔ اور کند وغیرہ اور تو ہیں
 آپ کے تحت میں ہیں۔ ابھی آتش پیچے پیچے۔ تمام قلعوں کا انتظام کیجیے۔ سلطان احمد تہل پا
 آدمی بھیجیے۔ اس سے بلجانیہ۔ منداؤں کو مار کر نکال دیجیے۔ اور ملک کو دونوں بھائی مکرانے بھیجی
 میرا کہنا کہ خان میرے سے اور اپنے ہیں۔ مجھ کو ان کے ساتھ ایسا کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔
 مجھ کو تہل پر حکومت کرنے سے ان کی اطاعت کرنی بہتر ہے۔ اُس نے دیکھا کہ میری بات کارگر
 نہ ہوئی۔ اس کہنے سے پشیمان ہوا اور اٹھا پھر گیا۔ میں جا کر اپنے ماموں چھوٹے خان سے ملا۔
 پہلی دفعہ جو میں اُن سے ملا تھا تو اچانک۔ پلا گیا تھا۔ اُن کو گھوڑے پر سے اُترنے تک کا موقع
 نہ ملا تھا۔ اس سبب سے اُس ملاقات میں میری پوری تعظیم نہ ہوئی تھی۔ اب کی بار جو وہی قریب
 پہنچا۔ وہی خان اپنے خیمہ کی رسیوں کے باہر تک دوڑ کر نکل آیا۔ میرے پاؤں میں تیر کا
 جوز خم تھا تو عصا ٹکنا ہو اڑی دقت سے میں چلتا تھا۔ خان دوڑ کر مجھ سے بغلیں ہوئے اور
 یہ کہتے ہوئے ”بھئی تم بڑے بہادر ہو“ میرا بازو پکڑ کر خیمہ میں لیکے۔ چھوٹا سا خیمہ استادہ تھا۔
 چونکہ دور اور سخت ملک میں ہوش سنبھالا تھا اس لیے خیمہ اور نشست گاہ بے تکلف اور پراپیوں
 کی سی تھی۔ خربوزے۔ انگور اور صطبل کا اسباب غرض سارا کرکری خانہ اُسی خیمہ میں بھیلایا ہوا
 تھا جس میں خود بیٹھے تھے۔

خان کے جراح کا علاج | میں خان خور دے کے پاس سے اٹھ کر اپنے لشکر میں آیا۔ خان نے
 میرے زخم کے معالج کے لیے اپنے جراح اتیکہ بخشی نامی کو بھیجا۔
 مغل جراح کو بھی بخشی کہتے ہیں۔ یہ شخص بڑا کا۔ مگر جراح تھا۔ جس کا بھیجا نکل جاتا تھا اسکو بھی

۱۲ جان لیڈن میں یہ فقرہ یوں ہے (خان نے اپنے خاص جراح کو میرے زخم کے معائنہ کے لیے بھیجا۔ ۱۲

دوا دیتا تھا۔ رگوں میں کیسا ہی زخم آئے بہت آسانی سے اُس کا علاج کرتا تھا۔ بعض زخموں پر مرہم کی طرح دوا لگاتا تھا۔ اور بعض موقع پر دوا کھلاتا تھا۔ میری ران کے زخم پر میووں کے چھلکے جو خشک کیے ہوئے تھے باندھے اور زخم میں بتی رکھی۔ جیسے پتے ہوتے ہیں ایسی دوا بھی ایک مرتبہ کھلائی۔ اُس کا بیان تھا کہ ایک دفعہ ایک شخص کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا مٹھی کی برابر بڑھی چوراچورا ہو گئی تھی۔ میں نے وہاں کا گوشت چیر کر ہڈی کی ساری کر چیاں نکالیں اور اُس کی جگہ ایک پسی ہوئی دوا بھر دی۔ وہ دوا ہڈی کی جگہ مثل ہڈی کے ہو گئی اور ٹانگ کو آرام ہو گیا۔ اپنے ایسے عجیب و غریب علاجوں کے جن سے ہمارے ملک کے براج بالکل ناواقف ہیں بہت سے تذکرے کرتا رہا۔ تین چار دن کے بعد قبر علی اُن باتوں کے کہنے سے جو مجھ سے کہی تھیں خوف زدہ ہو کر بھاگا اور اندجان پہنچا۔

نوکنہ اور کاشان پر چڑھائی چند روز کے بعد دونوں خانوں نے مشورہ کیا اور ایوب بگ بگ اور ساریق باش میرزا کو سردار لشکر کر کے میرے ہمراہ کیا۔ اور مجھے آتشی روانہ کیا۔ یہ لشکر ہزار دو ہزار آدمی کا تھا۔ آتشی میں قبل کا چھوٹا بھائی شیخ بائزید تھا۔ اور کاشان میں شہباز قزوین تھا۔ مگر ان دونوں میں شہباز قلعہ نوکنہ کے سامنے آن پڑا تھا۔ ہم اتنا کے سامنے سے چھپکے سے دریاے خجند کو عبور کر کے نوکنہ کی طرف شہباز پر حملہ کرنے کے لیے تیز تر روانہ ہوئے صبح چھ بجے پہلے ہم نوکنہ میں پہنچ گئے تھے۔ اُس وقت امرانے عرض کیا گمان غالب ہے کہ شہباز ہمارے قصد سے واقف ہو گیا ہے۔ مناسب ہے کہ لشکر کی صفیں آراستہ کر کے آہستگی کے ساتھ ہم آگے بڑھیں۔ اس مشورہ کے بموجب ہم بہت آہستہ آہستہ روانہ ہوئے۔ شہباز حقیقت میں غافل تھا۔ جس وقت ہم اُس کے نزدیک پہنچے ہیں اُس وقت وہ ہوشیار ہوا۔ اور باہر سے بھاگ کر قلعہ میں چلا گیا۔ اکثر اسی طرح ہوا ہے کہ غنیم کو ہوشیار خیال کر کے تساہل کیا ہے۔ اور موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ تجربہ اسی کا نام ہے۔ چاہیے کہ قابو پانے کے وقت کوشش فروگزاشت نہ کی جائے۔ ورنہ چٹیا نا پڑتا ہے اور پھر پچتانے سے کیا ہوتا ہے۔ صبح کو قلعہ کے گرد کچھ لڑائی ہوئی۔ لیکن میں جم کر نہ لڑا۔ لوٹ مار کرنے کے لیے نوکنہ کو چھوڑ پہاڑوں کی طرف پشتخاران کے قریب ہم چلے گئے۔ شہباز قارلوق موقع اور وقت غنیمت سمجھا۔ نوکنہ سے بھاگ کر کاشان چلا گیا۔ ہم جو پلٹ کر آئے تو نوکنہ میں ٹھہرے۔ ان دنوں میں ہمارے لشکر نے ادھر ادھر کی بار لوٹ مار کی۔

۱۵ جیسے رہیں ہوتی ہیں ایسی دوا ایک مرتبہ کھلائی ۱۲ ۱۵ جاں حسین میرزا ۱۲ ۱۵ بارین ۱۲

۱۵ قارلوق ۱۲

ایک بار آخشی کو تاراج کر ڈالا۔ دوسری دفعہ کاشان والوں کو جا لوثا۔ شہباز اور اوزون حسن کا متنبہ بیٹا میرم دونوں مقابلہ کے لیے نکلے۔ رٹے اور انہوں نے شکست کھائی۔ میرم وہیں مارا گیا۔

قلعہ پاپ کو چھیننا آخشی کے قلعوں میں سے قلعہ پاپ ایک جنگی قلعہ ہے۔ قلعہ والوں نے اُس کو مضبوط کر کے میرے پاس آدمی بھیجا۔ میں نے سید قاسم

کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ وہاں بھیجا۔ آخشی کے اوپر کی جانب جو گاؤں ہیں اُن کے سامنے دریا سے اُتر کر یہ لوگ قلعہ پاپ میں پہنچے۔ تھوڑے دن کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ اس وقت ابراہیم چاقوق طغائی۔ احمد قاسم کوہ بر۔ قاسم حکمہ ارغون اور شیخ بایزید آخشی میں تھے۔ متنبہ نے ان سرداروں کو کوئی دو سو چیدہ سپاہیوں کے ساتھ ایک ات میں غفلت میں قلعہ پاپ کی طرف بھیجا۔ سید قاسم نے کچھ احتیاط نہ کی تھی۔ خافل پڑا تو تھا وہ لوگ قلعہ کے پاس پہنچے۔ سپرھیاں لگا کر چڑھے۔ دروازہ لے لیا اور پل تختہ لگا کر ستراسی عمدہ آدمی اندر گھس آئے۔ اتنے میں سید قاسم کو خبر ہوئی۔ وہ نیند ہی میں شیخوئی کیڑے پہنے ہوئے دوڑا۔ پانچ چھ آدمیوں کے ساتھ تیر مارنے شروع کیے۔ مارے مارتے دشمنوں کو باہر نکال دیا۔ کئی کے سر کاٹ لیے اور میرے پاس بھیجے۔ اگرچہ اُسکو ایسا غافل سو رہنا نہ چاہیے تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ ایسے بہادر اور اونچی سپاہیوں کو مار کے نکال دینا بڑی جوانمردی کی بات تھی۔

آخشی میں جانا اس عرصہ میں دونوں خان شہر اند جان کے محاصرہ میں مشغول رہے۔ شہر والے اُن کو شہر کے پاس نہ پھسکنے دیتے تھے۔ شہر میں سے سواروں کی ٹامکڑیاں اکثر باہر آتی تھیں اور خفیف سی لڑائی ہو جاتی تھی۔ آخشی سے شیخ بایزید نے دو توجا کا اظہار کر کے آدمی بھیجا۔ اور مجھ کو کوشش کے ساتھ بلایا۔ اس بلانے سے اُس کی غرض یہ تھی کہ کسی نہ کسی بہانہ سے مجھے دونوں خان سے الگ کر دے۔ میرے الگ ہو جانے کے بعد دونوں خان پھر یہاں نہ ٹھہر سکتے تھے۔ یہ بلانا اُس کے بڑے بھائی متنبہ کی صلاح سے تھا۔ دونوں خان سے میرا الگ ہونا اور ان سے شفق ہو جانا ناممکن تھا۔ میں نے دونوں خان سے اس بلانے کی اطلاع کی۔ انہوں نے فرمایا کہ جاؤ اور جس طرح ہو سکے بایزید کو کپڑ لو گرا لیا مکر و فریب کرنا خصوصاً اُس شخص کے ساتھ جس سے عہد کیا ہو میرا طریقہ نہ تھا۔ بھلا مجھ سے

۱۵ پاپ ۱۲ شاید یہ دریا دریائے کاشان ہو گا ۱۲ قاسم جامگہ ارغون ۱۲

ایسی برآمدی کیونکر ہو سکتی۔ البتہ یہ میرے بھی دل میں آیا کہ بہر طور آخشی میں جا بیچوں۔ تاکہ شیخ بایزید تنبل سے ٹوٹ کر میرے ساتھ ہو جائے اور شاید کوئی ایسی صورت نکل آئے جو میری سلطنت کے لیے مفید ہو۔ میں نے بھی ایک آدمی بھیجا۔ اُس نے عہد و پیمان کر کے مجھے آخشی میں بلایا۔ میں حسب الطلب گیا۔ شیخ میری پیشوائی کے لیے آیا۔ میرے چھوٹے بھائی ناصر میرزا کو بھی ساتھ لایا۔ اور ہم کو آخشی میں لے گیا۔ قلعہ سنگین میں میرے باپ کے محل میں سے ایک کمرہ میرے ٹھہرنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ میں وہاں جا اُترا۔

دونوں خان کا اندجان سے بھاگنا

تنبل نے شیبانی خاں سے رجوع کی تھی۔ اپنے بڑے بھائی بیگ تیلہ کو بھیج کر اور اظہار اطاعت کر کے اُس کو اپنی مدد کے لیے بلایا تھا۔ انہی دنوں میں شیبانی خاں نے لکھا کہ میں آتا ہوں بشیبانی خاں کے آنے کی خبر سنتے ہی

دونوں خان گھبرا گئے۔ اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور دونوں نے اندجان کا محاصرہ چھوڑ دیا۔ خان خود خود تو عدل اور دینداری میں مشہور تھے لیکن اُن مغلوں نے جن کو انہوں نے آتش و مرغینان وغیرہ شہروں میں (جو میرے قبضہ میں آ گئے تھے) تعینات کیا تھا خلاف امید ظلم اور زیادتیاں کی تھیں۔ اس سبب سے جو نہی دونوں خان اندجان سے ہٹے و نہی آتش و مرغینان وغیرہ والوں نے بلوہ کر کے مغلوں کو جو قلعوں میں تھے لوٹا۔ پکڑا۔ مارا اور نکال دیا۔ دونوں خان اُس کے وہیں تو دریائے خجند سے نہ اُترے۔ مرغینان اور کند بادام کے راستے سے پلٹ کر مقام خجند سے دریا کے پار ہوئے۔ تنبل ان کے پیچھے پیچھے مرغینان تک پہنچا۔ میں اس وقت بہت متروک تھا۔ نہ تو ٹھہرنے میں یہاں والوں پر اعتماد تھا۔ نہ بلا وجہ بھاگنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔

جہانگیر میرزا کا آنا۔ شیخ بایزید کی گرفتاری۔ تنبل سے مقابلہ

ایک دن صبح ہی جہانگیر میرزا تنبل سے الگ ہو مرغینان سے بھاگ کر میرے پاس چلے آئے۔ جس وقت میرزا آئے ہیں تو میں تمام میں تھا۔ میں اُسی وقت اُن سے ملا۔ اُس وقت شیخ بایزید کے بھی چھلکے چھوٹے ہوئے تھے۔ حیران تھا کہ کیا کروں۔ سیرزانے اور ابراہیم بیگ نے صلاح دی کہ شیخ بایزید کو گرفتار کر لینا اور قلعہ پر قبضہ کر لینا چاہیے۔

حقیقت میں موقع یہی تھا مگر میں نے کہا کہ میں نے عہد کر لیا ہے۔ میں عہد شکنی نہیں کر سکتا۔ شیخ بایزید قلعہ میں چلا گیا۔ پُل پر کسی کو معین کرنا لازم تھا۔ مگر ہم نے ایک آدمی بھی وہاں نہ مقرر کیا۔ یہ ساری غلطیاں نا تجربہ کاریوں کا نتیجہ تھیں۔ سویرا ہی تھا جو تنبل دو تین ہزار مسلح سپاہیوں کو ہمراہ لیے ہوئے پُل پر سے اُتر قلعہ میں آ گیا۔ اول تو اصل میں میرے پاس جمعیت ہی کم تھی۔ اُس پر جب میں آخشی میں آیا تو کچھ لوگ قلعوں پر۔ کچھ اضلاع کی حکومت پر

اور کچھ تحصیل کے لیے ہر طرف بھیجے گئے تھے۔ میرے پاس آخشی میں سو آدمیوں سے کسی قدر زیادہ رہ گئے ہونگے۔ اسی قلیل فوج کو لیے ہوئے جو میرے پاس تھی سوار ہو کر میں ہر گلی کوچہ کے سرے پر آدمی معین کر رہا تھا۔ اور سامان جنگ کے درست کرنے میں مصروف تھا کہ اتنے میں تنبل کے پاس سے شیخ بایزید۔ قنبر علی اور محمد دوست صلح کرنے کے لیے دوڑے ہوئے آئے۔ جن لوگوں کو جہاں لڑائی کے لیے مقرر کیا تھا وہیں انکو ٹھیکہ کر کے اپنے باپ کے مقبرہ میرا آیا۔ میں نے جہانگیر میرزا کو بھی بلالیا۔ محمد دوست تو چلا گیا۔ شیخ بایزید اور قنبر علی میرے ہمراہ رہ گئے۔ ہم مقبرہ کے جنوبی دالان میں بیٹھے ہوئے مشورہ کر رہے تھے کہ جہانگیر میرزا اور ابراہیم چاقوق نے ان کے گرفتار کرنے کا منصوبہ کیا۔ جہانگیر میرزا نے میرے کان میں کہا کہ انکو پکڑ لینا چاہیے۔ میں نے کہا کہ جلدی نہ کرو۔ اب پکڑنے کا وقت نہیں رہا۔ توقف کرو۔ شاید سیدھی آنکھوں کو ایسی بات نکل آئے جو مفید ہو۔ کیونکہ یہ بہت ہیں اور ہم تھوڑے ہیں۔ اس پر یہ باوصف کثرت قلعہ میں اور باوجود قلت ہم شہر میں۔ شیخ بایزید اور قنبر علی تو مشورہ کرنے میں مصروف تھے۔ جہانگیر میرزا نے ابراہیم بیگ کی طرف دیکھ کر اس کام سے منع کر دینا اشارہ کیا۔ نہ معلوم کہ وہ اٹھا سمجھا یا دیدہ و دانستہ ایسا کر بیٹھا۔ بہر حال اس نے شیخ بایزید کو پکڑ لیا۔ جو سپاہی وہاں موجود تھے سب نے لیٹ لیٹا کر ان دونوں کا سرتا برتا کر لیا صلح اور مصلحت سب دھری رہ گئی۔ ان دونوں کو پہرہ میں سپرد کیا اور ہم لڑنے کے لیے سوار ہوئے۔ شہر کی ایک سمت میں نے جہانگیر میرزا کے سپرد کی۔ میرزا کے پاس فوج کم تھی۔ میں نے کچھ اپنے آدمی ان کی کمک کے لیے متعین کیے۔ سب سے پہلے میں میرزا کی طرف گیا۔ جائے ناکر بندی کرتا ہوا پھر میں دوسری طرف آیا۔ شہر کے بیچ میں ایک کھلا ہوا اوصاف میدان تھا۔ وہاں بھی سپاہیوں کا ایک غول معین کر دیا تھا۔ دشمن کے بہت سے پیادوں اور سواروں نے حملہ کر کے ہمارے ان آدمیوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور ایک تنگ گلی میں دھنسا دیا۔ اسی وقت میں وہاں جا پہنچا۔ پہنچتے ہی میں نے گھوڑا ڈٹایا۔ دشمن کی فوج مقابلہ نہ کر سکی۔ اور بھاگ نکلی۔ میں سب کو گلی سے بھگا کر میدان میں لا رہا تھا اور تلواریں مار رہا تھا کہ کسی نے میرے گھوڑے کے پاؤں میں تیر مارا۔ میرا گھوڑا چبک کر مچھلا۔ اور میں دشمنوں میں زمین پر آ رہا میں جھٹ اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے بھی ایک تیر مارا۔ صاحب قدم کے پاس ایک مرل سا گھوڑا تھا۔

۱۱۵ ابراہیم چاقوق ۱۲ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کھلا ہوا بے چارہ دیواری قلعہ کے پہلو میں ہو گا ۱۳ فارسی نسخوں کی عبارت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے جو ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ مگر جان لیڈن نے یوں ترجمہ کیا ہے (کابل نامی ایک خدمتگار جو ایک مرل سے گھوڑے پر سوار تھا) ۱۲

وہ اُس پر سے اُتر پڑا۔ اُس کو میرے آگے پیش کیا۔ میں اُس پر سوار ہو گیا۔ اور وہاں کچھ آدمی معین کر کے دوسرے کوچہ کی طرف چلا گیا۔ سلطان محمد ویس نے میرے گھوڑے کا جوڑا حال دیکھا تو خود اُتر پڑا اور اپنا گھوڑا مجھے دیدیا۔ میں اُس پر سوار ہو گیا۔ اُسی وقت قبر علی بیگ (قاسم بیگ کا بیٹا) زخم خوردہ جہانگیر میرزا کے پاس سے آیا۔ اور کہنے لگا بہت دیر ہوئی کہ جہانگیر میرزا پر دشمنوں نے بڑا سخت حملہ کیا۔ اُن کے پاؤں اکھیڑ دیے۔ آخر وہ نکل بھاگے۔ یہ سنتے ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اسی حال میں سید قاسم بھی جو قلعہ پاپ میں تھا آگیا۔ اس وقت اسکا چلا آنا بڑا ہی بیوقوف ہوا۔ ایسا مضبوط قلعہ اگر اس وقت قبضہ میں رہتا تو بہت مفید ہوتا۔ میں نے ابراہیم سے کہا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ وہ کسی قدر زخمی تھا۔ نہ معلوم اُس زخم کے سبب سے یا اُس کا دل ہی چھوٹ گیا تھا کافی جواب نہ دے سکا۔ ایک خیال آیا کہ پل پر سے اُترے اور پھر اُس کو توڑ کر اندھ جان چلے بیجے۔ بابا شیرزاد نے اس موقع پر بڑا کام کیا۔ اُس نے کہا کہ اسی دروازہ پر حملہ کر کے ہم کو نکلنا چاہیے۔ بابا شیرزاد کے کہنے سے دروازہ کی طرف ہم چلے۔ خواجہ میر میراں۔ نہ بھی اس وقت بہادرانہ باتیں کیں۔ جب ہم کوچہ میں آئے تو سید قاسم اور دوست ناصر باقی خیر سے لڑنے لگے جس سے ہم بھی رُک گئے۔ خوب لڑے۔ میں۔ ابراہیم بیگ۔ اور میرزا قلی کو کلتاش اُنکے آگے تھے۔ دروازہ کے سامنے پہنچے ہی میں نے دیکھا کہ شیخ بایزید کپڑوں پر فرجی پہنے ہوئے تین چار سواروں کے ساتھ دروازہ میں سے آ رہا ہے۔ جو تیر میری شست میں تھا میں نے اُسکو کھینچ کر مارا وہ اُس کی گردن کو زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ میرا نشانہ پورا بیٹھا۔ وہ دروازہ میں آتے ہی اُس کوچہ کی طرف جو سید سے ہاتھ کی طرف تھا گھبرا کر بھاگا۔ ہم نے بھی اُس کا پھینچا کیا۔ صبح کو جب شیخ بایزید اور اُس کے ہمراہیوں کو میری مرضی کے خلاف گرفتار کیا تھا تو جہانگیر میرزا کے آدمیوں کے حوالہ کر دیا تھا۔ میرزا کے آدمی بھاگتے وقت شیخ بایزید کو بھی اپنے ساتھ لے نکلے۔ ایک بار اُن کا ارادہ ہوا کہ اُس کو مار ڈالیں۔ مگر خوش قسمتی سے چھوڑ دیا۔ مارا نہیں۔ یہ اُن سے رہائی پا کر دروازہ کی طرف آیا۔ اور دروازہ میں گھستے ہی میرے رو برو ہوا میرزا قلی کو کلتاش نے ایک پیادہ کے پیازی کا ہاتھ دیا۔ میرزا قلی کے نکل جانے کے بعد دوسرے پیادہ نے ابراہیم بیگ کی طرف تیر کا نشانہ باندھا۔ ابراہیم بیگ ”ہے ہے“ کہہ کر غل مچاتا ہوا اور اُس سے ڈرتا ہوا اہگے بڑھا۔ وہی تھا کہ اتنے فاصلہ سے جتنا دالان اور ڈیوڑھی میں ہوتا ہے اُس نے ایک تیر میرے مارا جو میری بغل میں لگا۔ میں قلعہ زہ پہننے ہوئے تھا۔ اس کے دو تیرے چھد کر کٹ گئے۔ وہ تو تیر مار کر بھاگا

اور میں نے اُس کے پیچھے سے ایک تیر مارا۔ اتفاقاً اُسی وقت ایک پیادہ فسیل پر بھاگا جاتا تھا۔ میرے اس تیر نے اُس کی ٹوپی کو کنگورہ میں چپکا دیا۔ ٹوپی تو یوں ہی کنگورے میں چپکی ہوئی لٹکتی رہی۔ اور وہ پگڑی اپنے ہاتھ پر لپیٹتا ہوا بھاگ گیا۔ اُسی گلی میں جہاں شیخ بائزید گیا تھا ایک اور سوار میرے پہلو میں سے جا رہا تھا۔ میں نے اُس کی کنیٹی میں تلوار کی نوک سے ایک ہول ماری۔ وہ ٹیڑھا ہو گیا۔ گھوڑے پر سے گرنے ہی کو تھا کہ گلی کی دیوار کے سہارے سے سنبھل گیا اور بڑی شکل سے بھاگ کر بچ گیا۔ جتنے پیادے اور سوار دروازہ میں تھے اُن کو منتشر کر کے دروازہ اُن سے لے لیا گیا۔ اب تدبیر کا کام نہ رہا تھا۔ اس لیے کہ دشمن کے دو تین ہزار آدمی ہتیار بند قلعہ میں تھے۔ ہماری یہ کیفیت کہ ہم سزا نہ دوں سوا آدمی قلعہ سے باہر شہر میں۔ اس کے علاوہ خبر میرا کہ بھگائے ہوئے اتنی دیر ہو چکی تھی جتنی دیر میں دودھ جوش ہوتا ہے۔ میرے آدمے آدمی میرا کے ہمراہ باہر چلے گئے تھے۔ بائینہ نا تجربہ کاری سے دروازہ پر ہم پھیرے رہے۔ اور جہانگیر میرزا کے پاس اس واسطے آدمی بھیجا کہ اگر میرزا قریب ہو تو چلا آئے۔ تاکہ ایک دفعہ پھر ہم حملہ کریں لیکن اس کا موقع نہیں رہا تھا۔ ابراہیم بیگ نے یا تو اس سبب سے کہ اُسکا گھوڑا تنک چکا تھا یا اس وجہ سے کہ وہ زخمی تھا مجھ سے کہا کہ میرا گھوڑا بیکار ہے محمد علی شہر کا ایک نوکر سلیمان نامی تھا۔ فی الفور بغیر اس کے کہ کوئی کہے وہ اپنے گھوڑے پر سے کود پڑا۔ اور اپنا گھوڑا ابراہیم بیگ کو اُس نے دیدیا۔ بیشک اُس نے بڑی مروت کا کام کیا جس وقت کہ ہم اُس دروازہ میں کھڑے تھے اُس وقت کچھ علی (جواب کول کا شہد آ رہے) نے بڑی بہادری کی۔ اُن دنوں میں وہ سلطان محمد ولس کا ملازم تھا۔ اسی طرح ایک دفعہ اور بھی اُس نے عہدہ کام کیا تھا۔ جہانگیر میرزا پاس جو آدمی گیا تھا اُس کے کتے تک ہکود دروازہ میں ٹھیرنا پڑا۔ وہ آیا اور اُس نے کہا کہ جہانگیر میرزا کو گئے ہوئے دیر ہوئی۔ اب کھڑے رہنے سے کیا فائدہ تھا۔ ہم بھی چل کھڑے ہوئے۔ بیشک جتنا ٹھیرے تھے وہ بھی بیکار تھا۔ میرے ساتھ بیس تیس آدمی رہ گئے ہونگے۔ ہمارے چلتے ہی دشمن کے بہت آدمی ہمارے تعاقب میں دوڑے۔ ہم پل پختہ سے نکلے ہی تھے کہ غنیم کے آدمی شہر سے پل پختہ کی طرف آن پہنچے۔ قاسم بیگ کے بیٹے بندہ علی بیگ (حمزہ بیگ کے ناما) نے ابراہیم بیگ سے چلا کر کہا کہ ہمیشہ شیخیاں بگھارا کرتا تھا۔ ذرا تو ٹھیر۔ ہمارے تیرے تلوار کے دودھ ہاتھ ہو جائیں۔ ابراہیم بیگ میرے پہلو میں تھا اُسے جواب دیا کہ آ۔ روکتا کون ہے؟ ارے بیوقوف! اس شکست کے وقت پر داتا ہے۔ یہ کیا دبانے کا لے شہدار حاکم ضلع ہوتا تھا۔ مگر وہ فوجی حاکم بھی ہوتا تھا ۱۲ سالہ جان لیڈن نے لکھا ہے کہ :- یوزی کے مقام پر عہدہ کام کیا تھا ۱۲

محل ہے۔ دیر لگانے اور ٹھہرنے کا موقع نہ تھا۔ ہم باگیں اٹھائے ہوئے چلے گئے۔ دشمن کے آدمی ہمارے پیچھے پیچھے لپکے ہوئے اور ہمارے لوگوں کو گراتے ہوئے چلے آتے تھے۔ گنبد حسن ایک مقام سے آخشی سے ایک شرعی فاصلہ پر۔ وہاں سے ہم نکلے ہی تھے کہ اتنے میں ابراہیم بیگ نے مدد کے لیے چلا کر مجھے آواز دی۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ شیخ بائزید کے ایک غلام نے ابراہیم بیگ کو آلیا ہے۔ میں نے فوراً باگ موڑی۔ جان قلی بیان قلی میرے پہلو میں تھا۔ کہنے لگا۔ یہ کیا وقت بیٹھے کا ہے؟ یہ کہہ کر میرے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اوپر زیادہ قدم بڑھا دیا۔ مقام سنگ تک دشمن ہمارے اکثر آدمیوں کو گراتے رہے۔ سنگ آخشی سے دو شرعی کے فاصلہ پر ہو گا۔ جب ہم سنگ سے نکل گئے تو دشمن کا کوئی آدمی پیچھے نظر نہ آیا۔ ہم دریا سے سنگ کے اوپر کی جانب بڑھے چلے گئے۔ اس وقت ہم آٹھ آدمی رہ گئے تھے۔ دوست ناصر۔ قبر علی قاسم بیگ۔ جان قلی بیان قلی۔ مرقا قلی کو کھٹا شش۔ شاہم ناصر۔ عبدالقدوس سیدی قرا۔ خواجہ حسینی اور آٹھواں میں۔ لوگوں کی گزرگاہ سے دور کھڈوں میں ایک بٹیا دریا کے اوپر کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اسی تنہائی کے راستہ سے دریا کے اوپر اوپر ہم چلے۔ اور دریا کو سیدھے ہاتھ کی طرف چھوڑ ایک اور خشکی کے راستہ پر آگے۔ عصر کے قریب ہم کھڈوں میں سے میدان میں نکل آئے۔ میدان میں دوسرے ایک سیاہی نو دار ہوئی۔ ہمراہیوں کو ایک آرٹ کی جگہ ٹھہرا کر میں خود پیدل ہوا۔ ایک ٹیلے پر چڑھا۔ اور محسوس کرنے لگا۔ اتنے میں بہت سے سوار ہمارے پیچھے کی طرف سے پشتہ پر دوڑ کر چڑھ آئے۔ میں یہ تحقیق نہ کر سکا کہ وہ کم ہیں یا زیادہ۔ ہم گھوڑوں پر سوار ہو وہاں سے چل دیے۔ جو سوار پیچھا کیے ہوئے آئے تھے وہ کل بیس یا پچیس کے قریب ہونگے۔ اور ہم آٹھ آدمی تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اگر ہم اول سے یہ جان جاتے کہ وہ اتنے ہیں تو ہم خوب اُن کی خبر لیتے۔ ہم نے خیال کیا کہ انکی مدد کے لیے کوئی دستہ فوج تعاقب میں ضرور ہو گا۔ اس وجہ سے ہم بھاگے چلے گئے۔ سچ یہ ہے کہ بھاگے ہوئے بہت ہی کیوں نہ ہوں اور پیچھا کر نیوالے تھوڑے سے مگر بھگوڑے مقابلہ نہیں کر سکتے چنانچہ مشہور ہر سب سے

صفت مغلوب را ہوائے بند است

۱۱ قلی اور مطبوعہ نسخوں میں خان قلی اور بیان قلی دو آدمی لکھے ہیں۔ اور جان لیڈن نے ہمارے

مطابق ایک کا نام لکھا ہے۔ چنانچہ آگے بھی ایسا ہی ہے ۱۲

۱۳ جب ہم سنگ سے نکل گئے تو دشمنوں کے زیادہ آدمی پیچھا کرتے ہوئے نظر نہ آئے ۱۲

۱۴ تنگ راستہ ۱۳

جان قلی نے کہا کہ یہ ترکیب اچھی نہیں ہے۔ اس طرح تو دشمن ہم سب کو پکڑ لیں گے۔ آپ اور میرزا قلی کو کھٹاش سب میں سے دو عمدہ گھوڑے چُن لیں اور قوس بنا کر باگیں اٹھا کر چلے جائیں۔ شاید اس ترکیب سے آپ نکل جائیں۔ اُس نے ٹھیک بات کہی تھی۔ اس لیے کہ جب لڑائی نہ ہوئی تو یہی سہی۔ نکلنا ناممکن تھا۔ مگر اُس وقت اپنے ساتھیوں میں سے ایک کا بھی پیدل چھوڑ دینا مجھے گوارا نہ ہوا۔ مگر آخر کار خود ایک ایک کر کے سب رہ گئے۔ یہ گھوڑا جس پر میں سوار تھا لگا مستی کرنے۔ جان قلی گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ اور اُس نے اپنا گھوڑا مجھے دیدیا۔ میں اپنے گھوڑے پر سے کود پڑا اور اُس کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ جان قلی میرے گھوڑے پر ہو بیٹھا۔ اسی حالت میں شہنشاہ ناصر۔ عبدالقدوس سیدی قرا کو جو پیچھے رہ گئے تھے دشمنوں نے گھوڑوں پر سے گرا دیا۔ جان قلی بھی پیچھے رہ گیا۔ اُس کی مدد اور حمایت کرنیکا وقت نہ تھا۔ جہاں تاک گھوڑوں کی طاقت دیکھی وہاں تک دوڑائے چلے گئے۔ جس کا گھوڑا بیکار ہوتا گیا وہ رہتا گیا۔ دوست بیک کا گھوڑا بھی تھک کر رہ گیا۔ اور جس گھوڑے پر میں سوار تھا وہ بھی سُستی کرنے لگا۔ قنبر علی نے اپنا گھوڑا دیا۔ میں اُس پر سوار ہو گیا۔ قنبر علی میرے گھوڑے پر چڑھ بیٹھا۔ اور پیچھے رہ گیا۔ خواجہ حسینی لنگڑا تھا۔ وہ پشتوں کی طرف بھاگ گیا۔ اب صرف میں اور میرزا قلی کو کھٹاش رہ گئے۔ ہمارے گھوڑوں میں قوس بنا کر اڑانے کا دم نہ رہا تھا۔ مگر ہم پوٹیا کیے ہوئے چلے گئے۔ میرزا قلی کا گھوڑا بھی کمی کرنے لگا۔ میں نے اُس سے کہا کہ تجھ کو اکیلا چھوڑ کر کہاں جاؤں؟ جلد آ۔ ہمارا تیرا ایک ہی جگہ مرنا جینا بہتر ہے۔ میں بار بار میرزا قلی کو دیکھتا جاتا تھا۔ اور آگے بڑھتا جاتا تھا۔ میرزا قلی نے کہا کہ میرا گھوڑا تھک چکا ہے۔ اگر آپ میرا ساتھ کریں گے تو یہی ہوگا اور پکڑے جائیں گے۔ آپ جائیے۔ شاید آپ نکل جائیں۔ اُس وقت میری عجیب حالت ہوئی۔ میرزا قلی بھی پیچھے رہ گیا۔ اور میں اکیلا ہو گیا۔ دشمنوں میں سے دو آدمی نظر آئے۔ ایک بابا سیرامی تھا۔ دوسرا بندہ علی۔ دونوں میرے پاس آگئے۔ میرا گھوڑا تھک گیا تھا۔ پہاڑ بھی کوئی کوس بھر کے فاصلہ پر ہوگا۔ میں ایک چھوٹی سی ٹیکری پر پہنچا۔ مجھے خیال آیا کہ گھوڑا بیکار ہو چکا ہے اور پہاڑ ذرا دور ہے! کہاں جاؤں؟ کوئی بہن تیر میرے ترکش میں رہ گئے تھے۔ اُتر کر اسی ٹیکری پر بیٹھ جاؤں۔ اور جب تک تیر میں مارتا رہوں؟ پھر دل میں آیا کہ شاید پہاڑ تک جا پہنچوں۔ اور پہاڑ کے قریب پہنچنے کے بعد کچھ تیر اپنے کمر بند میں گھس کر پہاڑ پر چڑھ جاؤں۔ مجھے اپنی تیز روی پر بھی بہت اعتماد تھا۔ میں اس دھن میں

لے خان قلی ۱۲؎ یہ کوئی خاص طریق ہے کہ اُس طرح گھوڑوں کو دوڑاتے ہونگے۔ جان لیڈن نے متن میں اس کو دلی لکھا ہے اور نوٹ بھی دیا ہے مگر ہم اُس نوٹ کو نہ سمجھ سکے ۱۲

آگے بڑھا۔ میرے گھوڑے میں دوڑنے کا دم نہ رہا تھا۔ دونوں پھینکا کرنے والے ایک تیر کی زد پر آن پہنچے۔ میں نے بھی اپنے تیر بچائے اور نہ مارے۔ وہ بھی بچتے رہے اور زیادہ میرے قریب نہ آئے۔ لیکن اسی طرح پیچھے لگے ہوئے چلے آئے۔ مغرب کے وقت میں پہاڑ کے پاس پہنچا۔ ایک دفعہ ہی انہوں نے لٹکا کر کہا کیوں بھاگ کر کہاں جاتے ہو؟ تاہم تیرا تو اُنکے پاس گرفتار ہی تھا۔ جہاں لگیں میرزا کو بھی پکڑ لائے ہیں۔ اُن کی ان باتوں سے میرے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خوف کی وجہ یہ تھی کہ اگر ہم سب پکڑے گئے تو بڑے اندیشہ کا مقام ہے۔ میں نے کچھ جواب نہ دیا اور سیدھا پہاڑ کی طرف ہولیا۔ تھوڑی دور آگے چلے گئے کہ پھر انہوں نے کچھ باتیں کرنی شروع کیں۔ اب کی بار اول کی نسبت کسی قدر نرمی سے بولے اور گھوڑوں پر سے اتر کے باتیں کرنے لگے۔ میں نے اُن کی ایک نہ سنی۔ آگے بڑھا چلا گیا۔ اب میں درے کے اوپر چڑھا چلا جاتا ہوں۔ عشا کے وقت تک چلتا ہی رہا۔ آخر پہاڑ کی ایک بڑی چٹان کے پاس جو خاصی ایک مکان کے برابر تھی پہنچا۔ میں اُس کے پیچھے کی جانب گیا۔ اور ایسے ڈھلوان پشتوں کی چڑھائی کے راستہ پر پہنچا جہاں گھوڑے کا قدم نہ ٹپک سکتا تھا۔ وہ لوگ بھی گھوڑوں پر سے اتر پڑے۔ اور اب نہایت ادب اور نرمی سے باتیں کرنے لگے۔ کہنے لگے۔ رات اندھیری ہے۔ رستہ ہے نہیں۔ یوں کہاں تک ٹکراتے پھر دو گے؟ دونوں نے قسم کھائی کہ آپ کو سلطان احمد بیگ بادشاہ کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا مجھے یقین نہیں آتا۔ میرا وہاں جانا ممکن نہیں ہے۔ اگر تم کو کوئی بڑی خدمت کرنی منظور ہے تو خدمت کرنے کا ایسا موقع جواب ہے برسوں میں بھی میسر نہیں ہوتا۔ مجھے ایک ایسا راستہ بتا دو جس سے میں دونوں خانوں کے پاس پہنچ جاؤں۔ تمہاری خواہش سے بڑھ کر تمہارے ساتھ میں سلوک کروں گا۔ یہ نہیں کرتے تو جدھر سے آئے ہو اُدھر چل جاؤ۔ جو کچھ قسمت میں ہو گا وہ ہو رہیگا۔ یہ بھی ایک عمدہ خدمت ہے۔ وہ کہنے لگے کاش ہم نہ آؤ۔ جب ہم آگے ہیں تو ایسے بڑے وقت میں آپ کو چھوڑ کر ہم کس طرح چلے جائیں۔ اگر آپ وہاں نہیں چلتے تو جہاں جی چاہے چلیے۔ ہم آپ کے ساتھ حاضر ہیں۔ میں نے کہا کہ عہد کرو۔ انہوں نے حلف اور قسم کے ساتھ عہد کیا۔ مجھے ذرا اطمینان ہوا۔ میں نے اُسے کہا کہ اسی گھاٹی کے قریب ایک چوڑا راستہ لوگوں نے مجھے بتایا تھا۔ اُسی راستہ سے چلو۔ اگرچہ انہوں نے عہد کر لیا تھا مگر مجھے اُن پر پورا بھروسہ نہ تھا۔ اس لیے میں نے انہیں گے رکھ لیا۔ اور آپ پیچھے ہولیا۔ کوئی دو کوس چلے گئے کہ ایک بڑے دریا پر پہنچے۔ میں نے کہا کہ جس کشتی گھاٹی کے راستہ کا میں نے ذکر کیا تھا یہ وہی نہ ہو۔ انہوں نے بالاستبعاد کہا کہ وہ راستہ

ابھی بہت دور ہے۔ مگر اس میں وہ راستہ ہی تھا۔ انہوں نے مجھے جھانسا دیا تھا۔ آدھی رات تک چلے اور پھر ایک ندی پر پہنچے۔ اُس وقت انہوں نے کہا کہ ہم بھول گئے۔ بیشک درہ کشادہ کا راستہ پیچھے رہ گیا۔ میں نے کہا کہ پھر اب کیا کرنا چاہیے؟ کہنے لگے کہ یہاں سے تھوڑی دور آگے غوا کی سڑک ہے۔ وہی سڑک فرکت کو بھی جاتی ہے۔ اُسی راستہ پر ہم ہوئے۔ چلتے چلتے پچھلے پہرے دریا کے کرناں پر جو غوا سے بہتا ہوا آتا ہے پہنچے۔ بابا سرامی نے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو۔ میں غوا کا راستہ دیکھ کر آتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا اور کہنے لگا کہ میدان میں کئی آدمی اسی راستہ سے چلے آتے ہیں۔ ادھر سے چلنا نہیں ہو سکتا۔ یہ سنکر میں گھبرایا اس لیے کہ ملک کے تو منجمہ میں ہوں۔ صبح قریب ہے۔ اور منزل مقصود دور ہے۔ میں نے کہا کہ کوئی جگہ بتاؤ جہاں دن کو چھپ رہیں۔ جب رات ہوگی تو گھوڑوں کے لیے کچھ لے دیکر دریا کے تھنڈے پار پر دریا کے اُس جانب جھنڈ چلے چلیں گے۔ کہنے لگے یہاں ایک پستہ ہے۔ وہاں ہم چھپ سکتے ہیں۔ بندہ علی کرناں کا داروغہ تھا۔ کہنے لگا کہ ہم اور ہمارے گھوڑے اب بھوکے نہیں رہ سکتے۔ میں کرناں جاتا ہوں۔ جو کچھ ملتا ہے وہ لاتا ہوں۔ ہم نے ادھر سے کرناں کی طرف رخ کیا۔ کرناں سے کوس بھر کے فاصلہ پر ہم ٹھہر گئے۔ بندہ علی گیا اور اُس کو بہت دیر لگی۔ صبح ہوتی چلی آتی تھی اور اُس مردک کا پتہ نہ تھا۔ اب میں بہت ہی گھبرایا۔ دن نکل آیا تھا کہ بندہ علی دوڑا ہوا آیا۔ گھوڑوں کے لیے تو کچھ نہ لایا مگر تین روٹیاں لایا۔ ہم تینوں نے ایک ایک روٹی بفل میں مار لی۔ اور جلدی سے اُس پستہ کے پاس پہنچ گئے جہاں ہم نے چھپنا چاہا تھا۔ گھوڑوں کو تو نیچے اُس جائے باندھ دیا جہاں پانی کے بہاؤ نے گڑھے ڈال دیے تھے۔ اور ترائی تھی۔ اور ہم خود اوپر چڑھ کر ہر ایک ایک طرف جا بیٹھا۔ اور پہرہ دینے لگا۔ دو پہر کے قریب ہم نے دیکھا کہ احمد قوشچی جا رہا ہے۔ سواریوں کے ساتھ غوا سے آخستی کی جانب جا رہا ہے۔ ایک خیال آیا کہ اس کو بلائیے اور وعدہ وعید کر کے اس سے گھوڑے لیجیے۔ کیونکہ ہمارے گھوڑے بالکل بے دم ہو گئے تھے۔ ایک شبانہ روز سے تو وہ دوڑ دھوپ میں تھے۔ اسپر ان کو دانہ گھانسن بھی میسر نہ ہوا تھا۔ مگر پھر دل نے نہ مانا اور ان لوگوں پر پورا بھروسہ نہ ہوا۔ ہم نے آپس میں صلاح کی کہ یہ لوگ رات کو کرناں میں ٹھہرنے والے ہیں۔ رات کو ہم ان کے گھوڑے چرا لائیں تاکہ یہاں سے کسی دوسری جگہ جا سکیں۔ دو پہر کو اتنی دور پر جہاں تک نظر پہنچتی ہے معلوم ہوا کہ معلوم نہیں کہ اس درہ کا نام کشادہ ہے یا کشاداس کی صفت کہی ہے۔ اوپر کے بیان سے دونوں میں پانی جاتی ہیں ۱۲ ۵۲ کرناں ۱۲ ۵۳ قوشچی۔ شکاری ۱۲

کہ گھوڑے پر کوئی چیز چمک رہی ہے۔ ہم کچھ نہ پہچان سکے کہ یہ کیا چیز ہے۔ اصل میں محمد باقر بیگ تھا جو آخشی میں ہمارے ساتھ تھا۔ آخشی سے بھاگتے وقت جس کا جدھر سینگ سایا وہ اُدھر چلا گیا۔ محمد باقر بیگ اس طرف آنکلا تھا۔ اور اپنے آپ کو چھپائے پھرتا تھا۔ بندہ علی اور بابا سیراجی نے کہا کہ دو دن سے گھوڑے بھوکے ہیں۔ سبزہ زار میں چلکر گھوڑوں کو گھانسن چرڈے کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ ہم وہاں سے سوار ہوئے۔ سبزہ زار میں آٹھیرے اور گھوڑوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ عصر کا وقت تھا کہ جس پشتہ پر ہم تھپے تھے اُس پر ایک سوار جاتا ہوا نظر آیا۔ میں پہچان گیا کہ قادر بردی ہے (جو غوا کے بڑے آدمیوں میں سے تھا) ہمارے یوں سے کہا قادر بردی کو بلالو۔ اُنہوں نے بلالیا۔ ہم اُس سے ملے۔ حالات دریافت کرنے کے بعد میں نے اُس کے ساتھ عنایت و وعید کر کے گھانسن کاٹنے کی درانتی۔ کلہاڑی۔ دریا سے پار ہونیکا سامان۔ گھوڑوں کے لیے دانہ۔ اپنے لیے کھانا اور نیز ممکن ہو تو ایک گھوڑا لانے کے لیے بھیجا۔ اور میعاد لگائی کہ عشا کے وقت تک یہ سب چیزیں یہیں لے آ۔ مغرب کے بعد ہم نے دیکھا کہ ایک سوار کرمان سے غوا کی طرف چلا جاتا ہے۔ اُس سے پوچھا کون ہے؟ اُس نے ہمیں جواب دیا۔ وہ محمد باقر بیگ ہی تھا۔ کل جہاں چھپا تھا وہاں سے نکل کر دوسری جگہ چھپنے جاتا تھا۔ اب اُس نے ایسی آواز بدلی کہ اگرچہ مدتوں میرے پاس رہا ہے مگر میں ذرا نہ پہچان سکا۔ اگر اُس کو پہچان لیتا اور اپنے ساتھ لے لیتا تو بہتر تھا۔ اُس کے چلے جانے سے بڑا اندیشہ پیدا ہوا۔ قادر بردی غوائی سے جتنی دیر وہاں ٹھہرنے کا وعدہ کیا تھا اتنی دیر ہم نہ ٹھہر سکے۔ بندہ علی نے کہا کہ کرمان کے گرد چھپنے کے قابل باغ بہت سے ہیں۔ وہاں کسی کو ہمارا گمان بھی نہ ہوگا۔ وہاں چل کر قادر بردی کے پاس کسی کو بھیج دیا جائیگا۔ وہ وہیں چلا آئیگا۔ اس خیال سے سوار ہو کر ہم کرمان کی نواح میں آئے۔ جاڑے کا موسم تھا۔ سردی خوب پڑ رہی تھی۔ ایک پُرانی دُنبے کی پوستیں جس کے اندر وہاں سات ساو فی استر بھی لگا ہوا تھا کہیں سے میرے لیے لے آئے۔ میں نے وہ پہن لی۔ کسی سے ایک پیالہ آتش یدان کا جوار زن کے آٹے کی ہوتی ہوئی لے آئے۔ میں نے اُسی کو پی لیا۔ بڑی تسکین ہوئی۔ میں نے بندہ علی سے پوچھا کہ قادر بردی کے پاس تو نے کسی کو بھیجا؟ اُس نے کہا ہاں بھیجا ہے۔ حقیقت میں ان کبخت ننگو ام گنواروں نے اتفاق کر کے قادر بردی کو آخشی میں متبل کے پاس بھیجا تھا۔ میں ایک ایسے مکان میں جس کی چہار دیواری تھی چل آیا۔ اور آگ سلگا کر ایک کھٹہ بھر سو رہا۔

کرمان میں چھپنا | ان مردکوں نے پہلے کچھ آپس میں منصوبہ کیا۔ پھر مجھ سے کہا کہ

جب تک قادر بردی کی خبر معلوم نہ ہو ہم کو اس نواح سے کہیں اور نہ جانا چاہیے۔ مگر جس مکان میں ہم ہیں وہ بچوں بیچ میں ہے۔ اسی نواح کی انتہا میں باغیچے ہیں۔ اور ان میں مکانات بھی اگر ہم وہاں چلے چلیں گے تو کسی کو ہمارا لگان بھی نہ ہوگا۔ اُسی آدھی رات کو ہم سوار ہوئے اور ایک باغ میں گئے۔ جو نواح کی انتہا میں تھا۔ بابا سیرامی کوٹھے پر چڑھ گیا۔ اور ادھر ادھر کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ دوپہر ہو گئی ہوگی کہ وہ کوٹھے پر سے نیچے اُتر آ۔ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یوسف داروغہ آتا ہے۔ مجھے نہایت خوف ہوا۔ میں نے کہا کہ دریافت تو کر۔ کیا وہ میری خبر منکر آتا ہے وہ باہر گیا۔ کچھ باتیں کر کے آیا اور کہنے لگا۔ یوسف داروغہ کہتا ہے کہ آتشی کے دروازہ پر ایک سپاہی مجھے ملا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ بادشاہ کرناں میں فلاں مقام پر ہیں۔ میں نے کسی سے یہ ذکر نہیں کیا۔ اُس سپاہی کو ولی خزانچی کے ساتھ جو لڑائی میں میرے ساتھ آیا تھا ایک جگہ میں نے قید کر دیا ہے۔ اور میں تمہارے پاس دوڑا ہوا آیا ہوں۔ امرا کو اس بات کی کچھ خبر نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کہ تو کیا خیال کرتا ہے؟ کہنے لگا کہ سب آپ کے نوکر ہیں۔ وہ کبھی کیا سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ آپ کو بادشاہ کریں۔ آپ کو چلنا چاہیے۔ میں نے کہا کہ اتنی ہڑبوم مچی اور اس قدر لڑائیاں ہوئیں۔ اب میں کس بات پر بھروسہ کر سکے چلوں۔ ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ دفعۃً یوسف آگیا اور مجھک کر ادب کے ساتھ کہنے لگا کہ آپ سے کیا چھپاؤں سلطان احمد بیگ کو تو آپ کی خبر نہیں ہے۔ ہاں شیخ بایزید کو آپ کا حال معلوم ہو گیا ہے اور اُس نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی مجھے سٹاٹا آگیا۔ سچ یہ ہے کہ دنیا میں جان کے خوف سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ بیچ بیچ کہو۔ اگر کچھ اور پیش آئیو الہ سے تو میں وغیرہ کروں۔ یوسف نے قسمیں کھائیں مگر اُس کی قسموں کو باور کون کرتا۔ میں نے دیکھا کہ میری روح تحلیل ہوئی جاتی ہے۔ میں اٹھا اور باغ کے ایک کونے میں گیا۔ دل میں سوچا کہ اگر کوئی ستورس یا ہزار برس تک جیسے پھر خرم نہایت۔

سلسلہ ہجری کے واقعات

اند جان چھوڑ کر کابل جانا | ماہ مجرم میں خراسان جانے کے لیے ملک فرغانہ سے ٹکڑا ملاقات ملاک
میں جو ملک حصار کے ایلاتوں میں سے ہے میں آیا۔ اسی پڑاؤ
میں تیس سو سال مجھے شروع تھا کہ میں نے ڈاڑھی منڈوا لی۔ جو لوگ ایک امید پر میرے ساتھ
پہرتے تھے وہ چھوٹے بڑے سب مل کر دو سو سے زیادہ اور تین سو سے کم تھے۔ ان میں اکثر
پیدل تھے۔ بہت سوں کے پاس صرف لاٹھیاں تھیں۔ کوئی نئے پاؤں تھا۔ اور کسی کے پاؤں میں

سوزے تھے بھلسی اس وجہ کی تھی کہ ہمارے پاس فقط دو خیمے تھے۔ میرا خیمہ میری والدہ کے لیے لگا دیتے تھے۔ میرے لیے ہر پڑاؤ پر ایک چھولہاری کھڑی کر دیتے تھے۔ میں اُس میں ہو بیٹھتا تھا۔ اگرچہ خراسان جانے کا ارادہ ہو گیا تھا مگر پھر بھی یہاں والوں سے اور خسرو شاہ کے نوکروں سے ایک امید تھی۔ روزمرہ کوئی نہ کوئی آتا تھا اور اہل ملک اور قبیلوں کی طرف سے ایسی گفتگو کرتا تھا جس سے ڈھارس بندھ جاتی تھی۔ انہی دنوں میں ملا بابا سا غوجی جسے خسرو شاہ پاس بھیجا تھا آیا۔ اُس نے خسرو شاہ کی طرف سے کوئی بات ایسی نہ بیان کی جس سے تسلی ہوتی۔ مگر ہاں اقوام کی طرف سے پیغام لایا۔ مقام الماک سے تین چار منزل چل کر مقام خواجہ عماد میں جو حصار کی نواح میں سے ہے اُترنا ہوا۔ اسی منزل میں محب علی تو چی خسرو شاہ کے پاس سے آیا۔ خسرو شاہ اگرچہ سخاوت اور مروت میں مشہور تھا لیکن دوسرے اُس کے ملک میں سے ہم کو گزرنے کا اتفاق ہوا۔ جیسی آدمیت کہ وہ اُنے آدمی سے کرتا تھا ہمارے ساتھ نہ کی۔ بہر حال چونکہ اہل ملک اور قبیلوں سے ناامیدی نہ تھی اس لیے ایک ایک دن ہر منزل میں مقام ہوتا تھا۔ شیرم طغانی جس سے بڑا سردار ان دنوں میں میرے ہاں کوئی نہ تھا۔ خراسان جانا نہ چاہتا تھا۔ اور مجھ سے الگ ہونے کا اُس کو خیال تھا۔ جس وقت کہ پُل پر میں نے شکست کھائی ہے اُس وقت بھی اُس نے اپنے گھر بار کو الگ کر دیا تھا۔ اور آپ تنہا ہو کر قلعہ بچانے کے لیے رہ گیا تھا۔ بے مروت آدمی تھا۔ کبھی دفعہ اُس نے یہی حرکت کی تھی۔ ہم مقام قبادبان میں جب پہنچے تو خسرو شاہ کے چھوٹی بھائی باقی چغانیانی نے جو شہر صفا اور ترمذ پر قابض تھا۔ خطیب قرشی کو بھیجا۔ اور دوستی ظاہر کر کے ہماری ہمراہی اختیار کی۔ میں نے یہ تدبیر سوچی کہ یوں تو کام نہ چلا اور ملک تو رآن تقدیر سے ہاتھ نہ آیا۔ اب شاہ اسماعیل صفوی سے مدد لینا چاہیے۔ ایوان کے راستہ سے دریائے آمو کے پار ہو چغانیانی سے ملاقات کی۔ باقی چغانیانی ترمذ سے آیا۔ باقی کے گھر والوں اور اسباب کو دریا سے اُتروا کر اُس کو اپنے ہمراہ لیا اور کھڑو دبانیاں کی طرف ہم روانہ ہوئے۔ یہاں ان دنوں میں باقی کا بیٹا احمد قاسم جو خسرو شاہ کا بھانجا تھا حاکم تھا۔ ارادہ ہوا کہ آج نام قلعہ میں جو کھڑو کے مضافات سے ہے اہل و عیال کو رکھ کر وہاں کا انتظام کر کے پھر جو مصلحت ہوگی اور مناسب ہوگا وہ کریں گے۔ جب مقام ایک میں ہم پہنچے تو یار علی بلال جس نے ابتدا میں میرے پاس خوب کارگزاری کی تھی اور ان بھگڑوں میں مجھ سے الگ ہو کر خسرو شاہ کے پاس رہنا اختیار کر لیا تھا، کچھ آدمیوں سمیت بھاگ کر آیا خسرو شاہ کے پاس جو مغل تھے اُن کی طرف سے اُس نے دو تھوہا نہ باتیں عرض کیں۔ درہ انداز میں پہنچے ہی قبر علی بیگ جس کو قبر علی سلاغ بھی کہتے ہیں اُن ملا۔ تین چار منزلیں چل کر کھرو پہنچے۔

اور قلعہ اجر میں قیام کیا۔ یہیں جہانگیر میرزا کا نکاح سلطان محمود خاں کی بیٹی سے جو خانزادہ بیگم کے بیٹ سے تھی اور میرزاؤں کی حیات میں جہانگیر میرزا کی منگیتر ہو گئی تھی کر دیا۔ اسی اثنا میں باقی بیگ نے کئی بار میرے گوش گزار کرایا کہ ایک ملک میں دو بادشاہوں کا اور ایک لشکر میں دو سرداروں کا رہنا تفرقہ و دیرانی کا باعث اور فتنہ و پریشانی کا سبب ہوتا ہے۔ سو یہی کا قول ہے۔ ”دہ درویش در گلیے نچسند و دو پادشاہ در اقلیے نہ گنجد“

نیم نانے گر خورد مرد خداے بدل درویشاں کند نیمے دگر
ہفت اقلیم ارگیر بادشاہ ہچنان در بند اقلیے دگر

یہ امید ہے کہ آجکل میں خسرو شاہ کی فوج اور چشم و خدم حضور کے تابع ہو جائیں گے۔ اُن میں فتنہ پرداز لوگ بہت ہیں۔ جیسے ایوب بیگ کے بیٹے۔ اور اور لوگ۔ جنہوں نے میرزاؤں میں جھگڑے ڈلوائے ہیں۔ اس وقت جہانگیر میرزا کو خوشی خوشی خراسان کی طرف رخصت کر دینا مناسب ہے بلکہ کوزد امت اور پشیمانی نہ ہوگی۔ میری یہ عادت نہ تھی کہ اپنے بھائی اور عزیز کو میرے ساتھ بے ادبیاں کریں میں اُن کو تکلیف پہنچاؤں۔ مانا کہ جہانگیر میرزا میں اور مجھ میں ملک اور آدمیوں کی وجہ سے مدتوں تک سخت تقاض رہا لیکن اب وہ سب کو چھوڑ چھاڑ میرے ساتھ چلا آیا۔ میرا سکا ہے۔ عزیز ہے۔ تابعدار ہے۔ اور اس وقت اُس سے ایسی حرکت بھی ظاہر نہیں ہوئی جو باعث کدورت ہو۔ باقی بیگ نے بہتیرا عرض کیا مگر میں نے نہ مانا۔ بیشک آخر وہی ہوا جو باقی بیگ نے کہا تھا۔ وہی مفسد یوسف ایوب اور ہلول ایوب میرے پاس سے بھاگے۔ جہانگیر میرزا کے پاس گئے۔ جھگڑے مچائے۔ اور جہانگیر میرزا کو مجھ سے غلغلہ کر کے خراسان لینگے۔ انہی دنوں میں سلطان حسین میرزا کے پاس سے بڑے

لہنے چڑے مضمون کے خطوط بدیع الزمان میرزا پاس۔ میرے پاس خسرو شاہ پاس۔ اور ذوالنون بیگ پاس آئے۔ وہ خط میرے پاس اب تک موجود ہے۔ مضمون یہ تھا کہ سلطان احمد میرزا۔ سلطان محمود میرزا اور سلطان علی میرزا نے جس وقت اتفاق کر کے مجھ پر چڑھائی کی ہے اُس وقت میں نے دریائے مرغاب کے کنارہ کا بندوبست کر لیا تھا۔ میرزا قریب آئے۔ اور کچھ نہ کر سکے۔ اُلٹے پھر گئے۔ اب چو ازبک متوجہ ہے تو میں مرغاب کے کنارے کا بندوبست کرتا ہوں۔ بدیع الزمان میرزا بلخ اور شیرخان کے قلعوں کا انتظام اپنے معتبر آدمیوں سے کر کے خود مقام کرزوان۔ درہ رنگ اور اُس جانب کے پہاڑوں کا بندوبست کر لیں۔ چونکہ اس فوج میں میرے آنے کی خبر اُن کو ہو گئی تھی اس لیے مجھے لکھا تھا کہ تم کھرو۔ اجر اور اُس طرف کی پہاڑ کی تلیں کا بندوبست کر لو۔ خسرو شاہ حصار اور قندز کے

قلعوں میں تو اپنے معتبر آدمی مقرر کرے اور خود مع اپنے چھوٹے بھائی ولی کے بدخشاں
 اور ختلان کے پہاڑوں کا انتظام کرے۔ اس ترکیب سے اُزبک بے میل مرام اُلٹا
 پھر جائیگا۔ سلطان حسین میرزا کے یہ خطوط باعثِ ناامیدی ہوئے۔ کیونکہ تیموریہ خاندان میں
 آج عمر میں۔ لشکر میں اور ملک میں اُس سے بڑا اور بہادر دوسرا بادشاہ نہیں ہے۔ امید
 یہ تھی کہ ستواٹر لپچی اور نامہ براکرتا کیداکم پہنچائیں گے کہ ترمذ، کھٹ، اور کوکی کے گھاٹوں پر
 پل باندھنے کے اسباب اور کشتیاں تیار رکھو۔ گھاٹوں کی خوب احتیاط کرو۔ ان باتوں سے
 اُن لوگوں کی ہمت بندھ جاتی جو اس مدت میں اُزبکوں کے ہاتھ سے شکستہ دل ہوئے تھے جبکہ
 سلطان حسین میرزا جیسا شخص جو امیر تیمور کا جانشین ہو اور اتنا بڑا ارشاد ہو وہ غنیمت پر فوج کشی
 نہ کرے بلکہ اس کے بدلے اپنے مقدمات کا انتظام کرے تو لوگوں کو کیا امید ہے۔ ہمارے
 پاس جس قدر لوگ ہیں وہ بھی اور اُن کے گھوڑے بھی ننگے۔ بھوکے اور مر رہے۔ خیر میں نے
 یہ کیا کہ باقی چغانیائی۔ اُس کے بیٹے احمد قاسم اور اور ہمراہیوں کے گھربار اور اسباب کو آجریں
 چھوڑا۔ اسی لشکر کو لئے کل کھڑا ہوا۔ خسرو شاہ کے مغلوں سے متواتر آدمی بھیجے کہ ہم نے آپ کی
 اطاعت اختیار کر لی۔ ہمارے تمام قبائل اشکس اور قلعوں میں آگئے ہیں۔ آپ بہت جلد ہمارے
 پاس آجائیں۔ خسرو شاہ کے اکثر ملازم تباہ ہو کر آپ کے مطیع ہوتے جاتے ہیں۔ انہی دنوں میں
 خبر آئی کہ شیبانی خاں نے اندجان لے لیا۔ حصار اور قندز پر فوج کشی کی ہے۔ خسرو شاہ
 قندز سے بھاگ گیا۔ وہ ساری فوج کے ساتھ کابل جاتا ہے۔ قندز سے خسرو شاہ کے بھگتے ہی
 ملا محمد ترکستانی نے جو خسرو شاہ کا معتبر ملازم تھا قندز کا بندوبست کر لیا ہے۔ جس وقت ہم
 شیمون کے راستہ سے سرخاب پہلے اُس وقت مغلوں کے تین چار ہزار خانہ دار جنگو خسرو شاہ سے
 تعلق تھا اور جو حصار اور قندز میں تھے مع اپنے اسباب وغیرہ کے آئے اور ہمارے ساتھ ہو گئے۔
 قنبر علی جسکا ذکر اکثر ہوا ہے بڑا بیہودہ تھا۔ اُسکے اطوار باقی بیگ کو پسند نہ آئے۔ باقی بیگ کی
 خاطر سے اُس کو علحدہ کر دیا۔ اُسکا بیٹا عبدالشکور اُسی زمانہ سے پھر جہانگیر میرزا کا نوکر ہو گیا۔
 خسرو شاہ مغلوں کا ہمارے ساتھ ہو جانا سنکر گھبرا گیا۔ مجبور ہو کر اپنے داماد یعقوب بیگ کو لپچی
 کر کے بھیجا۔ اور ہماری اطاعت ظاہر کی۔ درخواست کی کہ اگر معاہدہ ہو جائے تو میں حاضر خدمت
 ہوتا ہوں۔ باقی چغانیائی میری سرکار میں مختار تھا۔ اگرچہ میری خیر خواہی کا دم بھرتا تھا مگر اپنے
 بھائی کا بھی پاس کر گیا۔ اُس نے تجویز کی کہ اُس کی جان کو بھی امان دیجائے اور جتنا مال وہ دینا
 چاہے مزاحمت نہ ہو۔ یہی معاہدہ ہو گیا۔ اجازت دینے کے بعد یعقوب اور ہم لوگ دریائے سرخ
 سے کھنک کے وہاں اُترے جہاں وریائے اندراب اور دریائے سرخ آپس میں ملتے ہیں دوسروں

کہ ماہ ربیع الاول کا وسط تھا دریا نے اندراب سے میں نے جریدہ عبور کیا اور نواح دوتی میں ایک بڑے چنار کے درخت کے نیچے میں بیٹھا۔ ادھر سے خسرو شاہ بڑے طمطراق سے آیا۔ اور دستور کے موافق دور سے اُتر پڑا۔ سامنے آتے ہی تین دفعہ زانو مارا۔ اور پلٹے وقت بھی تین ہی دفعہ زانو مارا۔ مزاج پُرسی اور پیشکش حاضر کرنے کے وقت ہر بار زانو مارتا رہا۔ جہانگیر میرزا اور میرزا خان کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا۔ بڑھا بوبک رجمرد کے بد توں اپنے تئیں لیے رہا اور سوائے اس کے کہ اپنے نام کا خطبہ نہ پڑھوایا سلطنت کے سارے لوازم رکھتا تھا چھپن چھپن دفعہ برابر زانو مارنے۔ آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے میں خوب تھکا۔ قریب تھا کہ گر پڑے کئی برس کی امیری اور سلطنت ساری ناک کے راستہ نکل گئی۔ ملنے اور پیشکشوں کے لینے کے بعد میں نے حکم دیا کہ میٹھو۔ کوئی گھڑی بھر بیٹھا۔ ادھر ادھر کی گپیں شپیں ہوتی رہیں۔ باوجود نامرد اور نکمرام ہونے کے باتیں بھی اُس کی لغو اور بے مزہ تھیں۔ حال تو یہ کہ اُس کے اعتباری اور اعتمادی نوکروں کی ٹولیاں کی ٹولیاں اُسکی آنکھوں کے سامنے ہمارے پاس آگئیں۔ اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ مردود یا تو بادشاہ بنا پھرتا تھا یا اس قدر ذلیل و خوار ہو گیا۔ اسپر بھی عجب عجیب طرح کی باتیں اُس کے مُنہ سے نکلیں۔ ایک تو یہ کہ میں نے اُس کے آدمیوں کے جُدا ہونے سے اسکی ولداری کی۔ اس کے جواب میں کہنے لگا کہ یہ لوگ چار مرتبہ اسی طرح میرے پاس چلے گئے ہیں اور پھر آگئے ہیں۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ میں نے اُس کے چھوٹی بھائی دلی کو پوچھا کہ وہ کب آئیگا۔ اور دریائے آمو کے کونے گھاٹ سے اُتر یگا۔ کہنے لگا کہ جہاں سے اُتر نیکا موقع دیکھیکا خود چلا آئیگا کیونکہ دریا کی طغیانی سے گھاٹ پلٹ جاتے ہیں۔ اور یہ مثل مشہور ہے۔ ”آں گزر را آب بُرد“ خدا متعالے نے اُس کی بربادی کی فال اُسی کے مُنہ سے نکلوائی جو ایک گھڑی کے بعد میں سوار ہوا اور اپنے لشکر میں آیا۔ جہاں وہ ٹھیرا ہوا تھا وہاں وہ چلا گیا اُسی دن سے چھوٹے بڑے۔ اچھے بُرے امراء اور نوکر مع مال و اسباب کے اُس سے الگ ہو ہو کر میرے پاس آئے۔ لگے دوسرے دن ظہر کی نماز کے وقت تک ایک چڑیا اُس کے پاس نہ رہی۔ قل اللہمقر مالک الملک تو عنی الملک من تشاء وتنزع الملک من تشاء تعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شيء قدير خدا کیسے قادر ہے! اُس نے ایسے بڑے شخص کو جو بیس تیس ہزار آدمی کا آقا تھا قبلقہ (جسکو بندہ سنی بھی کہتے ہیں) سے ہند کش (جو ملک سلطان محمود میرزا کے تحت و تصرف میں تھا) تک کے ملک کا مالک تھا جبکہ ایک تحصیلدار حسن برلاس نام (جو بوڑھا مردک ابلق باب وایج سے زبردستی تحصیل کیا کرتا تھا) نے مجھ کو دھکے دیکر نکالا تھا۔ دُبر دُن میں ہم جیسے دو ڈھائی سو مغلوں اور تھاجوں کے سامنے ایسا ذلیل اور بے بسی دیا

کہ نہ اُس کو کسی آدمی پر اختیار رہا اور نہ اپنی جان و مال پر۔ جس دن میں خسرو شاہ سے ملکر آیا ہوں
 اسی رات میرزا خان میرے پاس آیا اور اُس نے اپنے بھائی کے خون کا دعوے کیا۔ ہم میں کئی آدمی
 ایسے ہی مدعی تھے۔ فی الواقع شرعاً اور عرفاً بھی لازم تھا کہ ایسا مجرم اپنے کیے کی سزا پائے
 مگر چونکہ عہد ہو گیا تھا خسرو شاہ کو آزاد کر دیا۔ اور حکم دیا کہ جس قدر لٹیا کے اپنا اسباب
 لیجائے۔ اونٹوں اور خچروں کی چار قطاریں سونے اور چاندی کے اسباب اور جواہر سے
 بھری ہوئی اُس کے پاس تھیں۔ ان سب کو وہ لے گیا۔ شیرم طغائی کو اُس کے ساتھ کر دیا۔
 اور حکم دیا کہ خسرو شاہ کو غوری و دہانہ کے راستہ سے خراسان کی طرف پہنچا دے۔ اور خود
 کھمد جا کر ہمارے گھر بار کو لے آئے۔ اس کے بعد اُس مقام سے کابل کی طرف کوچ کیا۔ مقام
 خواجہ زید میں آکر ٹھہرے۔ آج ہی اُن کیوں کے چاقو بخی نے اگر دوستی کی نواح کو ٹوٹنا شروع کیا۔
 سید قاسم ایشک آقا اور محمد قاسم کوہ بروغیرہ اُن کے مقابلہ کے لیے بھیجے گئے۔ ان لوگوں نے
 جا کر اُن کی خوب خبر لی۔ کئی آدمیوں کے سر کاٹ لائے۔ اسی مقام پر خسرو شاہ کے اسلحہ خانہ کو
 تقسیم کیا۔ سات سے آٹھ سے جوشن اور گرز تھے۔ خسرو شاہ کے اسباب میں سے یہی بیان گیا تھا
 یہی ہاتھ لگا۔ اور اسباب نہ تھا۔ خواجہ زید سے تین چار منزلیں چلکر غور بند میں ہم پہنچے جس وقت
 ہم شہر اسیر میں آئے اُس وقت ہم کو خبر لگی کہ شیر کہ ارغون (جو مقیم ارغون کا امرا ذی اقتدا
 میں سے تھا) دریائے باران کے کنارہ پر لشکر لیے ہوئے پڑا ہے۔ مگر اُس کو ہمارا حال معلوم
 نہیں ہے۔ جو کوئی پچھیر اسے عبدالرزاق میرزا کے پاس (یہ میرزا ان دنوں میں کابل سے
 بھاگ کر نواح لغمان میں افغانوں کے ایک سردار پاس چلا گیا تھا) جاتا ہے اُس کو نہیں جانتا۔
 اس خبر کے سنتے ہی دو نمازوں کے درمیان میں ہم نے وہاں سے کوچ کر دیا۔ رات بھر چلتے رہے۔
 ہویان کے گھاٹ سے اترے۔ پہاڑ پر جب پہنچے تو جنوب کی طرف نشیب میں ایک چمکتا ہوا
 ستارہ دکھائی دیا۔ میں نے کہا کہ یہ سہیل تو نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ سہیل ہے۔ میں نے
 کبھی سہیل نہ دیکھا تھا۔ باقی چھانیانی نے یہ شعر پڑھا ہے

تو سہیلی تا کجا تانی و کے طالع شوی چشم تو بر ہر کہی افتد نشان دولت است

آفتاب ایک نیزہ پر آیا ہو گا کہ ہم درہ سجہ میں آن اترے۔ کچھ فوج قراولی کے لیے آگے بھیجی گئی تھی۔
 قرا باغ کے نیچے ابکری کے نواح میں پہنچے ہی اُسے شیر کہ پر حملہ کر دیا۔ اور محمودی بہت جنگ کے
 بعد اُس کو گرفتار کر لیا۔ شیر کہ سترستی آدمیوں کے ساتھ ہماری خدمت میں حاضر ہوا۔ خسرو شاہ
 جب اپنے اہل والوس کو چھوڑ قندز سے کابل جانے کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا تو اُس کی فوج اور
 اہل والوس کی پانچ چھ جماعتیں تھیں۔ بدخانیوں کی ایک جماعت تھی۔ تیکہ جماعت سیم علی دہان

تھی۔ جو ہزارہ وغیرہ میں تھا۔ یہ سب اسی مقام پر آکر ہمارے ساتھ ہو گئے۔ ایک اور جماعت یوسف ایوب اور پہلوں ایوب کی یہیں ہمارے پاس آئی۔ کچھ لوگ خلدان سے خسرو شاہ کے چھوٹے بھائی ولی کے ساتھ ہوئے۔ ایلا الحق وقاشال کا ایک گروہ اور چند قبیلے قندزیں پھیرے تاکہ کوئل سے نکل جائیں۔ کچھ قبائل پیچھے مقام سراب میں رہ گئے۔ اتنے میں ولی پیچھے سے آیا بعض فرقوں نے اُس کا راستہ روکا۔ اور مقابلہ کیا۔ ولی کو شکست ہوئی۔ ولی شکست کھا کر اُزبک کے پاس پہنچا۔ شیبائی خاں کے حکم سے سمرقند کے بازار میں ولی قتل کر دیا گیا۔ جو لوگ بچے وہ گئے کھٹے پکڑے ہوئے قبیلوں کے ساتھ اسی منزل میں ہمارے پاس آئے۔ سید یوسف بیگ اُغلانچی بھی انہی کے ساتھ حاضر ہوا۔ اور اقسرائی میں جو قراباغ کے کنارہ پر ہے اُترا۔ خسرو شاہ کے لوگ ظلم و زیادتی کرنے کے عادی تھے۔ ہر وقت بندگان پر ظلم کرنے لگے۔ آخر سید علی دربان کے ایک عہد ملا نام کو اس جرم میں کہ اُس نے کسی کی گھٹی بند پانچھین کی اتنی محل کے دروازہ پر پتھر مارا بلوایا اور حکم دیا کہ اس کو لکڑیاں مارو۔ نو لکڑیوں میں اُس کا دم نکل گیا۔ اس سزا دینے سے سب کانپ گئے۔ اسی منزل میں کابل چلنے اور نہ چلنے کی صلاح کی۔ سید یوسف بیگ وغیرہ کی رائے ہوئی کہ جارے کا موسم قریب ہے۔ اب تولغان چلنا چاہیے۔ وہاں پہنچ کر جو مناسب ہوگا وہ کریں گے۔ باقی چنانیانی وغیرہ کی رائے ہوئی کہ کابل چلنا مصلحت ہے۔ آخر کابل چلنا قرار پایا۔ یہاں سے کوئٹہ کی اور مقام قوروق میں اترے۔ اس منزل میں میری والدہ مح ہمارے ہمراہیوں کے جو کھمروں میں رہی تھیں بڑی مصیبتوں سے آئیں۔ ان کے واقعات کی تفصیل یہ ہے کہ شیرم طغانی کو خسرو شاہ کے خراسان پہنچانے کے لیے ساتھ بھیجا تھا اور کہہ دیا تھا کہ خسرو شاہ کو خراسان کی طرف روانہ کر کے ہمارے لوگوں کو لے آئے۔ جس وقت یہ سب درہ کے منہ پر پہنچے اُس وقت شیرم بے اختیار ہو گیا۔ اور خسرو شاہ اُس کے ساتھ تھا۔ میر و اولجاقاسم (خسرو شاہ کا بھانجا) کھمروں میں تھے خسرو شاہ نے احمد قاسم کو کہلا بھیجا کہ وہاں جو لوگ ہیں اُن کا سزا بڑا کر لو۔ باقی چنانیانی کے بہت سے محل ملازم کھمروں میں ہمارے گھر والوں کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے خفیہ شیرم سے کہلا بھیجا کہ خسرو شاہ اور احمد قاسم کو گرفتار کر لیا جائے۔ خسرو شاہ اور احمد قاسم کو یہ حال معلوم ہو گیا۔ درہ آجر کے قریب جو راستہ ہے دونوں وہاں سے بھاگ کر خراسان کی طرف روانہ ہو گئے۔ مغلوں کی غرض اس سازش سے یہ تھی کہ ان سے الگ ہو جائیں۔ جو لوگ ہمارے گھر والوں کے ساتھ تھے وہ خسرو شاہ کی طرف سے بے فکر ہو گئے۔ اور درہ آجر سے باہر نکل آئے جس وقت یہ لوگ کھمروں میں پہنچے سائی قانچی والے باغی ہو گئے۔ انہوں نے راستہ گھیر لیا۔ باقی بیگ کے اکثر محل والوں وغیرہ کو لوٹ لیا۔ باغیوں کا چھوٹا بیٹا کم سن تھا۔ اُس کو پکڑ لیا۔ وہ تین چار برس بعد کابل میں آیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے گھروالے لئے کھٹے چچاق کوتل کے راستہ سے جہاں سے میں آیا تھا قوروق میں ہمارے پاس پہنچے۔ ہمیں یہاں سے کوچ کیا۔ بیچ میں ایک منزل کر کے مرغزار چالاک میں پھیرے اور مشورہ کیا۔ کابل کے محاصرہ کر لینے کی تجویز قرار پائی۔ یہاں سے چلے۔ میں اپنی ہمت جو قول میں تھے حیدر تقی کے باغ اور قلہ بازید بجاوہ کے مقبرہ کے درمیان میں تراچہ گنج میرا برنغار کو لیے ہوئے ہمارے بڑے چار باغ کے پاس ٹھہرا۔ ناصر میرزا برنغار سمیت اس مرغزار میں مقیم ہوا جو کورخانہ قتلک قدم کے پیچھے ہے۔ مقیم (حاکم کابل) کے پاس ہمارا آدمی گیا اور باتیں کیں۔ کبھی وہ عذر کرتا تھا اور کبھی نرم نرم باتیں کرنے لگتا تھا۔ اس کو ایک خیال تھا اور اسی سبب سے وہ ٹال رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ جب ہمیں شیرکوہ کو گرفتار کیا ہے تو اس نے اپنے باپ اور بڑے بھائیوں کے پاس آدمی دوڑائے۔ اپنے بڑے بھائی سے اسکو امید تھی۔ ایک دن میں نے حکم دیا کہ قول۔ برنغار اور جرنغار کی تمام فوج تیار اور سامان سے درست ہو کر شہر کے بہت قریب جائے اور اندر والوں کو ذرا دھمکائے۔ جہاں لکیر میرزا برنغار کو لیے ہوئے کوچہ باغ کی طرف بڑھا۔ قول کے آگے کی طرف دریا تھا۔ میں قول کو لیکر کورخانہ قتلک قدم کی طرف سے ایک ٹیلہ پر جو پشتہ سے اونچا ہے آچڑھا۔ ایراول والے قتلک قدم کے پل پر چھپ کر چلے گئے۔ اس موقع پر سپاہیوں نے یہ دلیری کی کہ دروازہ چرم گراں تک جا پہنچے کچھ لوگ مقابلہ کے لیے آئے تھے۔ وہ بھاگ نکلے اور قلعہ میں جا گئے۔ ارگ کے نیچے ایک بلند مقام کے قریب بہت سے اہل کابل سپر کرنے نکل آئے تھے۔ مقابلہ والے جو بھاگے تو بہت گرد اڑی۔ اور بلندی پر سے لوگ گر پڑے۔ پل اور دروازہ کے بیچ میں زمین کھود کر حریف نے ایک گلی بنادی تھی۔ اور اس کو خس پوش نکر دیا تھا سلطان علی چاق اور کچھ سپاہی حملہ کرتے وقت اس میں گر پڑے۔ برنغار کے دو ایک جوانوں نے جو کوچہ باغ کی طرف سے آئے تھے دو دو ہاتھ تلوار کے بھی کیے۔ چونکہ لڑائی کا حکم نہ تھا اس لیے اتنا ہی کر کے اٹھ پھر آئے۔

فتح کابل قلعہ والے بہت ہی ڈرے اور گلے دل چرانے مقیم نے امراء کو بیچ میں ڈالا۔ اور شہر حوالہ کر کے اطاعت قبول کرنے کی درخواست کی۔ باقی بیگ چٹانیاں کے توسط سے اس نے ملازمت حاصل کی۔ میں نے بھی اس پر بہت عنایت و مہربانی کی۔ اور اسکا اطمینان کیا۔ یہ بات قرار پائی کہ کل اپنے آدمیوں اور مال اسباب کو شہر سے نکال لے اور شہر حوالہ کر دے خضر شاہ کے لوگ لوٹ مار کے خوگر تھے۔ اس واسطے میں نے مقیم کے مال و اسباب کی حفاظت کے لیے جہاں گنج میرزا اور ناصر میرزا وغیرہم کو معین کیا۔ تاکہ مقیم کو اور اس کے متعلقوں کو مع اسباب کابل سے بحفاظت نکال دیں۔ مقیم کے قیام کرنے کے لیے پتہ کا مقام مقرر کیا۔ دوسرے دن دونوں میرزا اور امراء شہر کے دروازہ پر گئے۔ وہاں خلعت کا بہت ہجوم دیکھا۔ مجھے کہلا بھجا کہ آپ آئے۔ آپ کے سوائے کوئی انکو

نہیں روک سکتا۔ آخر میں خود بیچا۔ چار پانچ آدمیوں کو تیروں سے مارا۔ وہ ایک کو قتل کروایا۔ شروع دہائی میں۔ مقام اپنے متعلقوں سمیت صحیح سلامت چلا آیا۔ اور پستہ پر جا اتر۔ ربیع الآخر کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے کابل و غزنی اور اُس کے توابعات کو بے لڑے بھڑے مسخر کر دیا۔

ملک کابل کا بیان

اُس کے مشرق میں لغمانات۔ پشاور۔ کاشغر اور ہندوکش کے بعض علاقے ہیں۔ مغرب میں کوہستان ہے۔ جس میں کرٹو اور غور ہے۔ شمال میں قندز اور اندراب کا ملک ہے جو ہندوکش پہاڑوں کے بیچ میں ہے۔ جنوب میں فرل۔ نغزہ بنو اور افغانستان ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے اور لمبوتر ہے۔ اس کا طول مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔ ارد گرد پہاڑ ہے۔ اس کا قلعہ پہاڑ سے ملا ہوا ہے۔ قلعہ کے مغرب و جنوب کے بیچ میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ چونکہ اس پہاڑی کی چوٹی پر شاہ کابل نے ایک مکان بنایا تھا اُس لیے اس پہاڑی کا نام شاہ کابل مشہور ہو گیا ہے۔ یہ پہاڑی تنکی آوَرین سے شروع ہوتی ہے۔ اور تنکی دہ یعقوب تک تمام ہو جاتی ہے۔ اس کا گرد اولا ایک میل کا ہوگا۔ اس پہاڑ کے سارے دامن میں باغات ہیں میرے چچا آٹھ بیگ میرزا کے زمانہ میں دس آٹکھ نے اسی پہاڑ کے دامن میں ایک نہر نکالی تھی دامن کے سارے باغات میں یہ نہر پھرتی ہے۔ نہر کی انتہا پر ایک مقام ہے۔ اُس کا نام کلکتہ ہے بنان مقام ہے۔ یہاں اگر مینے بہت ہی لطف اٹھایا۔ ازراہ مذاق خوابہ حافظ شیراز کا ایک شعر صرف کر کے یہاں پڑھا گیا۔

اے خوش آن وقت کہ بے پاؤں سرایا خیمے ساکن کلکتہ بودیم بہ بدنامے چنہ

قلعہ کے جنوب میں اور شہر کابل کے مشرق میں ایک بڑا تالاب ہے جس کا دُور ایک میل شرعی کا ہوگا۔ شہر کی جانب تین چھوٹے چشے اور ہیں۔ اُن میں سے دو کلکتہ کی نواح میں ہیں۔ ایک چشمہ پر خواجہ شمسو نام ایک مرا ہے۔ دوسرے چشمہ پر خواجہ تھڑ کی قدمگاہ ہے۔ یہ دونوں مقام کابل کی سیرگاہیں ہیں۔ ایک چشمہ مقام خواجہ عبدالصمد کے سامنے ہے۔ اس کو خواجہ اوستانی کہتے ہیں۔ شہر کابل سے ایک مینی گاہ نکلتی ہے جس کو عقابین کہتے ہیں۔ اس سے علوہ ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ ارک کابل اسی پہاڑی پر ہے۔ قلعہ ارک کے شمال میں ہے۔ یہ ارک نہایت بلند ہے۔ اور ہوا دار مقام ہے۔ اُسی بڑے تالاب کے گرد تین مرغزار ہیں۔ ایک کو سینک دوسرے کو سوئک تورخان اور تیسرے کو چالاک کہتے ہیں۔ یہ سب نیچے کی جانب ہیں۔ سرسبز و یہ مرغزار بہت ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں بہار کے موسم میں بادِ شمال ہمیشہ چلتی رہتی ہے۔ اسکو بادِ تپاں کہتے ہیں۔ ارک میں شمال کی طرف کھڑکیوں دار مکان بہت ہی عمدہ بنے ہوئے ہیں۔

ملا محمد طالب معمار نے کابل کی تعریف میں یہ شعر بدیع الزمان میرزا کے زمانہ میں کہا تھا۔
 بخورد راک کابل سے بگڑاں کاسہ پڑی کتم کوہ است بزم دریا و ہم شہر است و ہم صحر

کابل کی تجارت

ہندوستانی ہندوستان کے علاوہ ملکوں کو خراسان کہتے ہیں۔ ہندوستان اور خراسان کے بیچ میں خشکی میں دو بند ہیں۔ ایک کابل دوسرا قندھار۔ فرغانہ۔ ترکستان۔ سمرقند۔ بخارا۔ بلخ۔ حصار اور بدخشاں سے کابل میں قافلے آتے ہیں۔ خراسان سے قندھار میں آتے ہیں۔ یہ ملک گویا خراسان اور ہندوستان میں ایک واسطہ ہے۔ تجارت کی عمدہ منڈی ہے۔ اگر سوداگر روم اور خطا جائیں نو آئنا ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جتنا یہاں اٹھا۔ تہیں۔ سال بہ سال آٹھ ہزار گھوڑے کابل میں آتے ہیں۔ ہندوستان سے بھی پندرہ ہزار آدمیوں کے قافلے کابل میں آتے ہیں۔ ہندوستان سے غلام۔ سفید کپڑا۔ قند۔ مصری۔ شکر اور عتیق وغیرہ اسباب لاتے ہیں۔ بہت سے سوداگر ایسے ہیں کہ تلگے اور چوگنے نفع سے بھی خوش نہیں ہوتے۔ کابل میں خراسان۔ عراق۔ روم اور چین کا اسباب ملجاتا ہے۔ اور ہندوستان کا تو یہ بندر ہی ہے۔ گرم سیر اور سرد سیر ملک دونوں یہاں سے قریب ہیں۔ کابل سے ایک دن کے راستہ پر وہ ملک ہے جہاں ہمیشہ برف رہتی ہے۔ شاید کوئی ایسی گرمی کا موسم آجاتا ہو جس میں وہاں برف نہ رہتی ہو۔ کابل سے قریب علاقوں میں گرم سیر اور سرد سیر میوؤں کی کثرت سے پیداوار ہے۔

کابل کی آب و ہوا

کابل کی ہوا بڑی لطیف ہے۔ ایسی ہوا درجہ دوسری نہیں معلوم ہوتی۔ گرمی کی راتوں میں۔ بغیر پستین پہنے نیند نہیں آتی۔ جاڑے میں برف کثرت سے پڑتی ہے۔ مگر اُس کی ٹھنڈ بہت نہیں ہوتی۔ سمرقند اور تبریز ہوا کی عمدگی میں مشہور ہیں۔ لیکن اُن کی سردی ستم کی ہوتی ہے۔

میوے

کابل اور اُس کے مضافات میں سرد سیر میوؤں میں سے انگور۔ انار۔ سیب۔ زرد آلو۔ بھی۔ امرود۔ شفتالو۔ آلو بالو۔ بادام اور چار مغزمنوں پیدا ہوتے ہیں۔ آلو بالو کے درخت میں نے منگو کر بوائے ہیں۔ نہایت عمدہ آلو بالو اُن میں لگے۔ وہ اب تک خوب پھل رہے تھے۔ گرم سیر میوے جیسے نارنج۔ ترنج۔ املو۔ گنا۔ لغات سے لاتے ہیں۔ نیشکر کی زراعت میں نے کرائی ہے۔ چلوذہ بخارا سے آتا ہے۔ اور بہ افراط آتا ہے۔ نواج کابل میں بھی اچھا ہوتا ہے۔ اس ملک میں شہد بہت پیدا ہوتا ہے۔ مگر غزنی کے پہاڑوں کے سوا اور کہیں سے نہیں آتا۔ بھی

اور آلو بھی عمدہ ہوتا ہے۔ مکھیر ابھی نادر ہوتا ہے۔ ایک قسم کا انگور ہوتا ہے۔ اُس کو آب انگور کہتے ہیں۔ وہ نہایت لذیذ ہوتا ہے۔ اس کی شراب بہت تیز ہوتی ہے خواجہ جان سید پنا کے دامنه کی شراب تیزی میں مشہور ہے۔ ہم تو اب تقلیدِ اِیہ تعریف کر رہے ہیں۔ ع
لذت سے مست دار دہوشیاراں راجہ خط

زراعت | کابل کے علاقہ میں زراعت اچھی نہیں ہوتی۔ اس کی عمدہ زراعت چوتھائی اور پانچواں حصہ ہے۔ یہاں خربوزہ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ اگر خراسانی تخم بویا جاتا ہے تو کسی قدر بُرا نہیں ہوتا۔

مرغزار | کابل کے اطراف میں چار عمدہ مرغزار ہیں۔ مشرق اور شمال کے گوشہ میں مرغزار سمونک قورغال ہے۔ کابل سے کوئی دو کوس ہوگا۔ اچھا سبزہ زار ہے۔ اسکی گھانسی گھوڑوں کو بہت موافق ہے۔ مکھیاں وہاں کم ہوتی ہیں۔ مغرب اور شمال کے بیچ میں مرغزار چالاک ہے۔ یہ مرغزار کابل سے کوس بھر ہوگا۔ بڑا مرغزار ہے۔ یہاں کی مکھیاں بہار کے موسم میں گھوڑوں کو بہت ستاتی ہیں۔ مغرب میں مرغزار دیورتن ہے۔ یہ دو مرغزار ہیں۔ ایک کو مرغزار پنہ کہتے ہیں اور دوسرے کو قوسی۔ اگر یہ حساب رکھا جائے تو پانچ مرغزار ہو جائیں گے۔ یہ دونوں مرغزار کابل سے ایک کوس مشرقی پر ہیں۔ اور مختصر سے مرغزار ہیں۔ وہاں کی گھانسی گھوڑوں کو بہت موافق ہے مکھیاں ان میں نہیں ہوتیں۔ کابل کے مرغزاروں میں ان جیسے مرغزار نہیں ہیں مشرق میں ایک مرغزار ہے۔ اس کو سیاہ سنگ کہتے ہیں۔ دروازہ چرم گران کے اور اس مرغزار کے بیچ میں قلعہ قدیم کا کورخانہ ہے۔ چونکہ موسم بہار میں یہاں مکھیاں کثرت سے ہوتی ہیں اس لیے اس کی حفاظت کم کی جاتی ہے۔ اس کے متصل مرغزار کمری بھی ہے اس اعتبار سے کابل کے گرد چھ مرغزار ہوئے۔ مگر مشہور چار ہی ہیں۔

نواح کے پہاڑ | کابل ایک مضبوط مقام ہے۔ اس ملک میں ضخیم کا جلدی سے چلا آنا ذرا مشکل ہے۔ کابل۔ بدخشاں۔ بلخ اور قندز کے بیچ میں کوہ ہندوکش اور راستے۔

ہے۔ اس پہاڑ سے سات راستے جاتے ہیں۔ تین راستے پنج شیر سے ہیں۔ سب سے بلند پہاڑ خاک ہے۔ اس سے کم کوہ طول ہے۔ اس سے نیچا کوہ بازارک ہے۔ سب میں عمدہ طول ہے۔ مگر کسی قدر اُس کا راستہ لمبا ہے۔ عجب نہیں کہ اسی سے اسکا نام طول ہو گیا ہو۔ سب سے سیدھا بازارک ہے۔ ان دونوں میں ہو کر مقام سرآب میں اترتے ہیں۔ چونکہ موضع بارندی میں یہ پہاڑ تمام ہو جاتا ہے اس لیے سرآب کے لوگ

اس کو کوتل بارندی کہتے ہیں۔ ایک راستہ پروان کا ہے۔ کوہ کلاں اور پروان کے بیچ میں سات پہاڑ اور ہیں۔ ان کو ہفت دپنچ کہتے ہیں۔ اندراب سے دورا سے جاتے ہیں۔ اور کوہ کلاں کے نیچے دونوں ایک ہو کر ہفت دپنچ کے راستہ سے پروان میں آ جاتے ہیں۔ یہ بڑا کھن راستہ ہے۔ اور تین راستے غور بند میں ہیں۔ پروان کے راستہ کے نزدیک پہاڑ کا راستہ ایک مرغزار تک ہے۔ جو مقام دلیان اور خجنان میں اتر کر آتا ہے۔ ایک راستہ شیر قو پہاڑ کا ہے۔ گرمی کے موسم میں اس پہاڑ سے اتر کر بامیان اور سابقان کے راستہ سے جاتے ہیں اور جاڑوں میں آب درہ کے راستہ سے جاتے ہیں۔ جاڑوں میں چار پانچ مہینے تک سب راہیں بند ہوتی ہیں۔ شیر قو کے راستہ سے اس پہاڑ پر ہوتے ہوئے درہ آب کے راستہ میں چلتے ہیں۔ جو راستہ خراسان کا ہے وہ قندھار سے آتا ہے۔ یہ ہموار سڑک ہے۔ یہاں کوئی پہاڑ نہیں ہے۔ ہندوستان کی طرف کے چار راستے ہیں۔ ایک راستہ لمفانات سے ہے۔ اس میں خیر کے پہاڑوں کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں۔ دوسرا راستہ بگلش کا ہے۔ تیسرا راستہ نغز کا ہے۔ چوتھا راستہ فرل سو ہے۔ ان راستوں میں بھی تھوڑی بہت پہاڑیاں ہیں۔ دریائے سندھ کے تین گھاٹوں سے اتر کر ان راستوں میں آتے ہیں۔ جو لوگ نیلاب کے گھاٹ سے اترتے ہیں وہ لمفانات کے راستہ سے آتے ہیں۔ جاڑے میں دریائے کابل۔ دریائے سندھ اور دریائے سوات کے مقام اتصال کے بالائی گھاٹ سے اترنا پڑتا ہے۔ میں جو ہندوستان آیا ہوں تو اکثر ان دریاؤں کے گھاٹوں سے اتر اہوں۔ اس دفعہ جو میں نے آکر سلطان ابراہیم کو شکست دی اور ہندوستان فتح کیا تو نیلاب کے گھاٹ سے کشتی کے ذریعہ سے اتر اہوں۔ یہاں کے علاوہ کسی مقام پر دریائے سندھ سے بغیر کشتی کے پار نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ بن کوٹ کے گھاٹ سے بگلش میں آتے ہیں اور جو بارہ کے گھاٹ سے اترتے ہیں وہ فرل کے راستہ سے غزنی میں آتے ہیں۔ اگر دشت کے راستہ سے چلنے میں وقت دھار جا پہنچتے ہیں۔

قویں کابل کے علاقہ میں مختلف قویں بہت ہیں۔ میدانوں اور گھاٹیوں میں اتراک اور اعراب وغیرہ قویں بستی ہیں۔ شہر میں اور بعض دیہات میں تاجیک ہیں۔ بعض دیہات اور مقامات میں پشتوی۔ پراچہ۔ تاجیک۔ ترک اور افغان آباد ہیں۔ غنی کے پہاڑوں میں ہزارہ اور نوکذری ہیں۔ ہزارہ میں بعض قویں مغلی بولی بولتی ہیں۔ جو کوہستان ماہین شرق دشاں ہے وہ ملک کافرستان ہے۔ جیسے کتور اور کیرک۔ جنوب میں افغانستان ہے۔ زبانیں اس ملک میں عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ مغلی۔ ہندی۔ افغانی۔ پشتو۔ پراچی۔ کیری۔

کتوری اور ملغانی وغیرہم گیارہ بارہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ شاید کسی ملک میں اس قدر مختلف قومیں آباد ہوں اور اتنی متغائر زبانیں بولی جاتی ہوں۔

اضلاع

یہ ملک چودہ تومانوں پر منقسم ہے۔ (سمرقند اور بخارا میں اور اُس کے فواح میں تومان اُس حصہ ملک کو کہتے ہیں جو ایک بڑے علاقہ کے تحت میں ہو۔ اند جان۔ کاشغر۔ چین اور ہندوستان میں اُس کو پرگنہ کہتے ہیں)۔ اگرچہ دیوچور۔ پشاور اور ہشغر کے علاقے پہلے کابل کے تحت میں تھے۔ مگر آجکل بعض اُن میں سے افغانوں نے ویران کر دیے ہیں۔ اور بعض افغانوں کے تصرف میں ہیں۔ اب وہ ایسے ہیں کہ اُن کو ملک نہیں کہہ سکتے۔ کابل کا شرقی علاقہ لمفانات ہے۔ اس میں پانچ تومان اور دو بلوک ہیں۔ لمغان کا بڑا تومان نیکنہار ہے۔ (بعض تاریخوں میں اس کو نیکر بار بھی لکھا ہے) اس کا صدر مقام آدینہ پور ہے۔ جو کابل سے تیرہ فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ کابل اور نیکنہار میں بڑا سخت راستہ ہے۔ تین چار جگہ چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں۔ دو تین جگہ تنگ گھاٹیاں ہیں۔ خلیجی اور افغانوں کے سارے ڈاکو اسی میں لوٹ مار کرتے ہیں۔ اُس زمانہ میں مقامات بالکل ویران تھے۔ قوروق سائی اور قرانو کے انتہا میں نے آبادی کرائی۔ اس سبب سے راستہ میں امن ہو گیا۔ گرم سیر اور سرد سیر ملک کے بیچ میں ایک پہاڑ حائل ہے۔ جس کو بادام چشمہ کہتے ہیں۔ اس پہاڑ میں کابل کی جانب برف پڑتی ہے۔ اور قوروق و لمغان کی طرف برف نہیں پڑتی۔ اس پہاڑ سے نکلتے ہی دوسرا عالم نظر آتا ہے۔ ندیاں اور طریق کی باغ اور وضع کے۔ جانور کچھ اور صورت کے۔ آدمیوں کی رسم و راہ دوسری۔ نیکنہار میں نو ندیاں بہتی ہیں۔ وہاں چانول اور گیہوں عمدہ پیدا ہوتا ہے۔ نارنج۔ ترنج اور انار کثرت سے ہوتا ہے۔ قلعہ آدینہ پور کے پاس جنوب کی طرف ایک بلندی پر ۹۱۲ھ میں نے ایک باغ لگایا۔ اُس کا نام باغ وفار رکھا۔ یہ باغ ندی کے کنارے پر ہے۔ ندی باغ اور قلعہ کے بیچ میں بہتی ہے۔ جس سال میں نے پہاڑخان کو شکست دی ہے اور لاہور و دیبان پور کو فتح کیا ہے اُس سال کیلے کے درخت یہاں لاکر بوائے۔ سب درخت لگ گئے۔ اس سے پہلے سال میں گنا بھی بویا گیا تھا۔ عمدہ گنا ہوا تھا۔ ان گنوں میں سے کچھ بدخشاں اور بخارا بھیجے گئے تھے۔ اس کی زمین اونچی ہے۔ آب و ہوائی قریب ہے۔ اس کی ہوا جاڑوں میں معتدل ہوتی ہے۔

۱۱۵۷ھ ضیاء الملک و الدین امیر عبدالرحمان خن والی کابل کی سوانح عمری ہمارے زمانہ میں لکھی گئی ہے جس کے

ضمیمہ سوم میں امیر مدوح اور گورنمنٹ ہند کی خط کتابت جو ۱۱۹۶ھ میں ہوئی ہے درج ہے۔ ان چھٹیوں میں

لکان۔ لگان۔ ننگر بار لکھا ہے ۱۲

باغ کے اندر ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے۔ سارے باغ میں اسی پشتہ پر سے پانی جاتا ہے۔ جو چارچمن اس باغ میں ہے وہ اسی ٹیلہ پر ہے۔ باغ کے جنوبی و مغربی حصہ کے بیچ میں ایک وہ درودہ حوض ہے۔ اس کے گرد چاروں طرف نارنج اور انار کے درخت ہیں۔ حوض کے گرد چھوٹی چھوٹی تین نہریں ہیں۔ اصل باغ یہی مقام ہے۔ جس وقت نارنج پیک کر زرد ہوتے ہیں اُس وقت نہایت عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ یہ باغ اچھا تیار ہوا ہے نیکنہار اور نگاش کے بیچ میں جنوب کی طرف کوہ سفید ہے۔ اس پہاڑ میں سوار نہیں چل سکتا۔ نہ اس سے کوئی ندی جاری ہے۔ یہاں برف بھی ہمیشہ رہتی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اسی سبب سے اس کا نام کوہ سفید رکھ دیا ہو۔ یہاں سے نیچے کے مقاموں میں کبھی برف نہیں پڑتی۔ بلخ اور پہاڑ میں اتنا فاصلہ ہے کہ بیچ میں ایک لشکر اتر سکے۔ اس پہاڑ کے دہنہ میں عمدہ اور ہوادار مقامات بہت ہیں۔ اس کا پانی ایسا سرد ہے کہ برف کی حاجت نہیں ہوتی۔ آدینہ پور کے جنوب میں دریائے شریخ ہے۔ قلعہ بلندی پر ہے۔ اور ندی کی طرف چالینس پچاش گز تک پہاڑ چلا گیا ہے۔ اُس کے شمال میں ایک پہاڑی ہے۔ یہ قلعہ بہت مضبوط ہے۔ یہی پہاڑ نیکنہار اور لغانات کے بیچ میں ہے۔ جب کابل میں برف پڑتی ہے تو اس پہاڑ کی چوٹی پر بھی برف پڑتی ہے۔ لغانات والے اس پہاڑ پر برف پڑنے سے جان جاتے ہیں کہ کابل میں برف پڑ رہی ہے۔ جہاں سے کہ کابل سے ان لغات میں آتے ہیں اگر قوروق سائی میں آئیں تو ایک اور راستہ کو تیل دیری سے اور بولان سے ہوتا ہوا لغانات کی طرف نکلتا ہے۔ دوسرا راستہ قوروق سائی سے آخر میں قراٹو۔ اولوق پور۔ آب باران اور کو تیل مادہ بیخ سے ہوتا ہوا لغانات کو جاتا ہے۔ اور اگر نجراد سے آئیں تو بدراد اور قرنا بکریق سے ہوتے ہوئے کو تیل مادہ بیخ میں نکل آتے ہیں۔ اگرچہ لغات کے پانچ تومانوں میں سے ایک نیکنہار بھی ہے۔ لیکن لغات ہی تین تومان سمجھے جاتے ہیں جن میں سے ایک تومان علیسک ہے۔ جس کا شمالی حصہ ہندوکش سے ملا ہوا ہے۔ اُس میں بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ اور سب برف سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ یہ سارا پہاڑ کافرستان کا ہے۔ کافرستان کے بہت قریب علیسک کے علاقہ میں سے مقام میل ہے۔ علیسک کی ندی میل سے ہی نکلتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ ہتر لام کی قبر تومان علیسک ہی میں ہے۔ (بعض تاریخوں میں ہتر لام کو ملک لکان لکھا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہاں والے بعض موقع پر کاف کو غین بولتے ہیں۔ شاید اسی سبب سے اس ملک کو لغات کہتے ہوں)۔ دوسرا تومان انکار ہے۔ کافرستان کے قریب انکار کے

علاقہ میں سے مقام کو راہ ہے۔ النکار کی ندی یہیں سے نکلتی ہے۔ یہ دونوں ندیاں ملیں گی اور النکار سے ہوتی ہوئی باہم مل جاتی ہیں۔ اور ملکر تومان مند اور سے پرلے سرے پر آب باران میں جا ملتی ہیں۔ جو دو بلوک اوپر بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک درہ نور ہے۔ یہ تنگ مقام ہے۔ اس زمانہ میں درہ بینی گاہ کے اوپر ہے۔ اس کے دونوں طرف ندی ہے۔ اس کا پایہ اتنا ہے کہ راستہ چل سکتے ہیں۔ نارنج۔ ترنج اور گرم سیر میوے یہاں بہت ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں کھجور کے درخت بھی ہیں۔ ندی کے کناروں پر جو پہاڑ کی چوٹی کے دونوں طرف ہیں درخت ہی درخت ہیں۔ املوک کے درخت کثرت سے ہیں۔ اس میوہ کو ترکوں کی بعضی تو میں قریش کہتی ہیں یہ میوہ جتنا درہ نور میں ہوتا ہے اتنا اور کہیں نہیں ہوتا۔ یہاں انگور بھی پیدا ہوتا ہے۔ سارے انگور درخت پر لگتے ہیں۔ لغات میں درہ نور کی شہر اب مشہور ہے۔ وہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو آدہ تاشی اور دوسری کو سوہان تاشی کہتے ہیں۔ آدہ تاشی زرد ہوتی ہے۔ اور سوہان تاشی سرخ خوش رنگ ہوتی ہے۔ آدہ تاشی میں نشہ زیادہ ہے۔ لیکن جیسی شہرت سے ویسی نہیں ہے۔ ان پہاڑوں کے دروں کی چوٹیوں پر بند کثرت سے ہوتے ہیں۔ یہاں والے پہلے سور پالا کرتے تھے۔ میرے زمانہ میں کوئی نہیں پالتا۔ ایک اور تومان کثیر۔ نور کل اور کر ہے۔ یہ تومان لغات سے کسی قدر الگ ہے۔ ملک کی سرحد پر کافرستان میں واقع ہے۔ اگرچہ اور تومانوں سے چھوٹا نہیں ہے۔ لیکن اس کی آمدنی جو کم ہے تو اوروں سے اسکو چھوٹا جانتے ہیں۔ دریائے چنائی سرائے مشرق و شمال کے بیچ میں سے کافرستان میں بہتا ہوا اور اس ملک سے گزرتا ہوا بلوک کامد میں دریائے باران سے جا ملتا ہے اور مشرق کی طرف چلا جاتا ہے۔ نور کل اس دریا کے مغرب میں ہے۔ اور کوثر مشرق میں۔ میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جہاد کیا ہے۔ اور مقام کنز سے ایک کوس شرعی اوپر جا کر انتقال فرمایا ہے۔ حضرت کے مریہ خانہ یہاں سے ختلان لگے ہیں۔ اور جہاں انتقال ہوا ہے اب وہاں ایک مزار بنا ہوا ہے۔ سنہ ۹۲۰ھ میں جب میں نے چنائی سرائے کو فتح کیا ہے تو اس مقام کی زیارت بھی کی ہے۔ یہاں نارنج۔ ترنج۔ کرنج کثرت سے ہوتے ہیں۔ کافرستان سے یہاں شہر اب لاتے ہیں۔ جو بہت تیز ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ ایک عجیب بات بیان کرتے ہیں۔ جو بالکل غلط معلوم ہوتی ہے۔ مگر متواتر سننے میں آئی ہے۔ اس تومان کی انتہا میں جو مقام ہے اس کو تہہ کندھی کہتے ہیں۔ اس کے آخر درہ نور اور آتر کا علاقہ ہے۔ اس تہہ کندھی سے اوپر اوپر کثیر۔ نور کل۔ بجور۔ سوات وغیرہ کے پہاڑ ہیں۔ ان

سب میں یہ رسم ہے کہ جو عورت مرنے سے اُس کو ایک تختہ پر ڈال دیتے ہیں اور چاروں طرف سے تختہ کو کپڑا کر اٹھاتے ہیں۔ اگر پارسا ہوتی ہے تو ان اٹھانے والوں میں خود بخود اس درجہ کی حرکت پیدا ہوتی ہے کہ اگر سنبھلے نہ رہیں تو مردہ تختہ پر سے گر پڑے۔ اور جو عورت پارسا نہیں ہوتی تو حرکت بھی پیدا نہیں ہوتی۔ یہ بات کچھ یہیں والوں نے بیان نہیں کی بلکہ بخور وغیرہ کے تمام پہاڑیوں نے متفق اللفظ بیان کی۔ حیدر علی بخوری جو حاکم بخور تھا اور جس نے اس ملک کا اچھا انتظام کیا تھا جب اُس کی ماں مری ہے تو نہ وہ رویا۔ نہ اُس نے عزاداری کی رسم ادا کی۔ نہ سیاہ لباس پہنا۔ لوگوں سے کہا کہ اس کو تختہ پر ڈال دو۔ اگر حرکت نہ پیدا ہو تو میں لاش جلوا دوں گا۔ تختہ پر ڈالتے ہی حرکت معبود لاش میں پیدا ہو گئی۔ یہ سنکر اُس نے ماتمی کپڑے بھی پہنے اور عزاداری بھی کی۔ دوسرا بلوک چٹان سرائے ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ کافرستان کے سرے پر واقع ہے۔ کافرستان جو قریب ہے تو یہاں کے لوگ گوسلمان ہیں مگر کافروں کی بہت رسمیں برتتے ہیں۔ ایک بڑی ندی جس کو دریائے چٹان کہتے ہیں۔ چٹان سرائے کے مشرق و شمال سے (جو بخور کے پیچھے ہے) آتی ہے۔ مغرب کی جانب سے کافرستان کے مقام پنج میں سے بہتا ہوا ایک اور چھوٹا دریا اُس میں مل جاتا ہے چٹان سرائے میں زرد رنگ کی شراب بہت تیز ہوتی ہے۔ لیکن درہ نور کی شرابوں سے اس کو کچھ نسبت نہیں ہے۔ چٹان سرائے میں انگور وغیرہ نہیں ہوتے۔ دریائے کافرستان کے بالائی حصہ سے پنج میں لائے جاتے ہیں۔ جب میں نے چٹان سرائے کو فتح کیا ہے تو پنج کے کافروں نے یہاں والوں کی بہت کمائی کی تھی۔ کافروں میں شراب کا رواج اس قدر ہے کہ ہر شخص کے گلے میں شراب کی چھاگل لٹکی رہتی ہے۔ پانی کی جگہ شراب ہی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کاتمہ گو کوئی علحدہ جگہ نہیں ہے۔ نیکنار ہی کے توابع میں سے ہے۔ مگر اس کو بھی بلوک کہتے ہیں۔ ایک تومان بجزاد ہے۔ کابل کے مشرق و شمال کی جانب کو ہستان میں واقع ہے۔ اس کے پیچھے تمام کافرستان کا پہاڑ ہے۔ یہ ایک اچھے گوشہ کا مقام ہے۔ اس میں انگور وغیرہ میوے افراط سے ہوتے ہیں۔ شراب بھی کثرت سے ہوتی ہے۔ یہاں کی شراب جو شیدہ ہوتی ہے۔ یہاں جاڑے میں جانوروں کو بہت اڑاتے ہیں۔ یہاں کے لوگ شرابخوار۔ بے نماز۔ بیوقوف اور کافروں میں ہیں۔ پہاڑوں میں انار۔ چلوڑہ۔ چوب بلوط اور نجک کی کثرت ہے۔ انکے درخت نشیبی مقامات میں ہوتے ہیں۔ بجزاد سے بالائی مقاموں میں اصلاً نہیں ہوتے۔ یہ خست گویا ہندوستان کے درختوں میں سے ہیں۔ ان ساری پہاڑیوں میں چلوڑہ کی لکڑی چراغ کا کام دیتی ہے۔ یہ لکڑی شمع کی طرح روشن رہتی ہے۔ اور اچھی معلوم ہوتی ہے۔ بجزاد کے

پہاڑوں میں بوابہ پڑا ہوتی ہے۔ یہ ایک جانور ہے گھڑی سے بہت بڑا۔ اُس کے دونوں ہاتھوں اور دونوں رانوں کے بیچ میں ایک پردہ ہوتا ہے۔ چمگاڈ کے پر کا سا اُس کا رنگ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر نیچے کی جانب گزبھر کے قریب یہ جانور اڑ جاتا ہے۔ میں نے اس کا اڑنا نہیں دیکھا۔ ہاں یہ دیکھا کہ ایک درخت سے وہ پٹی ہوئی تھی۔ اچھلی اور پرندہ کی طرح بازو کھول کر جھٹ سے نیچے آگئی۔ اس کو ہستان میں تو جانور ہوتا ہے۔ اس کو بقلون کہتے ہیں۔ سر سے دم تک پانچ چھ طرح کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ کبوتر کی گردن جیسا براق۔ اور کبک درمی کے برابر قد و قامت میں ہوتا ہے۔ کیا عجیب و کہ ہندوستان کی کبک درمی بھی ہو۔ وہاں والوں نے بیان کیا کہ جاڑے کے موسم میں یہ جانور دامنہ کوہ میں اڑتا پھرتا ہے۔ اگر اس کو اڑاؤ اور یہ انگوروں کے تختے پر سے اڑ جائے تو پھر نہیں اڑ سکتا۔ وہیں اس کو کپڑ لیتے ہیں۔ بچہ آدمی ایک چوہا ہوتا ہے۔ اُس کا نام موش مشکیں ہے۔ اس میں سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ یہ چوہا میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔ ایک تومان پنج شیر ہے۔ مقام پنج شیر سر راہ واقع ہے۔ کافرستان یہاں سے بہت قریب ہے۔ ڈاکوؤں کی آمد و رفت پنج شیر ہی میں سے ہے۔ کفار کے قریب ہونے سے لوگ رادھر کم آتے ہیں۔ اب کے جو میں نے ہندوستان کو فتح کیا ہے تو کافروں نے پنج شیر میں آکر لوگوں کو بہت ستایا اور قتل کیا۔ ایک تومان غور بند ہے۔ اس میں ایک بند کو قتل کو کہتے ہیں غور کی طرف اسی پہاڑ میں سے جاتے ہیں۔ شاید اسی سبب سے غور بند مشہور ہو گیا ہو۔ درہ کے سرے پر ہزار ہا مکان ہیں۔ اس تومان میں چند گاؤں ہیں۔ یہاں کی آمدنی بہت ہی کم ہے۔ کہتے ہیں کہ غور بند کے پہاڑوں میں چاندی اور لاجورد کی کان ہے۔ پہاڑ کے دامنہ میں دنا گاؤں آباد ہیں۔ اوپر کی طرف منہ۔ کچھ اور پروان ہیں۔ نیچے کی جانب بارہ تیرہ گاؤں ہیں۔ سارے دیہات میں میوہ پیدا ہوتا ہے۔ انہی دیہات میں شراب بنتی ہے۔ اس زمانہ میں خواجہ سعید خان کی شرابیں سب سے زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ تمام دیہات دامنہ میں اور پہاڑ کے اندر اور اوپر واقع ہیں اس لیے محاصل اس طرح ادا کرتے ہیں کہ کبھی دیا اور کبھی نہ دیا۔ ان دیہات کے آخر کی طرف پہاڑ کے دامنہ میں پہاڑ اور دریا کے باؤآن کے مابین دو قطعے ہوا درجنگل کے واقع ہیں۔ ایک کو کرہ تاربان کہتے ہیں۔ دوسرے کو دشت شیخ۔ گرمی کے موسم میں کاجتلیں مالہ بہت عمدہ ہوتا ہے۔ اثراک وغیرہ کے قبیلے یہاں آتے ہیں۔ اس دامنہ میں کئی طرح کا لالہ پیدا ہوتا ہے۔ میں نے ایک بار گنتی کر دانی بتیں تینتیس طرح کا لالہ گنتی میں آیا۔ ایک قسم کا لالہ ہوتا ہے کہ اُس میں کسی قدر گلاب کی خوشبو آتی ہے۔ میں نے اُس کو

لالہ گلجو کا خطاب دیا۔ دشت بیخ کے ایک قطعہ میں یہ لالہ ہوتا ہے۔ دوسری جگہ نہیں ہوتا۔ اسی دامنہ میں پروان سے نیچے کی جانب لالہ صد برگ ہوتا ہے۔ وہ بھی اُس قطعہ میں ہوتا ہے جو غور بند کے تنگ مقاموں سے نکلنے کے بعد واقع ہے۔ ان دونوں جنگلوں کے بیچ میں ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ میں ایک توپ پڑی ہوئی ہے۔ پہاڑ کی چوٹی سے نیچے تک۔ اس کو خواجہ دیک رواں کہتے ہیں۔ گرمیوں میں اس توپ میں سے نقارہ اور ڈھول کی آواز آتی ہے۔ ان کے علاوہ اور دیہات بھی کابل کے علاقہ میں ہیں۔ کابل کے جنوب مغرب میں ایک بڑا پہاڑ برف سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس پہاڑ پر ایک سال کی برف دوسرے سال تک رہتی ہے۔ کوئی برس ایسا نہ ہوتا ہوگا کہ جس میں اس سال کی برف اگلے سال تک نہ رہتی ہو۔ کابل کے برف خانوں میں اگر برف ہو چکتی ہے تو اسی پہاڑ سے لائی جاتی ہے۔ اور پانی ٹھنڈا کر کے پیا جاتا ہے۔ یہ پہاڑ کابل سے ایک میل شرعی کے فاصلہ پر ہے۔ کوہ بامیان اور یہ پہاڑ دونوں بڑے پہاڑ ہیں۔ دریائے ہیرمند۔ سندھ۔ دو عامہ قدر اور پنجاب اسی پہاڑ سے نکلتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک دن میں ان چاروں دریاؤں سے پانی پی سکتے ہیں۔ یہاں کے دیہات اکثر پہاڑ کے دامنہ میں ہیں۔ یہاں انکور بلکہ ہر قسم کا میوہ ڈھیروں پیدا ہوتا ہے۔ ان مواضعات میں استائف اور اشرفیغ کے برابر کوئی موضع نہیں ہے۔ آٹخ بیگ میرزا ان دونوں موضعوں کو خراسان فرمایا کرتے تھے۔ پغمان ان دونوں کے قریب ہے۔ مگر اُس کی آب و ہوا کو ان سے کچھ نسبت نہیں ہے۔ جس پہاڑ پر برف ہوتی ہے وہ کوہ پغمان ہے۔ استائف جیسا مقام کہیں نہ ہوگا۔ ان مواضع کے بیچ میں ایک بڑی ندی ہے۔ جس کے دونوں طرف سرسبز اور پُر فضا باغات ہیں۔ اس کا پانی ایسا ٹھنڈا ہے کہ برف کی حاجت نہیں ملتی۔ پانی صاف بہت ہے۔ اس مقام پر ایک بڑا باغ ہے جس کو آٹخ بیگ میرزا نے تو زبردستی چھین لیا تھا۔ مگر میں نے اُس کے مالکوں کو قیمت دیکر وہ باغ لے لیا۔ باغ کو باہر چنار کے بڑے بڑے درخت ہیں۔ اُن کے سایہ کے نیچے سبزہ زار اور صاف مقامات ہیں۔ باغ میں ایک نہر ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اس نہر کے کنارہ پر چنار وغیرہ درخت بہت ہیں۔ پہلویہ نہر بھی بنڈی تھی۔ میں نے اسکو درست کروایا۔ اب بہت ہی عمدہ ہو گئی ہے اس موضع کو بہت آخیں جنگل سے کوئی ڈیڑھ کو س بلندی کی طرف پہاڑ دامنہ میں ایک چشمہ ہے۔ اسکو خواجہ سیالپان کہتے ہیں۔ اس چشمہ کے اطراف میں کئی قسم کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ چشمہ کے قریب خیابان کو درخت بہت ہیں۔ اُن کا سایہ بڑا عمدہ ہے۔ چشمہ کے اوپر چو پامیان کوہ ہے وہاں بلوہ کے درخت بہت ہیں۔

ان دو قطوں کے سوا پہاڑ کی مغربی سمت میں بلوط کے درخت مطلق نہیں ہوتے۔ چشمہ کے سامنے جو درخت کی جانب ہے ارغواں زار ہے۔ اس ملک میں بھی ایک ارغواں زار ہے۔ اور کہیں نہیں ہے۔ مشہور ہے کہ یہ تین قسم کے درخت تین بزرگوں کی کرامت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی سبب سے ان کو سیاران کہتے ہیں۔ اس چشمہ کی گرداولے کی تیرھ نکلوا کر میں نے اس کو درہ درہ بنوا دیا۔ اس کی چاروں حدیں سیدھی اور درست ہو گئی ہیں۔ کل ارغواں کھلنے کے زمانہ میں اس مقام پر وہ کیفیت ہوتی ہے کہ دنیا بھر میں کہیں نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں زردار غواں بھی ہوتا ہے۔ اور پہاڑ کے دامنہ میں سرخ ارغواں کے پھول بھی کھلتے ہیں۔ اس چشمہ کے مغرب و جنوب کے بیچ میں ایک درہ سے پانی کا ایک جھرا جاری ہے۔ میں نے حکم دیا کہ یہاں سے ایک نہر نکالی جائے۔ یہاں سے یہ نہر پشتہ کے اوپر سیاران کے جنوب و مغرب کی طرف بنائی گئی۔ پشتہ کے اوپر ایک گول چوڑہ بھی میں نے بنوایا۔ اس کی تاریخ کا مادہ ”جوئے خوش“ ہاتھ آیا۔ ایک تومان لہو کر ہے۔ اس کا بڑا قصبہ مقام چرخ ہے۔ حضرت مولانا یعقوب چرخ قدس سرہ العزیز یہیں کے رہنے والے تھے۔ ملا عثمان بھی چرخ ہیں۔ مقام سجادوند لہو کر ہی کے مواضعات میں سے ہے۔ خواجہ احمد اور خواجہ یونس اسی سجادوند کے رہنے والے تھے۔ چرخ میں باغات بہت ہیں لہو کر کے آؤ مقامات میں باغ نہیں ہیں۔ یہاں کے باشندے اوغان شال ہیں (کابل میں اوغان شال ہی بولتے ہیں۔ غالباً یہ لفظ افغان شعار ہو جس کو اوغان شال کہنے لگے)۔ ایک ملک غزنی ہے۔ بعض اس کو تومان کہتے ہیں۔ بسکتگین۔ سلطان محمود اور اس کی اولاد کا دار السلطنہ غزنی تھا۔ بعض اس کو غزنین بھی کہتے ہیں۔ سلطان شہاب الدین غوری کا پایہ تخت بھی یہی تھا۔ اس سلطان شہاب الدین کو طبقات نامری وغیرہ تاریخوں میں معزالدین لکھا ہے۔ یہ ملک اقلیم سوم میں سے ہے۔ زابلستان اسی ملک سے مراد ہے۔ بعض نے قندھار کو بھی زابلستان ہی میں داخل رکھا ہے۔ یہ مقام کابل سے مغرب کی طرف چودہ فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ اگر اس راستہ سے صبح سویرے چلیں تو ظہر و عصر کے مابین یا عصر کے وقت کابل میں پہنچ جاتے ہیں۔ آدینہ پور کا راستہ تیرہ فرسنگ کا ہے۔ مگر ایسا برا راستہ ہے کہ ہرگز ایک دن میں طے نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اس کی ندی میں چار پانچ جھروں کے برابر پانی ہوگا۔ شہر غزنی اور پانچ چار اور مقامات اسی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ تین چار موضعوں میں کاریز سے

سیرابی ہوتی ہے۔ کابل کے انگور سے غزنی کا انگور اچھا ہوتا ہے۔ غزنی کے خربوزے بھی کابل کے خربوزوں سے عمدہ ہیں۔ سیب بھی اچھے ہوتے ہیں۔ ان سیبوں کو ہندوستان لیجاتے ہیں۔ زراعت یہاں مشکل سے ہوتی ہے۔ جتنی زمین بولے اور جوتے ہیں اُس میں ہر سال نئی مٹی ڈالتے ہیں۔ لیکن کابل کی زراعت سے یہاں کی نداعت کی آمدنی زیادہ ہے۔ ندین بولی جاتی ہے اور اُس کو ہندوستان لیجاتے ہیں۔ اہل غزنی کی آمدنی کا عمدہ اور بڑا ذریعہ ردین ہے۔ یہاں کے دیہاتی افغان اور ہزارہ قوم کے لوگ ہیں۔ کابل کی نسبت غزنی میں اکثر ازانی رہتی ہے۔ مخلوق حنفی مذہب۔ نیک اعتقاد اور مسلمان ہے۔ ایسے لوگ ان میں بہت ہیں جو تین تین مہینے تک روزے رکھتے ہیں۔ ان کی عورتیں بڑی پردہ دار اور گوشہ نشین ہیں۔ ملا عبدالرحمن غزنی کے بڑے بزرگ شخص ہوئے ہیں۔ دانشمند آدمی تھے۔ ہمیشہ تعلیم و تعلم میں مصروف رہتے تھے۔ پرہیزگار اور متدین تھے۔ جس سال ناصر میرزا کا انتقال ہوا ہے اُسی سال اُن کا بھی انتقال ہوا ہے سلطان محمود کی قبر بھی یہیں ہے۔ جہاں سلطان کی قبر ہے۔ اُس کو روضہ کہتے ہیں۔ غزنی میں روضہ ہی کا عمدہ انگور ہوتا ہے۔ سلطان محمود کی اولاد میں سے سلطان مسعود اور سلطان ابراہیم کی قبریں بھی غزنی ہی میں ہیں۔ ان کے علاوہ اور مزارات متبرکہ غزنی میں بہت ہیں۔ جس سال میں نے کابل لیا ہے تو اُسی سال افغانستان میں کہتے اور بتوں دشت کو لٹتا مارتا مقام دکی سے ہوتا ہوا ایستارہ کے کنارہ کنارہ میں غزنی میں آیا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ غزنی میں ایک مزار ہے کہ اگر اُس پر درود پڑھو تو وہ ہلنے لگتا ہے۔ میں نے جا کر اُس کو دیکھا۔ قبر ہلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ آخر کھل گیا کہ وہاں کے مجاوروں کی چالاکی ہے۔ قبر کے اوپر ایک چلیہ بنایا ہے۔ جس وقت وہ چلیہ پر جاتے ہیں چلیہ ہلنے لگتا ہے۔ چلیہ کے ہلنے سے قبر بھی ہلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ جنبش ایسی ہے جیسے کشتی میں بیٹھو اور کو کنارہ چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے مجاوروں کو وہاں سے الگ کھڑا کر دیا۔ پھر بہتیرا درود پڑھا مگر قبر کو حرکت نہیں ہوئی۔ میں نے حکم دیا کہ چلیہ قبر پر سے اُکھیر ڈالو۔ اور گنبد بنا دو۔ مجاوروں کو دھمکا دیا اور منع کر دیا کہ ایسی حرکت نہ کیا کرو۔ غزنی چھوٹا سا شہر ہے۔ تعجب آتا ہے کہ جن بادشاہوں کے تحت میں ہندوستان اور خراسان رہا ہے انہوں نے ایسی چھوٹی ٹیسی جائے کو اپنا دارالسلطنت کیوں بنایا۔ سلطان محمود غازی کے وقت میں یہاں تین چار بندھے۔ دریائے غزنی کا ایک بڑا بند دریا سے تین فرسنگ شمال مغرب کی جانب سلطان مرحوم کا بنایا ہوا ہے۔ اس کی بلندی تخمیناً

چالیس پچاس گز اور لمبائی تقریباً تین سو گز ہوگی۔ دریا کو یہاں جمع کر کے حاجت کے موافق کھیتوں میں پانی دیا جاتا ہے۔ علاء الدین جہاں سوز جب اس ملک پر قابض ہوا تو اس نے اس بند کو ویران کر دیا۔ سلطان کی اولاد کی قبریں جلادیں۔ شہر غزنی کو اُجاڑ دیا۔ رعیت کو دھڑی دھڑی کر کے لوٹا اور قتل کیا۔ غزنو کو ویران کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔ جب ہی سے یہ بند ویران پڑا تھا۔ جس سال میں نے ہندوستان فتح کیا اُسی سال اس بند کے بنانے کے لیے خواجہ کلاں کو بہت سارو پیہ دیکر بھیجا عنایت الہی سے امید ہے کہ پھر یہ بند تیار ہو جائے۔ دوسرا بند سخن ہے۔ غزنی کے مشرق کی طرف۔ شہر سے کوئی دو تین فرسنگ کے فاصلہ پر ہوگا۔ مدت سے یہ بھی ایسا خراب پڑا ہے کہ بننے کے قابل نہیں رہا۔ تیسرا بند سرودہ ہے۔ یہ بند درست ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ غزنی میں ایک چشمہ ہے۔ اگر اس میں نجاست ڈال دو تو اسی وقت طوفان آجاتا ہے۔ اور برف برسنے لگتی ہے۔ ایک تاریخ میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جب ہندوستان کے راجہ نے سبکتگین کے زمانہ میں غزنی کو جا گھیرا تو سبکتگین نے حکم دیا کہ اس چشمہ میں نجاست ڈال دو تاکہ طوفان آجائے اور برف گرنے لگے۔ اسی ترکیب سے غنیم نے محاصرہ چھوڑ دیا۔ میں نے بہت ڈھنڈ وایا مگر اس چشمہ کا کہیں پتہ نہ ملا۔ غزنی اور خوارزم کی سردی جہاں میں ایسی ہی مشہور ہے جیسی عراقین۔ آذربائیجان۔ سلطانیہ۔ اور تبریزی۔ ایک تومان کوہ ہے۔ یہ تومان کابل کے جنوب میں۔ اور غزنی کے جنوب و مشرق کے مابین میں ہے۔ اس میں اور کابل میں بارہ تیرہ فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اور غزنی سے آٹھ سات فرسنگ کا۔ اس میں آٹھ گاؤں ہیں۔ یہاں کا صدر مقام کروڑ ہے۔ کروڑ میں اکثر منمنے اور چو منمنے مکان ہیں۔ کروڑ کچھ مستحکم مقام نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ ناصر میرزا سے باغی ہو گئے تھے اُسکو بہت تنگ کیا۔ اس تومان کے جنوب میں پہاڑ ہے۔ جس کو کوہ ترکستان کہتے ہیں۔ پہاڑ کے دامن میں ایک اونچی جگہ ایک چشمہ ہے۔ شیخ محمد سلطان کی قبر یہیں ہے۔ یہاں کے باشندے افغان ہیں۔ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ یہاں باغات نہیں ہیں۔ ایک تومان فرل ہے۔ جو چھوٹا سا تومان ہے۔ اس میں سیب اچھا ہوتا ہے۔ مٹان اور ہندوستان میں یہیں سے سیب لیجاتے ہیں۔ افغانوں کی سلطنت کے زمانہ میں جو شیخ زادے ملک ہندوستان میں جڑے بڑھے ہیں وہ شیخ محمد سلیمان کی اولاد میں سے فرل ہی کے رہنے والے ہیں۔ ایک تومان بنکش ہے۔ اُس میں افغان ہی افغان بستے ہیں۔ اور سب ڈاکو ہیں۔ چونکہ یہ لوگ خیراجی۔ قوگ۔ بابی۔ بوری اور کندر کی طرح ایک

آباد ہیں۔ اس سبب سے پورا محاصل ادا نہیں کرتے۔ مجھ کو جو فتح قندھار۔ بلخ۔ بدخشاں اور ہندوستان کے بڑے بڑے کام پیش آگئے تو ملک بنگلش کے انتظام کرنے کی ذرا فرصت نہ ملی۔ خدا تعالیٰ تھوڑا سا اطمینان عنایت کرے تو اُس ملک کا انتظام کروں۔ اور وہاں کے ڈاکوؤں کی خبروں۔ کابل کے بلوکوں میں سے ایک بلوک الآسائی ہے۔ جو بحرِ آدمی سے دو میل شرعی کے راستہ پر ہے۔ بحرِ آدمی سے مشرق کی طرف سیدھا راستہ آتا ہے جب مقام کورہ پر پہنچتا ہے تو الآسائی میں سے ہوتا ہوا ایک چھوٹے سے پہاڑی سے نکل جاتا ہے۔ اس جانب گرم سیر اور سرد سیر ملک میں یہی کورہ کا پہاڑ فاصل ہے۔ اس پہاڑی سرے ہی پر جانوروں کی گذرگاہ ہے۔ بحرِ آدمی کی فوج کے بہنے والے چھپ کر بہت جانور پکڑتے ہیں۔ پہاڑ سے نکلنے کے مقاموں میں جائے پناہ کی جگہ بنا رکھی ہے۔ جانور پکڑنے والے ان پناہ گاہوں میں پوشیدہ ہو بیٹھتے ہیں اور پانچ چھ گز کے فاصلہ سے ایک طرف جال بچھا دیتے ہیں۔ ایک جانب جال کو کنکروں کے نیچے چھپا دیتے ہیں۔ دوسری جانب آدھے جال میں تین چار گز کی لکڑی باندھ دیتے ہیں۔ لکڑی کا ایک سرا اُس شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو پتھر کی آڑ میں بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ شخص پتھر کی اُن دڑاڑوں میں سے جن کو بنا لیا ہے تاکتا رہتا ہے۔ جو نہی جانور جال کے قریب آیا اور اس نے لکڑی دھڑکھٹی۔ جانور فوراً جال میں پھنس جاتا ہے۔ اس ترکیب سے بہت جانور پکڑ لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ اتنے جانور پکڑتے ہیں کہ ذبح کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ اُس ملک میں آلہ سائی کے انار کی بہت شہرت ہے۔ گو وہ کچھ عمدہ نہیں ہوتا مگر یہاں تو اس سے بہتر انار نہیں ہے۔ یہاں کے اناروں کو تمام ہندوستان میں بیجاتے ہیں۔ اس ملک کا انگور بھی بُرا نہیں ہوتا۔ بحرِ آدمی کی شراہوں سے آلہ سائی کی شہرت بہت تیز اور خوش رنگ ہوتی ہے۔ ایک بلوک بدراد ہے۔ جو آلہ سائی کے پہلو میں ہے۔ اس میں میوہ پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں کے پہاڑی کافر ہیں۔ غلہ کی کاشت کرتے ہیں جس طرح خراسان اور سمرقند میں جنگلی قومیں اتراک اور ایماق ہیں۔ اسی طرح اس ملک میں ہزارہ اور افغان کی قومیں ہیں۔ ہزارہ قوم میں بڑی قوم ہزارہ سعودی ہے۔ اور افغانوں میں ہمدرد کابل کی آمدنی [مع لغانات و صحرائین کے] جمعندی آٹھ لاکھ شاہریہ تشخیص ہوئی ہے۔

اطراف کے پہاڑ اور اُسکی نبات کابل کے مشرقی اور مغربی پہاڑ یکساں ہیں۔ اندراب۔ خوست اور بدخشاں کے سارے پہاڑ سرسبز ہیں۔ اور

اُن میں چشمے بہت ہیں۔ پہاڑوں میں۔ رمنوں میں اور ٹیلوں پر برابر گھانس پیدا ہوتی ہے۔ اکثر ایک قسم کی گھانس ہوتی ہے۔ جس کو یونگہ کہتے ہیں۔ یہ گھانس گھوڑوں کو بہت موافق ہے۔ اندجان کے علاقہ میں اس گھانس کو بونگہ اوتی کہتے ہیں۔ ہم کو اسکی وجہ تسمیہ معلوم نہ تھی۔ اس ملک میں معلوم ہوئی۔ چونکہ اس گھانس میں بونگہ نکلتا ہے اس لیے اسکو بونگہ کہتے ہیں۔ یہاں بھی حصار۔ ختلان۔ سمرقند۔ فرغانہ۔ اور مغلستان کی طرح ایلاقی ہیں۔ اگرچہ فرغانہ اور مغلستان کے ایلاقوں سے ان ایلاقوں کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ مگر اسی طرح سے پہاڑ اور ایلاقی ہیں۔ بخارا۔ کوہستان لغانات۔ سوات اور بچور میں انار۔ چلوہ۔ زیتون۔ بلوط اور جنجک کثرت سے ہوتا ہے۔ وہاں کی گھانس اس پہاڑ کی گھانس کے برابر نہیں ہے۔ وہاں گھانس ہوتی تو بہت ہے اور اونچی بھی ہوتی ہے مگر کس کام کی۔ گھوڑوں اور بکریوں کو ذرا موافق نہیں ہوتی۔ یہاں کے پہاڑ وہاں کے پہاڑوں سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور حقیر نظر آتے ہیں۔ مگر بڑے مضبوط پہاڑ ہیں۔ ان کے پتے صاف اور ہموار ہیں۔ سارے پتے اور پہاڑ پتھر سے ہیں۔ گھوڑا کہیں نہیں چل سکتا۔ ان پہاڑوں میں ہندوستان کے جانور جیسے طوطا۔ مینا۔ مور۔ بوجار۔ بندر۔ نیل گائے اور کوتہ پائے بہت ہوتے ہیں۔ ان جانوروں کے علاوہ اور قسم کے چرند و پرند ہوتے ہیں جو ہندوستان میں سے بھی نہیں گئے۔ کابل کے مغرب کے پہاڑ میں درہ زندان۔ صوف۔ کروران اور غرختان ہے۔ یہ سارے پہاڑ ایک روش کے ہیں۔ یہاں گھانس کے رتنے میدانوں میں ہوتے ہیں۔ اُن پہاڑوں کی طرح پہاڑ اور پستہ میں گھانس نہیں پیدا ہوتی۔ ویسی سبزہ زار بھی ان میں نہیں ہے۔ یہاں کی گھانس گھوڑوں اور بکریوں کو موافق ہے۔ ان پہاڑوں کی چوٹیاں ہموار اور گھوڑے دوڑنے کے قابل ہیں۔ یہیں کھیتیاں بھی ہوتی ہیں۔ ان پہاڑوں میں ہرن بھی بہت ہوتے ہیں۔ وریاؤں کے بہنے کی جگہ مضبوط دروں میں سے ہے۔ اکثر مقامات ایک ہی طرح کے ہیں۔ ہر جائے سے نیچے نہیں اتر سکتے۔ یہ عجب تماشہ ہے کہ سارے پہاڑوں میں تو پہاڑوں کی چوٹیاں مضبوط ہوتی ہیں اور یہاں پتے مضبوط ہیں۔ غور۔ کرتو اور ہزارہ کے بھی پہاڑ اسی طرز کے ہیں۔ میدانوں وغیرہ میں گھانس ڈھیروں ہوتی ہے۔ یہاں درخت کم ہیں جنگل کی لکڑی اچھی نہیں ہوتی۔ گھانس گھوڑوں اور بکریوں کو سزاوار ہے۔ ہرن کی کثرت ہے۔ ان پہاڑوں کے مضبوط مقام ان کے پتے ہیں۔ یہ پہاڑ ویسے پہاڑ نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ خواجہ اسماعیل دوست۔ دکی اور افغانستان کے پہاڑ ہیں۔ یہ بھی سب ایک ڈھنگ کے ہیں۔ سب نیچے نیچے ہیں۔ ان میں گھانس کم ہوتی ہے۔ اور پانی ناقص۔ درخت کا نام نہیں۔ بدشا

اور یکا پہاڑ ہیں۔ یہ پہاڑ وہاں والوں کے بہت مناسب ہیں۔ چنانچہ یہ مثل مشہور ہے کہ ”لو لما غو نچہ قوس لماس“۔ دنیا میں ایسا بیوہ پہاڑ کم ہوگا۔ کابل میں سردی تو شدت کی ہوتی ہے۔ اور برف خوب پڑتی ہے۔

ایندھن مگر ایندھن بھی اتنا قریب ہے کہ ایک دن میں آجاتا ہے۔ وہاں کا ایندھن جنگ بلوط۔ باداچہ اور قرقند کی لکڑی کا ہوتا ہے۔ ان سب میں جنگ بہت عمدہ ہے۔

اس کی لکڑی دھردھرتی ہے۔ اس کے دھوئیں میں خوشبو ہوتی ہے۔ چنگاریاں دیر تک سلگتی رہتی ہیں۔ اس کی لکڑی گیلی بھی جل جاتی ہے۔ بلوط بھی اچھا ایندھن ہے۔ جلنے میں دھواں بہت ہوتا ہے۔ مگر بھگ جاتا ہے۔ اس کا کوئلہ پائیدار ہوتا ہے۔ دھوئیں میں خوشبو ہوتی ہے۔ بلوط کے درخت میں ایک عجیب خاصیت ہے۔ اگر اس کی ہری ٹہنی کو جس سے دوسرے پاؤں تک دھردھرتی جلنے لگتی ہے۔ اور پچھڑی آواز دیتی ہے۔ اور ایک دفعہ ہی جل جاتی ہے۔ اس درخت کا جلنا پڑا تماشہ معلوم ہوتا ہے۔ باداچہ کی سب سے زیادہ کثرت ہے۔ اس کے جلنا میکا رواج بہت ہے۔ اس کے کوئلہ کی آگ نہیں بھڑکتی۔ قرقند کی لکڑی پر چھوٹے چھوٹے کانٹے ہوتے ہیں۔ وہ گیلی سوکھی برابر جلتی ہے۔ غزنی میں اسی کا ایندھن ہوتا ہے۔

خاص نواح شہر کابل کے پہاڑ کابل کا شہر جن پہاڑوں میں واقع ہے وہ پہاڑ تور اور یقچہ کے پہاڑوں جیسے ہیں۔ ان پہاڑوں میں بہت مقامات

پر صاف اور چٹیل میدان ہیں۔ انہی میں اکثر گاؤں آباد ہیں۔ یہاں ہرن کا شکار کم ہے۔ تیر کے مہینے میں اور بہار کے موسم میں جہاں قشلاق اور ایلاق معین کرتے ہیں ان کے راستوں میں لال ہرنوں کی ڈاروں کی ڈاریں ہوتی ہیں۔ شوقین لوگ پہلے ہوئے شکاری

گتوں کو بجاتے ہیں اور ڈاروں کو گھیر کر شکار کھیلے ہیں۔ سر قاب اور خاص کابل کی نواح میں گور خ بھی ہوتا ہے۔ سفید ہرن بالکل نہیں ہوتا۔ غزنی میں سفید ہرن کثرت سے ہوتے ہیں سفید ہرن جیسا غزنی میں فرہ ہوتا ہے ویسا کہیں کم ہوتا ہوگا۔ بہار کے موسم میں کابل نہایت عمدہ شکار گاہ ہے۔ پرند جانوروں کی ٹھیک دریاے باران کے کنارہ پر ہے۔ اس لیے کہ مشرق کی طرف بھی تمام پہاڑ ہیں اور مغرب کی طرف بھی۔ اسی دریاے باران کے کنارے کے سامنے ایک بڑا پہاڑ ہے جس کو ہندو کوش کہتے ہیں۔ سوائے اس کے اور کوئی پہاڑ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی

طرف سے جانوروں کا گزر ہوتا ہے۔ اگر ہوا ہوتی ہے یا ہندو کوش پر کچھ ابر ہوتا ہے تو جانور نہیں اڑ سکتے۔ سب کے سب دریاے باران کے میدان میں پڑے رہتے ہیں۔ اس موقع پر یہاں والے بیشمار جانور پکڑتے ہیں۔ دریاے باران کے کنارہ پر جاڑے کے آخر میں رہنا یہاں

بہت آتی ہیں۔ جو خوب موٹی تانزی ہوتی ہیں۔ پھر کلنگ اور قرقرے وغیرہ بڑے بڑے جانور
سجد آ جاتے ہیں۔

دریائے باران کے کنارہ پر کلنگوں کیلئے طناب
ڈالتے ہیں۔ اور طناب سے بیشمار کلنگ پکڑ لیتے
ہیں۔ بگلوں۔ قرقروں اور حوصلوں کو بھی اسی طرح

دریائے باران کے کنارہ پر پرندوں
اور مچھلیوں کے شکار کھینے کی ترکیب

پکڑتے ہیں۔ ایسے جانور غیر مکر ہوتے ہیں۔ اس طناب سے پکڑنے کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے
ایک مہین رستی جو گز بھر کی ہوتی ہے تانتے ہیں۔ رستی کے ایک سرے پر ایک گز اور دوسرے سرے
کی طرف بیلہ رد کی جس کو کسی شاخ سے بناتے ہیں خوب مضبوط باندھ دیتے ہیں۔ ایک
لکڑی بالشت بھر لہی اور کلائی کے برابر موٹی لیتے ہیں۔ اس لکڑی پر اُس رستی کو گز کی طرف
سے آخر تک پھیلتے ہیں۔ رستی کے تمام ہونے کے بعد بیلہ رد کی کو جکڑ کر باندھتے ہیں۔ پھر
اُس لکڑی کو لپیٹی ہوئی رستی میں سے نکال لیتے ہیں۔ رسی اُسی طرح لپیٹی ہوئی کھوکھلی رہ جاتی
ہے۔ بیلہ رد کی کو ہاتھ میں پکڑ کر جو جانور کہ سانے سے اُڑتے ہوئے آتے ہیں اُنکی طرف
گز کو پھینکتے ہیں۔ اگر جانور کی گردن پر وہ گز پڑ گیا تو جانور اُس میں لپٹ کر پھنس جاتا ہے۔
دریائے باران کے کنارے لوگ اسی طرح جانور پکڑتے ہیں۔ مگر یوں جانوروں کا پکڑنا بڑی
محنت کا کام ہے۔ اس لیے کہ برسات کی اور اندھیری راتوں میں یہ شکار کھیلنا جاتا ہے۔
ان راتوں میں یہ جانور درندوں کے ڈر سے صبح تک بیقرار رہتے ہیں۔ برابر اُڑتے پھرتے
ہیں۔ اور زمین سے لگے ہوئے اُڑتے ہیں۔ اندھیری راتوں میں ان کے اُڑنے کا راستہ
بہتے ہوئے پانی پر سے ہوتا ہے۔ چونکہ اندھیرے میں پانی چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے اسلئے
ڈر کے مارے صبح تک ادھر ادھر پھرتے رہتے ہیں۔ اسی موقع پر جال بچھائے جاتے ہیں۔
میں نے بھی ایک مرتبہ ایک رات جال ڈلوایا تھا۔ وہ ٹوٹ گیا۔ جانور بھی ہاتھ نہ آئے۔
صبح کو ٹوٹی ہوئی رستیوں سمیت جا بجا جانور ملے۔ اور لوگ اُنہیں لے آئے۔ دریائے باران
کے شکاری اسی طرح بگلے بھی بہت سے پکڑ لیتے ہیں۔ بگلوں ہی کے پر کلیوں میں لگتے
ہیں۔ عراق اور خراسان میں کابل سے جو اسباب جاتا ہے اُس میں ایک یہ کلنی بھی ہوتی ہے۔
ایک گروہ غلاموں کا ہے جو شکاری ہے۔ اُس کا پیشہ یہی ہے۔ ان لوگوں کے دو تین سو
گھر ہونگے۔ امیر تیمور کی اولاد میں سے کوئی شہزادہ ان غلاموں کو لایا تھا۔ یہ لوگ گڑھے وغیرہ
کھود کر اُن پر جال بچھاتے ہیں۔ اور اس ترکیب سے ہر قسم کا جانور پکڑتے ہیں۔ ان کے
علاوہ اس مقام کے تقریباً سارے ہی باشندے ہر طریق سے جانور پکڑتے ہیں۔

دریائے باران سے مچھلیاں | اسی موسم میں دریائے باران میں مچھلی بھی آتی ہے۔ ایک تو جال ڈال کر دوسرے حج باندھ کر بہت مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ پکڑنے کی ترکیبیں۔

ایک اس ترکیب سے پکڑتے ہیں کہ جاڑے کے موسم میں قولان قویردغی ایک قسم کی گھانس پیدا ہوتی ہے۔ جب وہ بڑھ جاتی ہے اور اُس میں پھول لگ کر بیج آجاتا ہے تو اس گھانس کے دس بادہ گھٹے اور کوکے شیشیاں کے بیس تیس گھٹے دریا پر لاتے ہیں۔ اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں۔ اور پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ جونہی اُن کو پانی میں ڈالتے ہیں وہ بھی خود بھی پانی میں اُتر پڑتے ہیں۔ اور مست مچھلیاں پکڑنا شروع کرتے ہیں۔ اور کہیں نشیب میں جہاں مناسب ہوتا ہے چنچ باندھ دیتے ہیں۔ چنچ باندھنا اس کو کہتے ہیں کہ اُنگلی کے برابر نال کے چنچے لیکر اُن کو چنچ کی طرح بٹنتے ہیں۔ اس چنچ کو وہاں رکھتے ہیں جہاں اوپر سے پانی گرتا ہے۔ اور اُس جائے گڑھا ہو جاتا ہے۔ اس کے گرد پتھر چُن دیتے ہیں۔ اس چنچ پر سے پانی گرتا ہے اور آواز کرتا ہوا نیچے آتا ہے۔ نیچے آتے ہی اوپر چڑھ جاتا ہے۔ جو مچھلیاں نیچے آتی ہیں وہ چنچ کے اوپر رہ جاتی ہیں۔ اور مست مچھلیوں کو گھیر گھیر کر اس چنچ کی طرف لاتے ہیں۔ اس ترکیب سے الغاروں مچھلیاں پکڑ لیتے ہیں۔ دریائے گل تیار۔ دریائے پروان اور دریائے استائف میں سے اس طرح بہت مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ لغانات میں جب جاڑا ہوتا ہے تو وہی طرح سے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ وہ ترکیب یہ ہے کہ جس مقام پر پانی اوپر سے نیچے کی طرف گرتا ہے اُس کے برابر جائے گڑھے کر کے چولھوں کے پایوں کی طرح پتھر اُن گڑھوں پر رکھ دیتے ہیں۔ اُن پر اور پتھر چُن دیتے ہیں نیچے کی طرف جو پانی میں ہوتی ہے ایک دروازہ بنا دیتے ہیں۔ اور پتھر اس طرح چنتے ہیں کہ جو چیز اس کے اندر آجائے وہ بغیر اسی دروازہ کے کسی اور جائے سے نکل ہی نہ سکے۔ ان چنچے ہوئے پتھروں کے اوپر سے پانی بہتا ہو جاتا ہے۔ گویا اس طرح وہ مچھلیوں کے لیے ایک گھر بنا دیتے ہیں۔ جب جاڑے کے موسم میں مچھلیوں کی حاجت ہوتی ہے تو ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے کو کھولا اور چالیں پچاس مچھلیاں لیکار ہی لے آئے۔ ایک ایسا جال بھی بچھاتے ہیں کہ کسی خاص جگہ گڑھا کھود دیتے ہیں۔ اُس کے مُنہ کے علاوہ سب طرف پرال سے باندھ دیتے ہیں۔ اور اُس کے پانی پر پتھر رکھ دیتے ہیں۔ اُس کے دروازہ پر چنچ جیسی ایک چیز بٹن کر اور اُس کے دونوں سرے ایک جائے جمع کر کے باندھ دیتے ہیں۔ اور اُس کے بیچ میں ایک دوسری چیز چنچ ہی جیسی بٹن کر مضبوط کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کا مُنہ چنچ کے برابر ہوتا ہے۔ اور اس کی درازی اگلی چنچ سے آدھی ہوتی ہے۔ اس کا اندرون مُنہ تنگ کر دیتے ہیں۔ اس اندرون کی چنچ کے بیرون مُنہ سے مچھلی اندر آ جاتی ہے۔ بڑی چنچ کو

اندرون کو ایسا کر دیتے ہیں کہ پھیلی باہر نہ نکل سکے۔ درونی چیخ کے نیچے کے درونی منہ کو ایسا کر دیتے ہیں کہ اس کے اوپر سے منہ سے جو پھیلی آئے اندر کے منہ سے ایک ایک چلی جائے۔ درونی منہ کی لکڑیوں کے سروں کو ایک جائے کر دیتے ہیں۔ پھیلی اس منہ سے ہوتی ہوئی بڑی چیخ میں آجاتی ہے۔ نکلنے کے منہ کو تو مضبوط ہی کر دیتے ہیں۔ پھر پھیلی باہر نہیں نکل سکتی۔ اگر پلٹے بھی تو اُن سیخوں کے سبب سے جو درونی چیخ خوردیں لگادی ہیں نہیں نکل سکتی۔ جن چیخوں کا بیان کیا ہے اُن کو جب ماہی خانہ کے منہ پر لگاتے ہیں تو ماہی خانہ کے سر کو کھول دیتے ہیں۔ اس کا گرداوا تو چانولونکی پرال سے مضبوط کر دیتے ہیں۔ بس جتنی پھیلیاں پکڑنی منظور ہوتی ہیں اسی گڑھے میں پکڑ لیتے ہیں۔ اگر کوئی پھیلی بھاگتی بھی ہے تو چونکہ دروازہ ایک ہے اس لیے چیخ میں ہی آجاتی ہے۔ وہیں اُس کو پکڑ لیتے ہیں۔ پھیلی پکڑنے کا ایسا طریقہ نہیں دیکھا۔ جب میں کابل فتح کر چکا تو چند روز بعد مقیم نے قندھار جانے کی اجازت لی۔ چونکہ عہد و پیمان ہو گیا تھا اس لیے سب آدمیوں اور مال متاع سمیت صحیح سلامت اُس کے باپ اور بھائی کے پاس جانے کی رخصت دیدی۔ ان کے چتا کرنے کے بعد کابل اُنہی امر پر جو وہاں تھے تقسیم کر دیا۔ یہ لوگ میرے ساتھ تکلیفوں اور مصیبتوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ ان میں سے کسی کو گاؤں کسی کو زمین وغیرہ دی گئی۔ ملک کسی کو نہیں دیا۔ کچھ اسی وقت نہیں بلکہ جس وقت خدا نے مجھ کو دولت عنایت کی میں نے مہانوں اور اجنبی امر اور غیرہ کو باریوں اور اند جانوں سے بہتر سمجھا۔ مگر باوجود اس کے غضب یہ ہے کہ ہمیشہ لوگ مجھ پر طعن کرتے رہے کہ سوائے باریوں اور اند جانوں کے کسی کے ساتھ سلوک نہیں کیا جاتا۔ خیر ترکی مثل مشہور ہے۔ دشمن کیا کچھ نہیں کہتا اور خواب میں کیا کیا نظر نہیں آتا۔

دروازہ شہر را توں بست توں دہن مخالفان بست

چونکہ حصار۔ سمرقند اور قند زو غیرہ سے قویں اور قبیلے بہت سے آگئے تھے اس لیے یہی مناسب سمجھا کہ کابل تو چھوٹی سی جگہ ہے جہاں تلوار کا کام ہے۔ قلم کا کام نہیں ہے۔ سب آدمیوں کو پرورش نہیں کیا جاسکتا۔ ان لوگوں کے اہل و عیال کو کچھ غلہ دیا جائے اور اطراف میں لشکر کشی کی جائے۔ یہ بات ٹھیکہ کر کابل اور غزنی کے علاقوں سے تیس ہزار خروار غلہ تحصیل کیا۔ چونکہ کابل کی آمدنی اور پیداوار کو بے سمجھے یہ تحصیل کی اس لیے ملک میں خرابی پیدا ہو گئی۔ اسی موقع پر میں نے حصہ باری اختراع کیا۔ معلوم ہوا کہ ہزارہ سلطان مسعودی کے پاس گھوڑے اور بکریاں بہت ہیں۔ وہاں تحصیلداروں کو بھیجا گیا۔ چند روز کے بعد تحصیلداروں کے پاس

خبریں آئیں کہ ہزارہ قوم محمول نہیں دیتی اور سرکشی کرتی ہے۔ اس سے پہلے کئی بار غزنی اور کروڑہ کا راستہ بھی انہوں نے لوٹا تھا۔ ان وجوہات سے سلطان مسعودی کے ہزارہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ اور میدان کے راستہ سے راتوں رات کو تل چرخ ہوا ہوا نماز کے وقت ہزارہ کی نواح کو جا مارا۔ خاطر خواہ لوٹ مار کے بعد وہاں سے تنگ سوراخ کے راستہ اُٹا پھر آیا۔ اور جہانگیر میرزا کو غزنی روانہ کیا۔

ہندوستان کی جانب پہلا حملہ | جب میں کابل میں آگیا تو دریا خاں کا بیٹا یار حسین بہرہ سے میرے پاس حاضر ہوا۔ چند روز بعد میرا ارادہ فوج کشی کا

ہوا۔ جو لوگ ملک کے حالات سے واقف تھے اُن سے اطراف و جانب کا حال دریافت کیا۔ بعض نے تو دشت کی طرف چلنے کی صلاح دی۔ کسی نے بنگش کی طرف چلنا مناسب سمجھا۔ بعض نے ہندوستان کی صلاح دی۔ آخر ہندوستان پر یورش کرنے کی ٹھیری شبنم کے مہینہ میں جبکہ آفتاب برج دلو میں تھا کابل سے ہندوستان کا رخ کیا۔ بادام چشمہ اور جگد لک کے راستہ سے چھ منزلیں کر کے آدینہ پور میں جا پہنچے۔ گرم ملک اور نواح ہندوستان کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ یہاں پہنچتے ہی دوسرا عالم نظر آیا۔ چوپائے اور قطع کے پرند دوسری وضع کے۔ قوموں اور قبیلوں کی رسمیں اور کچھ۔ ایک حیرت پیدا ہو گئی۔ اور حقیقت میں حیرت کی جائے ہے۔ ناصر میرزا جو پہلے سے اپنی جاگیر میں آگئے تھے آدینہ پور میں آکر انہوں نے ملازمت حاصل کی۔ ان کا گھر بار اور لشکر وہیں سے قشلاق کے لیے لغانات میں آگیا تھا۔ ناصر میرزا کا لشکر اور جتنا ہمارا لشکر تھے رہ گیا تھا اُس کے لیے دو تین دن اس نواح میں ٹھیرنا پڑا۔ پھر سب کو ساتھ لے شاہی ندی کے انتہا کی طرف مقام قوس گنبد میں اُم آترے۔ ناصر میرزا نے یہ کہہ کہ میں اپنے آدمیوں کو اپنی جاگیر میں سے کچھ دیدوں اور دو تین دن بعد چلا آؤں قوس گنبد سے رخصت چاہی اور وہیں رہ گیا میں قوس گنبد سے کوچ کر کے چشمہ گرم پر خیمہ زن ہوا ہی تھا کہ تجھے نامی کو جو قوم کا کیانی میں بڑا آدمی تھا اور ایک تافلہ کے ساتھ آیا تھا میرے پاس لائے۔ راستہ وغیرہ دریافت کرنے کی مصلحت سے میں نے اُس کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ خیبر سے دو تین کوچ کے بعد جام میں اُترنا ہوا۔ کورک تیری کی بہت تعریف سنی تھی۔ یہ مقام ہندوؤں اور جوگیوں کا مندر ہے۔ وہ لوگ دور دور سے آکر اس مقام کی تیرتھ کرتے ہیں۔ سر اور ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔ جام میں اُترتے ہی میں بکرام کی سیر کے لیے سوار ہوا۔ نواح بکرام کی سیر کی۔ یہاں ایک بہت بڑا درخت دیکھنے میں آیا۔ ملک سعید بکرامی رہبر تھا۔ میں نے اُس سے کورک تیری کا حال

دریافت کیا۔ چپکا ہو رہا۔ جب میں پلٹ کر لشکر کے قریب آیا تو اُس نے خواجہ محمد امین سے کہا کہ کورک تیری بکرام کے پاس ہی تھی۔ میں نے اس واسطے ذکر نہیں کیا کہ وہاں گڑھے بہت ہیں۔ وہ جائے بڑی تنگ ہے۔ اور خوفناک مقام ہے۔ خواجہ نے مجھ سے بھلی کھائی۔ اور اُسی وقت یہ حال بیان کر دیا۔ دن ہو چکا تھا۔ اور راستہ بھی دور تھا۔ میں اُس وقت نہ جاسکا۔ یہیں مشورہ کیا کہ دریائے سندھ سے عبور کریں۔ یا اور طرف سے چلیں۔ باقی چٹانیانی نے عرض کیا کہ دریا سے عبور کرنا نہ چاہیے۔ یہیں کے مقامات میں سے کسی جائے ٹھہر کر کھت ایک جائے ہے وہاں چلنا چاہیے۔ وہاں کے لوگ مالدار اور آسودہ ہیں۔ وہ کئی کابیوں کو بھی لایا۔ انہوں نے اُسی کے موافق بیان کیا۔ ہم نے اُسکا نام بھی نہ سنا تھا۔ مگر جب ایک بڑے اور مقتدر آدمی نے صلاح دی اور اُس نے اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ بھی گزرائے تو دریا سے عبور کرنے کا اور ہندوستان چلنے کا قصد فرما کر دیا۔ جام سے کوچ کر کے دریائے باران سے پار ہو محمد شیخ دامانی کے قریب آٹھیرے۔ اُن دنوں میں پشاور میں کاکیاں افغان تھے۔ ہمارے لشکر کے خوف سے وہ پہاڑ کے دامنہ میں جا چھپے۔ اس قوم کا سردار خسرو کاکیاں تھا۔ یہیں اُس نے آکر ملازمت حاصل کی۔ راستہ وغیرہ دریافت کرنے کے لیے اس کو بھیجے آ کے ہمراہ کر دیا۔ آدمی رات گئے اس منزل سے چلے۔ آفتاب نکلنے تک محمد شیخ سے نکل چاشت کے وقت کھت کو جاما را۔ گائیں اور بھینسیں بہت ہاتھ آئیں۔ بہت سے پٹھان بھی گرفتار ہوئے۔ جن کو قید رکھنا تھا اُن کو الگ کر لیا اور باقیوں کو چھوڑ دیا۔ ان کے گھروں میں غلہ ڈھیریں تھیں۔ فوج کے ایک دستہ نے دریائے سندھ کے کنارہ کو جاما را۔ ایک رات وہ وہیں رہا۔ دوسرے دن ہمارے ساتھ آ ملا۔ باقی چٹانی نے جتنا کہا تھا اتنا اہل لشکر کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ باقی اس سے بہت ہی شرمندہ ہوا۔ کھت میں دو شبانہ روز رہے۔ متفرق فوج کو اکٹھا کیا گیا۔ اور صلاح کی کہ اب کدھر چلیں۔ یہ بات قرار پائی کہ بنوں اور بنگش کی نواح کو لوٹتے ہوئے تغزیا فرل کے راستہ سے پلٹ جانا چاہیے۔ دریا خاں کے بیٹے یا حسین نے جس نے کابل میں حاضر ہو کر ملازمت کی تھی اسد عاکی کہ دلازاک۔ پوست زئی اور کاکیاں قوموں کے نام فرمان لکھے جائیں کہ وہ لوگ میرے فرمانبردار رہیں۔ میں دیکھا سندھ کے اُس جانب حضور کی تلوار چمکتا ہوں۔ میں نے اُس کے موافق حکم دیدیا۔ اور کھت سے اُس کو رخصت کر دیا۔ کھت سے ہنگویا کے راستہ سے بنگش کے اوپر کی طرف ہم چلے کھت اور ہنگویا کے بیچ میں ایک درہ ہے جس کے دو ذیل جانب پہاڑ ہیں۔ راستہ درہ میں ہے۔

کوچ کرنے کے بعد درہ میں آتے ہی کھت اور اس نواح کے سارے افغان اکھٹے ہو کر پہاڑوں پر جو درہ کے دونوں طرف ہیں آمو جو د ہوئے۔ لگے سواروں کو مارنے۔ اور قتل مچانے۔ ملک ابوسعید بکرامی جس کو ان افغانوں کا حال خوب معلوم تھا اس یورش میں رہبر تھا۔ اُس نے عرض کیا کہ یہاں سے آگے بڑھ کر سیدھی طرف ایک پہاڑ ہے۔ اگر افغان یہاں سے اُس پہاڑ پر آجائیں تو چونکہ وہ پہاڑ الگ نہیں ہیں اس لیے ہر طرف سے گھیر کر اُن کو ہم پکڑ سکتے ہیں۔ خدا کی قدرت۔ افغان ہم سے لڑتے ہوئے اُسی پہاڑ پر آگئے۔ کچھ فوج کو حکم دیا گیا کہ ابھی اس گردنے کو جو دو پہاڑوں کے بیچ میں ہے اپنے قبضہ میں کر لو۔ اور کچھ فوج کو حکم دیا کہ ادھر اور ادھر سے ہر شخص حملہ کرے اور ان افغانوں کو ان کے کردار کی سزا دے۔ جو پہنی ہمارے آدمیوں نے حملہ کیا وہ پہنی اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ ایک وقت میں سو ڈیڑھ سو افغانوں کو گھیر لیا۔ بہت سنوں کے تو سر کاٹ لیے۔ اور بعض کو زندہ گرفتار کر لیا۔ افغانوں کا قاعدہ ہے کہ جب ہارتے ہیں تو غنیم کے آگے تنکا منہ میں لیتے ہیں۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ ہم تمہارے آگے مثل تنکے کے ہیں۔ یہ رسم یہیں دیکھی۔ ہمارے سامنے بھی افغانوں نے عاجز ہو کر تنکے منہ میں لے لیے۔ جو زندہ گرفتار ہوئے تھے اُن کے لیے حکم دیا گیا کہ سب کو قتل کر دو۔ اور اُن کے سروں سے اس منزل میں مینا چن دو۔ دوسرے دن صبح کو یہاں سے کوچ کیا۔ اور ہنگو کی نواح میں آن اترے۔ اس نواح کے سب افغانوں نے ایک پہاڑی پر سنکر بنا لیا تھا۔ (سنکر کا لفظ کابل میں آکر سنا ہے۔ یہ لوگ پہاڑ پر جس جگہ کو مضبوط کر لیتے ہیں اُسکو سنکر کہتے ہیں)۔ سنکر کے پاس پہنچتے ہی افغانوں کو ہم نے مار لیا۔ سو دو سو متر دون کے سر کاٹ دیے۔ ان سروں سے یہاں بھی مینا کھڑی کروادی۔ ہنگو سے چلے۔ اور ایک منزل کے بعد بنگش کے نیچے کی جانب بالائینل نام ایک جگہ ہے۔ وہاں اترے۔ یہاں سے ہمارے لشکر کی اُن افغانوں کے لوٹنے اور مارنے کے لیے جو گرد نواح میں ہیں چلے گئے۔ بعض اہل لشکر ایک ہی سنکر سے جلد واپس آگئے۔ یہاں سے جو چلے تو کدھب راستہ پر ہو لیے۔ بیچ میں ایک منزل کی۔ دوسرے دن نیچے کی طرف بہت جلد اترے۔ تنگ اور دور و دراز راستہ سے نکل بنوں میں پہنچے۔ پاپا اونٹوں اور گھوڑوں نے پہاڑ کی بلندی اور راستہ کی تنگی میں بچہ تکلیف اٹھائی۔ جو مویشی لوٹی تھی وہ اکثر رہ گئی۔ شاہراہ سیدھے ہاتھ کی جانب دو کوس پر رہ گئی تھی۔ یہ راستہ سواروں کا نہ تھا۔ گڈریے مویشی کے ریوڑوں کو اس راستہ سے لیجا کر تے ہیں۔ اسی

یہ راستہ گو سفند بسیار کے نام سے مشہور ہے۔ (افغانی زبان میں راستہ کو بسیار کہتے ہیں) رہبر ملک ابوسعید بکرامی تھا۔ اکثر اہل لشکر نے اس بے راہ روی کو ملک ابوسعید بکرامی کی کارروائی خیال کی۔ پہاڑ سے نکلنے ہی بنگش اور بنوں دکھائی دیے۔ یہ مقام صاف میدان ہے۔ اس کے شمال میں بنگش اور بنوں کا پہاڑ ہے۔ بنگش کی ندی بنوں سے ہوتی ہوئی آتی ہے۔ بنوں کا علاقہ اسی دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ اس کے جنوب میں چو پارہ اور دریائے سندھ ہے۔ مشرق میں دینکوٹ ہے۔ مغرب میں دشت ہے جسکو داتو تاک بھی کہتے ہیں۔ کراتی۔ کیوٹی۔ سور۔ عیسے خیل اور نیازی قوم کے افغان اس ملک میں کھیت کیا کرتے ہیں۔ بنوں میں آتے ہی سنا کہ جو قومیں میدان میں رہتی تھیں انہوں نے پہاڑوں میں سنکنا بنا لیے ہیں۔ اور وہیں رہتی ہیں۔ جہانگیر میرزا کو افسر کر کے بھیجا گیا۔ یہ لوگ سرگرمی کی طرف گئے۔ اور طرفۃ العین میں اُس کو جایا۔ وہاں قتل عام کیا۔ بہت سے سرٹ لائے۔ اور بہت سا اسباب سپاہیوں کے ہاتھ لگا۔ بنوں میں بھی کلمہ مینار چنوا دی گئی۔ اس سنکر کے فتح کرنے کے بعد کیوی قوم کا سربر آوردہ شادی خاں دانتوں میں تنکا پکڑ کر حاضر ہوا۔ قیدی اس کے حوالے کر دیے گئے۔ کھت پر چڑھائی کرنے کے وقت یہ بات ٹھہری تھی کہ بنگش اور بنوں کی نواح کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد نغزیا قتل کی راہ سے واپس جایا جائیگا۔ جب بنوں کو لے چکے تو دافکار لوگوں نے عرض کی کہ دشت قریب ہے۔ وہاں کے لوگ آسودہ ہیں۔ جگہ اچھی ہے۔ دشت پر حملہ کرنے اور اُسی راستہ سے چلنے کی صلاح ٹھہر گئی۔ صبح ہی وہاں سے کوچ کیا۔ اسی دریا کے کنارہ پر عیسے خیل کے موضع میں اترے۔ عیسے خیل کے لوگ ہماری خبر سنکر جو بارہ کے پہاڑوں میں بھاگ گئے تھے۔ اس موضع سے کوچ کیا۔ اور جو بارہ کے پہاڑ کے دامنہ میں جا اترے۔ فوج کا ایک دستہ پہاڑ میں گیا۔ اور عیسے خیل کے ایک سنکر کو اُس نے فتح کر لیا۔ بکریاں اور اسباب وغیرہ لوٹ لایا۔ اسی رات کو عیسے خیل افغانوں نے بشنونا مارنا چاہا۔ اس یورش میں احتیاط جو بہت کیجاتی تھی تو دشمن کچھ نہ کر سکے۔ اتنی احتیاط کیجاتی تھی کہ برانفار جراثار۔ قول اور ہراول جہاں اُترتا تھا ہر شخص مسلح اور پیادہ ہو کر لشکر کے گرد خیموں سے ایک تیر کے فاصلہ پر رات کو پھر اُترتا تھا۔ ہر رات کو اسی طرح سارے لشکروں کو باہر رہنا پڑتا تھا۔ سپاہیوں میں سے تین چار کو مشعلیں دیکر رات بھر باری باری سے لشکر کے گرد پھرایا جاتا تھا۔ میں بھی گشت لگاتا تھا۔ یہ حکم تھا کہ جو نہ نکلے اُسکی ناک کاٹ کر لشکر میں تشہیر کر دو۔ برانفار میں جہانگیر میرزا۔ باقی چغانیانی۔ شیرم طغانی۔ سید حسین اکبر وغیرہ تھے۔ برانفار میں میرزا خان۔ عبدالرزاق میرزا اور قاسم بیگ وغیرہ تھے۔ قول میں

کوئی بڑا امیر نہ تھا۔ سب مصاحب ہی تھے۔ ہراول میں سپہ ایشک آقا۔ بابا آوغلی اور اللہ جری تھا۔ لشکر کے چھ حصے کر دیے تھے۔ ہر حصہ ایک رات دن تک نگاہبانی کرتا تھا۔ اس دامنہ سے مغرب کی طرف چلے۔ چونکہ دشت میں کوئی دریا ایسا نظر نہ آیا جس میں پانی ہو اس لیے ایک خشک تالاب کے کنارہ پر اترے۔ لشکر والوں نے حرائی کو کھود کھود کر اپنے گھوڑوں اور مویشی کے لیے پانی نکالا۔ یہ ایسا مقام ہے کہ گز یا ڈیڑھ گز کھودنے سے پانی نکل آتا ہے۔ اسی ترانی پر منحصر نہیں ہے۔ ہندوستان کی تمام ندیوں کے کناروں کا یہی حال ہے کہ گز بھر یا ڈیڑھ گز کھودا اور پانی نکل آیا۔ ہندوستان میں یہ عجیب بات ہے کہ سوائے دریا کے پانی نہیں جاری رہتا۔ اور اس کی ندیوں کے کناروں پر اسی طرح پانی نزدیک نکل آتا ہے۔ اس خشک ندی سے صبح ہی کوچ کیا۔ ظہر کے وقت دشت کے ایک موضع میں صرف جریدہ سوار پیچھے۔ کچھ فوج وہاں سے لوٹنے کے لیے گئی۔ اسباب یونیشی اور سوداگروں کے گھوڑے لوٹ لائے۔ اس رات کو صبح تک اور صبح سے دوسری شام تک لشکر کی بہر۔ بار برداری کے اونٹ اور پیدل سپاہی سب آگئے۔ آج جو یہاں قیام کیا تو فوج کا ایک دستہ دشت کے دیہات میں گیا۔ اور بہت سی بکریاں وغیرہ لوٹ کر لایا۔ افغان سوداگروں کو مار کر بہت سا کپڑا دوایں۔ قند۔ مصری اور کھانے کا اسباب بھی لایا۔ افغانی سوداگروں میں خواجہ خضر زوغانی ایک مشہور اور بڑا سوداگر تھا۔ سیدی منغل نے اُس کو مارا اور وہ اُسکا سر کاٹ لایا۔ شیرم طغانی فوج کے پیچھے گیا۔ ایک افغان سے اُس کی مُٹھ بھیڑ ہو گئی۔ اُس نے ایک تلوار ماری جس سے اُس کی کلمہ کی اُنچلی کٹ گئی دوسرے دن وہاں سے کوچ کر دیا۔ دشت میں بمقام تیرک کے نزدیک اُترتا ہوا۔ وہاں سے چلے۔ اور دریائے کوتل کے کنارے پر ٹھہرے۔ دشت سے مغربی جانب دو ٹبریں جاتی ہیں۔ ایک سنگ سوراخ والی ہے جو تیرک سے قریب کو آتی ہے۔ دوسری دریائے کوتل کے کنارے کنارے تیرک کو چھوڑتی ہوئی قریب ہی آ جاتی ہے۔ بعض نے کوتل والے راستہ ہی کو اچھا سمجھا۔ جس دن سے ہم دشت میں آئے کسی ہارمتواتر بارش ہوئی۔ دریائے کوتل خوب چڑھ گیا تھا۔ چنانچہ بڑی مشکل سے گھاٹ کی تلاش کی۔ اور ہم پار اُترے۔ جو لوگ راستہ سے واقف تھے انہوں نے عرض کی کہ کوتل کے رستہ میں اسی ندی سے کمی جائے اُترنا پڑے گا۔ سچ یہ ہے کہ اگر ایسا ہی چڑھاؤ ہے تو بڑی مشکل ہے۔ اس راستہ میں بھی تردد پیدا ہوا۔ ابھی کوئی بات قرار

نہیں پائی تھی کہ دوسرے دن کوچ کا نقارہ بجا دیا۔ میرا خیال تھا کہ سر سواری اس بات کو ٹھیرالیں گے کہ کونسے راستے سے چلنا چاہیے۔ عید الفطر کا دن تھا۔ میں غسل کرنے لگا۔ جہانگیر میرزا اور امرا آپس میں گفتگو کر رہے تھے بعض کہنے لگے کہ کوہ غزنی جس کو کوہ مہتر سلیمان بھی کہتے ہیں دشت اور دو کی کے درمیان میں واقع ہے۔ اس کی بینی گاہ سے جاسکتے ہیں۔ اگرچہ دو ایک منزل کی زیادتی ہے مگر راستہ سیدھا ہے۔ سب کی یہی رائے ہوئی۔ بینی گاہ کی طرف ہوئیے۔ میرے نہانے سے فارغ ہونے تک اہل لشکر بینی گاہ کے برابر پہنچ گئے۔ اکثر دریائے کوتل سے پار بھی ہو گئے تھے۔ راستہ سے واقعیت نہ تھی اُس کی دوری اور نزدیکی کو بے جا بنے بوجھے بیوقوفوں کی باتوں میں آکر ہم اس راستہ میں چلے آئے۔ عید کی نماز دریائے کوتل پر پڑھی۔ اُس سال نوروز عید کے قریب ہی ہوا۔ صرف ایک دن کا فرق رہا۔ دریائے کوتل کو چھوڑ جنوب کی طرف پہاڑ کے دامنہ میں چلے۔ کوئی دو کوس چلے ہوئے کہ تھوڑے سے افغان جن کے سر پر فضا کھیل رہی تھی دامنہ کوہ میں جو پشتہ تھا اُس پر نمودار ہوئے۔ ہم نے اُن کی طرف گھوڑے ڈالے۔ بہت سے تو بھاگ گئے۔ اور کچھ نادانی سے چھوٹی پہاڑیوں پر جو دامنہ اور کمر کوہ میں تھیں ڈٹ گئے۔ ایک افغان ایک ٹیکری پر کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسری طرف نہ میدان تھا نہ جانے کا راستہ تھا۔ سلطان علی چناق اُدھر لپکا۔ اور اُس سے گتہ کر اُسے پکڑ لیا۔ قتل قدم ایک افغان سے بھڑا۔ دونوں لپٹ گئے۔ اور لپٹے ہوئے دس بارہ گز پر جا پڑے۔ آخر قتل قدم نے اُس کا سر کاٹ لیا۔ ایک پہاڑی پر کتہ بیگ کی ایک افغان سے منٹھ بھیڑ ہو گئی۔ دونوں لپٹے ہوئے پہاڑ پر سے آدھے پہاڑ تک لڑکتے ہوئے آئے۔ کتہ بیگ نے بھی اس کا سر کاٹ لیا۔ ان افغانوں میں سے بہت سے گرفتار ہوئے تھے۔ سب کو چھوڑ دیا گیا۔ دشت سے کوچ کیا۔ اور کوہ سلیمان کے دامنہ کو پکڑ کر جنوب کی طرف چلے۔ تین منزل کے بعد ایک چھوٹے سے قصبہ میں جو دریائے سندھ کے کنارہ کے بیلہ میں ہے اور ملتان سے متعلق ہے پہنچے۔ وہاں والے کشتیوں میں بیٹھ کر دریائے پار ہو گئے۔ کچھ تیر کر بھی نکل گئے۔ اس گاؤں کے سامنے ایک ٹاپو تھا۔ جو لوگ بھگڑ میں پیچھے رہ گئے تھے وہ اُس ٹاپو میں نظر آئے۔ اہل لشکر اکثر جمع گھوڑے اور ہتھیار دریا میں کود پڑے۔ کچھ تو تیر کر پار ہو گئے اور کچھ آدمی ڈوب گئے۔ سیر آدمیوں میں سے ایک قل احمد ابرو واق۔ ایک مہتر فراش اور جہانگیر میرزا کے آدمیوں میں سے ایک قاتی ماس ترکمان ڈوب گیا۔ اس ٹاپو میں سے کچھ کپڑا اور اسباب فوج کے ہاتھ لگا۔

اس نواح کے سارے رہنے والے کشتیوں میں میٹھ دریا ئے سندھ سے اُس طرف چل دیے۔ جو لوگ اس ٹاپو کے سامنے سے نکلے تھے اس بھروسے پر کہ دریا کا پاٹ بڑا ہے تلواریں ہاتھ میں لے کنارہ پر کھڑے ہو گئے۔ اور تلوار کے ہاتھ پھینکنے لگے ہماری فوج میں سے جو لوگ اُس ٹاپو کی طرف گئے تھے اُن میں سے قل بائزید بکاؤل اکیلا گھوڑے کی تنگی پیٹھ پر سوار اُن کے مقابلہ کے لیے دریا میں کود پڑا۔ ٹاپو کے اُدھر کا دریا دو حصے تھا اور اُدھر کا ایک حصہ۔ قل بائزید اپنے گھوڑے کو تیرا کر اُنکے مقابلہ میں ٹاپو سے ایک تیر کے فاصلہ پر جا پہنچا۔ پانی خوف زین تک ہو گا۔ تھوڑی دیر یہ ٹھیرا۔ غالباً اس نے اپنا اسباب درست کیا ہو۔ اس کے پیچھے کوئی کمک کو نہ پہنچا اور کمک کے پہنچنے کا اُس کو احتمال بھی نہ تھا۔ وہیں سے جھپٹ کر وہ اُن لوگوں کے سر پر جا دھمکا۔ دو تین ہی تیر مارے ہو گئے کہ وہ لوگ بھاگ نکلے۔ بیچ یہ ہے کہ اکیلے آدمی نے بلکہ کہ دریا ئے سندھ جیسے دریا سے تیر کر جو غنیم کو بھگا دیا اور اُس کی جائے پر قبضہ کر لیا تو بڑا مردانہ کام کیا۔ دشمنوں کے بھاگنے کے بعد لشکر والے جا پہنچے۔ اُن کا کپڑا۔ مویشی اور اسباب لوٹ لائے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی اُس کی خدمت اور بہادری کے جلد و میں جو اس سے کئی بار ظاہر ہوئی تھی اُس پر غنایت کی گئی تھی۔ اور بادرجی گری سے اپنے خاصہ کی بکاؤلی کے مرتبہ پر میں نے اُسے پہنچا دیا تھا۔ مگر اس کا رگزار سے مجھے اس کا پورا خیال ہو گیا۔ اور میں نے اُس پر پوری غنایت کی۔ چنانچہ آگے اس کا بیان آئیگا۔ فی الواقع وہ قابل رعایت و پرورش ہی تھا۔ یہاں سے کوچ کیا۔ دریا ئے سندھ کے کنارے کنارے دریا کے آخر کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر والوں نے متواتر حملوں میں اپنے گھوڑے تھکا دیے۔ وہاں کا مال بھی کچھ مال نہ تھا۔ نرمی گائیں گائیں تھیں۔ دشت میں تو کہیں سے بکریاں اور کہیں سے کپڑا وغیرہ اہل لشکر کے ہاتھ آیا بھی تھا۔ مگر دشت سے نکل کر سوائے گایوں کے اور کچھ تھا ہی نہیں۔ دریا ئے سندھ کے اس کنارہ کے سفر میں یہ حال ہوا کہ تین تین سے چار چار سے گھائیں ایک ایک سپاہی کے پاس ہو گئیں۔ مگر جیسی لائے تھے زیادتی کے سبب سے ویسی ہی چھوڑ دینی پڑیں۔ تین منزل تک اسی دریا کے کنارہ پر چلنا ہوا۔ تین منزل کے بعد مزار پیر گاؤں کے سلسلے دریا ئے سندھ سے علحدہ ہوئے۔ مزار پیر گاؤں میں اُترے۔ چونکہ بعض میاہوں نے وہاں کے مجاوروں کو ستایا تھا اس لیے میں نے اُن میں سے ایک کو یہ سزا دی کہ ٹکڑے ٹکڑے کرادیا۔ ہندوستان میں یہ مزار بہت متبرک ہے۔ اُس پہاڑ کے دامن میں ہے۔

جو کوہ سلیمان سے ملا ہوا ہے۔ یہاں سے کوچ کیا اور پہاڑ کے اوپر اترے۔ یہاں سے چل کر ایک گاؤں میں جو ملک دو کی کے علاقہ میں ہے فروکش ہوئے۔ اس منزل سے چلنے کے وقت شاہ بیگہ کا ملازم فاضل کو کلتاش نام جو مقام اسوی کا داروغہ تھا بینا سپاہیوں کے ساتھ قراولی کے لیے آیا تھا۔ اُس کو پکڑ لائے۔ اُس وقت تک اُس سے بگاڑ نہ تھا۔ ہتھیار اور گھوڑوں سمیت اُس کو چھوڑ دیا گیا۔ بیچ میں ایک منزل کر کے چوپانی کے قریب جو دو کی کے علاقہ میں ہے اُن اترے۔ دریائے سندھ کے اُس طرف اگرچہ دریا کے کنارہ کے پاس بے آرام اور لڑتے بھڑتے رہے مگر گھوڑوں کے لیے دانہ گھانسن کی کمی نہ تھی۔ گھوڑے بھوکے نہ رہے۔ دریائے سندھ سے پیر گاؤں کی طرف آئے تو سبز گھانسن نہ ملی۔ اور جہاں دو تین منزلوں میں خریدار تھا وہاں دانہ مطلق میسر نہ ہوا۔ اپنی منزلوں سے گھوڑے تھکنے لگے۔ چوپانی سے چل کر جو منزل کی تو بار برداری کے جانور نہ ہونے سے میرا خیمہ وہیں رہ گیا۔ اسی منزل میں رات کو بارش ایسی ہوئی کہ چھو لہاریوں میں سان تک پانی چڑھ گیا۔ کنبلوں کو بچھا بچھا کر اُن پر بیٹھے۔ ساری رات یونہی تکلیف سے گزر کر صبح ہوئی۔ دو ایک منزل کے بعد جہانگیر میرزا نے میرے کان میں کہا کہ مجھے کچھ علیحدہ عرض کرنا ہے۔ میں علیحدہ ہو گیا۔ کہنے لگا کہ باقی چنانی نے آکر مجھ سے کہا ہے کہ بادشاہ کو تو سات آٹھ آدمیوں کے ساتھ دریائے سندھ کے پار چلتا کر دیتے ہیں اور تم کو تخت پر بٹھا دیتے ہیں۔ میں نے کہا، درکن کون اس مشورہ میں شریک تھا؟ اُس نے کہا اس وقت تو مجھ سے باقی بیگ ہی نے کہا ہے۔ اوروں کا حال مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا کہ اوروں کو بھی تحقیق کرو۔ غالباً سید حسین اکبر۔ علی سلطان چہرہ اور بعض خسرو شاہی امراء وغیرہ ہونگے۔ سچ یہ ہے کہ اس وقت جہانگیر میرزا نے بڑی اپناہت برتی۔ جہانگیر میرزا نے یہ کام ویسا ہی کیا جیسا میں نے کھڑو میں کیا تھا۔ وہ بھی اسی بکشت مردود کا اغوا اور فساد تھا۔ جب ہم اس منزل سے چلے اور دوسری منزل میں اترے تو لشکر والوں میں سے اُن لوگوں کو جن کے گھوڑے کام کے تھے جہانگیر میرزا کے ساتھ کیا۔ اور اُن افغانوں پر جو اس نواح میں رہتے تھے حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اسی منزل سے لشکریوں کے گھوڑے تھکنے لگے۔ بعض دن دو سو تین سو گھوڑے بیکار ہو گئے۔ اچھے اچھے سپاہی پیدل رہ گئے۔ محمد اوغلا قچی جو میری اردلی کا ایک اچھا سردار تھا اُس کے سارے گھوڑے بیکار ہو گئے۔ وہ پیدل ہی آیا۔ غزنی تک گھوڑوں کا یہی حال رہا۔ تین منزل کے بعد جہانگیر میرزا افغانوں کے ایک گروہ کو لوٹ کر کچھ بکریاں لایا، ایک

منزل کے بعد ایک ٹھیرے ہوئے دریا کے پاس پہنچے۔ عجیب دریا دکھائی دیا۔ دریا کے اُس طرف کا جنگل نظر نہ آتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ پانی آسمان سے ملا ہوا ہے۔ اُدھر کے پہاڑ اور پٹتے ایسے دکھائی دیتے تھے جیسے سراب کے پہاڑ اور پٹتے متعلق نظر آتے ہیں۔

وادی کتہ داد۔ میدان زرخیز اور رود غزنی کا جو پانی مرغزارِ قراباغ سے ہوتا ہوا آتا ہے اور موسم بہار کی بارش کی سیلوں کا پانی جو زراعت سے بچ رہتا ہے وہ یہاں اکٹھے ہو جاتا ہے۔ کوئی کوس بھر دریا کی طرف چلے تھے کہ ایک اور عجیب تماشا دکھائی دیا۔ یعنی اس دریا اور آسمان کے بیچ میں ہر وقت ایک سُرخ سی چیز دکھائی دیتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ قریب پہنچے تنگ یہی نظارہ رہا۔ پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ باغلان قازیں ہیں دس سین ہزار سے زیادہ ہو گئی۔ اُنہوں نے اور پھر پھڑانے کے وقت اُن کے لال لال پر کبھی دکھائی دیتے ہیں اور کبھی چھپ جاتے ہیں۔ نہ صرف یہی جانور بلکہ ہر قسم کے جانور بشیر اس دریا کے کنارے پر تھے۔ اُن کے انڈے ڈھیروں جابجا کنارہ پر پڑے ہوئے تھے۔ کچھ افغان ان جانوروں کے انڈے اُٹھانے آئے تھے۔ ہم کو دیکھ کر بھاگے اور دریا میں کود پڑے۔ ہمارے آدمی کوس آدھ کوس اُن کے پیچھے دوڑ کر چند افغانوں کو گرفتار کر لائے۔ غنیمت جتنا راستہ پانی میں طے کیا اتنے راستہ میں برابر گھوڑوں کے تنگ تک پانی تھا۔ غالباً ہموار زمین ہونے سے دریا گہرا نہ تھا۔ دشت کتہ داد کی ندی کے کنارہ پر جو ٹھیرے ہوئے دریا میں آکر ملتی ہے ہمارے ڈیرے پڑے۔ یہ ندی خشک ندی ہے۔ اس میں بالکل پانی کا نام نہیں ہوتا۔ میں کئی بار اس طرف سے گزرا ہوں۔ کبھی میں نے اس ندی میں پانی جاری نہیں دیکھا۔ لیکن اس دفعہ موسم بہار کی بارش کا یہاں اتنا پانی تھا کہ گھاٹ اصلاً معلوم نہ ہوتا تھا۔ اس ندی کا اگرچہ پاٹ بہت بڑا نہیں ہے مگر یہ عمیق بہت ہے۔ تمام گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرا کر پار اُتارا۔ اور باقی سارے سامان کو رسیوں سے باندھ کر کھینچا۔ یہاں سے اُترے تو کہنہ یانی کے راستہ سے ہوتے ہوئے اور سرودے کے بند سے گزرتے ہوئے غزنی میں ہم آئے۔ جہانگیر میرزا نے دو ایک روز ہمارے رکھا۔ کئی بار آتش کھلائی۔ بہت کچھ پیشکش کیا۔ اُس سال اکثر دریا چڑھاؤ پر تھے۔ چنانچہ وہ یعقوب کے دریا کا کوئی گھاٹ نظر نہ آتا تھا۔ میں نے جو کشتی کول میں تیار کروائی تھی بکرا می کے سامنے دریا کے وہ یعقوب میں ڈلوادی۔ اہل لشکر اسی کشتی میں بیٹھ کر پار اُترے تھے۔ اسی سبب سے سجاو ندی کے پہاڑ سے ہوتے ہوئے کر دیہ میں آئے۔ اور بکرا می سے کشتی میں بیٹھ کر دریا سے پار ہوئے۔ ذی الحجہ کا مہینہ تھا جو ہم کابل میں آ گئے۔ یوسف بیگ ہمارے

آنے سے چند روز پہلے درد قویٰ میں مبتلا ہو کر مر چکا تھا۔ ناصر میرزا اپنے نوکر چاکر اور اپنی جاگیر کی خبر لینے کے لیے دو تین روز بعد حاضر ہونے کا وعدہ کر کے قوس گنبد سے رخصت ہو گیا تھا۔ جب ہم سے جدا ہوا تو درہ نور کے لوگوں کے کسی قدر سرکشی کرنے سے اپنی ساری فوج اُس نے درہ نور کی طرف بھیج دی۔ درہ نور کا قلعہ مضبوط تھا۔ بینی گاہ کوہ میں تھا۔ اور زمین شالی زار تھی جیسا کہ اوّل ذکر ہو چکا ہے۔ بس جو لشکر میرزا نے بھیجا تھا اُس کے سردار مسے فضلی نے لشکر کی احتیاط نہ کی۔ بینی گاہ کے ایک تنگ مقام پر فوج کو منتشر کر کے بھیج دیا۔ درہ نور والوں نے کھل کر فوراً اُس منتشر فوج کو ایسا دبا دیا کہ پھر وہ نہ ٹھیر سکی۔ اور بھاگ ہی نکلی۔ ان کے بہت لوگوں کو قتل کر کے گھوڑے اور ہتھیار انہوں نے لے لیے۔ جس لشکر کا سردار فضلی ہو اُس کا حال ایسا ہی ہونا چاہیے۔ یا تو اس وجہ سے یا یہ کہ ناصر میرزا کے دل میں بدی آگئی۔ ہمارے پیچھے وہ نہ آیا اور رہ گیا۔ ایوب کے بیٹے یوسف اور بہلول جو شرارت۔ فتنہ پردازی۔ غور اور تکبر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اُن میں یوسف کو انکارا اور بہلول کو عیش شک دیدیا گیا تھا۔ یہ دونوں بھی اپنے علاقوں کا انتظام کر کے ناصر میرزا کے ساتھ آئیوا لے گئے۔ ناصر میرزا جو نہ آیا تو یہ بھی نہ آئے۔

اس جاڑے میں ایک مرتبہ ترکمانی کے افغانوں پر پورش کے لیے گیا۔ جتنے گروہ اور قبیلے اوپر کی طرف ٹیکن بار اور لمخانات سے آئے تھے اُن کو اُن کے دیہات کی طرف روانہ کیا اور میں خود آپ باراں کے کنارہ پر آ گیا۔ جس زمانہ میں ناصر میرزا اور یار آں کی نواح میں تھا اُس زمانہ میں اُس کو معلوم ہوا کہ بدخشانوں نے اُنہوں کو قتل کر ڈالا۔ اور سب ناصر میرزا کی طرف متفق ہو گئے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیبانی خاں نے قندز قبر علی کو دیدیا اور آپ خوارزم چلا گیا۔ قبر علی نے محمد محمدی کے بیٹے محمد کو بدخشانوں کی اِستِمالت کے لیے بدخشان بھیجا۔ مبارک شاہ نے جو شاہان بدخشاں کی الاد سے قبا بغاوت کی۔ اور محمدی کے بیٹے کا مع چند اُنہوں کے سر کاٹ لیا۔ قلعہ ظفر کو جو پہلے شہر شور مشہور تھا ایک مضبوط قلعہ بنا کر درست کر لیا۔ اور اُس کا نام قلعہ ظفر رکھا۔ ایک شخص محمد قورچی خسرو شاہ کے قورچیوں میں سے تھا وہ غلیکان کا حاکم تھا۔ اُس نے روستاق صدر میں شیبانی خاں کو تھوڑے سے اُنہوں سمیت قتل کر دیا۔ اور غلیکان کا انتظام کر لیا۔ ایک اور راغی نے جو امرائے شاہان بدخشان میں سے تھا راغ میں بغاوت اختیار کی چنانچہ ترکمان خسرو شاہ کے بھائی ولی کا نوکر تھا وہ اس تباہی میں ملوث ہوا۔ اور تھوڑے سے بھاگے ہوئے سپاہیوں وغیرہ کو لے ایک جانب کو بھاگ گیا۔ ناصر میرزا نے یہ خبر سن کر

بدخشاں کی ہوس میں چند بے عقل اور کوتاہ اندیشوں کے اغوا سے اُن قوموں کو چادھر سے آئی تھیں اُسی جانب رخ اُن کے گھربار کے چلتا کیا۔ اور خود شیر نو اور درہ آب کے راستہ سے اُس طرف روانہ ہوا۔ خسرو شاہ اور احمد قاسم جو اجر سے بھاگ کے خراسان کی جانب جاتے تھے اثنائے راہ میں بدیع الزمان میرزا اور ذوالنون بیگ سے ملے۔ یہ سب ہری میں سلطان حسین میرزا پاس پیچھے۔ یہ لوگ میرزا سے بدقوتوں باغی رہے ہیں۔ طرح طرح کی بے ادبیاں ان سے ظاہر ہوئی ہیں۔ میرزا کے دل پر ان کی طرف سے کیسے داغ ہونگے مگر سب میرے سبب سے اُس ذلت و خواری کے ساتھ جا کر میرزا سے ملے۔ کیا میں نے خسرو شاہ کو اُس کے آدمیوں سے جدا کر کے ایسا عاجز نہیں کیا؟ کیا میں نے ذوالنون کے بیٹے مقیم سے قابل نہیں چھینا؟ چاہیے تھا کہ یہ لوگ میرزا کو مُنہ نہ دکھاتے۔ بدیع الزمان میرزا تو اُن کی منگھلی میں تھا۔ اُن کے ظرافت کوئی بات نہ کر سکتا تھا۔ خیر سلطان حسین میرزا نے اُن سب پر احسان کیا۔ اُن کی بُرائیاں ذرا اُن کے مُنہ پر نہ رکھیں۔ اور اُن کو انعام دیے۔ خسرو شاہ نے تھوڑے دن کے بعد اپنے ملک کی طرف جانے کی رخصت چاہی۔ اور کہا کہ اگر میں جاؤنگا تو سارا ملک لے لوں گا۔ چونکہ اُس کا یہ خیال لغو تھا اس لیے میرزا ٹالتا رہا۔ اُس نے مکر رخصت چاہی۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو محمد برندق نے کیا مزے کا جواب دیا ہے۔ اُس نے کہا کہ تیری فوج اور سارے ملک پر قابض ہونے کے زمانہ میں تو نے کیا تیر مارا ہے جواب چار سو پانسو آدمیوں سے اس ملک کو جس پر اُنہوں کا قبضہ ہے لے سیکھا۔ غرض ہر چند نصیحت کی۔ اور معقول باتیں کیں۔ لیکن اُس کی قضا آگئی تھی۔ اُس نے ایک نہ سنی۔ جانے ہی پر اڑ گیا۔ آخر میرزا نے اجازت دیدی۔ تین سو چار سو آدمیوں کے ساتھ سیدھا دہانہ کی سرحدیں آگھسا۔ اس موقع پہناصر میرزا ادھر سے بدخشاں جاتا تھا۔ خسرو شاہ ناصر میرزا سے دہانہ کی نواح میں ملا۔ بدخشاں کے سرداروں نے ناصر میرزا کو تنہا بلایا قطعاً وہ خسرو شاہ کا آمانہ چاہتے تھے۔ ناصر میرزا نے بہت لوٹنیاں لیں۔ مگر خسرو شاہ سمجھ گیا۔ اوکو ہشتان کی طرف جانے پر راضی نہ ہوا۔ خسرو شاہ کے دل میں تھا کہ ناصر میرزا کو کسی ترکیب سے مار کر ملک پر قابض ہو جائے۔ آخر حال کھل گیا۔ اشکسٹ کی نواح میں دونوں سانوں پہرے آمادہ جنگ ہوئے۔ اور الگ ہو گئے۔ ناصر میرزا تو بدخشاں کی طرف چلا گیا اور خسرو شاہ نے لنگ اور لاکھ قوموں میں سے کچھ لوگ جمع کر لیے۔ وہ اچھے بُرے ہزار آدمیوں کے ساتھ قندزیلے کے خیال سے ددایک فرسنگ کے فاصلہ سے خواجہ چار طاق میں آن اتر آئیں۔

اندھجان سے سلطان احمد تنبل کو گرفتار کر لیا۔ اور جو نہی یہ حصار کی طرف چلا وہ بھی اس ملک کے امراء بے لڑے بھڑے بھاگ نکلے۔ شیبانی خاں حصار میں آیا۔ یہاں شیرم چہرہ کچھ فوج لیے ہوئے موجود تھا۔ گوان کے امراء بھاگ گئے تھے مگر شیرم وغیرہ نے قلعہ حصار کا انتظام کر لیا۔ شیبانی خاں نے حصار کا محاصرہ حمزہ سلطان اور عہدی سلطان کے ذمہ کیا۔ اور آپ قندز کی طرف آیا۔ قندز کو اپنے بھائی محمود سلطان کے سپرد کر کے خود نے بلا توقف خوارزم کی جانب حسین صوفی پر چڑھائی کی۔ ابھی یہ سمرقند نہ پہنچا تھا کہ اُسکا بھائی محمود سلطان قندز میں مر گیا۔ قندز قبر علی کے سپرد کیا۔ خسرو شاہ کی چڑھائی کے وقت قبر علی قندز میں تھا۔ قبر علی نے حمزہ سلطان وغیرہ کے پاس جو حصار کی طرف رہ گئے تھے پورے آدمی بھیجے۔ اور اُن کو بلایا۔ حمزہ سلطان دریائے آمویہ کے کنارہ پر آٹھیرا۔ اور اپنا لشکر مع اپنے بیٹوں اور امراء کے قندز بھیج دیا۔ اس فوج کے آتے ہی خسرو شاہ مقابلہ نہ کر سکا اور نہ تنبل حرا مزادہ بھاگ سکا۔ حمزہ سلطان کی فوج نے ان کو گھیر لیا خسرو شاہ کے بھانجے احمد قاسم اور شیرم چہرہ وغیرہ کو قندز میں پکڑ لائے۔ خسرو شاہ کا سر کاٹ کر شیبانی خاں کے پاس خوارزم میں بھیج دیا۔ جب خسرو شاہ قندز گیا تھا تو وہاں پہنچتے ہی یہاں اُس کے نوکروں چاکروں کے اطوار جیسا اُس نے کہا تھا بدل گئے۔ اکثر لوگ خواجہ ریو آج وغیرہ کی طرف چلے گئے۔ میرے پاس اُسی کے ملازم زیادہ تھے۔ اُن میں سے اچھے اچھے مغل سردار کھسک گئے۔ کیونکہ اُن سب میں ایک ہو چکا تھا۔ خسرو شاہ کے قتل کی سننے ہی سب ایسے دھم ہو گئے جیسے آگ پر پانی پڑ گیا۔

۱۱۔ ہجری کے واقعات

والدہ کا انتقال محرم کے مہینے میں میری والدہ قتلنگار خانم بیمار ہوئیں۔ قصہ کھلوائی۔ لیکن اچھی نہ کھلی۔ ایک خراسانی طبیب تھا۔ اُسکو طلب کیا کہتے تھے۔ خراسانی طریقہ سے اُس نے ہندو اند دیا۔ قضا ہی آگئی تھی۔ چھ دن کے بعد پیر کے دن اُن کا انتقال ہو گیا۔ دامنہ کوہ میں اُلغ بیگ میرزا نے ایک باغ بنایا تھا جسکا نام باغ نوروزی تھا۔ اُس کے ولد ثوں کی اجازت سے اس باغ میں ہفتہ کے دن جنازہ لائے۔ میں نے اور قاسم کو کلتاش نے قبر میں اتار کر دفن کیا۔ چھوٹے خان دادا ایلی خان اور زانی ایسن دولت بیگم کو میں نے یہ خبر کہلا بھیجی۔ چہلم کے قریب نانی شاہ بیگم دونوں خاؤں کا ماں۔ خالہ مہرنگار خانم (سلطان احمد میرزا کی بیوی) اور محمد حسین کورگان دغلت بھی آگئے۔

سوگ تازہ ہو گیا۔ جدائی کی آگ بھڑک اُٹھی۔ تعزیت کی رسمیں ادا کرنے کے بعد آتش اور کھانا یکو اگر غریب غریبا کو کھلایا۔ فاتحہ دلوائی۔ دلوں کو ذرا تسلی دی اور رنج دفع کیا۔

قندھار پرپورش | ان باتوں سے فارغ ہونے کے بعد باقی چغانیانی کے کہنے سُنے سے قندھار پر لشکر کشی کی۔ چلتے چلتے اور منزلیں طے کرتے کرتے مرغزار قوس نادر میں ہم اُترے تھے کہ مجھے تپ چڑھی۔ بڑی شدت سے بخار ہوا۔ ایسی بیہوشی اور غشی تھی کہ گھڑی گھڑی مجھے چونکاتے تھے اور پھر آنکھ بند ہو جاتی تھی۔ پانچ چھ دن بعد ذرافاقہ ہوا۔ اسی اثناء میں ایسا زلزلہ آیا کہ قلعہ کی فصیل۔ شہر کے مکانات اور پہاڑوں کی چوٹیاں اکثر جائے سے منہدم ہو گئی تھیں۔ لوگ تہ خانوں میں اور کوٹھوں پر مرے کے مرے رہ گئے۔ موضع لغمان کے تمام گھر مسمار ہو گئے۔ ستراتی گھوڑا تہ خانوں ہی میں مر رہا گئے۔ لغمان اور بیگ توت کے درمیان میں ایک قطع زمین کا تھا جس کا عرض ایک کتہ باش کے برابر ہو گا۔ وہ اڑا اور اڑ کر ایک تیر کے پڑا۔ پڑا۔ استرغخ سے وہ میدان تھینا سات فرسنگ ہو گا۔ جہاں سے زمین اُڑی تھی وہاں سے پانی کے چشمے نکل آئے۔ زمین اس قطع سے پھٹی تھی کہ کہیں تو بہت اونچی ہو گئی تھی اور کہیں ہاتھی کے برابر اونچی ہو گئی تھی۔ شکافہ زمین میں بعض جگہ کوئی جانہ سکتا تھا۔ بھونچال کے وقت سارے پہاڑوں کی چوٹیوں پر غبار اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت نور اللہ طنبورچی میرے پاس بیٹھا ہوا ساز بجا رہا تھا۔ ایک اور ساز بھی تھا۔ اسی وقت اس نے دونوں ساز دونوں ہاتھوں میں لے لیے۔ مگر ایسا بے قابو ہو گیا کہ ساز آپس میں ٹکرا گئے۔ جہاں گیر میرزا مقام تیبہ میں ایک مکان کی چھت پر تھا۔ (یہ مکان الخ میرزا کے تعمیر کردہ مکانات میں سے تھا)۔ زلزلہ آتے ہی وہ نیچے کود پڑا۔ خدائے خیر کی۔ کچھ چوٹ پھیٹ نہیں آئی۔ جہاں گیر میرزا کے آدمیوں میں سے ایک شخص اسی کوٹھے پر تھا۔ بالاخانہ کی چھت اُس پر گری۔ لیکن خدانے اُس کو بھی بال بال بچا دیا۔ تیبہ کے مکان اکثر گر پڑے۔ اُس دن تینتیس دفعہ بھونچال آیا۔ اور مہینہ بھر تک ایک دو مرتبہ روز آسمان ہار۔ قلعہ کی فصیل وغیرہ جو ٹوٹ گئی تھی اُس کی مرمت کے لیے امراء اور فوج کو حکم دیا گیا۔ مہینہ میں دن میں ساری شکست و ریخت کی درستی سے لوگ فارغ ہو گئے۔ طبیعت کی بد مزگی اور زلزلہ کے سبب سے قندھار جانے کا ارادہ ملتوی ہو گیا تھا۔ صحت پانے اور قلعہ کے درست ہو جانے کے بعد یہ قصد پھر مصمم ہو گیا۔ ابھی قندھار کا رخ نہ کیا تھا اور کوہ و صحرا میں فوج نہ بڑھی تھی کہ ایک پٹے کے نیچے اُترے اور جہاں گیر میرزا وغیرہ کو بلا کر اُن سے مشورہ کیا۔ قلات پرپورش کرنی

ٹھہری۔ جہانگیر میرزا اور باقی چغانیانی نے اس یورش کے باب میں بہت اصرار کیا بمقام پانی میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ شیر علی چہرہ اور کنجک باقی دیوانہ کچھ فوج سمیت بھاگنا چاہتے ہیں۔ فوراً ان کو قید کر لیا گیا۔ شیر علی چہرہ وہ شخص تھا کہ میرے پاس اور اوروں کے پاس اس ملک میں اور اُس ملک میں طرح طرح کے فتنے اور فساد اُس نے برپا کیے تھے اُسکو قتل کر دیا گیا۔ اوروں کے گھوڑے اور ہتیار لیکر چھوڑ دیا۔ قلات میں پہنچتے ہی باوجود بے سامانی کے حملہ کر دیا۔ خواجہ کلاں کا بڑا بھائی کنجک بیگ بڑا بہادر آدمی تھا۔ کئی مرتبہ میرے ساتھ رہ کر خوب لڑا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب میں لکھا گیا ہے۔ یہ بہادر قلات کے اس برج کے پاس جا پہنچا جو مغرب و جنوب میں ہے۔ قریب تھا کہ اندر گھس جائے۔ اُسکی آنکھ میں ایک تیر لگا۔ قلات فتح ہونے کے دو ایک روز بعد اسی زخم سے وہ مر گیا۔ کنجک باقی دیوانہ جو شیر علی کے ساتھ گرفتار ہوا تھا اس جرم کے بدلے میں فیصل کے نیچے پہنچتے ہی دروازے میں گھستا ہوا پتھر کے زخم سے مارا گیا۔ دو ایک سپاہی اور کام آئے۔ عشاء کے وقت تک اسی طرح لڑائی ہوتی رہی۔ اس زور سے لڑائی ہوئی اور ہمارے جوانوں نے ایسا حملہ کیا کہ آخر قلعہ والوں نے پناہ مانگی۔ اور قلعہ حوالہ کر دیا۔ ذوالنون ارغون نے قلات مقیم کو دیدیا تھا۔ مقیم کے ملازم فرخ ارغون اور قرابو لوط چھاؤنی میں تھے۔ اپنی تلواریں اور اپنے ترکش گلے میں ڈالکر حاضر ہوئے۔ ان کے قصور معاف کر دیے گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میری رائے میں ان لوگوں کے ساتھ سختی کرنی مناسب نہ تھی۔ کیونکہ ازبک جیسا دشمن پہلو میں تھا۔ ایسے نازک وقت میں آپس والوں کے ساتھ بڑا برتاؤ کرنے سے سننے والے اور دیکھنے والے کیا کہتے۔ چونکہ یہ یورش جہانگیر میرزا اور باقی بیگ کے اصرار سے ہوئی تھی اس لیے قلات میرزا کے سپرد کرنا چاہا۔ میرزا نے انکار کیا۔ باقی نے بھی کچھ مذنب جواب دیا۔ ہماری یہ کشش اور کوشش بیفائدہ ہوئی۔ قلات سے جنوب کی طرف چل کر سوراخ تنگ۔ الابلغ اور اُس نواح کے افغانوں کو لوٹ مار کر کابل میں ہم آ گئے۔ کابل میں رات کو پہنچے تھے۔ میں قلعہ میں گیا۔ چارباغ میں طویلہ کے ڈیرے پر گئے۔ میرا گھوڑا۔ جیبہ اور خنجر چارباغ میں سے کوئی چڑا لے گیا۔

جب سے باقی چغانیانی دریائے آمو کے کنارہ باقی چغانیانی کا چلے جانا اور مارا جانا

چڑھا بڑھا رہا۔ اُس سے اعلیٰ درجہ کا کوئی دوسرا سردار نہ تھا۔ اگرچہ لیاقت اور انسانیت کی ایک بات بھی اُس سے ظاہر نہ ہوئی تھی۔ بلکہ بہت سی بے ادبیاں اور بُرائیاں سرزد ہوئی تھیں۔

مگر جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ جو کہتا تھا وہی ہوتا تھا۔ وہ بڑا خسیس۔ پلید۔ حاسد۔ بد باطن۔ تنگ چشم اور کج خلق آدمی تھا۔ اُس کی خست کا یہ حال تھا کہ جب ترمذ چھوڑ کر صحرے گھر بار میرے ساتھ ہوا ہے تو تیس چالیس ہزار بکریاں اپنی ذات کی اُس کے پاس تھیں۔ ہر منزل میں ان کے ریوڑ میرے سامنے سے نکلتے تھے۔ میرے سپاہی اور ملازم بھوکے مرنے لگے اور وہ ایک بکری نہ دیتا تھا۔ البتہ کھرو جاتے وقت پچاس بکریاں دی تھیں۔ ہر چند کہ مجھ کو پادشاہ جانتا تھا مگر میرے سامنے نفار نہ بجاتا تھا۔ وہ کسی سے صاف نہ تھا۔ اور نہ کسی کو دیکھ سکتا تھا۔ کابل کی آمدنی چٹنگی کا محصول ہے۔ یہ محصول کابل کی داروغگی اور ہزارہ کوشک وغیرہ کی حکومت سب اُس کے پاس تھی۔ اور تمام سرکار کا مختار تھا۔ مگر اتنی رعایتوں پر بھی راضی اور خوش نہ تھا۔ اور بالابینہ اُس کے خیالات بہت فاسد تھے۔ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ میں نے کبھی اُن کا خیال نہیں کیا۔ اور کوئی بات اُس کے منہ پر نہیں رکھی۔ اس پر بھی ناز کرتا تھا اور چلا جانا چاہتا تھا میں اُس کے ناز اٹھاتا تھا۔ اور عذر خواہیوں سے روکتا تھا۔ اب ایک دن پھر طلبگار رخصت ہوا اُس کا ناز اور اُس کی رخصت طلبی حد سے گزر گئی تھی۔ میں بھی اُس کے افعال اور اخلاق سے عاجز ہو گیا تھا۔ میں نے رخصت دیدی۔ رخصت طلب کرنے سے بہت پتچایا۔ گھبرانے لگا۔ اب کیا ہوتا ہے۔ مجھے کہلا بھیجا کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جب تک تجھ سے خطا سرزد نہ ہوگی ناراض نہ ہوگا۔ میں نے ملا بابا کے ہاتھ گیا رہ گناہ الگ الگ کہلا بھیجوائے۔ قائل ہو گیا۔ گھر بار سمیت ہندوستان کی طرف جانے کی رخصت اُس کو دیدی۔ اُس کے نوکروں میں سے کچھ لوگ خیبر تک پہنچا کر واپس آئے۔ وہ باقی کا کیانی کے قافلہ کے ساتھ نیلاب سے چلا گیا۔ اس زمانہ میں محمد یار حسین (دریا خاں کا بیٹا) کجکوت میں تھا۔ کھت سے میرا فرمان لے گیا تھا۔ اُس کو سند بنا کر کردہ زنی کے دیہات سے پٹھانوں کے ایک گروہ کو اور بہت سے جت اور گجرات والوں کو گھیر گھار کر اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ لوٹ مار اور قزاقی اُس کا پیشہ ہو گیا تھا۔ باقی کی خبر سننے ہی اُس نے راستہ روکا۔ باقی کو مع ہمراہیوں کے پکڑ لیا۔ باقی کو مار ڈالا اور اُس کی جورو کو لے لیا۔ میں نے باقی کے ساتھ کوئی بُرائی نہ کی تھی اُسی کی بُرائی اُس کے آگے آئی۔ اور اُس نے اپنے کیے کی مزا پائی۔

تو بد کنندہ خود را بہ روزگار سپار کہ روزگار ترا چاکر سیت کینہ گزار
اس جاڑے میں دو ایک بار برف پڑی۔ برف پڑنے کے زمانہ میں ہم چار باغ میں رہے۔
ہزارہ ترکمانوں پر چڑھائی میں جو کابل سے چلا گیا تھا تو میرے آتے تک

ہزارہ ترکمانوں نے بہت سر اٹھایا تھا۔ اور راہ زبیاں کی تھیں۔ اُن کو سزا دینے کے لیے شہر میں آیا۔ اُلغ بیگ میرزا کی عمارتوں میں سے بستان سرا میں ٹھہرا۔ وہاں سے ماہ شعبان میں ہزارہ ترکمانوں پر چڑھائی کرنے کے لیے سوار ہوا۔ درہ خوش کے جنگل میں فوج واپس کی کچھ لوگوں کو لوٹا مارا۔ درہ خوش کے قریب کھوؤں میں کچھ ہزارہ لوگ چھپے ہوئے تھے۔ شیخ درویش کو کھلتا شہر جو اکثر لڑائی جھگڑوں میں میرے ہمراہ رہا ہے اُن دنوں میں تور بیگی کے منصب پر تھا۔ کمان خوب کھینچتا تھا۔ اور تیرا اچھا لگا ہوا تھا۔ اپنی کھوؤں کے منہ پر غافل چلا آیا۔ اندر سے ایک ہزارہ نے اُس کی چھاتی میں تیر مارا۔ اُسی دن وہ مر گیا۔ اکثر ہزارہ ترکمانوں نے درہ خوش میں قشلاق بنالیا تھا۔ ہم اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔ درہ خوش اس طرح کا درہ تھا کہ تقریباً آدھ کوس تک سکرنا تھا۔ آدھ کمر کوہ میں سے تھا۔ راستہ سے نیچے کی جانب پچاس ساٹھ گز کی گہرائی تھی۔ اور اوپر کی طرف اسی قدر اونچائی۔ ایک سوار کا راستہ تھا۔ اس تنگ راستہ میں اُس دن دو نمازوں کے درمیان تک چلتے رہے۔ راستہ میں کوئی نہ ملا۔ ایک جائے ہم نے منزل کی۔ ایک فریاد نہ ہزارہ لوگوں کا ہاتھ آگیا تھا۔ اُس کو لائے اور ذبح کیا۔ تھوڑے سے گوشت کو کباب کیے۔ اور تھوڑا سا گوشت پکایا۔ اس مزے کا گوشت کبھی نہ کھایا تھا بعض کو بکری کے گوشت میں اور اُس میں کچھ فرق نہ معلوم دیتا تھا۔ دوسرے دن یہاں سے کوچ کیا۔ اُس مقام کی طرف جہاں قوم ہزارہ نے قشلاق بنایا تھا روانہ ہوئے۔ کوئی پہر بھر چلے ہوئے کہ سامنے سے ایک شخص نے آکر کہا کہ ہزارہ لوگوں نے دریا کے ایک گھاٹ پر مضبوط لکڑیاں باندھ کر راستہ بند کر دیا ہے۔ اور وہ لڑنے کو آمادہ ہیں۔ یہ سُننے ہی ہم چلے۔ تھوڑی دور چل کر وہاں پہنچے جس جائے ہزارہ لوگ موجود تھے۔ اُس جاڑے میں برف اتنی اونچی پڑی تھی کہ راستے ڈھک گئے تھے۔ بغیر راستہ کے چلنا مشکل تھا۔ دریا کے کنارے کے کناروں پر بالکل تلخ جم گئی تھی۔ اس وجہ سے ایسے دریا میں سے بغیر راستہ کے گزرنا محال تھا۔ ہزارہ لوگوں نے گھاٹ پر بہت سی لکڑیاں کاٹ کر ڈال دی تھیں اور خود مقام کتاب میں اور دریا کے کناروں پر سنوار اور پیدل لڑائی کے لیے مستعد تھے۔ محمد علی بٹریک میرے اُن امیروں میں سے تھا جن کو میں نے بنایا تھا۔ بڑا بہادر اور نہایت عمدہ سپاہی تھا۔ جہاں دشمنوں نے لکڑیاں ڈال رکھی تھیں اُس طرف بڑھا۔ دشمنوں نے اُس کی گردن میں تیر مارا۔ فوراً ہلاک ہو گیا۔ چونکہ ہم نے حملہ کرنے میں بہت جلدی کی تھی اس لیے اکثر جیبہ پہنے ہوئے نہ تھے۔ دو ایک تیر میرے سر پر سے بھی گزرتے ہوئے گریے۔

احمد یوسف بیگ بار بار گھبرا کر چلاتا تھا کہ یوں نکلے کیوں گھسے جاتے ہو۔ میں نے دو تین تیر آپ کے سر پر سے جاتے ہوئے دیکھے ہیں۔ میں نے کہا گھبراؤ نہیں۔ ایسے تیر بہت سے میرے سر پر سے گزر گئے ہیں۔ اسی حال میں قاسم بیگ قوچین نے اُسے ہاتھ کی طرف دریا سے پار ہونے کا موقع دیکھا۔ اور وہ پار ہو گیا۔ اس نے تو دریا میں گھوڑا ڈالا اور ہزارہ لوگوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ آخر سب بھاگ نکلے۔ جنہوں نے اُن پر حملہ کیا تھا وہ پیچھے ہو لیے قاسم بیگ کو میں نے اسی کام کے صلہ میں بنگش کا علاقہ عطا کیا تھا۔ حام قوریگی نے بھی اس موقع پر کمی نہیں کی۔ اسی سبب سے شیخ درویش کو کلتاش کی جائے قوریگی کا عہدہ حاتم کو غنایت کیا۔ کک قلی بابا کو محمد علی بٹریگ کا منصب اسی واسطے دیا کہ اُس نے بھی نمایاں کوشش کی۔ سلطان علی چناق بھلگتے ہوؤں کے پیچھے گیا تھا۔ برف کی زیادتی اور بلندی کے سبب سے راستہ طے نہ کر سکا۔ میں بھی اس فوج کے ساتھ آیا۔ ہزارہ کے قشلاقوں میں آئے۔ اُنکی مویشی وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ خود میں نے چار سو پانچ سو بھیڑ بکریاں اور پچیس گھوڑے جمع کیے سلطان علی وغیرہ دو تین آدمی میرے ساتھ تھے۔ اس یورش کا سپہ سالار میں تھا۔ ایسی سپہ سالاری میں نے دود دفعہ کی ہے۔ ایک نوابکے۔ دوسری دفعہ جبکہ انہی ہزارہ ترکمانوں پر خراسان سے آکر یورش کی ہے۔ غرض کہ دستہ فوج کو لے گیا اور بہت سی مویشی میں لوٹ لایا۔ ہزارہ کے بال بچے پا پیادہ برف دار پشتوں پر جا کھڑے ہوئے۔ ہم نے کابل بھی کی اور شام بھی ہو گئی تھی۔ ہم واپس آئے۔ اور اُن کے گھروں میں اُتر پڑے۔ اس جاڑے میں اتنی بلند برف پڑی تھی کہ یہاں سے باہر جانے میں گھوڑے کے خوگیر تک برف تھی۔ جو فوج گرد ادلی کیلے نکلی تھی برف کی بلندی کے سبب سے رات بھر گھوڑوں پر سوار رہی۔ صبح کو یہاں سے پلٹے اور درہ خوش میں ہزارہ لوگوں کے قشلاقوں میں رات بسر کی۔ وہاں سے جگہ لک میں آئے۔ یارک طغائی وغیرہ ہمارے پیچھے آئے تھے۔ ان کو حکم دیا کہ جن ہزارہ نے شیخ درویش کو مارا ہے اُن کو پکڑ لاؤ۔ وہ کجخت اجل رسیدہ ابھی تک کھوؤں میں تھے۔ ہمارے لوگ گئے۔ اور دھواں کر کے ستر اسی آدمیوں کو پکڑ لائے۔ اُن میں سے بہتوں کو قتل کر دیا اس یورش سے فارغ ہو بخارا سے تحصیل کرنے کے لیے اسی توغدی کی نواح میں دریا باران کے اُس جانب ہم آئے۔ جہاں گبر میز اغربی سے آکر اسی توغدی میں ملا۔ اسی اثناء میں تیرہویں تاریخ رمضان کی تھی کہ مجھ کو مرضِ قوبا سے سخت تکلیف ہوئی۔ چالیس دن تک یہ حال رہا کہ ایک کروٹ سے دوسری کروٹ لواتے تھے۔ بارے اللہ نے فضل کر دیا۔ بخارا کے دروں میں سے درہ لغمان میں جو خصوصاً بڑا مقام ہے اُس میں علی حسین آجھا

اور اُس کا بھائی بڑے سرکش تھے۔ جہانگیر میرزا کو لشکر کا سپہ سالار کر کے اُس طرف بھیجا۔ قاسم بیگ بھی ساتھ گیا۔ یہ لشکر اُن کے سنکر پر گیا اور سنکر کو چھین لیا۔ اُن میں سے بہت سول کو قتل کر ڈالا۔ تو باکی تکلیف کے سبب سے محافہ جیسی ایک سواری بسنا کر اُس میں مجھے ڈال دیا۔ اور دریا سے باران کے کنارہ سے بتان سرا میں لائے۔ اُس جاڑے میں چند روز تک میں بتان سرا میں رہا۔ اس بیماری سے ابھی اچھا نہ ہوا تھا کہ کلمہ پر سیدھی طرف والغولی نکل آیا۔ اُس کو چیرا لگوایا۔ اور مسہل بھی لیا۔ تندرست ہو کر میں چار باغ میں آگیا۔ جہانگیر میرزا نے ملازمت حاصل کی۔

جہانگیر میرزا کی بغاوت

ایوب یوسف اور بہلول یوسف جہانگیر میرزا کے پاس جو گئے تو انہوں نے اُس کو بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا۔ انکی بار جہانگیر میرزا وہ جہانگیر میرزا نہ تھا۔ چند روز کے بعد یہاں سے چل کھڑا ہوا۔ اور بہت جلد غزنی میں جا پہنچا۔ باقی کے قلعہ کو جا چھینا۔ وہاں والوں کو قتل کیا۔ اور قلعہ کو لوٹ لیا۔ جس قدر فوج تھی اُس کو ہمراہ لے ہزارہ کے ملک میں سے ہوتا ہوا بامیان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ سے یا میرے آدمیوں میں سے کوئی کام اور کوئی بڑائی ایسی نہیں ہوئی تھی جس کے سبب سے ایسی کدورت اور بگاڑ پیدا ہو۔ آخر نے میں آیا کہ اس جانے کا سبب یہ قرار دیا ہے کہ جب جہانگیر میرزا غزنی سے آیا ہے تو قاسم بیگ وغیرہ استقبال کے لیے گئے تھے۔ میرزا نے اپنا جانور پودنے پر پھینکا۔ جس وقت جانور نے پودے پر پہنچے مارا اور زمین پر گر آیا۔ تو میرزا چلا یا کہہ پکڑ لیا۔ قاسم بیگ نے کہا کہ جب دشمن کو اس طرح عاجز کر لیا ہے تو کیوں چھوڑنے لگا۔ اب پکڑ لیگا۔ اتنا کہنا غضب ہو گیا۔ ایک تو یہ بات ہوئی۔ دوسرے اس سے بھی لغو اور بیہودہ دو ایک باتوں کو پکڑ لیا۔ پھر غزنی کا بڑا دار کیا۔ اور ہزارہ میں سے ہوتا ہوا قوموں میں چلا گیا۔ اُن دنوں میں تو میں ناصر میرزا سے علیحدہ ہو گئی تھیں۔ مگر ازبک کے پاس نہ گئی تھیں۔ اشتراک کے نیچے اور اُس نواح کے ایلاتوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ انہی دنوں میں سلطان حسین میرزا نے شیبانی خاں کے استیصال کا پورا ارادہ کیا۔ اپنے سب بیٹوں کو بلایا۔ مجھے بھی سلطان علی خواب بین کے بیٹے سید افضل کو بھیج کر بلایا تھا۔ مجھے خراسان جانا کئی سبب سے لازم تھا۔ ایک تو یہ کہ سلطان حسین میرزا جیسے بادشاہ نے جو امیر تیمور کا جانشین ہے اس وقت کہ شیبانی خاں جیسے دشمن کا قصد کیا ہے۔ اپنے بچوں اور امرا کو رادھرادھ سے اکٹھا کر کے مجھے بھی بلاتا ہے۔ کوئی پاؤں سے جائے تو میں سر کے بل جاؤں۔ کوئی لکڑی لیکر جائے

تو میں پتھر ہی لیکر جاؤں۔ دوسرے یہ کہ جہانگیر میرزا بگڑ کر چلا گیا ہے۔ یا تو اُسکو مٹاؤں یا کچھ تدارک کروں۔

خوارزم میں شیبانی خاں کا | اسی سال شیبانی خاں نے خوارزم میں حسین صوفی کو جاگھیرا۔ اور دس مہینے کے محاصرہ کے بعد پکڑ لیا۔ اس محاصرہ حسین صوفی پر حملہ کرنا اور فتح پانا | میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ خوارزمیوں نے پرلے سر کی بہادری کی۔ اور خوب جان لڑائی۔ ایسی تیر اندازی کی کہ بارہا دشمنوں کی سپروں وغیرہ کو چھید چھید دیا۔ دس مہینے تک مقابلہ کرتے رہے۔ کہیں سے اُن کو مدد نہ پہنچی۔ کچھ نالائق اور بودوں نے ازراہ بزدلی اُن تک سے سازش کی۔ اور اُس کو قلعہ پر چڑھا لیا۔ حسین صوفی کو جو خبر ہوئی تو خود آ موجود ہوا۔ اور فصیل پر چڑھنے والوں کو مار کر اُتار دیا۔ وہیں اُس کے سینہ میں تیر لگا۔ اور وہ مارا گیا۔ جب لڑنے والا نہ رہا تو قلعہ لے لیا۔ حسین صوفی پر آفرین ہے کہ مردانگی کے ساتھ مشقت کرنے اور جان کھپا دینے میں اس نے کوئی بات باقی نہ رکھی۔ شیبانی خاں نے خوارزم کبک کو دیدیا۔ اور آپ سمرقند آیا۔

سلطان حسین مرزا کا مرنا | ذی الحجہ کے مہینے میں کہ آخر سال تھا سلطان حسین میرزا نے جس وقت کہ وہ شیبانی خاں کے مقابلہ کے لیے لشکر جمع کر کے مقام بابا الہی میں آیا۔ اُس وقت اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف انتقال کیا۔

سلطان حسین میرزا کا حال | سلطان حسین میرزا ۸۴۲ھ میں مقام ہری میں پیدا ہوا۔ اس وقت شاہ رخ میرزا کا عہد سلطنت تھا۔ اس کا نسب یہ ہے۔ سلطان حسین میرزا بن منصور میرزا بن بایستقر میرزا بن عمر شیخ میرزا بن امیر تیمور صاحبقران۔ (عمر شیخ میرزا اور بایستقر میرزا بادشاہ نہیں ہوئے) اس کی ماں فیروزہ بیگم بھی امیر تیمور کی پوتی تھی۔ اس حساب سے سلطان حسین میرزا امیر شاہ میرزا کا نواسہ ہوتا تھا۔ میرزا کی ننھیال اور ددھیال دونوں تیموریہ خاندان سے تھیں۔ وہ نجیب الطرفین اور خاندانی بادشاہ تھا۔ یہ دو بھائی اور دو بہنیں لگی تھیں۔ ایک سلطان حسین میرزا۔ دوسرا بایستقر میرزا۔ تیسری آکا بیگم اور چوتھی ایک اور لڑکی۔ (جس کی شادی احمد خاں سے ہوئی تھی) بایستقر میرزا سلطان حسین میرزا سے بڑا تھا۔ اگرچہ اُس کا نوکر تھا مگر دربار میں نہ آتا تھا۔ دربار کے علاوہ دونوں ایک مسند پر بیٹھتے تھے۔ سلطان حسین میرزا نے اُس کو بلخ کا حاکم کر دیا تھا۔ کئی برس تک وہ بلخ کا حاکم رہا۔ اُس کے

تین بیٹے تھے۔ سلطان محمد میرزا۔ سلطان وئیس میرزا اور سلطان اسکندر میرزا آکا بیگم میرزا سے بڑی بہن تھی۔ میر آشاہ میرزا کے پوتے سلطان احمد میرزا سے اُس کی شادی ہوئی تھی۔ اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ کچک میرزا نام۔ ابتدا میں وہ اپنے ماموں کا ملازم ہوا۔ آخر میں نوکری ترک کر دی۔ اور مطالعہ کتاب میں مشغول ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ حکیم ہو گیا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ یہ رباعی اُسی کی ہے۔ رباعی۔

عمرے بہ صلاح می ستودم خود را در شیوہ زہدے نمودم خود را

چوں عشق آمد کرام زہد و چہ صلاح المنۃ شد آزمودم خود را

اس رباعی میں مٹا کی رباعی سے مضمون لڑ گیا ہے۔ آخر میں اس نے حج بھی کیا۔ بیرک بیگم جو میرزا کی چھوٹی بہن تھی اُس کی شادی احمد خاں بن شیر خاں سے کر دی تھی۔ اُس کے ہاں دو بیٹے ہوئے۔ ہرئی میں آکر دونوں مدت تک میرزا کی خدمت میں رہے ہیں۔

وضع و حلیہ | میرزا کا حلیہ یہ ہے :- چھوٹی آنکھیں۔ شیر اندام یعنی کمر نہایت پتلی۔ بڑھاپے تک چہرہ کارنگ سرخ و سپید تھا۔ لال اور سبز رنگ کے پینے کا لباس

پہنتا تھا۔ ٹوپی سیاہ برے کے پوست کی ہوتی تھی۔ یا قلیاتی۔ کبھی عید بقرہ عید کو ہلکی سی دستار سر پہنچ کھلی ہوئی باندھ لیتا تھا۔ اور اُس میں کلنی لگا کر نماز کو جاتا تھا۔

اطوار و اخلاق | اخلاق وغیرہ یہ تھے :- ابتدائے سلطنت میں ایسا خیال تھا کہ دوازدہ امام کا خطبہ پڑھا گیا۔ بعض نے اس کو منع کیا۔ آخر اہلسنت و عبادت کے طریقہ پر سب کار و بار ہو گئے۔ وجہ مفاصل کے سبب سے نماز نہ پڑھ سکتا تھا۔ روزہ بھی

نہ رکھتا تھا۔ باتوں اور خوش مزاج آدمی تھا۔ خلق ذرا بڑھا ہوا تھا۔ اُس کی باتیں اُس کے خلق ہی جیسی تھیں۔ معاملات میں شرع کا کٹا بہت کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے ایک بیٹے کو کسی شخص کے قتل کر دینے سے مقتول کے وراثت کے سپرد کر کے دارالقضا میں بھیج دیا۔ بادشاہ

ہونے کے بعد چھ سات برس تک تائب رہا۔ پھر شراب پینے لگا۔ اُس نے تقریباً چالیس برس تک خراسان کی سلطنت کی۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد شراب نہ پیتا ہو

مگر صبحی نہ پیتا تھا۔ اُس کے سارے بیٹوں۔ سب بیٹوں اور اہل شہر کا یہ حال ہو گیا تھا کہ عیش اور فسق کثرت سے کرتے تھے۔ وہ بڑا بہادر شخص تھا۔ بارہا خود لڑا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا

کہ اولاد تیموریہ میں سے سلطان حسین میرزا کے برابر کسی نے شمشیر زنی کی ہو یہ موزوں طبیعت تھا۔ دیوان بھی اُس نے مرتب کیا تھا۔ ترکی زبان میں شعر کہا کرتا تھا۔ جیسی تخلص تھا۔

اُس کے بعض اشعار بڑے نہیں ہیں۔ البتہ میرزا کا سارا دیوان ایک ہی بحر میں ہے۔ اگرچہ

معمراور بڑا بادشاہ تھا لیکن بچوں کی طرح قورچہ پالتا تھا۔ کبوتر بازی کرتا تھا اور مرغ لڑاتا تھا۔

لڑائیاں

وہ کتنی لڑائیاں لڑاتا تھا۔ اُن لڑائی جھگڑوں کے زمانہ میں جو دریا گنگان کے کنارہ پر واقع ہوئے تھے دریا میں کود پڑا اور پار ہو گیا۔ ایک بار اُسے اُزبک کی خوب خبر لی۔ ایک دفعہ سلطان ابوسعید میرزانے محمد علی بخشی کو تین ہزار سوار کا سپہ سالار کر کے اُس پر چڑھائی کرنے کو بھیجا۔ سلطان حسین میرزانے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ آکر اُن کو خوب مارا اور شکست دی۔ اُس کا یہ کام بڑا نمایاں کام تھا۔ ایک بار استرآباد میں سلطان محمود میرزا سے مقابلہ کر کے اُس کو زیر کیا۔ ایک اور دفعہ استرآباد ہی میں حسین ترکان سعدیق کو شکست دی۔ بادشاہ ہونے کے بعد مقام چنار میں یادگار میرزا کو زیر کیا۔ پھر مرغاب کے پُل پر سے دفعہ عبور کیا۔ اور باغ یاغان میں یادگار میرزا کو جبکہ وہ شراب کے نشہ میں غین پڑا ہوا تھا آن پکڑا۔ اور اسی موقع پر خراسان چھین لیا۔ آند خود اور شیرخان کی نواح میں چلبان کے مقام پر سلطان محمود خاں سے لڑ کر اُس پر غالب آیا۔ جب ابا بکر میرزانے عراق سے آکر اور قزوین لوق ترکمانوں کو ساتھ لاکر اُلغ بیگ میرزا کو تھکانہ اور خمار میں شکست دے کابل کو چھین لیا۔ اور پھر عراق کے خیال سے کابل کو چھوڑ براہ خیبر خوشاب اور ملتان کی راہ سے بھل سوتی میں ہوتا ہوا کرمان پر قبضہ کیا۔ اور اُس کو وہ نہ رکھ سکا تو وہاں سے خراسان میں آیا۔ خراسان میں سلطان حسین میرزا پر دفعہ آن پڑا۔ میرزانے اُس کو پکڑ لیا۔ ایک دفعہ پل چراغ میں اپنے بیٹے بدیع الزمان میرزا کو شکست دی۔ ایک مرتبہ قندھار کو جا گھیرا مگر فتح نہ کر سکا۔ اُلٹا پھر گیا۔ ایک بار حصار پر بھی چڑھائی کی تھی۔ اُس کو بھی بے فتح کیے پلٹ گیا۔ ایک دفعہ ذوالنون بیگ کے قتل کے پر چڑھ آیا تھا۔ صرف بست کے داروغہ کو شکست دی۔ اور کچھ نہ کیا۔ بست کو بھی چھوڑ کر چلا گیا۔ سلطان حسین میرزا جیسے جوانمرد بادشاہ نے ان دونوں لڑائیوں میں شاہانہ عزم کو پورا نہیں کیا۔ اور واپس چلا گیا۔ اولانک نشین میں اپنے بیٹے بدیع الزمان میرزا کو جو ذوالنون بیگ کے بیٹے شاہ شجاع بیگ سمیت مقابل ہوا تھا شکست دی۔ اس لڑائی میں ایک عجیب اتفاقی امر واقع ہوا۔ سلطان حسین میرزا لشکر سے الگ تھا۔ اُس نے بہت سا لشکر استرآباد میں بھیج دیا تھا۔ جس دن لڑائی ہوئی ہے اسی دن یہ لشکر بھی آ گیا۔ ادھر مسعود میرزا حصار کو بالستقر میرزا کے ہاتھ چھو کر

سلطان حسین میرزا پاس آیا تھا۔ اسی دن آپہنچا۔

ممالک مغبوضہ | اُس کی حکومت خراسان میں تھی۔ جس کے مشرق میں بلخ۔ مغرب میں بگرام و دامن۔ شمال میں خوارزم اور جنوب میں قندھار و سیستان ہے۔ جبکہ

ہری جیسا شہر ہاتھ آیا تو پھر سوائے عیش و عشرت کے اُس کو کوئی کام نہ رہا۔ بلکہ اُس کے متعلقوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو عیش و عشرت نہ کرتا ہو۔ چونکہ ملک گیری اور فوج کشی کے دُکھ پہنے کا شوق نہ رہا اس لیے اُس کے ملک اور فوج میں کمی ہوتی گئی۔ ترقی نہ ہوئی۔

اولاد | اُس کے ہاں چودہ بیٹے اور گیارہ بیٹیاں تھیں۔ سب میں بڑا بدیع الزمان میرزا

تھا۔ جس کی ماں سچو میرزا مروی کی بیٹی تھی۔ دوسرا شاہ غریب میرزا تھا۔ یہ میرزا اگرچہ بد صورت تھا مگر طبیعت کا اُجلا تھا۔ گوجسم کا وہ حقیر تھا۔ پُر اُس کی باتیں دلچسپ تھیں۔ اُس کا تخلص غریبی تھا۔ صاحب دیوان تھا۔ ترکی فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ اُس کا شعر ہے

در گذر و دیدم پری کشندیم دیوانہ اش جیت نام او یکا باشد نہ دامن خانہ اش

سلطان حسین میرزا نے کئی بار اُس کو ہری کی حکومت دی تھی۔ وہ باپ کے سامنے ہی مر گیا۔ اُس کے ہاں کوئی آل اولاد نہ ہوئی۔ تیسرا مظفر حسین میرزا تھا سلطان حسین میرزا

کا چاہتا بیٹا۔ یہ اگرچہ خوب صورت تھا لیکن اُس کے اخلاق و افعال اچھے نہ تھے۔ اُس

چاہت ہی کے سبب سے میرزا کے اکثر بیٹے باغی ہوتے رہتے تھے۔ ان دونوں کی ماں

خدیجہ بیگم تھی۔ جو سلطان ابو سعید میرزا کی حرم تھی۔ (ابو سعید میرزا سے بھی اُس کے

ہاں ایک بیٹی آفاق بیگم پیدا ہوئی تھی)۔ چوتھا ابوالحسن میرزا تھا۔ پانچواں کبیک میرزا

اس کا اصلی نام محمد محسن میرزا تھا) یہ دونوں لطیف سلطان آغچہ کے پیٹ سے تھے۔

چھٹا ابوتراب میرزا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ بہت رشید تھا۔ اپنے باپ کے اشتداد مرض

میں اُن کے مرنے کی خبر سُنکر اپنے چھوٹے بھائی محمد حسین میرزا پاس عراق میں چلا گیا۔

وہاں ترک دنیا کر کے فقیر ہو گیا۔ پھر اُس کی کچھ خبر معلوم نہیں ہوئی۔ اُس کا ایک بیٹا تھا۔

سہراب میرزا۔ جس زمانہ میں میں نے حمزہ سلطان اور مہدی سلطان وغیرہ کو شکستیں دیکر حصار چھین لیا ہے اُس زمانہ میں وہ میرے پاس تھا۔ وہ ایک آنکھ سے کاڑھا تھا۔ اور بہت بد صورت تھا۔ اُس کے اخلاق بھی صورت ہی جیسے تھے۔ یہودیوں کے سبب میرے پاس نہ پھر سکا اور چلا گیا۔ ان یہودیوں ہی کے طفیل استرآباد کی نواح میں عجم ثانی نے اُس کو برے عذابوں سے قتل کر ڈالا۔ ساتواں محمد حسین میرزا تھا۔ اُس کو

اور شاہ اسماعیل صفوی کو عسراق میں ایک ہی جگہ قید کیا تھا۔ اس کے بعد وہ کٹا
 شیعہ ہو گیا تھا۔ باآنکہ اُس کے باپ بھائی سب سُنی تھے۔ لیکن وہ ایسا کٹا شیعہ ہو گیا۔
 اسی حالت میں استرآباد میں وہ مر گیا۔ بہادر تو بہت مشہور تھا۔ لیکن کوئی کام اُس سے
 ایسا ظاہر نہیں ہوا جو لکھنے کے قابل ہوتا۔ خواہ بھی تھا۔ یہ شعر اُسی کا ہے
 آسودہ تو کردی زپے صید کہ گشتی غرقِ غری در دل گری کہ گزشتی
 آٹھواں فرید و حسین میرزا تھا۔ وہ کمان بڑے زور سے کھینچتا تھا۔ تیرا چھال لگتا تھا۔
 کہتے ہیں کہ اُس کی کمان چالین ٹانگ کی ہوتی تھی۔ بہادر تھا پر فتح نصیب نہ تھا جہاں
 لڑا وہیں پٹا۔ رباطِ دودر میں تیمور سلطان اور عبید سلطان سے یہ اور اس کا چھوٹا
 بھائی لڑا اور شکست کھائی۔ اس لڑائی میں فرید و حسین میرزا نے خوب دادِ مردانگی
 دی۔ دامغان میں فرید و حسین میرزا اور محمد زماں میرزا کو شیبانی خاں نے پکڑ لیا
 تھا۔ مگر دونوں کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد جب شاہ محمد دیوانہ نے قلات کو تسلیم کیا تو
 یہ وہاں چلا گیا۔ اور جب ازبک نے قلات کو چھین لیا تو یہ پکڑا گیا۔ اور قتل کر دیا گیا۔
 یہ تینوں منگلی بی آغچہ نام غنچہ جی کے پیٹ سے تھے۔ نواں حیدر میرزا تھا۔ اُس کی
 ماں پائندہ سلطان بیگم ابوسعید میرزا کی بیٹی تھی۔ یہ میرزا باپ کے سامنے مشہد اوپا
 بلخ کا حاکم رہا۔ جب سلطان حسین میرزا نے حصار پر چڑھائی کی ہے تو سلطان محمود میرزا
 کی بیٹی (جو خانہ زاد بیگم کے پیٹ سے تھی) اس کے لیے لی۔ اور صلح کر کے حصار کا
 محاصرہ اٹھالیا۔ اس کے ہاں ایک بیٹی شاہ بیگم نام ہوئی تھی۔ وہ کابل میں آئی۔ اور
 اُس کی شادی عادل سلطان سے کر دی۔ حیدر میرزا بھی اپنے باپ کے سامنے مر گیا۔
 دسواں محمد معصوم میرزا تھا۔ اس کو قذحار دیا تھا۔ اسی سبب سے الف بیگ میرزا کی بیٹی
 سے اس کی منگنی کر دی تھی۔ ہری میں آنے کے بعد بڑی دھوم سے شادی ہوئی۔ مکان
 وغیرہ کی خوب تیاری کی گئی تھی۔ میرزا مذکور قذحار کا حاکم تو ہو گیا تھا لیکن سیاہ و سفید
 کا اختیار شاہ بیگ ارغوں کو تھا۔ میرزا برائے نام تھا۔ اس لیے وہ قذحار میں
 نہ رہ سکا۔ اور خراسان چلا گیا۔ باپ کی زندگی ہی میں مر گیا۔ گیارہواں فرخ حسین میرزا
 تھا۔ وہ بھی چھوٹا سا ہی مر گیا۔ اپنے چھوٹے بھائی ابراہیم حسین میرزا سے زیادہ جیا
 بارہواں ابراہیم حسین میرزا تھا جو خور و سال فوت ہو گیا۔ تیرہواں شاہ حسین میرزا اور
 چودہواں محمد قاسم میرزا تھا۔ ان کے بیان آگے آئیں گے۔ ان پانچوں کی ماں پاپا آغچہ جی
 تھی۔ سب میں بڑی بیٹی سلطانیم بیگم تھی۔ اپنی ماں کی اکوتی تھی۔ اُس کی ماں کا نام

چوہی بیگم تھا۔ جس کا باپ امرائے اذاق میں سے ایک امیر تھا۔ سلطانیم بیگم بڑی باتون تھی۔
 مگر اُس کی باتوں میں مزہ نہ تھا۔ اُس کے بڑے بھائی نے بایستقر میرزا کے منجھلے
 بیٹے سلطان ولس میرزا سے اُس کی شادی کر دی تھی۔ اُس کے ہاں ایک بیٹا اور
 ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ لڑکی کی شادی سلطان شیبانی نے اپنے چھوٹے بھائی
 بول بارس سلطان سے کر دی۔ اس کے ہاں محمد سلطان میرزا نام لڑکا ہوا جو آجکل
 میری طرف سے قنوج کا حاکم ہے۔ سلطانیم بیگم انہی دنوں میں اپنے اس ڈاسے کو لیکر
 ہندوستان آئی تھی۔ نیلاب میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ اُس کی لاش کو تو لوگ لیکر واپس
 چلے گئے۔ اور اُس کا نواسہ میرے پاس آ گیا۔ چار بیٹیاں پائندہ سلطان بیگم کے پیٹ
 سے تھیں۔ ان میں سب سے بڑی تر آق بیگم تھی۔ جس کی شادی بابر میرزا کی چھوٹی بہن
 بیگہ بیگم کے پوتے محمد قاسم ارلات سے کر دی تھی۔ اس سے ایک بیٹی ترا کو ر بیگم نام پیدا
 ہوئی۔ اُس سے ناصر میرزا کا نکاح ہوا۔ دوسری بیٹی کیچک بیگم تھی۔ سلطان مستود میرزا
 اُس پر بہت مائل تھا۔ ہر چند اُس نے شادی کرنی چاہی مگر پائندہ سلطان بیگم نے
 قبول نہ کیا۔ آخر ملا خواجہ سے جو سید عطا کی نسل سے تھا شادی کر دی۔ تیسری بیٹی
 بیگہ بیگم اور چوتھی آغا بیگم تھی۔ دونوں کی شادی پائندہ سلطان بیگم نے اپنی چھوٹی
 بہن کے بیٹوں بابر میرزا اور سلطان مرید میرزا سے کی تھی۔ منجھلی آغاچہ سے دو بیٹیاں
 ہوئی تھیں۔ ان میں سے بڑی سید عبد اللہ میرزا کو جو اندخو کے سیدوں میں سے تھا
 اور بایستقر میرزا کا نواسہ تھا دی۔ اُس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ سید برکہ نام جس
 زمانہ میں تھمر قند میں نے لیا ہے اُس زمانہ میں وہ میرے ساتھ تھا۔ پھر اور گنج جا کر مدعی
 ہوا۔ آخر قزلباشوں نے استر آباد میں اُس کو مار ڈالا۔ دوسری بیٹی فاطمہ سلطان بیگم تھی
 اسکی شادی یازگار میرزا تیموری سے ہوئی۔ پایا آغاچہ سے تین بیٹیاں تھیں۔ بڑی سلطان ترلو بیگم۔
 اسکی شادی سلطان حسین میرزا نے اپنے بڑے بھائی کے چھوٹے بیٹے سکندر میرزا سے کی تھی۔ دوسری بیٹی
 بیگم سلطان تھی جو سلطان مستود میرزا کو اندھا ہونیکے بعد دی تھی۔ اس سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی
 ہوئی تھی۔ اس بیٹی کو سلطان حسین میرزا کی ایک حرم آیاق بیگم نے پالا تھا۔ ہری سوکابل میں اگر آیاق میرزا
 سو اسکی شادی ہو گئی سلطان مستود میرزا کو جب ادبکوں کے قتل کر دیا تو بیگم سلطان بیت اللہ چلی گئی۔ اب
 سنائی کہ وہ اور اسکا بیٹا دونوں مکہ معظمہ میں ہیں تیسری بیٹی سید میرزا نامی کو جو اندخو کے سیدوں میں سے تھا
 اور اسکا نام سید میرزا ہی مشہور تھا دی۔ ایک اور بیٹی عائشہ سلطان بیگم زینبہ آغاچہ غنچہ کی بیٹی
 تھی۔ (یہ غنچہ جی حسین شیخ تیمور کی پوتی تھی) سلطانان شیبانیہ میں سے قاسم سلطان کے ساتھ

عائشہ سلطان بیگم کو بیاہ دیا تھا۔ اُس سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ قاسم حسین نام۔ یہ لڑکا ہندوستان میں آکر میرا نوکر ہوا۔ رانا سنگا کی لڑائی میں میرے ساتھ تھا۔ میں نے اُس کو بہایوں عنایت کیا۔ عائشہ سلطان بیگم نے قاسم سلطان کے بعد پوران سلطان سے جو قاسم سلطان کے عزیزوں میں سے تھا نکاح کر لیا۔ اس سے بھی ایک بیٹا عبداللہ سلطان نام پیدا ہوا۔ آجکل یہ لڑکا میرے ہی پاس ہے۔ بے تو خورد سال مگر خد متکزار اچھا ہے

بیویاں وغیرہ | سلطان حسین میرزا کی بیویاں وغیرہ یہ تھیں :- بیہتا بیوی بیگم سلطان بیگم سبھ میرزا مروی کی بیٹی تھی۔ بدیع الزمان میرزا اسی کے پیٹ سے ہوا تھا۔ یہ بیوی بڑی بد مزاج تھی۔ سلطان حسین میرزا کو بہت ستاتی تھی۔ سلطان حسین میرزا نے اس کی بد مزاجی سے تنگ آکر چھوڑ دیا تھا۔ اور نجات پائی تھی۔ کیا کرتا۔ میرزا حق پر تھا

زن بد در سرائے مرد نکو ہم دریں عالم است دوزخ داد
اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو ایسی بلا میں گرفتار نہ کرے۔ بد مزاج عورت تو دنیا میں رہے۔ دوسری بیوی امراء اذاق میں چلی بیگم تھی۔ سلطانیم بیگم اسی سے ہوئی تھی۔ تیسری شہربانو بیگم ابوسعید میرزا کی بیٹی تھی۔ پادشاہ ہونے کے بعد اس سے شادی کی تھی۔ حکیمان کی لڑائی میں جب میرزا کی ساری بیویاں محافوں سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئی ہیں تو یہ اپنے چھوٹے بھائی کے بھروسہ پر محافہ سے باہر نہ ہوئی۔ اس کی خبر میرزا کو پہنچی۔ میرزا نے شہربانو بیگم کو چھوڑ دیا اور اس کی بہن پائندہ سلطان بیگم سے نکاح کر لیا۔ ازبک کے خراسان لینے کے بعد پائندہ سلطان بیگم عواق چلی گئی۔ اور وہیں اُس کا انتقال ہو گیا۔ پانچویں بیوی سلطان ابوسعید میرزا کی غنچہ جی خدیجہ بیگم تھی۔ ہرے میں جو یہ آئی تو سلطان حسین میرزا نے اس کو گھر میں ڈال لیا۔ میرزا اس کو بہت چاہتا تھا۔ یہ کہ غنچہ جی گری سے بیگی کے مرتبہ پر پہنچ گئی۔ آخر میں مالک ہی بن بیٹھی تھی۔ محمد مومن میرزا کو اسی کے کہنے سے قتل کیا۔ سلطان حسین میرزا کے بیٹے اکثر اسی کے سبب سے باغی ہوئے۔ یہ سمجھتی تھی کہ میں بڑی دور ہوں مگر بہت بیوقوف اور زباں دراز عورت تھی۔ لکھا مذہب شیعہ تھا۔ غریب میرزا اور مظفر حسین میرزا اسی کے پیٹ سے ہوئے تھے۔ چھٹی ایاق بیگم تھی۔ اُس سے کوئی بچہ نہیں ہوا۔ پاپا آغا چہ جو بڑی چاہیتی تھی اسی کی کوکہ تھی۔ چونکہ وہ بے اولاد تھی اس لیے پاپا آغا چہ کے بچوں کو پال لیا تھا۔ میرزا کی بیاریوں میں

یہ بہت خدمت کرتی تھی۔ اس کے برابر کوئی بیوی خدمت نہ کرتی تھی۔ جس سال میں ہندوستان میں آیا ہوں اُس سال وہ برہمن سے آئی۔ جسے الامکان میں نے اُس کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ جن دنوں میں میں نے چندیری کا محاصرہ کر رکھا تھا اُن دنوں میں خبر آئی کہ کابل میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ غوماؤں میں سے ایک لطیفہ سلطان تھی جو ابوالحسن میرزا اور بیک میرزا کی ماں تھی۔ ایک منگلی بی آقاچہ تھی۔ جو شہر بانو بیک کی ماں تھی۔ اور ایک ازبک کی بیٹی تھی۔ ابوتراب میرزا۔ محمد حسین میرزا اور فریدوں میرزا اسی کے پیٹ سے تھے۔ اس کے ہاں ایک ہی بیٹی ہوئی تھی۔ ایک خاتمہ بابا آقاچہ تھی۔ اباق بیک کی کوکہ۔ میرزا نے فریفتہ ہو کر اُس کو داخل محل کر لیا۔ یہ پانچ بیٹوں اور چار بیٹیوں کی ماں تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ ایک سلطان آقاچہ تھی۔ اُس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کے علاوہ چھوٹی بڑی غومہ اور غنچہ جی بہت سی تھیں۔ مگر چڑھی بڑھی بیویاں اور حرمیں یہی تھیں جن کا ذکر ہوا۔ تعجب ہے کہ سلطان حسین میرزا جیسا بڑا بادشاہ اور ہرات جیسا اسلامی شہر ہو اور پھر میرزا کے چودہ بیٹوں میں سے تین بچے ولد الزنا ہوں۔ بات یہ ہے کہ وہ خود بھی بندہ تھا اور اُس کے بچوں اور خاندان میں بھی فسق و فجور کا رواج تھا۔ اپنی اعمال کی شامت تھی کہ اتنا بڑا گھرانہ سات آٹھ برس میں ایسا مٹ گیا کہ سوائے محمد زمان میرزا کے کوئی نہ رہا۔

اُس کے امراء | اُس کے امراء میں سے ایک محمد برندق برلاس تھا۔ جاگو برلاس کی اولاد میں سے۔ اس طرح کہ محمد برندق برلاس بیجاہاں شاہ کا اوپر جہاں شاہ بیجا جاگو برلاس کا۔ پہلے یہ شخص بابر میرزا کے امیروں میں تھا۔ پھر سلطان ابوسعید نے بھی اُس کو عزیز رکھا۔ جہانگیر برلاس کو کابل میں اُلغ بیک میرزا کا آئینہ بیک کر دیا۔ سلطان ابوسعید میرزا کے بعد اُلغ بیک میرزا نے برلاسوں کو بگاڑنا چاہا۔ یہ لوگ سمجھ گئے۔ میرزا کو پکڑ لیا اور اپنے گھر بار سمیت قندز کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہندو کش پر جو پہنچے تو اُٹائے راہ سے میرزا کو کابل بھیج دیا۔ اور آپ سلطان حسین میرزا کے پاس خراسان چلے گئے۔ میرزا نے اُن کی بہت خاطر کی۔ محمد برندق بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ مزاج میں امارت بہت تھی۔ شکاری جانوروں کا بہت شوق تھا۔ اگر اُس کا ایک جانور مر جاتا تھا یا کم ہو جاتا تھا تو بیٹوں میں سے کسی کا نام لیکر کہتا تھا کہ اس جانور کے بدلے کاش فلاں بیٹا مر جاتا۔ یا اس کے بدلے اُس کی گردن ٹوٹ جاتی تو کچھ پروا نہ تھی۔ دوسرا مظفر حسین میرزا برلاس تھا۔ میرزا کے لڑائی جھگڑوں میں اُس کے ساتھ رہا ہے۔ یہاں نہیں جاتا تھا کہ میرزا کو اُس کی

کونسی آن پسند آئی جو اتنا چڑھا بڑھا دیا۔ اُس کا اس قدر اعتبار تھا کہ سلطان حسین میرزا نے جھگڑوں کے زمانہ میں اُس سے اقرار کر لیا تھا کہ جو ملک فتح ہو چار حصے میرے اور دو حصے تیرے۔ یہ بھی عجیب اقرار تھا! بھلا ایسا کب ہو سکتا ہے کہ ایک ادنیٰ شریک سلطنت کر لیا جائے۔ بھائی اور بیٹے تو یہ شرکت نبھ سکتی نہیں کسی امیر یا سردار کے ساتھ کیونکر نبھے۔ بادشاہ ہونے کے بعد میرزا اس شرط سے بہت پچھتایا مگر کیا فائدہ تھا۔ اُس مردک کے بھی ایسے مغز چلے کہ باوجود اتنی رعایتوں کے میرزا سے غرض کرنے لگا۔ میرزا اُس کی باتوں پر خیال نہ کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ آخر اُس کو زہر دیا گیا۔ خدا جانے قی ہے یا جھوٹ۔ تیسرا علی شیر بیگ نوائی تھا۔ یہ اُس کا امیر ہی نہ تھا بلکہ مصاحب اور ہم مکتب بھی تھا۔ اس کے ساتھ خصوصیت بہت تھی۔ معلوم نہیں کس گناہ میں ہر تہی سے وہ خارج البلد ہوا۔ اور سمرقند گیا۔ جب تک وہ سمرقند میں رہا احمد حاجی بیگ اُس کے ساتھ سلوک کرتا رہا۔ علی شیر بیگ کا مزاج بہت نازک مشہور تھا۔ لوگ اس نزاکت کو عشر و در دولت پر محمول کرتے تھے۔ مگر یہ بات نہ تھی۔ اصل میں اُس کی جبلی عادت تھی۔ سمرقند میں بھی مزاج کا ایسا ہی حال رہا علی شیر بیگ بے نظیر آدمی تھا۔ ترکی زبان میں شعر کہا کرتا تھا۔ اور ایسا کہتا تھا کہ دوسرا کیا کہیگا۔ اُس نے چھ شتوایاں لکھی ہیں۔ پانچ تو ختمہ کے جواب میں ہیں اور ایک منطق الطیر کے وزن پر لسان الطیر لکھی ہے۔ غزلوں کے چار دیوان مدون کیے ہیں جن کے نام یہ ہیں غرائب الصغر۔ نوادر الشباب۔ بدیع الوسط۔ فوائد الکبر۔ ان کے علاوہ اور تصنیفیں بھی ہیں۔ جو ان سے لکھی ہوئی ہیں۔ مولانا عبدالرحمن جامی رح کی طرز پر ایک انشا بھی لکھی ہے۔ جو خطوط جن کے نام لکھے تھے وہ جمع کر لیے ہیں۔ ایک کتاب میزان الاوزان نام فن عروض میں لکھی ہے۔ اس میں گھڑت بہت کی ہے۔ رباعی کے چوبیس وزن میں سے چار وزن غلط لکھے ہیں۔ بعض بحر کے وزنوں میں بھی غلطی کی ہے۔ چنانچہ اُس کو دیکھیگا جان جائیگا۔ ایک دیوان فارسی میں بھی لکھا ہے۔ فارسی میں فنی تخلص ہے۔ اُس کے بعض اشعار بُرے نہیں ہیں۔ مگر اکثر گرے ہوئے ہیں۔ فن موسیقی میں بھی اچھی چیزیں لکھی ہیں۔ عمدہ نقش اور پیشرو بنائے ہیں۔ اہل فضل اور اہل ہنر کا قدردان و مربی علی شیر بیگ جیسا دوسرا آدمی پیدا ہونا دشوار ہے۔ استاد قلم محمد شیخ نائی اور حسین عودی کو (جو ساز نوازوں میں استاد ہوئے ہیں) علی شیر بیگ ہی کا بردار اتنی شہرت اور ترقی نصیب ہوئی ہے۔

استاد بہزاد اور شاہ مظفر بن مصوری میں علی شیر بیگ ہی کی توجہ سے اتنے مشہور و معروف ہوئے ہیں۔ علی شیر بیگ نے جس قدر نیکیاں کی ہیں کسی نے کم کی ہونگی۔ ہزاروں آدمیوں کے بال بچوں کی خبر گیری کرتا تھا۔ پہلے اُس کو مہر داری کا عہدہ تھا۔ پھر میر ہو گیا۔ چند روز استر آباد کا حاکم رہا۔ اس کے بعد نوکری چھوڑ دی۔ اور میرزا سے تنخواہ طلب یعنی موتوف کر دی۔ بلکہ سال بھر میں بہت کچھ اپنی طرف سے مرزا ہی کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا۔ سلطان حسین میرزا جس وقت استر آباد سے آیا اُس وقت یہ میرزا کے استقبال کے لیے گیا۔ میرزا کو دیکھتے ہی اور تعظیم کے لیے اُٹھتے ہی اُس پر ایک ایسی حالت طاری ہو گئی کہ اُٹھ نہ سکا۔ لوگوں نے پکڑ کر اُٹھایا۔ اس وقت کوئی طبیب ذرا اُس کے حال کو نہ سمجھا۔ دوسرے ہی دن اُس کا انتقال ہو گیا۔ اُس کا ایک شعر اُس کے حسب حال ہے۔ چوتھا امیر حاجی بیگ تھا۔ حاجی سیف الدین بیگ کی اولاد میں سے۔ میرزا کے امیروں میں یہ بڑا امیر تھا۔ سلطان حسین میرزا کے پادشاہ ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد مر گیا۔ پانچواں شیخ حسین تیمور تھا۔ اس کو باہر میرزا نے میری کے مرتبہ پر پہنچایا تھا۔ چھٹا تومان بیگ تھا۔ اُس کے آباؤ اجداد ترمذ کے سید تھے۔ اور اُس کی ننھیال سلطان ابوسعید میرزا کی پرورش یافتہ تھی۔ سلطان احمد میرزا پاس بھی وہ اچھی طرح رہا۔ جب سلطان حسین میرزا پاس آیا تو وہاں بھی اعلیٰ رتبہ پایا۔ خوش باش۔ شرابی اور عیاش آدمی تھا۔ اس کو حسن تومان بھی کہتے تھے۔ اس لیے کہ وہ باپ کی خدمت میں بھی رہا تھا۔ ساتواں جہانگیر برلاس تھا۔ بہت دنوں تک وہ اور محمد برندق کابل میں شریک حکومت رہے ہیں۔ آخر وہ سلطان حسین میرزا پاس چلا گیا۔ اور اُس کی بہت رعایت ہوئی۔ ظریف۔ لطیف اور خوش معاش آدمی تھا۔ بدیع الزمان میرزا کا مصاحب ہو گیا تھا۔ میرزا کی صحبت کو یاد کر کے اُس کی تعریف کیا کرتا تھا۔ آٹھواں میرزا احمد علی فارسی تھا۔ نوان عبد الخالق بیگ ولد فیروز شاہ بیگ تھا۔ یہ فیروز شاہ بیگ شاہ رخ میرزا کے امراء میں سے تھا۔ اور چونکہ عبد الخالق بیگ اُس کا بیٹا تھا۔ اس لیے عبد الخالق کو فیروز شاہی کہتے تھے۔ کچھ دن تک خوارزم کا بھی یہ حاکم رہا ہے۔ دسواں ابراہیم دولہائی تھا۔ اس کو کام کرنے کا بڑا سلیقہ تھا۔ اور ملکہ دار کے طریقہ کی خوب معلومات تھی۔ گویا محمد برندق کا قتلے تھا۔ گیارھواں ذوالنون بیگ ارغون تھا۔ بہادر آدمی تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا کے پاس گیا کہہا میں اُس نے

خوب شمشیر زنی کی تھی۔ اُس کے بعد جہاں کام پڑا وہ کامیاب ہوا۔ اُس کے بہادر ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ مگر کسی قدر بیوقوف تھا۔ ہم میرزاؤں کے پاس سے سلطان حسین میرزا پاس چلا گیا۔ اُس نے غور اور مکنڈ اُس کو دیدیا۔ ستر آدمیوں کے ساتھ اُس نواح میں خوب تلوار ماری۔ کئی بار تھوڑی سی فوج سے ہزاروں نوکدزی اور ہزارہ قوم کے لوگوں کو شکستیں دیں۔ بیچ یہ ہے کہ ہزارہ اور نوکدزی کا ایسا بند و بست کسی نے نہیں کیا۔ چند روز کے بعد زمین دآور کو بھی اُسی کے تحت میں دیدیا۔ اُس کا بیٹا شاہ شجاع ارغون لڑکپن سے اپنے باپ کے ساتھ رہ کر لڑتا بھڑتا رہا تھا۔ سلطان حسین میرزا نے اُس کے باپ کے خلاف مرضی ازراہ مہربانی باپ کی شرکت میں قندھار کا اُس کو حاکم کر دیا۔ آخر ان دونوں باپ بیٹوں میں جھگڑا مچا۔ جس سال کہ میں خسرو شاہ کونیسکر کابل کی طرف آیا ہوں اور پھر اُس کے نوکروں کو اُس سے علیحدہ کر کے میں نے کابل کو مقیم (ذوالنون کا چھوٹا بیٹا) سے چھینا ہے۔ اور خسرو شاہ مجھ سے عاجز ہو کر سلطان حسین میرزا پاس چلا گیا ہے۔ اور اُس کے بعد سلطان حسین میرزا کی سلطنت کو وسعت ہوئی تو کوہ ہری کے دامنہ کا ملک مثل او بہ نجران کے دونوں کو دیدیا۔ بدیع الزمان میرزا کی سرکامیں یہ مختار بھی تھا۔ اور ظفر حسین میرزا کی سرکار میں محمد برندق برلاس مختار تھا۔ اگرچہ ذوالنون بہادر تھا۔ مگر ذرا دیوانہ اور بغول آدمی تھا۔ بغول بن اُس کا ظاہر ہے کہ خوشامد میں آکر اُس نے اپنا ستیاناس کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ہری میں اُس کو اقتدار حاصل ہوا تو کئی چلتے ہوئے ملاؤں اور شیخوں نے آکر اُس کو یہ فقرہ دیا کہ قطب ہم سے ملتا رہتا ہے۔ تمہارا لقب اُس نے ہزبرائش رکھا ہے۔ تم ضرور ازبک کو مارو گے۔ ارغون نے اس خوشامدی فقرہ کو یقین کر لیا۔ گردن میں تھیلی لٹکا کر بہت سا شکر یہ ادا کیا۔ جو نہی باد عیش کی نواح میں شیبانی خاں میرزاؤں پر چڑھ کر آیا اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ملنے کا موقع نہ دیکر ہزیمت دی و وہی ذوالنون ارغون ڈیڑھ سو آدمی کو ساتھ لے مذکورہ بالا فقرہ کے بھروسے پر قرار باط کے مقام پر شیبانی خاں سے جا بھر ڈا۔ اسکے پیچھے ہی بہت سی فوج نے آگھیرا اور کپڑے مار ڈالا۔ ذوالنون پاک مذہب آدمی تھا۔ کبھی نماز ترک نہ کرتا تھا۔ بلکہ چاشت اور اشراق وغیرہ بھی پڑھا کرتا تھا۔ شطرنج کا بڑا دھتیا تھا۔ لوگ ایک ہاتھ سے کھیلتے ہیں وہ دونوں ہاتھوں سے کھیلا کرتا تھا۔

اور جو چاہتا تھا وہ چال چل دیتا تھا جیسے اور تمسک بہت تھا۔ بارہواں ویش علی بیگ علی شیر بیگ کا چھوٹا بھائی تھا۔ کچھ دن وہ بلخ کا حاکم رہا۔ اُس نے بلخ میں اچھی حکومت کی۔ کوڑ داغ۔ مغز چلا اور بے ہنر آدمی تھا۔ سلطان حسین میرزا جب اول قندز اور تھار میں آئے ہیں تو انہوں نے اُس کی کوڑ مغزی کی وجہ سے اُس کو گرفتار کر کے بلخ کی حکومت سے معزول کر دیا تھا۔ سلسلہ میں جب میں قندز میں آیا تو یہ میر پاس آگیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک مہوت شخص ہے۔ نہ اُس میں دانت کی قابلیت ہے۔ نہ وہ پاس بٹھانے کے لائق ہے۔ عجب نہیں کہ علی شیر بیگ کی خاطر سے اُسے اتنا رتبہ پایا ہو۔ تیرہواں مغل بیگ تھا۔ اکثر وہ ہنری کا حاکم رہا ہے۔ پھر اُس کو استر آباد دیدیا۔ وہ استر آباد سے بھاگ کر یعقوب بیگ کے پاس چلا گیا۔ پلچہ آدمی تھا۔ اور پرلے سرے کا جواری۔ چودہواں سید بدر تھا۔ بڑا اثر پھرتھا۔ اُس کی حرکتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ نئی نئی طرح سے ملتا تھا۔ عجب نہیں کہ ایسا شکنا اُسی کا ایجاد ہو۔ ہمیشہ میرزا کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اُن کا ہم صحبت بھی تھا۔ اور ہم پیالہ و ہم نوالہ بھی تھا۔ پندرہواں سلطان جنید برلاس تھا۔ اپنی آخر عمر میں یہ سلطان احمد میرزا پاس چلا آیا تھا۔ اس سلطان جنید برلاس کا باپ تھا جو آجکل جوہور کی حکومت میں شریک ہے۔ سوہواں شیخ ابوسعید خاں درمیان تھا۔ معلوم نہیں کہ کسی لڑائی میں میرزا کے اور دشمن کے بیچ میں گھوڑا ڈال دیا تھا۔ یا جس دشمن نے میرزا پر حملہ کیا تھا بیچ میں آکر اُس کو دفع کر دیا تھا۔ بہر حال کسی سبب سے اُس کا لقب درمیان ہو گیا۔ سترہواں بہبود بیگ تھا۔ اول تو وہ چہروں کے گروہ میں تھا۔ جب لڑائی جھگڑوں میں میرزا کے ساتھ رہا تو میرزا نے اُس کی خدمتوں کے لحاظ سے یہ عنایت کی کہ لمفانات کی حکومت اُس کو دیدی۔ اور اُس میں اسی کے نام کا سکہ جاری کر دیا۔ اٹھارہواں شیخ بیگ تھا۔ چونکہ اُس نے اپنا تخلص سہیلی رکھا تھا اس لیے شیخ سہیلی مشہور ہو گیا۔ اُس قسم کا شعر کہتا تھا جس میں ڈراؤنے الفاظ اور معانی ہوں۔ اُس کے اشعار میں سے ایک شعر ہے ۵

شب غم گرد باد آہم ز جلے بُرد گردوں را فرو برد از دہائے سیل اشکم ربع مسکون
کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس شعر کو مولانا عبد الرحمن جامی کے سامنے پڑھا۔ مولانا نے ہنسر فرمایا کہ صاحب آپ شعر کہتے ہیں یا آدمی کو ڈراتے ہیں۔ اُس نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ اور شہزادیاں بھی لکھی ہیں۔ انیسواں محمد ولی بیگ تھا۔ یہ اُسی کا بیٹا تھا جس کا

ذکر او پر ہوا۔ ولی بیگ آخر میں میرزا کے ہاں میر کلانی کے رتبہ پر پہنچ گیا تھا۔ اگرچہ اس مرتبہ پر پہنچا مگر اپنی خدمت نہ چھوڑی۔ رات دن دروازہ پر حاضر رہتا تھا۔ ہیشک کہ آتش وغیرہ دروازہ ہی پر کھاتا تھا۔ ایسے حاضر باش کے لیے اسی قدر رعایتیں بھی کرنی لازم ہیں۔ اس زمانہ میں یہ غضب ہے کہ جس پر میری کا نام آگیا اور اُس نے اپنے ارد گرد پانچ چھ گنجے۔ اندھے لپٹے ہوئے دیکھے اور بڑے گھٹتے سے شاہی در دولت پر حاضر ہونا شروع کیا۔ وہ ملازمت کا ڈھنگ کہاں۔ مگر یہ اُن کی ہد نصیبی ہے۔ محمد علی بیگ کے ہاں کی آتش بہت عورہ ہوتی تھی۔ اپنے نوکروں کو وہ ہمیشہ اچھی طرح رکھتا تھا۔ فقراء اور مساکین کو اپنے ہاتھ سے بہت کچھ دیا کرتا تھا۔ فحش اور گالیاں بہت بکتا تھا۔ ستر قند فتح کیا ہے تو محمد ولی بیگ اور درویش علی کتابدار دونوں میرے پاس تھے۔ اُن دنوں میں محمد ولی کو فالج مار گیا تھا۔ نہ اس کی بات سمجھ میں آتی تھی اور نہ اُس میں کچھ دم رہا تھا۔ اُس میں رعایت کے قابل کوئی بات نہ تھی۔ عجب نہیں کہ اُس کی خدمتگزاری نے اس مرتبہ پر پہنچا دیا ہو۔ بیسواں بابا علی ایشک تھا۔ پہلے تو علی شیر بیگ کے پاس رہا۔ پھر اُس کی جو انگریزی کے سبب سے میرزا نے اُس کو لے لیا۔ اور ایشک آقا کی خدمت دیکر میری کے مرتبہ پر پہنچا دیا۔ یونس علی جو آجکل میرے پاس ہے اور میرا بہت مقرب ہے اور جس کا ذکر اکثر آئیگا اُسی کا بیٹا ہے۔ اکیسواں بدرالدین تھا۔ پہلے وہ سلطان ابوسعید میرزا کے صدر میرک عبد الرحیم کے پاس تھا۔ بڑا چست و چالاک تھا۔ کہتے ہیں کہ سات گھوڑوں کو پھلانگ گیا تھا۔ یہ اور بابا علی میرزا کے مصاحب بھی تھے۔ بائیسواں حسن علی جلاڑ تھا۔ اس کا اصلی نام تو حسین علی تھا لیکن مشہور حسن علی ہو گیا۔ اُس کے باپ علی جلاڑ کو بابر میرزا نے مہربانی فرما کر میر کر دیا تھا۔ جب یادگار میرزا نے ہری کو لیا تو علی جلاڑ سے بڑھا ہوا کوئی نہ تھا۔ حسن علی سلطان حسین میرزا کے ہاں قوس بیگی کے عہدہ پر ہو گیا۔ وہ شاعر تھا۔ اور طفیلی تخلص کرتا تھا۔ قصیدہ اچھا کہتا تھا۔ اپنے زمانہ میں قصیدہ گوئی میں فرد تھا۔ جب ۹۱۷ھ میں نے سمرقند فتح کیا تو میرے پاس آیا۔ پانچ چھ برس میرے پاس رہا۔ میرے قصیدے بھی اچھے اچھے لکھے۔ کھلنے اُڑانے والا آدمی تھا۔ غلام ضرور پاس رکھتا تھا۔ چو سر کیلنے کی بہت لت تھی۔ اور جوری بھی تھا۔ بیسواں خواجہ عبد اللہ مروارید تھا۔ پہلے صدر رہا۔ پھر پیش خدمت۔

۱۷۹۰ سمرقند اول سنہ ۹۱۷ھ میں فتح کیا ہے اور پھر دوسری بار سنہ ۹۱۷ھ میں فتح کیا ہے ۱۲

پھر قریب اور میر ہو گیا۔ اُس میں فضیلتیں بہت تھیں۔ قانون بجانے میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ قانون میں جو بجانا اُسی کا ایجاد ہے۔ کئی خطا چھ لکھتا تھا۔ مگر خطا نہ تعلق سب میں عمدہ لکھتا تھا۔ منشی بھی اچھا تھا۔ اُس کے اشعار اُس کے اور فنوں کی نسبت گھٹے ہوئے تھے۔ شعر خوب سمجھتا تھا۔ بدکار اور رند تھا۔ بدکاری کی شامت سے مرضِ آبلہ میں مبتلا ہوا۔ ہاتھ پاؤں رہ گئے۔ کئی برس بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں۔ آخر اُسی مرض میں مر گیا۔ چوبیسواں سید محمد اروس تھا۔ اروس ارغون جو سلطان ابوسعید میرزا کے زمانہ میں میرکلاں اور اُن کی سرکار میں باختیار تھا۔ اُس کا باپ تھا۔ اُس زمانہ میں جو اچھے اور کام کے لوگ تھے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا۔ اس کی کمان طاقت دار۔ لمبی اور مضبوط تھی۔ اس کمان سے وہ نہایت عمدہ نشانہ لگاتا تھا۔ بہت دن تک وہ اند خود کا حاکم رہا۔ پچیسواں میر علی میر خرد تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے سلطان حسین میرزا پاس آدمی بھیکر یادگار میرزا پر عین غفلت میں چڑھائی کرنے کے لیے اُن کو بلایا۔ چھیسواں سید حسین اوغلا فچی (سید یوسف بیگ کے بڑے بھائی سید اوغلا فچی کا بیٹا) تھا۔ اس کا عرف میرزا فرخ تھا۔ قابل اور حیثیت دار آدمی تھا۔ ۹۱۷ھ میں جو میں نے سمرقند لیا ہے تو یہ میرے پاس آیا۔ اگرچہ شعر کم کہتا تھا مگر ایک ڈھنگ کا کہتا تھا۔ اصطراب اور نجوم خوب جانتا تھا۔ علم مجلس بھی اس کو اچھا تھا۔ شراب کے نشہ میں کسی قدر بگڑ جاتا تھا۔ غجدوان کی لڑائی میں مارا گیا۔ شائیسواں تنگیر بیردی ساپچی تھا۔ ترک۔ بہادر اور تلوریا جوان تھا۔ بلخ کے دروازہ میں نظر بہادر نام خسرو شاہ کے بڑے سردار سے دو بدولٹا اور اُس کو گرفتار کر لیا۔ چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ اور امرائے ترکمان تھے جو میرزا پاس آکر بہت چڑھ بڑھ گئے تھے۔ پہلے کے آئے ہوؤں میں سے علی خان پابندر تھا۔ اہل بیگ تہمتن بیگ اور اُن کے بھائی بھی تھے۔ اس تہمتن بیگ کی بیٹی سے بدیع الزمان میرزا کی شادی ہوئی۔ محمد زمان میرزا اُسی کے پیٹ سے ہوا۔ ایک ایراہیم چنتائی تھا۔ ایک امیر عمر بیگ تھا جو آخر میں بدیع الزمان میرزا پاس رہا۔ یہ شخص ترک اور اچھا بہادر تھا۔ اس کا ایک بیٹا ابو الفتح نام عراق سے میرے پاس آگیا۔ آجکل میرے ہی پاس ہے۔ بڑا مست۔ بودا اور نالائق شخص ہے۔ اشد کی شان ہے۔ اُس باپ کا یہ بیٹا۔ آخر میں (جبکہ شاہ اسماعیل صفوی نے عراق اور آذربائیجان کو لے لیا ہے) جو لوگ آئے تھے اُن میں ایک عبدالباقی میرزا تھا۔ یہ میرزا نسل تیمور میں سے میرا نشانہ ہی ہے جس شخص نے

اس نسل میں سے اول غیر ملک میں جا کر اور سلطنت کا خیال دل سے نکال کر بادشاہوں کی نوکری اختیار کر کے اقتدار حاصل کیا۔ وہ اس عبد الباقی میرزا کا چچا تیمور عثمان تھا۔ یہ تیمور عثمان یعقوب بیگ کی سرکاریں بڑا سردار اور امیر ہو گیا تھا۔ ایک بار ان کو بہت سے لشکر کے ہمراہ خراسان پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ جوہی عبد الباقی میرزا خراسان پہنچا سلطان حسین میرزا نے اس کی بہت خاطر کی۔ اپنی بیٹی سلیمانیم بیگم (جو محمد حسین میرزا کی ہم بطن بہن تھی) کی شادی اس سے کر دی۔ پچھلے آنے والوں میں سے ایک مراد بیگ یامیندہ تھا۔ ایک میر سربرہنہ تھا۔ نواح اندھان کا رہنے والا۔ سندی سید تھا۔ نہایت خوش طبع۔ خوش صحبت اور شیریں کلام آدمی تھا۔ خراسان کے قصہ گو یوں اور شعراء میں مستند تھا۔ اس نے امیر حمزہ کے قصہ کے مقابلہ میں ایک لمبا چوڑا جھوٹا فسانہ لکھنے میں اپنی عمر ضائع کی۔ یہ بات تو بالکل عقل اور طبیعت کے برخلاف کی ہے۔ ایک کمال الدین حسین کار کاٹی تھا۔ یہ شخص صوفی تو نہ تھا۔ ہاں متصوف تھا۔ علی شیر بیگ کے پاس ایسے ایسے بنے ہوئے صوفی بہت جمع ہو گئے تھے۔ اور خوب وجد و سماع کیا کرتے تھے۔ اوروں سے اس کی ترکیب اچھی تھی۔ غالباً اسی سبب سے اس کی رعایت ہوتی تو اس نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام مجالس العشاق ہے۔ اس کتاب کو سلطان حسین میرزا کے نام سے لکھا ہے۔ بڑی لغو۔ جھوٹ اور بیزہ کتاب ہے۔ اس میں بہت ایسی بے ادبی کی باتیں لکھی ہیں جن میں سے کفر کی بو آتی ہے۔ چنانچہ بہت سے انبیاء اور اولیاء سے عشتیاجی منسوب کیا ہے۔ ہر ایک کے واسطے ایک معشوق گھڑا ہے۔ عجیب خط کی بات ہے کہ دیباچہ میں حسین میرزا نے اس کو اپنی تصنیف میں سے لکھا ہے۔ اسی کمال الدین حسین نے ازراہ خوشامد ذوالنون ارغون کا لقب ہزبر اللہ لکھا تھا۔ ایک امیر محمد الدین محمد تھا۔ خواجہ شیر احمد خانی کا بیٹا۔ جو میرزا کا دیوان یک قلمہ تھا۔ ابتدا میں سلطان حسین میرزا کے ہاں مالی انتظام ذرا نہ تھا۔ خرچ بہت تھا۔ اور روپیہ بجا صرف ہوتا تھا۔ نہ رعیت خوش تھی نہ فوج۔ اس وقت محمد الدین محمد پر واپچی تھا۔ اس کو میرک کہا کرتے تھے۔ میرزا کو کچھ روپے کی ضرورت ہوئی۔ دیوانی والوں نے یہ کہہ کر کہ نہ آمدنی ہے نہ جمع ہے صاف جواب دیدیا۔ اس وقت محمد الدین محمد حاضر تھا۔ ہنس دیا۔ میرزا نے ہنسنے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا۔ تنہائی میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اُسی وقت تخلیہ ہو گیا۔ اس نے عرض کی کہ حضور میرے سر پر ہاتھ رکھیں اور میری گزارش قبول کرتے رہیں تو چند روز میں ایسا انتظام کر دوں کہ رعیت آباد۔ سپاہ خوش اور خزانہ پُر ہو جائے۔ میرزا نے اس کے حسب دلخواہ اقرار کر لیا۔

اُس کو مدارالمہام کر کے تمام ملک خراسان اور سارے کام اُس کے سپرد کر دیے۔ اُس نے
 حتی الامکان ایسا انتظام کیا کہ تھوڑے ہی دن میں رعیت اور فوج راضی ہو گئی۔ خزانہ
 کچھ بچ بچ بچ گیا۔ اور ملک آباد ہو گیا۔ لیکن یہ غضب کیا کہ علی شیربگ وغیرہ امراء اور
 اہل منصب سے اچھے سلوک نہ کیے۔ اسی سے سب لوگ برخلاف ہو کر بادشاہ کو بہکانے لگے۔
 اور آخر محمد الدین محمد کو معزول کروادیا۔ اور اُس کی جگہ نظام الملک دیوان ہوا۔ چند روز بعد
 نظام الملک کو بھی پکڑا کر مروادیا۔ اور خواجہ افضل کو عراق سے لا کر دیوان کر دیا۔ میں جس نے
 میں کابل آیا ہوں اُس زمانہ میں خواجہ افضل کو امیر کر دیا تھا۔ دیوانی کے کاغذوں پر
 اُسی کی مہر ہوتی تھی۔ ایک خواجہ عطا تھا۔ اگرچہ خواجہ افضل وغیرہ کی طرح صاحب منصب
 اور دیوان تھا مگر ملکی مہمات بغیر اس کے مشورہ کے فیصلہ نہ ہوتے تھے۔ متقی۔ نمازی اور
 متدین شخص تھا۔ شاغل بھی تھا۔ سلطان حسین میرزا کے یہ امراء وغیرہ تھے جن کا ہم نے
 ذکر کیا۔ سلطان حسین میرزا کا زمانہ بڑا عمدہ زمانہ تھا۔ عموماً خراسان اور خصوصاً شہر ہری
 بے مثل و نظیر اہل فضل و ہنر سے بھرا ہوا تھا۔ جو شخص جس کام کو کرتا تھا اُس کا قصد تھا کہ
 اس کام کا کمال حاصل کیجے۔

اہل فضل میں سے ایک مولانا عبد الرحمن جامی علیہ الرحمہ تھے۔ اپنے زمانہ میں
 علماء علوم ظاہر و باطن میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اُن کے اشعار مشہور ہیں۔ جناب ملا
 ایسے بلند رتبہ با کمال ہیں کہ ہماری تعریف کے محتاج نہیں۔ اتنا لکھنے سے مدعا یہ ہے کہ اس
 ناچیز رسالہ میں تبرکاً اور تبتاً اُن کا نام لکھا جائے۔ اور تھوڑا سا ذکر مبارک کر دیا جائے۔
 ایک شیخ الاسلام سیف الدین احمد تھے۔ ملا سعد الدین تفتازانی کی اولاد میں سے۔
 ترکستان سے آ کر خراسان کے شیخ الاسلام ہوئے۔ نہایت سمجھدار تھے۔ معقول و منقول کو
 خوب جانتے تھے۔ بڑے پرہیزگار اور متدین شخص تھے۔ تھے تو شافعی مگر سب مذہبوں کی
 رعایت کرتے تھے۔ کہتے ہیں قریب ستر برس کے اُنہوں نے جماعت کی نماز ایک دن ناغہ نہیں
 کی۔ شاہ اسماعیل صفوی نے جب ہری کو لیا ہے تو ایک قزلباش کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔
 اُن کی اولاد میں سے کوئی نہیں رہا۔ ایک ملا شیخ حسن تھے۔ اگرچہ ان کی پیدائش اور ترقی
 کا زمانہ سلطان ابوسعید میرزا کا عہد تھا۔ مگر چونکہ سلطان حسین میرزا کے وقت میں بھی تھے۔
 اس لیے اُن کا ذکر کیا گیا۔ حکمت۔ معقول اور علم کلام کے بڑے ماہر تھے۔ تھوڑے لفظوں میں
 بڑے بڑے معنایں کا بیان کرنا اُن کے اختراعات میں سے ہے۔ سلطان ابوسعید میرزا
 کے زمانہ میں بہت مقرب اور ذی اختیار تھے۔ تمام مہمات ملکی میں دخیل تھے۔ اُسے بہتر

کسی نے احتساب نہیں کیا۔ اسی سبب سے سلطان ابوسعید میرزا کے مقرب ہو گئے تھے۔ سلطان حسین میرزا کے زمانہ میں ایسے ہمیشہ شخص کی بیحد توجہ ہوئی ہے۔ ایک ملا زادہ ملا عثمان تھے۔ موضع چرخ کے رہنے والے۔ چرخ تومان لہو کر میں ہے۔ جو کابل کو توامانات میں سے ہے۔ چونکہ اتنے میرزا کے زمانہ میں چودہ برس کی عمر میں طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے ایسے لوگ ان کو ملائے مادر زاد کہنے لگے۔ جب سمرقند سے مکہ معظمہ گئے اور وہاں سے پلٹ کر ہری میں پہنچے تو سلطان حسین میرزا نے روک لیا۔ عقلمند شخص تھے۔ اُس زمانہ میں اُن کا شانی دوسرا نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اجتہاد کے مرتبہ پہنچ گئے تھے۔ مگر اجتہاد نہ کرتے تھے۔ اُن کا قول تھا۔ ”جو شخص کوئی بات سن لیتا ہے اُس کو کیونکر بھول جاتا ہے؟“ اُن کا حافظہ بڑا تو ہی تھا۔ ایک میر مرتاض تھے۔ حکمت اور معقول خوب جانتے تھے۔ روزے بہت رکھا کرتے تھے اس سبب سے میر مرتاض لقب ہو گیا تھا۔ شطرنج کے ایسے دھنی تھے کہ اگر دو کھلاڑی آجاتے تو ایک سے کھیلنے لگتے اور دوسرے کا دامن پکڑ کر بٹھا لیتے۔ اس لیے کہ کہیں چلانہ جائے۔ ایک ملا مسعود شردانی تھے۔ ایک ملا عبدالغفور لاری تھے۔ ملا عبدالرحمن جامی کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی۔ ملا کی اکثر مصنفات کو اُن سے پڑھا ہے۔ نفحات کی شرح بھی لکھی ہے۔ علم ظاہری و باطنی دونوں سے بہرہ مند تھے۔ بڑے کھلے دُئے اور بے تکلف آدمی تھے۔ جس کو ملا کہد و اُس کے آگے کتاب کھول کر ہو بیٹھنے کو عار نہ سمجھتے تھے۔ جہاں کوئی فقیر بنا جب تک اُس سے مل نہ لیں چین نہ آتا تھا۔ جب میں خراسان گیا تھا تو وہ علیل تھے ملا عبدالرحمن جامی کے مزار کی زیارت کو جو ہم گئے تو ملا عبدالغفور کی عیادت کو بھی گئے۔ وہ ملا کے مدرسہ میں تھے۔ چند روز بعد اُسی مرض میں انتقال کر گئے۔ ایک میر جمال الدین محدث تھے خراسان میں علم حدیث کا جاننے والا اُن جیسا کوئی نہ تھا۔ اُن کی عمر بہت ہوئی۔ اب تک زندہ تھے۔ ایک میر عطاء اللہ مشہدی تھے۔ عربی کے ادیبِ کامل تھے۔ علمِ قافیہ میں ایک فارسی رسالہ لکھا ہے۔ اور اچھا لکھا ہے۔ اس میں اتنا ہی عیب ہے کہ مثالوں میں اپنے اشعار لائے ہیں۔ اور ہر بیت سے پہلے یہ فقرہ ”چنانچہ دریں بیت بندہ گفتہ“ بالالتزام لکھا ہے۔ ایک رسالہ صنایع شعر میں موسوم بہ صنایع بدایع نہایت عمدہ رسالہ لکھا ہے۔ اُن کا مذہب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا تھا۔ ایک قاضی اختیار تھے۔ مقدمہ اچھا فیصل کرتے تھے۔ فقہ میں انہوں نے ایک فارسی رسالہ بھی لکھا ہے۔ اچھا رسالہ ہے۔ ایک رسالہ میں قرآن شریف کی آیتیں اس طرح جمع کی ہیں کہ اُن سے ہر قسم کا مضمون اقتباس کر لیا جائے۔ جس میں مقام مرغاب میں میرزاؤں سے ملاہوں تو قاضی اختیار اور محمد یوسف ہمراہ تھے۔ خطِ باری کا ذکر کیا۔

انہوں نے مفردات کو پڑھا اور قاعدہ کے ساتھ بہت کچھ لکھا۔ ایک میر محمد یوسف تھا شیخ کا شاگرد۔ آخر میں شیخ الاسلام نے اُس کو اپنی جگہ مقرر کر دیا۔ کسی مجلس میں قاضی اختیار کر صدر نشین ہوتا تھا اور کسی مجلس میں یہ۔ پھر وہ سپاہگری اور سرداری کی طرف ایسا مائل ہوا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ سوائے ان دو کاموں کے علم کا ایک لفظ بھی اُس کو یاد نہیں رہا۔ نہ اُس کی باتوں سے اُس پر اثر پایا جاتا ہے۔ اور مزہ یہ کہ دونوں میں کچھ حاصل نہ ہوا۔ آخر اسی خیال میں گھر بار کھو بیٹھا۔

شعراء شعرائے باکمال میں مولانا عبدالرحمن جامی شیخ سہیلی اور حسن علی طفیلی جلائے (جن کے نام اور جن کی صفیں سلطان حسین میرزا کے زمرہ امراء میں بیان ہوئی ہیں) سب سے اول درجہ کے تھے۔ شاعروں میں ایک آصفی تھا۔ وزیر زادہ ہونے سے اُس نے اپنا تخلص آصفی رکھا۔ اُس کے اشعار بامعنی اور رنگین ہیں عشق و حال دونوں میں ٹھوٹ تھا۔ مگر اُس کو دعوے یہ تھا کہ میں اپنا کلام کبھی جمع نہیں کرتا۔ شاید یہ دعوے بناؤ ٹی ہو۔ کہتے ہیں کہ اُس کا کلام اتنی سی اسفرائی نے جمع کیا ہے۔ غزل کے علاوہ اور صنف میں شعر کم کہتا تھا۔ جس زمانہ میں میں خراسان گیا ہوں اُس زمانہ میں مجھ سے ملا تھا۔ ایک بنائی تھا۔ ہری کار بنو دلا۔ اس کے باپ کا نام اُستاد محمد بنا تھا۔ اسی مناسبت سے اُس نے اپنا یہ تخلص رکھا تھا۔ اسکی غزلوں میں رنگ اور حال دونوں باتیں ہیں۔ اُس نے دیوان مرتب کر لیا ہے۔ ثنویاں بھی کہی ہیں۔ ایک ثنوی میوہ کے تلاء ذریعہ لکھی ہے جس کی بحر تقارب ہے۔ لغو ثنوی ہے۔ ایک مختصر ثنوی ہے۔ بحر خفیف میں۔ ایک اس سے بڑی ثنوی ہے بحر خفیف ہی میں۔ اس ثنوی کو آخر عمر میں پورا کیا ہے۔ پہلے علم موسیقی نہ جانتا تھا۔ علی شیر بیگ اس سبب سے طعنے دیا کرتا تھا۔ ایک سال میرزا تو قشلاق کے لیے مرو گئے۔ اور بنائی ہری میں رہ گیا۔ اُس جاڑے میں اُس نے فن موسیقی ایسا سیکھ لیا کہ گرمی تک خاصا گویا ہو گیا۔ جب گرمیوں میں میرزا ہری میں آئے تو اُس نے صورت اور نقش بنا کر پیش کیے۔ علی شیر بیگ دنگ ہو گیا۔ اور بہت تعریف کرنے لگا۔ اُس نے موسیقی میں اچھے نقش بنائے۔ جن میں سے ایک کا نام ”نورنگ“ تھا۔ اس کے تمام ہونے تک نورنگ پیدا ہوتے ہیں۔ علی شیر بیگ کو یہ خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس سبب سے اس نے بہت مصیبتیں اٹھائیں۔ آخر پھر نہ سکا۔ عراق چلا گیا۔ آذربائیجان میں یعقوب بیگ کے پاس اچھی طرح رہا۔ اُس کا مصاحب ہو گیا۔ یعقوب بیگ کے مرنے کے بعد وہاں سے بھی چلے دیا۔ پھر ہری میں آ گیا۔ اسکی ہنسی اور چہرہ چھاڑ کا وہی حال تھا۔ اُسکی ظرافتیں اس طرح کی تھیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ شطرنج کھیلنے میں علی شیر بیگ نے اپنا پاؤں جو پھیلا یا تو ملا بنائی کے کولہوں کے اندر تک پہنچا۔

علی شیر بیگ نے ہنسر کہا۔ ”ہر ہی میں یہ بڑا غضب ہے کہ اگر پاؤں پھیلاؤ تو شاہ کی... تک پہنچتا ہے۔“ بتائی نے جواب دیا کہ ”سمیٹو تو بھی شاعر کے اسی مقام تک پہنچتا ہے۔“ پھر ان نظریاتوں کی بدولت اُسے ہر ہی سے سمرقند جانے کا قصد کیا۔ آخر حصار قرشی میں جو قتل عام ہوا اسی میں مارا گیا۔ (میں نے شاہ اسماعیل صفوی کے وزیر قذر تخم بیگ کو ہر چند اس قتل عام کرنے سے منع کیا مگر اُس نے نہ مانا) علی شیر بیگ نے بہت سی چیزیں ایکاد کی تھیں۔ اور یہ بھی ہوا ہے کہ جس نے جو چیز ایکاد کی رواج اور رونق کے لیے اُس کو علی شیر بیگ مشہور کر دیا۔ بعض نے علی شیر بیگ سے مذاق کرنے کے لیے اپنے دونوں کانوں سے رومال باندھ لیا اور اس طرح رومال باندھنے کا نام ”علی شیر“ رکھ دیا۔ بتائی جب ہر ہی سے سمرقند چلنے لگا تو پالان دوز سے اکھرا پالان سلوایا۔ اور اُس کا نام ”علی شیر“ رکھا۔ وہ پالان ”علی شیر“ مشہور ہو گیا۔ ایک شاعر صیفی بخاری تھا۔ اُس کی جو کچھ تصنیفات تھیں۔ اُن تصنیفات کے ثبوت میں اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کو لوگوں کے آگے پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دیوان تو اُس نے معمولی طرز سے لکھا ہے اور دوسرا تمام اہل حرفت کے واسطے ہے۔ اُس میں مثالیں بہت باندھی ہیں۔ اُس کی کوئی شنوی نہیں ہے۔ اپنے اس قطعہ میں وہ کہتا ہے قطعہ

مشنوی گرچہ منت شر است من غزل فرض عین سے دائم
بیج بیتے کہ دلپذیر بود بہتر از خمستین سے دائم

ایک رسالہ عروض کا فارسی میں بھی لکھا ہے۔ اشعار اُس کے کم ہیں۔ مگر ایک طرح وہ پُر گوئی کم تو اس سبب سے کہ کوئی کام کی بات نہیں لکھی۔ اور پُر گو اس لحاظ سے کہ چیتے ہوئے فقرے۔ کھلے الفاظ اور اعراب کے ساتھ لکھے ہیں۔ شراب خوار تھا۔ گھوسم گھوسا خوب روتا تھا۔ ایک شاعر عبد اللہ شنوی گو جام کا رہنے والا تلا کا بھانجا تھا۔ ہاتھی اُس کا تخلص تھا۔ خمس کے مقابلہ میں اُس نے شنویاں لکھی ہیں۔ بہت پیکر کے جواب میں تیمور نامہ لکھا ہے۔ اُس کی شنویوں میں سے لیلیٰ مجنوں بہت مشہور شنوی ہے۔ گوجی شہرت ہے۔ ویسی عمدہ نہیں ہے۔ ایک میر خستین معانی تھا۔ غالباً اُس جیسا معانی نے نہ کہا ہو۔ اُس کی عمر متعاقب کہنے میں گزری۔ عجب فقیر مزاج۔ نامراد اور بے بدل آدمی تھا۔ ایک ملا محمد بدخشی تھا۔ کاش کارہٹے والا۔ جو داخل بدخشان نہیں ہے۔ مگر تعجب ہے کہ تخلص بدخشی تھا۔ اُس کے اشعار مذکورہ بالا اشعار کے اشعار کے برابر نہ تھے۔ فن معانی میں اُس نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اُس کا معامدہ نہیں ہے۔ البتہ خوش صحبت آدمی تھا۔ سمرقند میں مجھ سے ملا تھا۔ ایک دوست تھا۔ فرقانہ کا رہنے والا تھا۔ قصیدہ خواصا کہتا تھا۔ ایک ایسی تھا۔ غزل اچھی کہتا تھا۔ آخر میں سلطان حسین بنیر

پاس آگیا تھا۔ صاحب دیوان تھا۔ ایک محمد صالح تھا۔ اُس کی غزلوں میں چاشنی ہوتی تھی مگر بندش اس چاشنی کے برابر نہ ہوتی تھی۔ ترکی میں بھی شعر کہتا تھا۔ اور بُرا نہ کہتا تھا۔ آخر میں شیبانی خاں پاس آگیا تھا۔ وہاں تھوڑی بہت قدر ہو گئی تھی۔ ترکی زبان میں شیبانی خاں کے نام پر ایک شہنوی لکھی ہے۔ یہی مجنوں کے وزن رمل مسدس میں جو وزن سمجھ ہے۔ یہ شہنوی شست اور گری ہوئی ہے۔ ایک محمد صالح تھا۔ اُس کے شعروں میں مزہ نہیں ہے۔ سُنے والا شعر سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ ترکی میں بھی شعر کہتا تھا۔ ولایت فرغانہ کو تہنبل خانہ کہتے ہیں۔ اُس میں اتنی بڑی شہنوی کسی نے نہ لکھی ہوگی۔ یہ شخص شریہ۔ ظالم اور بے رحم تھا۔ ایک شاعر شاہ حسین کامی تھا۔ اس کے اشعار بُرے نہیں ہیں۔ غزل گو تھا۔ غالباً اُس کا دیوان بھی ہو۔ ایک شہنوی بھی اُس نے لکھی ہے۔ ایک ہلالی تھا۔ دیوان کے علاوہ اس کی ایک شہنوی بھی ہے۔ اگرچہ اس کے اور اشعار ایک انداز کے ہیں مگر اس شہنوی کا مضمون اور بندش دونوں خراب ہیں۔ پچھلے شاعروں نے جو عشقیہ شہنویاں لکھی ہیں اُن میں عاشق کو مرد اور معشوق کو عورت باندھا ہے۔ اس نے ایک فقیر کو عاشق بنایا ہے اور بادشاہ کو معشوق۔ جو افعال بادشاہ کے اقوال اور افعال کے لکھے ہیں اُن میں سراسر فحش ہے۔ اپنی شہنوی کے بنانے کے واسطے ایک بادشاہ کی نسبت ایسا لکھا ہے کہ فواحش کی نسبت بھی نہیں لکھا جاتا۔ اس کا حافظہ بہت قوی تھا۔ چالیس ہزار شعر یاد تھے۔ کہتے ہیں کہ اکثر ختمشیں کے اشعار یاد کر لیے تھے۔ علم عروض و قافیہ میں اسکی بڑی شہرت تھی۔ اُس کے اشعار بُرے نہیں ہیں۔ صاحب دیوان بھی ہے۔

خوشنویس یوں تو بہت سے خوشنویس تھے مگر خط نسخ و نستعلیق لکھنے میں سب سے اول سلطان علی مشہدی تھا۔ اس نے میرزا کے لیے اور علی شیر بیگ کے لیے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ہر روز تیس بیٹیں میرزا کے واسطے اور تیس بیٹیں علی شیر بیگ کے واسطے لکھا کرتا تھا۔

مُصَوِّر مُصَوِّروں میں بہزاد تھا۔ بڑی باریک مصوری کرتا تھا۔ مگر امر د کا چہرہ اچھا نہ بناتا تھا۔ غنیمت کو بہت بڑھا دیتا تھا۔ ہاں ریش دار چہرہ اچھا بناتا تھا۔ ایک مصوِّر شاہ منظر تھا۔ بہت عمدہ مصوِّر تھا۔ اُس کی عمر نے وفانہ کی۔ ترقی کے زمانہ میں مر گیا۔

ارباب نشاط سازندوں میں خواجہ عبداللہ مروارید سے بہتر کوئی قانون نہ بجاتا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ایک قل محمد عوری تھا رغشیرک بھی خوب بجاتا تھا۔ اُس غشیرک اور ستار ایسا لاجواب بجایا کہ گویوں اور سازندوں میں اُس سے پہلے کسی نے نہ بجایا ہوگا۔ ایک شیخ نامی تھا عود اور غشیرک خوب بجاتا تھا۔ بارہ تیرہ برس کی عمر سے لے بجان شروع کی تھی۔

ایک بار بدیع الزمان میرزا کی محفل میں ایسا کام کر گیا کہ قتل محمد سے نہ ہو سکا۔ قل محمد عذر کر ڈلگا کہ غشیرک اچھا نہیں ہے۔ شیخ نائی نے فوراً غشیرک کو قتل محمد کے ہاتھ سے لے لیا اور بڑی خوبی و صفائی کے ساتھ اُسی کو غشیرک سے ادا کر دیا۔ کہتے ہیں کہ شیخ نائی کو اتنے نغمے یاد تھے کہ جہاں کوئی نغمہ سُنا اور کہہ دیا کہ فلاں پردہ کی فلاں آہنگ ہے۔ مگر پھیدا وا بہت کر دیا ہے۔ اُسکے دو ایک نقش بھی مشہور ہیں۔ ایک شاہ کلی غشیرک تھا۔ عراق کا رہنے والا۔ خراسان میں آکر اُس نے ساز کی مشق کی۔ بڑا مشاق ہو گیا۔ بہت گیتیں بجاتا تھا۔ ایک حسین عودی تھا۔ عود مزے سے بجاتا تھا۔ اور گاتا بھی اچھا تھا۔ عود کے تاروں کو ملا کر بجاتا تھا۔ اُس میں اتنا عیب تھا کہ ناز بہت کرتا تھا۔ ایک دفعہ شیبانی خاں نے ساز بجانے کی فرمائش کی۔ جان کر بڑا بچایا۔ اپنا عمدہ ساز بھی نہ لایا۔ ایک بیکار ساز اُٹھالایا۔ شیبانی خاں سمجھ گیا۔ اور حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ شیبانی خاں نے ایک یہی عمدہ کام کیا ہے۔ ایسے نالایقوں کو اس سے بڑھ کر سزا دینی چاہیے۔ گو یوں میں غلام شادی شادی گویتے کا بیٹا تھا۔ گوساز بھی بجاتا تھا۔ مگر جن کا ذکر ہوا ہے اُن کے برابر نہ بجا سکتا تھا۔ آواز اچھی تھی۔ اور چیزیں خوب یاد تھیں۔ اُس زمانہ میں اُس کے برابر کوئی دوسرا نقش و صوت نہ بنا سکتا تھا۔ آخر شیبانی خاں نے اُس کو محمد امین فرما خاں کے پاس بھیج دیا۔ پھر اُس کا حال معلوم نہ ہوا۔ ایک میر عزیز تھا سازندہ بھی تھا۔ اور گویا بھی تھا۔ اگرچہ اُس نے چیزیں کم بنائی ہیں۔ مگر جو بنائی ہیں مزہ کی ہیں۔ بنائی بھی مصنف تھا۔ اور اچھے نقش و صوت رکھتا تھا۔

پہلوان بالکال لوگوں میں سے ایک پہلوان پہلوان محمد سعید تھا۔ کشتی میں استاد وقت تھا۔ شعر بھی کہتا تھا۔ موسیقی کے نقش و صوت بھی بناتا تھا۔ چار گاہ میں اُس کے اچھے نقش و صوت ہیں۔ خوش صحبت آدمی تھا۔ پہلوانی کے ساتھ ان فنوں کا جمع ہونا ایک نادر امر ہے۔

سلطان حسین میرزا کے انتقال کا حال سلطان حسین میرزا نے سفر کی حالت میں انتقال کیا۔ اس موقع پر بیٹوں میں سے بدیع الزمان میرزا اور مظفر حسین میرزا موجود تھے۔ ایک تو مظفر حسین میرزا چاہتا تھا۔ دوسرے محمد برنڈوق برلاس جو اُسکی سرکاری خنار تھا اُس کا آتمہ تھا۔ تیسرے اس کی ماں خدیجہ بیگم میرزا کی چڑھی بڑھی بیوی تھی۔ چوتھے میرزا کے امرا پہلے سے مظفر حسین میرزا کے طرفدار تھے۔ ان وجوہ سے بدیع الزمان میرزا متاثر نہ تھا۔ اور آنا نہ چاہتا تھا۔ مظفر حسین میرزا اور محمد برنڈوق خود گئے اور بدیع الزمان میرزا کو مطمئن کر کے لے آئے۔ سلطان حسین میرزا کی لاش ہری میں لائے۔ شاہی رسم کے موافق برداشت کی۔

اور اسی کے مدرسہ میں دفن کیا۔ اس وقت ذوالنون بیگ بھی موجود تھا۔ محمد بزدوق بیگ ذوالنون بیگ اور اورام اس کے سلطان حسین میرزا نے بالاتفاق بدیع الزمان میرزا اور مظفر حسین کو شہر اکت کے ساتھ بادشاہ کیا۔ بدیع الزمان میرزا کے ہاں تو ذوالنون بیگ اور مظفر حسین میرزا کے ہاں محمد بزدوق مدار المہام ہوا۔ بدیع الزمان میرزا کی طرف سے شیخ علی طغانی اور مظفر حسین میرزا کی جانب سے یوسف علی کو کلتاش داروغہ شہر ہوا۔ یہ بڑی نادربات ہوئی۔ کبھی بادشاہی میں شرکت نہ ہوتی تھی۔ شیخ سعدی کا قول تو اس کے خلاف ہے۔ جیسا وہ کلتاش میں فرماتے ہیں۔
 ”دہ درویش و کلیمے بخشنند و دو بادشاہ در اقلے نہ گنجد۔“

۱۲۵۷ھ کے واقعات

خراسان کی روانگی | ماہ محرم میں ازبک کے دفع کرنے کے لیے خراسان جانے کا قصد ہوا۔ غور بند اور شیراز کے راستہ سے ہم چلے۔ چونکہ جہانگیر میرزا رنجیدہ ہو کر اُس ملک سے نکل گیا تھا۔ اس لیے اس خیال سے کہ ادیاق پر قبضہ کر لیا جائے۔ اور فتنہ انگیز لوگ فساد برپا نہ کر سکیں مقام اشتر میں گھر والوں سے علیحدہ ہو واپس خازن اور دولت قدم قراول کو وہاں چھوڑ دو جریدہ میں روانہ ہوا۔ اُس دن ہم قلعہ صفاک میں اُترے۔ وہاں سے کوئل کتبدک اور کوئل دندان شکن سے ہوتے ہوئے چتر سر پر لگائے ہوئے مرغزار کھرویں فروکش ہوئے۔ سلطان محمد دولہائی کو سید افضل خواب بین کے ساتھ کر کے کابل سے اپنے چلنے کی کیفیت سلطان حسین میرزا کی خدمت میں عرض کرا بھیجی جہانگیر بہت تعجب رہ گیا تھا۔ بامیان کے سامنے پہنچے ہی۔ میں تیس آدمی لیکر وہ بامیان کی طرف چلا۔ جب قریب آیا تو میرے گھر والوں کے خیمے جو پیچھے رہ گئے تھے دیکھے۔ مجھے خیال کر کے اُٹھا پیچ گیا۔ اپنے لشکر میں آتے ہی کسی شے کی پابندی نہ کی۔ اور کوچ کر دیا۔ پیچھے کی کچھ خبر نہ رکھی۔ سید حامد غار کیہ میں چلا گیا۔ شیبانی خاں نے تلخ کو گھیر رکھا تھا۔ تلخ بیگلخان قلی خاں تھا۔ شیبانی خاں نے دو تین سلطانوں کو تین چار ہزار آدمی کے ساتھ بدخشاں کی طرف بھیجا۔ مبارک شاہ وزیر ادراس میرزا اس کو پہلے بگاڑ تھا۔ مگر اس وقت وہ ناصر میرزا کے پاس آ گیا۔ ان دونوں نے کسٹم کے آخر کی طرف شاختہ ان کے مقام پر چھاؤنی ڈال دی تھی۔ یہاں ازبکوں نے ناصر میرزا پریشون مارنا چاہا۔ میرزا فوراً پشتہ پر چڑھ گیا۔ اور اُس نے نفیری بجا کر اپنے لوگوں کو جمع کر لیا۔ انکے جاتے ہی ازبکوں نے پیچھا کیا۔ دریائے کشم طینیانی پر تھا۔ ازبک دریائے عبور کر کے آئے تھے۔ اس سبب سے اُنکے بہت آدمی مارے گئے۔ اور بہت سے گرفتار ہوئے۔

اور بہت سے ڈوب کر مر گئے۔ مہاراج شاہ وزیر میرزا دریائے کشم کی اوپر کی جانب تھا۔ ازبکوں کی
 جو فوج اُس کی طرف آئی تھی اُس کو پشتہ کی جانب بھگا دیا۔ ناصر میرزا نے اپنے مقابل کے بھاگتے وقت
 یہ خبر سنی۔ وہ بھی اُن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو سردار پہاڑ پر تھے وہ بھی اپنی فوج کو اکٹھا کر کے
 روانہ ہوئے۔ اس صورت میں ازبک مقابلہ نہ کر سکے۔ اور بھاگ نکلے۔ ان میں سے بھی سینکڑوں
 مارے گئے۔ بہت سے ڈوب گئے۔ اور بہت سے پکڑے گئے۔ تقریباً پندرہ سے ازبک ضائع ہو
 ہوئے۔ ناصر میرزا کو یہ بڑی فتح میسر ہوئی۔ جب ہم میدان کھڑے تھے تو ناصر میرزا کا آدمی یہ
 خبر لایا تھا۔ اسی نواح میں ہم تھے جو ہمارے سپاہی گئے اور غوری روہنہ سے غلہ لائے۔ یہیں
 سید افضل اور سلطان دولائی کے جو خراسان بھیجے گئے تھے خطوا آئے۔ اور سلطان حسین میرزا
 کے مرنے کی خبر آئی۔ اس خبر کے سُننے پر بھی اُس خاندان کے اعزاز کا خیال کر کے میں خراسان روانہ ہوا۔
 البتہ اس روانگی میں اور غرضیں بھی شامل تھیں۔ درہ آجر سے نکل نوب اور منداخان کے راستہ سے
 ملخاب کے پہاڑوں میں ہوتے ہوئے صاف کے پہاڑوں میں پہنچے۔ سامان اور چارے کے مقاموں
 پر ازبکوں کی چڑھائی کی خبر معلوم ہوئی۔ قاسم بیگ کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ اُن کی طرف روانہ
 کیا دیہ لوگ گئے۔ اُن سے اور اُن سے ملٹھ بھیڑ ہوئی۔ انہوں نے اُن کو اچھی طرح زیر کیا۔ بہت سوں کے
 سر کاٹ لیے۔ جہانگیر میرزا اور اپنے متعلقوں کی طرف آدمی روانہ کیا۔ اُن کی خبر آتے ہی کہ کوہ صاف کے
 ایلاق میں ہم ٹھہرے رہے۔ اس نواح میں ہرن کثرت سے ہوتے ہیں۔ ایک بار شکار بھی کھیلے۔ دو ایک
 کے بعد قبائل آگئے۔ ہر چند کہ جہانگیر میرزا نے انکے پاس آدمی بھیجے یہاں تک کہ ایک دفعہ علاء الدین جو
 کو بھی بھیجا مگر وہ وہاں نہ گئے۔ اور میرے پاس چلے آئے۔ آخر میرزا مجبور ہو گیا۔ جب ہم کوہ صاف سے
 چلے اور درہ بانی میں پہنچے تو وہ ملازمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ ہم کو خراسان جانے کی دھن لگی ہوئی
 تھی اس لیے نہ میرزا سے ملے اور نہ قبائل کی پروا کی۔ کزوان۔ المار۔ قیصار اور ہر چکنو سوتے ہوئے
 درہ جام ایک جائے ہے بادعیش کے توابع میں سے اُس میں آکر ٹھہرے۔ ملک میں ایک غدر مچ رہا تھا۔
 یہ کوئی ملک اور قوموں سے زبردستی جو کچھ ہاتھ لگتا تھا لے لیتا تھا۔ ہم نے بھی اُس نواح کے ترکوں اور
 قبیلوں پر زور ڈال کر تحصیل کرنی شروع کی۔ اس دو ایک مہینے میں شاید تین سے تو مان کیبی حاصل
 کیے ہو گئے۔ چند روز پہلے ذوالنون کی فوج بطور ایفغا خراسان سے ازبکوں پر بھیجی گئی تھی۔ اُس نے
 پندوہ اور فرغچاق میں ازبکوں کی خوب خبر لی۔ بہت سوں کو قتل کیا۔ بدیع الزمان میرزا نے مظفر حسین
 برندوق برلاس۔ ذوالنون بیگ۔ شاہ بیگ اور ذوالنون کے لڑکوں نے شیبانی خاں پر (جس وقت
 سلطان قلی خاں کو تلخ میں گھیرے ہوئے پڑا تھا) چڑھائی کا قصد کیا۔ ان لوگوں نے آدمی بھیجا کہ سلطان
 حسین میرزا کے سب بیٹوں کو بلایا۔ اور خود شہر ہری سے باہر نکلے۔ بادعیش میں پہنچے تو ہاتھ چل نہ سکا۔

ابو الحسن میرزا بھی آکر ہمراہ ہوا۔ اسکے بعد ابن حسین میرزا بھی دارنوں اور فائن سے آگیا۔ کبیک میرزا مشہد میں تھا۔ کئی آدمی اُسکے پاس بھیجے۔ واپسیت جواب دیکر بودا پن کر گیا۔ اور نہ آیا۔ اصل میں اُس کو مظفر حسین میرزا سے کاوش تھی۔ اور یہ خیال تھا کہ وہ تو بادشاہ ہو اور میں اُسکے سامنے یوں جاؤں۔ بھلا ایسے وقت میں کہ سارے چھوٹے بڑے بھائی ایک جائے جمع ہوں اور متفق ہو کر شیبانی خاں جیسے دشمن کے استیصال کا ارادہ کریں ایسا بے مزہ تعصب کیا۔ اس نہ آنے کو تعصب کون سمجھیکا۔ بلکہ سب نامردی خیال کرینگے۔ دنیا میں ایسی ہی حرکتیں لوگوں کی یادگار رہ جاتی ہیں۔ عقلمند وہ حرکت کیوں کر لگا جس سے اُس کے بعد اُس کو بُرا کہتے رہیں۔ ہوشیار آدمی تو ایسا ہی امر کر گیا کہ اُس کے پیچھے سب اُس کو اچھا کہیں حکیموں نے بعد کے ذکر کو ”عمر ثانی“ کہا ہے۔ میرے پاس بھی ایلی آئے۔ پھر محمد برند وق برلاس آیا۔ میں کیوں نہ جاتا۔ دو سے کوں کا راستہ اسی لیے طے کیا ہے۔ محمد بیگ کے ساتھ میں اُدھر روانہ ہوا۔ اُن دنوں میں سب میرزا مرغاب کے مقام میں آگئے تھے۔

میرزاؤں سے ملاقات | پیر کے دن جمادی الثانی کی چھٹی کو میرزاؤں سے ملاقات ہوئی۔

ابو الحسن میرزا آدھ کوس کے قریب استقبال کے لیے آیا تھا جب ہم قریب ہوئے تو ادھر میں گھوڑے پر سے اُترا۔ اُدھر ابو الحسن میرزا اُجڑا۔ دونوں آگے بڑھ کر بغلیں ہوئے اور سوار ہو گئے۔ تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ مظفر حسین میرزا آیا جو ابو الحسن میرزا سے چھوٹا تھا۔ چاہیے تھا کہ یہ پہلے استقبال کرتا۔ عجب نہیں کہ یہ پیچھے آنا نشہ کی وجہ سے اور عیش و عشرت کے سبب سے ہو۔ غور یا تکبر سے نہ ہو۔ مظفر حسین میرزا سب سے شکستہ کیا۔ ہم دونوں گھوڑوں ہی پر بیٹھے ہوئے باہم لے۔ اسی طرح ابن حسین میرزا سے بھی ملاقات ہوئی۔ سب ملکر بدیع الزمان میرزا کے مکان پر اترے۔ بہت ہی انبوہ تھا۔ اتنی خلقت تھی کہ بعض کے پاؤں تین تین چار چار قدم تک زمین پر نہ ٹکھتے تھے۔ اگر کسی کام کے لیے کوئی اٹھا پھرنا چاہتا تھا تو چار پانچ قدم بے اختیار پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ ہم بدیع الزمان میرزا کے دیوانخانہ میں پہنچے۔ قاعدہ تو یوں چاہیے تھا کہ اندر جاتے ہی میں زانو ماروں اور بدیع الزمان میرزا فوراً کھڑا ہو کر آگے آئے۔ پھر ہم دونوں ملیں۔ ہوا یہ کہ مکان میں داخل ہوتے ہی میں نے زانو مارا اور میں تو بے توقف آگے بڑھا۔ مگر بدیع الزمان میرزا ذرا دیر میں اُٹھا اور آہستہ چلا فاسم بیگ میرا خیر خواہ تھا۔ میری عزت اُس کی عزت تھی۔ اُس نے میرا کمر بند پکڑ کر کھینچا۔ میں سمجھ گیا میں بھی رسان پسن چلنے لگا۔ جو جائے مقرر تھی وہاں ملاقات ہوئی۔ اس سفید اور بڑے مکان میں چار جائے مسندیں بچھائی تھیں۔ اس مکان کے ایک کنارہ کی طرف ایک در تھا۔ میرزا ہمیشہ اس در میں بیٹھا کرتا تھا۔ ایک مسند تو اس در میں بچھائی تھی۔ بدیع الزمان میرزا اور مظفر حسین میرزا

اس مسند پر بیٹھے۔ دوسری مسند سیدھی طرف مکان کے صدر میں بچھائی۔ ابوالحسن میرزا اور میں اُس پر بیٹھے۔ بدیع الزمان میرزا کی مسند کے آخر میں اُلٹی طرف تیسری مسند بچھائی تھی۔ اُس پر قاسم سلطان ازبک (جو شیبانی خاں کے سلاطینوں میں سے تھا۔ میرزا کا داماد اور قاسم حسین سلطان کا باپ تھا) ابن حسین میرزا کے ساتھ بیٹھا۔ میرے سیدھے ہاتھ کی طرف میری مسند کے آخر میں قریبی بیو تھی مسند بچھائی۔ جہاں لیکر میرزا اور عبدالرزاق میرزا اُس پر بیٹھے۔ محمد برندوق بیگ ذوالنون بیگ قاسم بیگ۔ یہ تینوں قاسم سلطان اور ابن حسین میرزا سے سیدھے ہاتھ کی طرف بہت نیچے بیٹھے۔ آتش تیار ہوئی۔ ہر چند کہ کوئی جلسہ نہ تھا مگر آتش کے ساتھ سونے چاندی کی صراحیوں میں شربت بھر کر صراحیاں دسترخوان پر رکھی گئیں۔ ہمارے بڑوں اور بھائی بندوں نے چنگیز خانی توردہ کا بہت لحاظ رکھا۔ مجلس۔ دربار۔ شادی۔ آتش خوری۔ اٹھنے اور بیٹھنے میں اُس توردہ کے خلف کوئی بات نہیں کی۔ مگر توردہ آیت حدیث نہیں ہے کہ کوئی ضرور ہی اُس کا پابند ہو۔ ہاں جس سے جو عمدہ قاعدہ جاری ہو وہ برتنا چاہیے۔ اگر باپ نے کوئی بُری رسم جاری کر دی جو تو اُس کو اچھی رسم سے کیوں نہ بدلدیں۔ خیر۔ آتش کھا کر ہم سوار ہوئے اور اپنے مقام پر آئے۔ ہمارے لشکر اور میرزاؤں کے لشکروں میں ایک شرعی کوس کا فاصلہ تھا۔ دوسری ملاقات میں بدیع الزمان میرزا نے پہلی طرح تعظیم نہ کی۔ میں نے محمد برندوق اور ذوالنون بیگ کے ہاتھ کھلا بھیجا کہ گویں عمر میں چھوٹا ہوں مگر میرا درجہ بڑا ہے۔ بزرگوں کے تحت پر جو سمرقند میں ہے دو دفعہ بنو رشمشیر میں بیٹھا ہوں اس خاندان کے دشمن سے جس نے اس قدر جنگ و جدل کی ہے وہ میں ہی ہوں۔ میری تعظیم نہ کرنی بیوجہ بات ہے۔ اس بات کا چرچا ہوا۔ چونکہ میرا قول معقول تھا سب مان گئے۔ اور آخر سب نے خاطر خواہ میری تعظیم کی۔ پھر ایک دفعہ بدیع الزمان میرزا پاس جانے کے موقع پر نظر کی نماز کے بعد شراب کا جلسہ ہوا۔ میں اُن دنوں میں شراب نہ پیتا تھا۔ یہ بزم بڑی آراستہ تھی۔ ہر قسم کی گزک خاؤں میں لگائی گئی تھی۔ مرغ اور قاز کے کباب تھے۔ طرح طرح کے کھانے تھے۔ ہم بدیع الزمان میرزا کی مجلس کی بہت تعریف سُنتے تھے۔ فی الواقع نہایت عمدہ اور دلچسپ مجلس تھی۔ جب تک مرغاب میں رہے تین دفعہ میرزا کی مجلس شراب میں شریک ہونے کا موقع ہوا۔ وہ جاننے والے کہ میں شراب نہیں پیتا۔ اس لیے پھر مجھ سے نہ کہا۔ ایک بار میں مظفر حسین میرزا کی محفل میں بھی گیا۔ حسین علی جلائے اور میر بدر اُن دنوں میں میرزا کے ملازم تھے۔ وہ بھی اُس جلسہ میں حاضر تھے۔ نشہ ہوتے ہی میر بدر خوب ناچا شاید اس قطع کا ناچ میر بدر ہی کا ایجاد ہو۔ میرزاؤں کو ہر سی ہے بچلے اور بالاتفاق جمع ہو کر مرغاب میں آئے تین چار چہینے ہو گئے۔ سلطان علی خاں نے تنگ ہو کر رخ شیبانی خاں کے حوالہ کر دیا۔ اس اجماع کی خبر سُنتے سے تلخ لینے کے بعد ازبک سمرقند کی طرف مراجعت فرمایا۔

ہمارے یہ میرزا اگرچہ جلسے کرنے اور ملنے جلنے میں ایک ڈھنگ کے تھے مگر سپاہ گری کے کمزور و فریب اور لڑائی بھڑائی کی چال سے واقف نہ تھے۔ مرغاب ہی میں خبر آئی کہ حق نظر نے چارستے پائے آدمیوں سے آکر چلکتو کے نواح کو لوٹ لیا۔ سب میرزا جمع ہوئے۔ بہتیری صلاحیں مشورے کیے مگر دفعۃً فوج آدھرنہ بھیج سکے۔ مرغاب اور چلکتو میں دس کوس کا فاصلہ ہے۔ اس کام کو میں نے اپنے ذمہ لیا، شرم کے مارے مجھے بھی اجازت نہ دی۔ شیبانی خاں اُلتا پمگیا تھا۔ اور سال آخر ہو گیا تھا۔ یہ تجویز قرار پائی کہ اس جاڑے میں ہر میرزا ایک مناسب جگہ تشلاق مقرر کرے۔ گرجی کا موسم آتے ہی سب اکٹھے ہو جائیں۔ اور غنیم کی خبر لیں۔ مجھے بھی خراسان میں تشلاق کے لیے کہلا بھیجا۔ چونکہ کابل و غزنی میں ترک۔ بخت۔ ایماق۔ احشام۔ افغان۔ ہزارہ وغیرہم مختلف قومیں جمع ہو گئی تھیں۔ اس سبب سے وہ پشاور و شرم مقام تھے۔ دوسرے خراسان و کابل میں اتنا بعد ہے کہ برف وغیرہ مانع نہ ہو تو سب سے قریب پہاڑی راستہ جہینا بھر کا راستہ ہوگا۔ اور سیدھا راستہ چالیس پچاس دن کا۔ ملک بھی ابھی پورا قابو میں نہ آیا تھا۔ اس لیے میرے ہوا خواہوں نے وہاں تشلاق کرنے کی صلاح نہ دی۔ میں نے عذر کہلا بھیجا۔ وہ بہت ہی اصرار گمنام اور آخر بدیع الزمان میرزا۔ ابوالحسن میرزا اور مظفر حسین میرزا خود میرے پاس آئے اور ٹھہرانے پر مصر ہوئے۔ میرزاؤں کے سامنے میں دم نہ مار سکا۔ اول تو یہ کہ ایسے بادشاہوں نے خود آکر فرمایا دوسرے ہر جیسے شہر کے دیکھنے کو دل چاہتا تھا۔ آج دنیا میں وہ ایک بے نظیر شہر ہے سلطان حسین میرزا کے زمانہ میں اُس کی آبادی اور رونق نے دس حصے بلکہ بیس حصے ترقی کی تھی۔ ان وجہ سے ٹھہر جانا قبول کر لیا۔ ابوالحسن میرزا مرو پھلے گئے۔ ابن حسین میرزا تون اور قاجان روانہ ہوئے۔ بدیع الزمان میرزا اور مظفر حسین میرزا ہری میں آئے۔ دو تین دن پیچھے میں بھی چل دھرتیا اور تاس رباط کی راہ سے ہری کی طرف روانہ ہوا۔ پچھتی پائندہ سلطان بیگم۔ خدیجہ بیگم۔ آفاق بیگم اور ابوسعید میرزا کی اور بیٹیاں سلطان حسین میرزا کے مرنے میں جمع ہوئی تھیں۔ سب میرزا کے مقبرہ ہی میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ میں اُن سے جا کر ملا۔ اول پائندہ بیگم سے زانو مار کر ملا پھر اسی طرح خدیجہ بیگم سے ملا۔ تھوڑی دیر وہاں توقف کیا۔ حافظ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ اُن کو سنتا رہا۔ اس کے بعد مدرسہ کے جنوب میں جہاں خدیجہ بیگم تھیں وہاں گیا۔ انہوں نے آتش تیار کرائی۔ آتش کھا کر پائندہ بیگم کے مکان میں گیا۔ رات کو وہیں رہا۔ میرے ٹھہرنے کے لیے نئے باغ میں جائے مقرر کی تھی۔ دوسرے دن میں نئے باغ میں آؤں۔ اس باغ میں ایک رات رہا۔ وہ مقام میرے مناسب نہ سمجھا گیا۔ علی شیر بیگ کا مکان تجویز ہوا۔ جب تک ہری میں رہا اُسی مکان میں رہا۔ دوسرے تیسرے دن باغ جہان آرا میں بدیع الزمان کو سلام کرتا تھا۔ کئی دن بعد

مظفر حسین میرزا نے مجھے اپنے مکان پر بلایا۔ مظفر حسین میرزا باغ سفید میں رہتا تھا۔ خبر کو سن کر بھی وہیں تھیں۔ میں خود تجھ بیگم سے ملنے گیا تو جہانگیر میرزا بھی میرے ساتھ گیا۔ آتش اور کھانینے بعد مظفر حسین میرزا ہم کو اس عمارت میں لایا جس کا نام طرب خانہ ہے اور جو بابر میرزا کی بنائی ہوئی ہے۔ طرب خانہ میں شراب کا جلسہ ہوا۔ یہ طرب خانہ ایک باغ میں ہے۔ چھوٹا سا دو منزلہ مکان ہے۔ مگر عمارت دلچسپ ہے۔ اس کے اوپر کی منزل کو زیادہ تکلف سے بنایا ہے۔ اُس کے چاروں کونوں میں چار حجرے ہیں۔ چاروں حجرے اور اُن کا مابین سب ایک مکان ہے۔ حجروں کے مابین میں جو مکان ہیں وہ ایسے ہیں جیسے چار شہ نشینیں۔ اس مکان کے ہر سلع کی دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اگرچہ اس عمارت کو بابر میرزا نے بنایا تھا مگر تصویریں سلطان ابو سعید نے۔ کے حکم سے بنائی گئی ہیں۔ یہ تصویریں اُن کی لڑائیوں کی ہیں۔ شمالی شہ نشین میں آسنے سے دو مسندیں بچھائی تھیں۔ مسند کے کنارے شمال کی طرف تھے۔ ایک مسند پر مظفر حسین میرزا اور میں بیٹھا۔ دوسری پر سلطان مسعود میرزا اور جہانگیر میرزا بیٹھا۔ چونکہ میں مہمان تھا اس لیے مظفر حسین میرزا نے مجھے صدر میں بٹھایا۔ ساتی کھڑی ہوئے تھے۔ اُنہوں نے جام بھہہ کئے۔ اہل بزم کو دینے شروع کیے۔ اہل بزم بھی جام شراب کو آپ حیات کی طرح پینے۔۔۔ مجلس گرم ہو گئی۔ سیخاروں کو نشاں کے اُبھار ہوئے۔ اہل بزم کا خیال تھا کہ مجھے بھی شریک دور کریں۔ میں نے اُس وقت تک شراب نہ پی تھی۔ اور نہ اُس کی کیفیت و حالت کو میں پورے طور پر جانتا تھا۔ مگر ہاں یہاں آکر میرا دل لچانے لگا۔ لڑکپن میں مجھے شوق نہ تھا۔ بلکہ میں شراب کے نشہ کو اور اس کی حالت کو بھی نہ جانتا تھا۔ اب آجان کبھی فرماتے بھی تھے تو میں انکار کر دیتا تھا۔ پتیا نہ تھا۔ اب آجان کے انتقال کے بعد مولانا خوجا حق صنی کے قدم کی برکت سے میں زاہد اور پرہیزگار رہا۔ مشتبہ کھلنے تک سہی جاتا تھا۔ چہ جائیکہ شراب پی لوں۔ بعد اُس کے جو یہ لت لگی تو جوانی کے تقاضے اور نفس کی شامت سے لگی۔ کوئی دوسرا بہکانے والا نہ تھا۔ کوئی یہ بھی نہ جانتا تھا کہ میرا دل شراب پینے کو چاہتا ہے۔ گو دل لچاتا تھا۔ مگر ایسا کام خود کرنا مشکل تھا۔ اب دل میں آئی کہ ایک تو یہ سب سر ہوتے ہیں۔ دوسرے ہر جی جیسے آراستہ شہر میں آیا ہوں جہاں دنیا بھر کے عیش و عشرت کے سامان موجود ہیں۔ پھر اب نہ پیونگا تو کب پیونگا۔ میں نے شراب پینے کا ارادہ کر لیا۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ بدیع الزمان میرزا بڑا بھائی ہے۔ اُس کے جلسہ میں اور اُس کے ہاتھ سے تو میں نے پی نہیں۔ اُس کے چھوٹے بھائی کہاں اگر پی لی تو بدیع الزمان میرزا کیا کہیگا۔ یہ سوچا۔ اور اسی کو میں بیان کر دیا۔ اس عذر کو سب مان گئے۔ اور اس جلسہ میں مجھے معاف رکھا۔

یوں ٹھیری کہ بدیع الزمان میرزا اور مظفر میرزا جب ایک جگہ ہوں تو دونوں کے کہنے سے میں پیوں۔ اس مجلس میں گویوں میں سے حافظ حاجی۔ جلال الدین محمد زانی اور غلام شادی گویے کا چھوٹا بھائی (جو چنگ بجاتا تھا) تھے۔ حافظ حاجی اچھا گایا۔ ہر سی کے لوگ نیچے سر میں چھوٹی آواز سے اور سیدھا سیدھا گاتے ہیں۔ جہانگیر میرزا کے ساتھ ایک گویا میرزاں نام۔ تھا۔ سمرقند کا رہنے والا۔ اونچے سروں میں۔ بڑی آواز سے اور چلت پھرت کے ساتھ گاتا تھا۔ جہانگیر میرزا نے اُس موقع پر حکم دیا کہ گا۔ وہ بہت ہی گلا پھاڑ کر اور بڑا گایا۔ خراساں والے ہنسی باز ہیں۔ ایسے گانے سے کسی نے تو کان بند کر لیے۔ کسی نے ناک چڑھائی اور منہ بنایا۔ مگر میرزا کے لحاظ سے کوئی منع نہ کر سکا۔ مغرب کے بعد طرب خانہ سے اُٹھے اور اُس نے شقائق کے مکان میں جو مظفر حسین میرزا نے بنوایا تھا آئے۔ جب ہم اس مکان میں آگئے تو نشہ کی زیادتی سے یوسف کو کلتاش اُٹھ کھڑا ہوا اور ناچنے لگا۔ کبھی آدمی تھا۔ خوب ناچا۔ مظفر حسین میرزا نے ایک تلوار۔ برہ کی پستین اور ایک تیجاق مجھے عنایت کیا۔ یہیں ترکی میں باتیں کیں مظفر حسین میرزا کے دو غلام تھے۔ ایک کا نام کتہ ماہ دوسرے کا نام کچک ماہ۔ نشہ میں وہ بھی گانے لگے۔ مگر بونگے کاٹے۔ بڑی رات تک جلسہ گرم رہا۔ پھر برخاست ہوا۔ اس رات میں یہیں رہا۔ قاسم بیگ نے جو سنا کہ شراب پینے کی صلاح ہوئی ہے تو اُس نے ذوالنون بیگ سے کہلا بھیجا۔ ذوالنون بیگ نے میرزاؤں کو ازراہ نصیحت بہت جھڑکا۔ آخر وہ تجویز موقوف رہی مظفر حسین میرزا کی مہانداری کی خبر سُنکر بدیع الزمان میرزا نے مقوی خانہ میں جلسہ ٹھیرایا۔ اور میری دعوت کی۔ میرے ساتھ میرے بعض مصاحبوں کو بھی بلایا۔ میرے مصاحب میرے خوف سے شراب نہ پی سکتے تھے۔ اگر کبھی پیتے بھی تھے تو مہینوں میں کسی دن دروازہ بند کر کے ڈرتے ڈرتے پیتے تھے۔ ایسوں ہی کو مدعو کیا۔ یہاں بھی اُنہوں نے یہ کیا کہ کبھی میری آنکھ بچا کر۔ کبھی ہاتھ کی آرٹیں منہ کرتے سوجھنوں سے پیتے رہے۔ میری طرف سے تو ایسی صحبتوں میں عام اجازت تھی اس لیے کہ صحبت ایسی تھی جیسے باپ یا بڑے بھائی کی ہوتی ہے۔ غلام ایک عجیب چیز لائے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کہ درخت کی اصلی شاخوں میں یا نقلی شاخوں میں شاخ کی لمبائی تک ہمیں مہین ایک شے چھڑکی ہوئی تھی۔ یہ جو کچھ تھا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ آخر قانہ کے کباب کی قاب میرے آگے رکھی۔ میں اُس کا کاٹنا اور کھولنا نہ جانتا تھا۔ نہ کبھی میں نے دیکھا تھا۔ میں نے اُس پر ہاتھ نہ ڈالا۔ بدیع الزمان میرزا نے کہا کھاؤ نا۔ میں نے کہا اس کا الگ کرنا میں نہیں جانتا۔ بدیع الزمان میرزا نے میرے آگے سے قاب کھینچ لی۔ اور قانہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے میرے آگے رکھ دی۔ ان کاموں میں بدیع الزمان میرزا طاق تھا۔ اس جلسہ میں خجھر مرغ۔ چار قب اور تیجاق مجھ کو دیا۔ میں دن

میں ہری میں ہالور روزان مقامات کی سیر کرتا رہا جن کو نہ دیکھا تھا۔ یوسف علی کو کلتاش مجھے
سیر کر لیا کرتا تھا۔ جس سیرگاہ میں ٹھہرتے تھے وہاں یوسف علی کو کلتاش ایک قسم کی آتش خانہ
کیا کرتا۔ اس میں دن میں سو اے سلطان حسین میرزا کی خانقاہ کے شاید کوئی مشہور سیرگاہ
دیکھنی رہ گئی ہو۔ جن مقاموں کی سیر میں نے تھوڑے دن میں کر لی وہ یہ ہیں:- کاریزگاہ۔
علی شیربگ کا باغ۔ جو ارکانغذ۔ تخت ہستانہ۔ پل گاہ۔ کہستان۔ باغ نظرگاہ۔ نعمت آباد۔
خیابان کاریزگاہ۔ سلطان احمد میرزا کا خلیہ۔ تخت سفر نوائی۔ تخت برگیر تخت حاجی بیگ شیخ بہاؤ الدین
کامزار شیخ زین الدین کامزار مولانا عبدالرحمن جامی کامزار۔ ان کا مقبرہ۔ نمازگاہ مختار۔ حوض ایشیا
ساق سلمان۔ بلوڑی (یہ ابوالولید کی تھی)۔ امام فخر۔ باغ خیابان۔ میرزا کے مدارس و مقابر۔
گہر شاہ بیگم کا مدرسہ اور مقبرہ اور جامع مسجد۔ باغ زانغان۔ باغ نو۔ باغ زبیدہ۔ آق سہا
(جس کو سلطان ابوسعید میرزائے دروازہ عراق کے پاس بنایا ہے)۔ پورن صفحہ سرانہ ازان۔
چرخا لانک۔ میرداد احمد۔ پل پالان۔ خواجہ طاق۔ باغ سفید۔ طرب خانہ۔ باغ جہان آباد کو شک۔
مقوی خانہ۔ موسیٰ خانہ۔ دروازہ برج۔ حوض کلاں (جو جہان آرا کے شمال میں ہے) اُس کے
چار طرف کی چار عمارتیں۔ قلعہ کے پانچوں دروازے (دروازہ ملک۔ دروازہ عراق۔ دروازہ پور آباد۔
دروازہ خوش۔ دروازہ قچاق)۔ بازار ملک۔ چار سو۔ مدرسہ شیخ الاسلام۔ جامع مسجد ملک باغ شہر
بدیع الزمان میرزا کا مدرسہ (جو دریائے انجیل کے کنارہ پر ہے)۔ علی شیربگ کے رہنے کے مکان۔
(جن کا نام الستہ ہے)۔ اُس کا مقبرہ۔ اُس کی مسجد (جسکو قدسیہ کہتے ہیں)۔ اُسی کا مدرسہ۔
خانقاہ (جن کو خلاصہ اور اخلاصیہ کہتے ہیں) اُس کا دارالشفاء (جو صفائیہ اور شفائیہ مشہور
ہیں)۔ معصومہ بیگم (سلطان احمد میرزا کی چھوٹی بیٹی) حبیبہ بیگم کے پیٹ کی) ان تباہیوں میں خراسان
آگئی تھی۔ میں جو ایک دن اکام سے ملنے گیا تو وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ مجھ سے ملنے آئی دیکھتے تھے
میری طبیعت اُس کی طرف سوچ کرنے لگی۔ میں نے اکام اور نیکام پاس خفیہ آدمی بھیج کر دیں
پائندہ سلطان بیگم کو اکام اور حبیبہ سلطان بیگم کو نیکام کہا کرتا تھا) شادی کا پیغام دیا۔ یہ بات
قرار پائی کہ میرے جانے کے بعد نیکام اپنی بیٹی کو لیے ہوئے کابل میں آجائیں۔ محمد برندوق بیگ
اور ذوالنون بیگ نے یہاں قشلاق کرنے کے لیے مجھ سے اصرار تو کیا تھا مگر نہ اچھی جگہ تجویز کی اور
نہ سامان دیا۔ جاڑا سر پڑ گیا۔ کابل اور خراسان کے بیچ میں برف پڑنے لگی۔ کابل کی طرف سے
اطمینان نہوا تھا۔ ان لوگوں نے نہ کسی جائے قشلاق کے لیے سامان دیا۔ نہ کسی جائے سامان کے ساتھ
قشلاق مقرر کیا۔ اور ضرورت ہو گئی۔ میں صاف صاف کہہ سکتا نہ تھا۔
ہرات سے مراجعت | شہزاد کی ساتویں کو قشلاق کا بہانہ کر کے میں ہری سے نکلا فوج بادشاہ میں

ہر ہر پڑاؤ پر ایک ایک دو دو دن مقام کرتا ہوا چلا۔ یہ اس لیے کہ جو لوگ ضروری کاموں کے لیے ادھر ادھر چلے گئے ہیں وہ آجائیں۔ اس میں اتنا توقف ہوا کہ لنگر میر غیاث سے آگے بڑھنے کے بعد دوسری تیسری منزل میں رمضان خریف کا چاند دکھائی دیا۔ جو لوگ کام کاج کرنے چلے گئے تھے ان میں سے کچھ تو آگے آدھ کچھ میرزاؤں کے پاس رہ گئے۔ رہنے والوں میں سے ایک سیدم علی دربان تھا۔ وہ بدیع الزمان میرزا کا نوکر ہو گیا۔ خسرو شاہ کے نوکروں میں سے اتنی رعایت میں نے کسی کی نہ کی تھی۔ جب جہانگیر میرزا غزنی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا تو غزنی میں نے سیدم علی کو دیدیا تھا۔ یہ اپنے سالے ایکو شیخ کو غزنی میں چھوڑ کر لشکر میں آ گیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ خسرو شاہ کے آدمیوں میں سیدم علی دربان اور محب علی قورچی سے بہتر دوسرا نہ تھا۔ سیدم علی کے اطوار و اخلاق اچھے تھے۔ تنوار کا دھنی تھا۔ یاروں کا یاد تھا۔ سخی تھا۔ کفایت شعاری کے ساتھ باسامان تھا۔ اس کی ہنسی چمکتی مرنے کی تھی۔ باتیں اس کی میٹھی تھیں۔ خلیق۔ باتوں اور ہزل گو تھا۔ اس میں یہ عیب تھا کہ جھوٹا۔ بدکار اور اغلامی تھا۔ مذہب کا ڈھل مل یقین تھا۔ منافق بھی تھا۔ بعض اُس کے نفاق کو پیہودہ گوئی پر قبول کرتے ہیں۔ مگر نہیں تھا منافق۔ جس وقت بدیع الزمان میرزا ہری کو غنیم کے حوالے کر کے شاہ بیگ پاس آیا تو شاہ بیگ اور میرزا کے درمیان میں منافقانہ باتیں بنانے سے سیدم علی کو قتل کر کے دریائے ہیر منڈیل اسکی لاش پھینکوا دی گئی۔ محب علی کا حال آگے بیان کیا جائے گا۔ لنگر میر غیاث سے چل کر خرجستان کے کنارہ کے دیہات کو زیر کرتے ہوئے ہم نجیران میں پہنچے۔ لنگر سے ذاب نجیران تک برابر برف تھی۔ جس قدر ہم چلتے گئے اُسی قدر برف اونچی ہوتی گئی۔ ذاب نجیران میں گھوڑے کی ران سے اونچی برف تھی۔ نجیران ذوالنون بیگ کے علاقہ میں تھا۔ اُس کو خدام میرک خان آبرو خان کا حاکم تھا۔ ذوالنون بیگ کے سارے غلہ کی قیمت دیکر غلہ خرید لیا گیا۔ نجیران سے جب ہم آگے پہنچے تو ذوالنون کے بعد اسی سجد برف پڑنے لگی کہ گھوڑوں کے پیٹھوں سے اونچی تھی۔ اکثر جانے گھوڑے کا پاؤں زمین پر نہ پہنچتا تھا۔ اور برف برابر پڑ رہی تھی۔ جب ہم چراغدان سے گزرے تو برف بھی بلند تھی۔ اور راستہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا۔ لنگر میر غیاث میں مشورہ ہوا تھا کہ کابل کس راستہ سے چلیں۔ میری اور اکثر کی رائے تھی کہ جاوہر ہے۔ قندھار سے چلنا چاہیے۔ گورا ستہ دور کا ہے مگر بے کھٹکے چلے چلیں گے۔ پہاڑ کے راستہ میں خوف اور دقت ہے۔ قاسم بیگ نے کہا۔ وہ راستہ دور کا ہے۔ اور یہ پاسکل۔ وہ اس پر اڑ گیا۔ آخر اُسی کے کہنے پر چلے۔ سلطان نام ایک پشتوئی رہبر ہوا۔ معلوم نہیں کہ کثرت برف سے یا کسی اور سبب سے راستہ سے نہ لجا سکا۔ چونکہ قاسم بیگ کی ہٹ سے اس طرف چلے تھے اس لیے اُس کو غیرت آگئی۔ وہ اور اُس کے بیٹے پیدل ہو کر برف کاٹ کاٹ کر راستہ کرنے لگے۔ اور آگے بڑھنے لگے۔ ایک دن برف بھی بہت پڑ رہی تھی اور راستہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا۔ بہت ہی ہاتھ پاؤں مار

مگر ہم ایک قدم نہ چل سکے۔ ناچار اُٹے پھرے۔ ایک جائے ایندھن ڈھیروں تھا۔ وہیں ترپڑے
 ساتھ سترسیا ہیوں کو حکم دیا کہ جس راستہ سے ہم آئے ہیں اُدھر ہی جاؤ۔ ہزارہ قوم کے لوگوں
 نے پہاڑوں کے نیچے تشلاق کیا ہوگا۔ اُن میں سے راستہ دکھانے کے لیے کوئی اگوا لاؤ۔ انکے
 آتے تک تین چار دن ہم اُس منزل میں پڑے رہے۔ یہ جانے والے کوئی اچھا رہبر نہ لائے تھے
 خدا پر توکل کر سلطان پشنوئی اگوے ہی کو آگے رکھا اور اُسی راستہ سے جہاں سے اُٹے پھرے
 چل کھڑے ہوئے۔ ان دنوں میں بہت ہی مصیبت اور محنت اٹھانی پڑی۔ اپنی عمر میں اتنی مصیبت
 اور محنت کبھی نہ اٹھائی تھی۔ تقریباً ہفتہ بھر برف کاٹتے ہوئے چلے۔ اور کوس ڈیڑھ کوس سے زیادہ
 نہ چل سکے۔ میں دس پندرہ مصاحبوں سمیت جس میں قاسم بیگ مع اپنے دونوں بیٹوں کو ٹنگیر بردی
 اور قنبر علی اپنے دو تین نوکروں کے ساتھ تھے پیدل ہو گیا۔ ہم سب ملکر برف کاٹتے تھے۔ ہر قدم پر کمر
 اور سینہ تک برف میں دھنس جاتے تھے اور برف کھودتے تھے۔ چند قدم چلنے کے بعد جواگے ہوتا تھا۔
 وہ تھک کر اور جھک کر اہو جاتا تھا۔ دوسرا آگے بڑھتا تھا۔ ہم ہی دس پندرہ آدمی برف کھودنے آتے
 تھے۔ یہ حال تھا کہ ایک خالی گھوڑے کو کھینچتے لاتے تھے۔ رکاب اور خوگیر تک وہ برف میں دھنسا رہا
 تھا۔ دس پندرہ قدم چل کر ٹھیر جاتا تھا۔ اُس کو کونے میں کھڑا کر دیتے تھے۔ اور دوسرے کو بڑھالائے
 تھے۔ اسی مصیبت سے یہ دس پندرہ آدمی برف کاٹتے تھے۔ اور اپنے گھوڑے گھسیٹ لاتے تھے۔ باقی
 تمام اچھے اچھے سپاہی اور وہ لوگ جو سردار کہلاتے تھے گھوڑوں پر سے کھسکتے نہ تھے۔ کھدے ہوئے
 اور صاف راستہ سے سر جھکائے ہوئے چلے آتے تھے۔ یہ موقع ایسا نہ تھا کہ کسی کو تکلیف دی جائے۔
 جس کو ہمت ہو وہ خود چل پڑے۔ خیر اسی طریق سے برف کاٹتے ہوئے اور راستہ بناتے ہوئے تین چار روز
 میں کوتل زرین کے آخر خوال قوی نام ایک مقام ہے اُس میں آئے۔ اُس دن بڑی پریشانی ہوئی۔ ایسی برف
 پڑی کہ سب کو موت دکھائی دینے لگی۔ یہاں والے غار اور کھوکھال کہتے ہیں۔ اس خوال کے پاس جو پہنچے تو
 اور بھی پریشانی پیدا ہوئی۔ اسی خوال کے پاس ٹھیر گئے۔ برف بلند۔ راستہ چھپا ہوا۔ کھودی ہوئی راہ ہیں
 بھی گھوڑے وقت سے چلتے۔ دن قہوڑا رہ گیا۔ آگے چلنے والے دن دن میں خوال کے پاس جا پہنچے مغرب
 سے عشا تک تو لوگ آگئے۔ پھر نہ آ سکے۔ جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ بہتیروں نے تو گھوڑوں کی پیٹھ پر رت
 گزاری۔ خوال بھی چھوٹی معلوم ہوئی۔ میں نے خوال کے منہ کے پاس برف ہٹا تکیہ نہد کے برابر اپنے لیے
 جائے نکالی۔ اور وہیں سمٹ کر میں ہو بیٹھا۔ سینہ تک برف کھودی تھی۔ پھر بھی زمین نہ نکلی۔ البتہ ہوا کا بچاؤ ہو گیا۔
 میں وہیں بیٹھا ہوا کسی آدمیوں نے کہا کہ اند چلے جائیے۔ میں نے دل میں کہا کہ سب تو برف اور پریشانی میں ہیں۔
 اُوں میں گرم مکان میں چلا جاؤں اور آرام کروں۔ ساری قوم مصیبت و پریشانی میں مبتلا رہی اور میں بے باؤں
 پسا کر سوؤں۔ یہ تو موت اور کچھتی سے بعید ہے۔ جو تکلیف گزرے میں بھی اُسکا مزہ چکھوں صبح اور صند کو جگہ

مصیبتیں سہیں میں بھی سہوں۔ فارسی مثل مشہور ہے ”مرگ بیاراں عید است“۔ اُسی ٹھنڈ اور گرہے میں جو کھو دیا تھا میں بیٹھا رہا۔ عشا کے وقت اتنی برف پڑی کہ میں جو گھنٹوں پر سر رکھے ہوئے بیٹھا تھا تو میری پیٹھ پر۔ میرے سر پر رکازوں پر چار چار انگل برف تھی۔ اُسی رات میرے کانوں میں سردی بھگ گئی۔ عشا کے وقت کچھ لوگوں نے غار کو ٹولا۔ وہ چلائے کہ کھو بہت فراخ ہے۔ سب کو جائے مل جائیگی۔ یہ سنکر سرور سنہ پر سے برف جھاڑ میں بھی کھو کے اندر چلا گیا۔ جو لوگ کھو کے باہر اور سردی کھا رہے تھے انکو بھی بلایا۔ چالیس پچاس آدمیوں کو فراغت سے جگہ مل گئی۔ آذوقہ بخنی۔ قور داغ اور جو کھانا جس پاس تھا وہ اُسے ہمیشہ کیا ایسی سردی۔ برف اور پریشانی میں بڑے امن کی گرم جائے میں فراغت کا ساتھ ہم آگئے۔ دوسرے دن وہ برف تھی اور پریشانی موقوف ہوئی۔ صبح ہی وہاں سے چل نکلے۔ وہی کل کی طرح برف کاٹے اور راستہ بناتے ہوئے دامنہ کا درپنکل آئے۔ جو راستہ اوپر کی طرف جاتا تھا وہ بہت اونچائی پر جاتا تھا۔ (اسکو کوتل زرین کہتے ہیں) ہم اوپر کی جانب نہ گئے۔ درہ کے نیچے کی طرف روانہ ہوئے۔ دامنہ سے ہم نیچے نہ پہنچے پائے تھے کہ شام ہو گئی۔ درہ ہی میں ڈیرے ڈال دیے۔ اُس رات بڑی سردی تھی۔ بہت مصیبت اور سختی سے وہ رات بسر ہوئی۔ بہت سوں کو ہاتھ پاؤں کو جھڑا مار گیا۔ اس رات میں کتہ بگ کے پاؤں۔ سوئڈرک ترکمان کے ہاتھ اور آتی کے پاؤں کو ٹھنڈک نے مار دیا۔ دوسرے دن صبح کو درہ سے نیچے کی جانب ہم روانہ ہوئے۔ بڑے خراب اور تنگ مقاموں سے اترتے ہوئے موقع ملا۔ مغرب کے وقت درہ سے باہر نکلے کسی بوڑھے بڑی کو یاد نہیں ہے کہ اس پہاڑ سے ایسے وقت میں کہ اتنی برف پڑی ہو کوئی صحیح سلامت نکل گیا ہو۔ بلکہ اس موسم میں ادھر سے راستہ چلنا کسی کے خیال میں نہ آتا ہوگا۔ اگرچہ اس اونچی برف سے چند روز بہت تکلیف اٹھائی مگر اسی اونچی برف کے طفیل منزل پر بھی پہنچ گئے۔ کیونکہ اگر برف اتنی اونچی نہ ہوتی تو اول ہی مقام میں گھوڑے۔ اونٹ اور آدمی سب کا کام تمام ہو جاتا۔

ہرنیک و بدے کہ در شمار است تاورنگری صلاح کار است

عشا کے وقت ہم کیہ آولانک میں آئے اترے بلکہ آولانک اے ہمارے اترتے ہی ہمارے آنے سے آگاہ ہوئے۔ انہوں نے گرم مکان خالی کر دیے۔ ہمارے لیے موٹی موٹی بکریاں وغیرہ حاضر کیں۔ گھوڑوں کے لیے دانہ گھاس اور سینکنے کے لیے پھونس اور اُپلوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اُس ستم کی سردی اور برف سے نجات پا کر اچھے گاؤں اور گرم مکانوں کا ملنا اور اُس مصیبت و بلا سے بچکر ایسی الغاروں روٹیاں اور یہ دُم سم چربانی ہوئی بکریاں نصیب ہوئی ایک نعمت ہے جسکو محنت کر نیوالے ہی جانتے ہیں۔ اور ایک پرورش ہو جسکو بلا کش ہی پہچانتے ہیں۔ دُجمنی اور فراغت کے ساتھ یکہ آولانک میں ایک دن مقام کیا۔ یکہ آولانک سے کوچ کر کے دو فرسنگ پر ڈیرے کیے۔ دوسرے دن عید ہوئی۔ باسیان میں سے ہو شیر تو پہاڑ سے نیچے آئے۔ اس اترنے میں جگہ لگ کو چھوڑ دیا۔ ہمارے سربراہ ہزارہ ترکمان مع گھربار کے قشلاق میں پڑے ہوئے تھے۔ انکو اصلاً ہماری

خبر نہ تھی۔ دوسرے دن جو کوچ ہوا تو اُن کے پڑاؤوں اور ڈیروں میں ہم جا گئے۔ اُن کے دو تین پڑاؤ تو لگے۔ باقیوں نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ صرف اپنی جانوں اور بال بچوں کو لے پہاڑ کا راستہ لیا۔ اتنے میں خبر آئی کہ کئی ہزار آدمی نے لشکر کے اگلے لوگوں کو ایک تنگ مقام میں گھیر رکھا ہے۔ تیروں کی بوجھ کر رکھی ہے۔ اور کسی کو جانے نہیں دیتے۔ یہ سنتے ہی میں پلٹا۔ پاس پہنچ کر میں نے دیکھا کہ جائے تو تنگ نہیں ہے۔ ہاں کچھ ہزارہ لوگ ایک پہاڑ کی مینی گاہ پر سے تیر مار رہے ہیں۔ ایک ٹیکرے پر اچھے اچھے جوان اکٹھے کھڑے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہزارہ لوگوں نے اگلے سپاہیوں کا جو راستہ روک رکھا ہے تو سب حیران ہو رہے ہیں۔ اس موقع پر میں اکیلا لپکا اور جو لوگ بھاگے جاتے تھے اُن کو ”یوریور“ کہہ کتستی دی۔ ان میں سے ایک نے بھی میری نہ سنی۔ دشمن کی طرف کسی نے مُنہ نہ کیا۔ ہر کوئی ہر جگہ ٹھہرا رہا۔ گو سوائے ترکش اور کمان کے میرے پاس اور ہتھیار و سامان نہ تھا۔ اور میرے دل میں یہ بات بھی آئی کہ نوکر اسی دن کے لیے بکھتے ہیں کہ موقع پر اپنے کام آئے اور مالک پر جان فدا کرے۔ نہ اس لیے کہ نوکر کھڑا نہ دیکھے اور آقا دشمن کا مقابلہ کرے۔ مگر میں نے اپنا گھوڑا مقابلہ کے لیے ڈال دیا جب لوگوں نے مجھے جاتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی ساتھ ہو لیے۔ اُس پہاڑ کے پاس جہاں ہزارہ تھے پہنچتے ہی ہم نے اُن کے تیروں کی ذرا پروانہ کی اور چڑھنا شروع کر دیا۔ کبھی پیدل ہو کر چڑھنے لگتے تھے۔ کبھی سوار بنیم نے جو دیکھا کہ لشکر ہجوم کر کے چڑھ آیا تو وہ بھاگ نکلا۔ اب ہمارے سپاہیوں نے اُن کا پیچھا کیا۔ سب پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ہرنوں کی طرح اُن کو آگے رکھ لیا۔ اور شکار کرنا شروع کیا۔ جو کچھ لگو لگو نکال اسباب چھین لیا گیا۔ بال بچے قید کر لیے۔ اُنکے مال میں سے کچھ بکریاں میں نے بھی گھیریں۔ یارک طغانی کے سپرد کر کے میں آگے بڑھا۔ پہاڑوں کی بلندیوں سے گزرتا ہوا۔ ہزارہ کے گھوڑے بکریاں آگے رکھے ہوئے لشکر تھوڑے بگ ہیں۔ ہم اُترے۔ ہزارہ قوم کے چودہ پندرہ سردار جو اُن میں سرکش اور لیڈر تھے گرفتار ہو گئے تھے۔ ارادہ تھا کہ جہاں بھیرینگے وہاں ان کو قتل کر دیا جائیگا۔ اس سے سب ڈاکوؤں اور سرکشوں کو عبرت ہو جائے گی۔ اتفاقاً قیدی قاسم بیگ سے مل گئے۔ قاسم بیگ نے رحم کر کے بیوقوف رہائی دیدی۔ تنہا۔ نکلواں بادل گردن چخان است کہ بدکردن بجائے نیک مرداں زمین شور سنبل بر نیسا رد درو تخسبم عل صنائع مگرداں غرض سارے قیدی چھوڑ دیے۔

خان میرزا کی بناوت اسی یورش کرنے کے موقع پر مُسنے میں آیا کہ محمد حسین دو غلت اور سلطان سنجو برلاس نے اُن مندوں کو جو کابل میں رہ گئے تھے اپنی پٹا اور اُس پر فتح پانا۔ خان میرزا کو بادشاہ ناکابل کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اور لوگوں میں یہ خبر

اڑادی ہے کہ بدیع الزمان میرزا اور مظفر حسین میرزا نے بادشاہ کو کچھ کہہ کر ہر ہی کے قلعہ اختیار الدین (جواب بالا تورغان شہور ہے) میں قید کر دیا۔ کابل میں ملا بابا ساغر جی، خلیفہ محب علی قوری - احمد یوسف اور احمد قاسم تھے۔ انہوں نے فوراً قلعہ بندی کر لی اور شہر کی حفاظت کرنی لگے۔

لنگر پور بیگ سے میں نے محمد اند جانی (قاسم بیگ کا نوکر) کے ہاتھ امراءے کابل کو لکھ بھیجا کہ میں یہاں آ گیا ہوں، اور یہ تجویز کی کہ ہم غور بند سے نکل کر ان پر دفعہ جا پڑیں۔ نشانی یہ ہو کہ ہمارے ہاں آنے کے بعد پہاڑ کے منار پر تم آگ روشن کرو۔ ہم سمجھ جائیں گے کہ ہمارے آنے کو تم جان گئے۔ ہم ادھر سے یہاں گئے تم ادھر سے باہر نکلتا۔ اور جس قدر تم سے ہو سکے کمی نہ کرنا۔

یہ باتیں محمد اند جانی کے ہاتھ کہلا بھیجیں۔ دوسرے دن صبح لنگر سے چلے۔ اور شہر استر کے پاس اُترے۔ وہاں سے جھٹ چھوٹے وقت غور بند کے درہ سے نکل پل پر آکھیرے۔ گھوڑوں کو سستیا اور ٹھنڈا کیا۔ ظہر کے وقت پل سے چلے۔ تو تقاول تک تو برف نہ تھی۔ جب تو تقاول سے آگے بڑھے تو جس قدر چلتے گئے برف زیادہ ہوتی گئی۔ دست بختی میں خوب سردی پڑی۔ ایسی سردی سے مجھے اپنی عمر میں کبھی پایا نہ پڑا تھا۔ احمدی بسا دل اور باقر اور احمد بورجی کو امراءے مقیم کابل پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ ہم وقت سے واپس آئے ہیں۔ تم ہوشیار رہو۔ اور سنبھل جاؤ۔ کوہ منار سے چلکر دامند کوہ میں اُتر آئے۔ جاڑے کے مارے دم نہ رہا تھا۔ آگ سُلگا کر تپنے لگے۔ اگرچہ وہ محل آگ جلانے کا نہ تھا مگر ٹھنڈے عاجز کر دیا تھا۔ اس لیے الاؤ لگا دیا تھا۔ پوٹھ چلی تھی جو کوہ منارہ سے ہم چلے۔ کابل اور کوہ منار کے مابین گھوڑے کی ران تک برف تھی۔ راستہ چلنے والے مشکل سے چلتے تھے۔ اس سارے راستہ میں ہم برف ہی میں دھنسے رہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ وقت پور کابل میں بڑی دقت سے پہنچا ہوا۔ مئی ماہ رو پر ہمارے پہنچتے ہی قلعہ سے آگ کی روشنی نمایاں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ قلعہ والے خبردار ہو گئے۔ جب ہم سید قاسم کے پل پر پہنچے تو شیرم طغانی کو مروج برنغار کے ہمراہ ملا بابا کے پل کی طرف روانہ کیا۔ قول اور جرنغار کو بابا بولی کے راستہ سے ہم سے گئے۔ جہاں اب خلیفہ کا باغ ہے اس زمانہ میں وہاں آج بیگ میرزا کا بنایا ہوا ایک چھوٹا سا بیچھڑا تھا۔ حویلی کی قطعہ کا۔ کھاٹ کھاڑا تو اس کا گل گیا تھا مگر پیار دیواری باقی تھی۔ خان میرزا اسی میں تھا۔ محمد حسین میرزا آج بیگ میرزا والے باغ بہشت میں تھا۔ میں ملا بابا کے باغ کی طرف والے قبرستان میں پہنچا۔ جو لوگ تیزی سے آگے بڑھ گئے تھے پھر میرے پاس آئے۔ یہ آگے بڑھنے والے اس مکان میں جس میں خان میرزا تھا جا گئے۔ اور یہ چار آدمی تھے۔ سید قاسم ایشک آقا۔ قنبر علی۔ شیر قلی قراول مغل اور سلطان احمد مغل (شیر قلی مغل کی فوج میں کا) ان چاروں کے بے تاختا اس حویلی میں (جس میں خان میرزا تھا) گھٹتے ہی مل جگ گیا۔ خان میرزا گھوڑے پر بیٹھ نکل بھاگا۔

محمد حسین قوری کی سگے چھوٹے بھائی نے (جو خان میرزا کا نوکر ہو گیا تھا) شیر قلی مغل کے تلوار ماری۔ اُسکا سر کاٹ ڈالا تو چھٹکا رہا ہوا۔ غرض یہ چاروں تلوار اور تیر کے زخم کھائے ہو جہاں کا میں نے ذکر کیا ہے وہاں میرے پاس آئے۔ ایک تنگ مقام میں سوار جمع ہو گئے۔ اور بھیڑ ہو گئی۔ اوپر والے بھی ایک جگہ ہو گئے۔ نہ آگے جاسکتے ہیں۔ نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ جو لوگ میرے پاس تھے اُن سے میں نے کہا نیچے اترو اور حملہ کرو۔ دوست ناصر۔ محمد علی کنہا۔ بابا میرزا شاہ محمود اور جو ان نیچے اتر کر تیر مارنے لگے۔ اُدھر والوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ قلعہ والوں کی ہم نے بہت راہ دیکھی مگر وہ وقت پر نہ آ سکے۔ دشمن کے پست ہونے کے بعد ایک ایک دودھ آنے لگے۔ میں ابھی اُس چار باغ میں جس میں خان میرزا تھا نہ گیا تھا کہ قلعہ والوں میں سے یوسف اور سید یوسف آئے۔ میرے ساتھ اُس باغ میں جہاں خان میرزا تھا پہنچے معلوم ہوا کہ خان میرزا یہاں سے بھاگ گیا۔ میں جلدی سے اُٹھا پھرا۔ احمد یوسف میرے پیچھے پیچھے تھا۔ چار باغ کے دروازہ سے پل پر دوست پیادہ (جس کو دلیری کے صلہ میں میں نے کوتوال کا بل کر دیا تھا) ننگی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے مجھ پر چھٹا۔ میں جیبہ پہنے ہوئے تھا بغیر بی نہ باندھو ہوئے تھا۔ دو بلغہ بھی نہ پہنا تھا۔ ہر چند ہے دوست۔ ہے دوست کہہ کر میں چلایا۔ اور احمد یوسف بھی چیخا۔ مگر بات اس سبب سے کہ سردی اور برف سے میری صورت پلٹ گئی تھی یا اضطراب جنگ ہو۔ اُسے مجھے نہ پہچانا اور میرے کھلے ہوئے بازو پر ہاتھ مارا۔ غایت الہی سے میں بال بال بچا ہوا۔ اگر تیغ عالم مجھ پر نہ جاتے نہ بڑے درگے تا نخواستہ خدا کے

خدا کے تعالیٰ نے مجھے اس دعا کی برکت سے بچا لیا جو میں پڑھا کرتا تھا۔ وہ دعا یہ ہے :-
 اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ اَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَ اَعْلَمُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَخَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَمِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ غَيْرِيْ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَاۤءٍ اَنْتَ اَخَذْتَ بِمَا صَيَّرْتَ اِنَّكَ اَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وہاں سے میں باغ بہشت میں آیا جہاں محمد حسین میرزا تھا۔ وہ بھاگ کر چھپ گیا۔ باغ کے ایک مقام پر جہاں سے محمد حسین میرزا کہہ رہا تھا سات آٹھ آدمی کمائیں لیے ہوئے کھڑے تھے۔ میں نے اُن کی طرف گھوڑا ڈٹایا۔ وہ مقابلہ نہ کر سکے اور بھاگ نکلے۔ میں نے پیچ کر ایک کے تلوار ماری۔ تلوار کا ہاتھ ایسا پڑا کہ میں سمجھا شاید اس کا سر اڑ گیا۔ میں آگے بڑھا جس کے میں نے تلوار ماری تھی وہ خان میرزا کا کوکھ شش ہو لک کوکھ شش تھا۔ تلوار اُس کے ہاتھ پر پڑی تھی۔ جب میں اُس مکان کو دروازہ میں پہنچا

جس میں محمد حسین میرزا تھا تو اوپر سے ایک مغل نے جو میرانو کر تھا اور میں اُسکو بچانا تھا۔ ایک تیر جوڑ کر میری طرف رخ کیا۔ ادھر ادھر سے ”ہیں ہیں بادشاہ ہیں“ آوازیں پڑتے لگیں۔ تیر کو پھینک کر وہ بھاگ گیا۔ تیر مارنے کا کام رہا تھا۔ میرزا اور اُسکے سردار بھاگ چکے تھے بعض سڑار گرفتار ہو گئے تھے۔ کس کے تیر مارے جاتے۔ یہیں سلطان سبخر کو (اس کو میں نے تومان نیکلہار دیا تھا اور یہ بھی اس بغاوت میں شریک تھا) پکڑ کر اور اس کی گردن باندھ کر گھسیٹے ہوئے لاؤ۔ وہ گھبرانے لگا اور لگا جھنجھٹا ”یائے ہائے“۔ لوگوں نے کہا کہ تیراجرم اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ ان سب کا سر عنق تو ہی ہے۔ چونکہ میرے۔ مودل کی ماں شاہ بیگم کا وہ بھانجا تھا اس لیے میں نے حکم دیا کہ اتنا بے عزت نہ کر۔ اور کشاں کشاں نہ لاؤ۔ یہاں سے نکل کر احمد قاسم کوہ بر کو جو امیر اے متعین قلعہ میں سے تھا خان میرزا کی تلاش میں روانہ کیا۔ اسی باغ کے ایک گوشہ میں شاہ بیگم اور خاتیم مقیم تھیں۔ میں اُن دونوں سے ملنے گیا۔ شہر کے کچے گندھے لائیاں لیے ہوئے اُٹا کر پل رست آئے۔ اور لوہہ ٹوٹنا چاہتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے لوگوں کو مقرر کیا کہ ہر طرف سے بلوئیوں کو مار کر نکال دیا جائے۔ شاہ بیگم اور خاتیم ایک ہی جگہ تھیں۔ جہاں میں اُتر کر تاکتا تھا وہیں اُترا۔ جس طرح پہلے ادب اور تعظیم سے پیش آتا تھا اُسے اُسی طرح پیش کیا۔ دونوں بہت ہی کچھ گھبرائی ہوئی اور شرمندگی سے سر جھکا لے ہوئے تھیں۔ نہ کوئی عذر معقول کر سکیں نہ محبت سے پیش آئیں۔ مجھے اُن سے ایسی توقع نہ تھی۔ یہ لوگ جنہوں نے فساد برپا کیا ایسا نہ تھا کہ سلم اور راجہ کو بات نہ سنتے۔ خان میرزا تو ان کا سگا بوا سہ ہی تھا۔ رات دن انہی کے بار بار ساتھ۔ کہ وہ ان کی نہ سنتے تو خان میرزا کو یہ روک سکتی تھیں۔ زمانہ کی ناسازگاری نے۔ تو شاہ بیگم کو کہ تھوڑے۔ ایک دو تیر چاکروں سے الگ ہوان کے پاس گیا ہوں اور انہیں میرزا کے ساتھ ہوئی ہیں۔ انہوں نے آنکھ تک نہیں ملائی۔ خان میرزا مجھ سے پتھر باندھ رہے۔ اس کی ماں سلطانہ بیکار خاتیم آباد ملک کے مالک تھے۔ میں اور میری ماں ملک تو درکنار ایک نکالوں اور ایک جانور بھی نہ رکھتے تھے۔ کیا میری ماں یونس خاں کی بیٹی نہ تھی۔ اور میں یونس خاں کا بوا سہ نہ تھا؟ شاہ بیگم کے آتے ہی میں نے ملک لغمان کو جو کابل کے اعلیٰ علاقوں میں سے ہے اُن کی نذر کر دیا۔ دوسرے ہر طرح کی خدمتگاری میں اور بیٹا بننے میں ذرا کمی نہ کی۔ سلطان سعید خان کا شعری پیدل اور بڑا کئی دفعہ آیا۔ میں اُس سے سکا بھائیوں کی طرح ملا۔ لغمان کے علاقوں میں سے منداور کا پرگنہ میں نے اسکی تواضع کیا۔ جس زمانہ میں شاہ اسماعیل عسوی نے شیبانی کو قتل کر ڈالا اور اُس توپی دشمن کو ہمارے سر سے ٹالا۔ تو میں اُدھر گیا۔ قندہار سے چلتے وقت انجان والے میرا منہ ٹکنے لگے۔ بعض نے اپنے حکام کو

نکال دیا۔ بعض نے اپنے شہروں کا انتظام کر لیا۔ اور میرے پاس آدمی بھیجے میں نے سلطان سعید خاں کے ساتھ اپنے آدمی کر دیے۔ اپنی فوج ملک کے لیے دی اور اندھجان کا ملک اُسکو دیدیا۔ سردار بنا کر اُدھر روانہ کر دیا۔ آج تک جو وہاں سے آتا ہے میں اُس کو اپنے عزیزوں سے کم نہیں جانتا۔ چنانچہ چین تیمور سلطان۔ اولیس تیمور سلطان۔ توحشہ بوغا سلطان اور بابا سلطان اب میرے پاس ہیں۔ میں سب کو اپنے حقیقیوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اور ہر طرح انکی خاطر و رعایت کرتا ہوں۔ اس لکھنے سے میرا مدعا شکایت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک سچی حکایت ہے جو لکھدی گئی۔ میں کچھ اپنی تعریف کرنی نہیں چاہتا۔ جو گہرا ہے وہ تذکرۂ بیان کر دیا۔ میں نے یہ التزام کر لیا ہے کہ اس تاریخ میں سچی سچی باتیں لکھی جائیں۔ کوئی بیان غیر واقعی نہ ہو۔ باپ ہو یا بھائی۔ اپنا ہو یا بیگانہ۔ جس کی جو بُرائی بھلائی تھی وہ صاف صاف بیان کر دی۔ جس کا جو عیب و ہنر تھا پورا پورا لکھ دیا۔ ناظرین معاف فرمائیں۔ اور اعتراض نہ کریں۔ یہاں سے میں اُٹھ کر چار باغ میں آیا۔ جس میں خان میرزا اُترا ہوا تھا۔ سب طرف فتح نامے بھیجے گئے۔ اس کام کے بعد سوار ہو کر ارگ میں ہم آئے۔ محمد حسین میرزا اُدھر کے مارے خانیم کے توشیخانہ میں گر چھپ گیا تھا۔ توشک کے بوغبد میں بیٹھ رہا۔ قلعہ کے متینوں میں سے میرم دیوان وغیرہ کو حکم دیا کہ ان گھروں کی تلاشی لے لو۔ اور محمد حسین میرزا کو ڈھونڈ لاؤ۔ یہ لوگ خانیم کے دروازہ پر آئے۔ خوب ڈانٹا اور دھمکایا۔ بہر حال محمد حسین میرزا کو پکڑ لاے۔ اور قلعہ میں لے آئے۔ میں نے حسب دستور تعظیم دی۔ اور اس کے منہ پر کوئی سخت بات نہ کہی۔ محمد حسین میرزا کے اگر میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا تو بجائے طرح طرح کے عذاب دیتا تو وہ اس کی سزا تھی۔ کیونکہ اُس نے ایسی نالائق حرکت کی۔ اور ان سارے فتنوں کی جڑ وہی تھا۔ لیکن ایک طرح کی سگارت تھی۔ میری سگی خالہ خوب نگار خانم کا وہ خاوند تھا۔ صاحبِ لاد تھا۔ ان حقوق سے میں نے اُس کو ذرا نہ ستایا۔ اور خراسان جانے کی اجازت دیدی۔ یہ بھڑوت حق ناشناس میری ایسی نیکی کو کہ میں نے اُس کی جان بخشی کر دی بالکل بھول گیا۔ شیبانی نے آئے میری شکایتیں کیں۔ اور مجھے بُرا بھلا کہا۔ چند ہی روز میں شیبانی خاں نے اُس کو قتل کر ڈالا۔ کبخت نے اپنے کیے کی سزا پائی۔

توبہ کنندہ خود را بروزگار سپار کہ روزگار ترا چاکر لیست کینہ گزار
احمد قاسم کوہ بر کو کچھ سپاہیوں سمیت خان میرزا کے تجسس میں بھیجا تھا۔ قرآبلاق کے پہاڑوں میں اُس نے خان میرزا کو جالیا۔ خان میرزا نہ بھاگ سکا۔ نہ ہاتھ پاؤں ہلا سکا۔ اُس کو بھی گرفتار کر لیا۔ جب وہ آیا ہے تو میں شمال و شرق کے آخروالے والان میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ لاؤ۔ ایسا گھبرا دیا کہ زانو مارنے کے لیے آتے آتے دو دفعہ گرا۔ آتے ہی میں نے پہلو میں جھٹایا۔

تلی دی۔ شربت حاضر ہوا۔ خان میرزا کے رفیع وہم کے لیے پہلے میں نے شربت پلا پھر اُسکو دیا۔ چونکہ سپاہ رعیت منول اور چٹائی دودلے ہو رہے تھے اس لیے چند روز کی احتیاط کی۔ حکم دیا کہ خان میرزا اپنے گھر میں رہے۔ مگر ان لوگوں سے جن کا ذکر ہوا ہنوز وعدہ باقی تھا۔ خان میرزا کا کابل میں رہنا مناسب نہ دیکھا۔ کچھ دن بعد اُس کو خراسان کی طرف چل جانے کی اجازت دی گئی۔ ان کو روانہ کر کے مقام سیاران۔ چاشق اور گلہبار کی سیر کرنے چلا گیا۔ موسم بہار میں ان مقاموں کی کیفیت قابل دید ہوتی ہے۔ کابل کے اور مقامات کی نسبت یہاں سبزہ بہت ہوتا ہے۔ طرح طرح کا گل لالہ کھلتا ہے۔ ایک باریں نے لالہ کی قسمیں گنوائیں تو چونتیس قسمیں نکلیں۔ یہاں کی تعریف میں میں نے ایک شعر بھی لکھا ہے۔ اسی اثنا میں ساری غزل لکھی۔ سچ یہ ہے کہ فصل بہار میں سیر۔ شکار اور تیر اندازی کے لیے ایسے مقامات بہت کم ہونگے۔ چنانچہ کابل و غزنی کی تعریف کسی قدر لکھ دی گئی ہے۔ اسی سال ناصر میرزا کے برتاو سے اُس میں اور امراء بدخشاں مثل محمد تورچی۔ مبارک شاہ وزیر اور جہانگیر میں شکر رنجی ہو گئی۔ بلکہ یہ لوگ کھلم کھلا باغی ہو گئے۔ رجب نے شفق ہو کر فوج کشی کی۔ دریائے کوچک کے میدان کی طرف سے جو انقیل اور داغ کی جانب ہے اپنے اپنے سوار و پیادوں کو جمع کر پیار کے راستوں سے جچان کے پاس سب آگئے۔ ناصر میرزا اور اُس کے نائب کلاہمراہیوں نے کسی بات کا خیال نہ کیا۔ اور پشتوں پر آکر مقابلہ کیا۔ زمین بہت اونچی نہی۔ پیدل زیادہ۔ دو ایک مرتبہ گھوڑوں کو خیز کرتے میں قائم رہے اور لڑے۔ آخر بھاگ نکلے۔ بدخشیوں نے ناصر میرزا کو شکست دی۔ ان کے قوال اور لواحق کو لوٹ لیا۔ ناصر میرزا اپنے لڑے ہوئے ہمراہیوں کو لیے ہوئے آگوش اور نارین کے راستہ سے کیلکاری میں آیا۔ اور سرخاب کے اوپر کی جانب سے ہوتا ہوا آب درہ کے راستہ میں آگیا۔ وہاں سے شیر تو کتل سے نکل ستر استی نگوں بھوکوں اور بھگڑوں نوکروں سمیت کابل میں آیا۔ خدا بڑا قادر ہے۔ اس سے پہلے دو تین سال ہوئے کہ ناصر میرزا تمام ایل والوس کو لے باغی ہو کابل سے بدخشاں چلا گیا تھا۔ دروں اور قلعوں کا انتظام کر کے کن کن خیالوں میں پھرتا تھا۔ اب اپنے پچھلے کرتوتوں اور یوں چلے جانے سے بہت نجل ہوا۔ میں نے بھی اُس سے کچھ نہ کہا۔ اچھی طرح حال پوچھا اور مہربانی کر کے اُس کی شرمندگی دور کر دی۔

۱۳۹۱ ہجری کے واقعات

قوم غلجی پر چڑھائی | غلجی قوم پر چڑھائی کرنے کے لیے میں کابل سے چلا۔ مقام سرده میں

اُترنے کے بعد خبر آئی کہ مقام شصت و سہ گانہ میں جو سترہ سے ایک فرسنگ پر ہے
مہمند قوم کے لوگ غافل پڑے ہوئے ہیں۔ امراء اور سردارانِ فوج کی صلاح ہوئی کہ
ان کی خبر لی جانی چاہیے۔ میں نے کہا یہ کب روا ہے کہ جس قصد سے نکلا ہوں اُس کو تو پورا
نہ کروں اور اپنی ہی رعیت کو ستا کر پلٹ جاؤں۔ یہ امر ممکن نہیں۔ سترہ سے سوار بچھرائے
کتے داد کو راتوں رات اندھیرے ہی میں طے کیا۔ اندھیری رات۔ زمین اونچی نیچی۔ پہاڑ
اور ٹیلوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ راستہ کا پتا نہیں۔ اور راستہ بتانے والا نہیں۔
آخر میں خود رہبر بنا۔ دو ایک دفعہ اس نواح میں مجھے آنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اُسی قیاس پر
قطب کو سیدھے ہاتھ پر رکھ روانہ ہوا۔ خدا کے تعالے راست لایا۔ سیدھا قبا قبوہ والا بہ کے
درہ پر آ پہنچا۔ اسی درہ سے خواجہ اسمعیل سرسی میں جہاں قوم خلجی رہتی ہے راستہ جاتا ہے۔
یہیں ٹھہر کر ذرا دم لیا۔ کوئی گھنٹہ بھر ہم سو رہے۔ اور گھوڑوں نے آرام لیا۔ سو رہے
وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ سورج نکل آیا تھا کہ اُن ٹیلوں اور پہاڑوں سے باہر جو جنگل
و میدان میں ہم آگئے۔ یہاں سے وہ مقام جہاں خلجی رہتے ہیں نکلا ایک فرسنگ ہوگا۔ یہاں
سے آبادی یاد دھواں سا کچھ نظر آنے لگا۔ اس کو دیکھ کر سارا لشکر دوڑ پڑا۔ کوئی کوس بھر
تک لوگ دوڑتے رہے اور گھوڑوں کو دوڑاتے رہے۔ میں نے لوگوں کو تھمایا۔ پانچ چھ ہزار
پورش کرنے والے لشکر کو ہتھامنا ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔ مگر خدا کی عنایت سے کوئی ایک کوس
شرعی چل کر لشکر ٹھہر گیا۔ آبادی نظر آتے ہی فوج کا ایک دستہ اُدھر روانہ کیا۔ بکریاں اس
فوج کے ہاتھ بہت لگیں۔ اتنی کسی موقع پر نہ ہاتھ آئی تھیں۔ جس وقت مال اسباب لیکر ہم
اُترے اُس وقت ہر طرف سے دشمن کی جماعتیں آکر لڑنے لگیں۔ ایک جماعت کو بعض امراء
وغیرہم نے پکڑا۔ اور قتل کر ڈالا۔ ایک گروہ کو ناصر میرزا نے جالیا۔ اور سب کو قتل کیا۔ مقتولوں
کے سروں کو اکٹھا کر کے کھنارہ چنوا دیا گیا۔ دوست پیادہ کو توال (جس کا ذکر ہو چکا ہے)
کے پاؤں میں تیر لگا۔ جس وقت ہم کا بل پہنچے۔ اُس وقت اُس کا انتقال ہو گیا۔ خواجہ اسمعیل
سے اولاد نہیں آ اُترے۔ یہاں بعض امراء اور مقربوں کے نام حکم دیا گیا کہ جتنی لوٹ آئی
ہے اُس کا پانچواں حصہ سرکار میں داخل کرنے کا انتظام کرو۔ قاسم وغیرہ کو رعایت یہ خمس
معاف کر دیا۔ جو خمس لیا گیا اُس کی تعداد سولہ ہزار بکریاں قلمبند ہوئیں۔ یہ خمس اتنی ہزار
کا تھا۔ تلف شدہ اور معاف شدہ کو ملا کر ایک لاکھ بکریوں کے ہونے میں کلام نہیں ہے۔ اس
مقام سے کوچ کر کے صحرا سے کتہ داد میں قسکار جگہ کے لیے قیام کیا۔ اس جنگل میں ہرن اور
گور غریبہ اور بکثرت ہوتے ہیں۔ جرگہ میں جو بہت سے ہرن اور گور غریبے تو شکار بھی خوب

میں نے ایک گورخر کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور قریب پہنچ کر تیر مارا۔ دوسرا تیر اور مارا۔ دونوں تیر
 کاری تو نہ لگے۔ مگر ہاں زخم ایسے آئے کہ وہ دوڑنے سے رہ گیا۔ اور آہستہ آہستہ
 چلنے لگا۔ پھر اور پاس ہوتے ہی اُس کے دونوں کانوں کے اور سر کے پیچھے میں نے تلوار
 کا ایک ہاتھ دیا۔ تلوار کا کٹتی ہوئی صاف نکل گئی۔ اس کے پیچھے پاؤں میری رکاب میں
 لگے۔ میری تلوار نے بڑبڑا کر کاٹ دیا۔ بڑا موٹا گورخر تھا۔ اُس کا قندار آٹھ گز سے کچھ ہی کم ہوگا۔
 شیرم طفائی وغیرہ سندھوستان کے ہرن دیکھے تھے۔ وہ حیران ہوئے۔ اور کہنے لگے۔
 مغلستان میں اتنا فربہ ہرن شاید نہ دیکھتا ہے۔ آج ہی ایک اور گورخر کا شکار میں نے کیا۔
 اس شکار میں اکثر فربہ ہرن اور گورخر ہاتھ آئے۔ مگر جس گورخر کیس نے مارا تھا اُس سے
 کوئی لگانہ کھاتا تھا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر کابل میں آئے۔ آخر سال میں شیبانی خاں نے
 سمرقند سے خراسان پر فوج کشی کی۔ شاہ منصور بنی نکر ام نے جو عالم اندخو، تھا شیبانی خاں کے
 پاس آدمی بھیجے۔ اور اُس کو بہت جلد آئے پرٹسا یا جب شیبانی خاں اندخو کی نواح میں پہنچا
 تو یہ کجست باغی اس بھروسہ پر کہ میں نے اس کو بلایا ہے بڑا سمجھا۔ اوتانہ بہرہ پرٹسا پشکیش وغیرہ
 لے اُس کے پاس حصار بے سے آئے۔ انہوں نے چاروں طرف سے بھرا۔ اُس نے ہر طرف سے اور
 اُسی پشکیش سے وہیں۔ تیرا کر سب۔ باغیہ الزمان میرزا منصور بہمن میرزا محمد بوندق اور ذوالنون
 ارغون سب بابا خاں کے دربار میں اشریہ ہوئے۔ چرے سے۔ لڑنے پر کمر باندھ دیا۔ قلعہ بند کیا
 کی۔ کوئی کام نہ کیا۔ اور یہ رہنا جانے بھی نہ تھے۔ حیران بہرہ پشکیش۔ حیران بہرہ پشکیش
 تھا۔ اُس کی صلاح تھی کہ میں اور مسٹر حسین میرزا قلعہ ہر اتانہ کا انتہام کریں۔ بیع الزمان میرزا
 اور ذوالنون بیگ ہر اتانہ کی نواح سے پہاڑوں میں جا میں۔ سینستان سے سلطان علی ارغون قندھا
 وزمین داور سے شاہ بیگ و نسیم کو بیٹا کر اپنا سہا تھ کر لیں۔ جتنا لشکر ہزارہ اور مکرزی کا ہے
 اُس کو جمع کر لیں۔ اوتیار ہو کر آبادہ پیکار ہو جائیں۔ پہاڑوں میں تو دشمن کا جانا مشکل ہے
 اس بیرونی لشکر کے اندیشہ سے قلعہ پر بھی آنے کا ہواؤ نہ پڑیگا۔ اُس کی یہ رائے صائب
 تھی۔ ذوالنون بہادر تو تھا مگر مال پر جان دیتا تھا۔ اور احمق تھا۔ ایک باؤلا اور بغول آدمی
 تھا۔ جس زمانہ میں کہ دونوں بھائی ہر اتانہ کے مشترک حکمران تھے اُس زمانہ میں بیع الزمان میرزا
 کی سرکاریں یہی غمنا تھا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ پس اس نے مال کی محبت کے سبب
 سے محمد بوندق کا غہر میں رہنا پسند نہ کیا۔ اپنے رہنے کا خیال کیا۔ اور اُس کو بھی نہ نباہ سکا۔
 اُس کے حق اور باؤلے پن کی دلیل اس سے زیادہ کونسی ہوگی کہ لالچیوں خوشامدیوں اور
 جھوٹوں کی باتوں میں آکر رسوا اور برباد ہو گیا۔ اس کا مفصل حال یہ ہے کہ جب ہر اتانہ میں

صاحب اختیار مقتدر ہوا تو ملاؤں اور مشائخ نے آکر کہا کہ ہم سے یہاں کا قطب ملا کرتا ہے۔ اُس نے تیرا لقب ہزبرائڈ رکھا ہے۔ تو ازبک کو شکست دیکھا۔ اس فقرہ کو اُس نے سچ جانا۔ ایک قبیلے گھلے میں ڈال بہت ہی شکر گزار ہوا تھا۔ یہی دھوکا تھا جس سے محمد بن دوق کی معقول رائے پر عمل نہ کیا۔ نہ قلعہ کو مستحکم کیا۔ نہ سامان جنگ درست کیا۔ نہ قراول مقرر کیے اور نہ جاسوس کہ دشمن کی نقل و حرکت سے آگاہ کریں۔ نہ فوج کی ترتیب و انتظام کیا کہ اگر دشمن آج بھی جائے تو بخوبی اُس کا مقابلہ کرے۔ شیبانی خاں جب حکم کے چبھنے میں مرتعاب رہا۔ ہو سرکاٹنے کی فرار میں گیا تو ان کی آنکھیں کھلیں۔ اب ہاتھ پاؤں پھیل گئے۔ کچھ نہ وہ دست نہ ہو سکا۔ نہ لوگوں کو فراہم کر سکے اور نہ لشکر درست کر سکے۔ شخص ایک جگہ سے چل کھڑا ہوا۔ ذوالنون ارغون اُسی خوشامدی فقرے کے بھر دے پر چالیس پچاس ہزار فوج کے سامنے سو ڈیڑھ سو آدمیوں کو قراول میں جا اُترا۔ اس کے وہاں پہنچے ہی دشمنوں نے آگھیرا۔ اور اس کا سر کاٹ لیا۔ میرزاؤں کی ماں بہنیں مع مال اسباب قلعہ اختیار آدین (حوالہ قورغان مشہور ہے) میں تھیں۔ میرزا شام کے قریب شہر میں چلے گئے۔ اُدھی رات تک گھوڑوں کو دم لینے دیا اور آپ سو رہے۔ صبح سویرے سب کچھ چھوڑ چھاڑ بھاگ نکلے۔ قلعہ کا تو انتظام ہی نہ کر سکے مگر اس عرصہ اور اتنی فرصت میں ماں بہنوں اور بال بچوں کو بھی نہ ساتھ لے سکے۔ سب کو ازبک کے حوالہ کر چلتے بنے۔ پایندہ سلطان سلیم اور خداجہ سلطان بیگ سلطان حسین میرزا کی اہلیہ بیویوں اور بدیع الزمان اور منظر حسین میرزا کو بال بچوں اور مال اسباب سمیت قلعہ قورغان میں قہیں قلعہ کا پورا بندوبست نہ کیا تھا۔ جو فوج ملک کے واسطے معین کی وہ بھی نہ پہنچ سکی۔ عاشق محمد ارغون مرزا بیگ کا چھوٹا بھائی لشکر سے نکل قلعہ میں آیا۔ قلعہ میں امیر عمر بیگ کا بیٹا علی خان۔ شیخ عبد اللہ بکاؤل۔ میرزا بیگ کھسروخی اور میرزا کوردوان بھی تھے۔ شیبانی خاں کے آنے کے دو تین دن بعد شیخ الاسلام اور اکابر شہر عہد و پیمان کر کے قلعہ سنلین کی کھنچیاں لیکر گئے۔ سترہ اٹھارہ دن تک عاشق محمد نے قلعہ بچائے رکھا۔ آخر باہر کی طرف سے رات کو سرنگ لگا آگ دہی۔ اور ایک برج کو اڑا دیا۔ قلعہ والے عاجز ہو گئے۔ اور قلعہ کو نہ بچا سکے۔ قلعہ حوالہ کر دیا۔ ہر سچی فتح کرنے کے بعد شیبانی خاں نے فقط اُن بادشاہوں کے پس ماندوں ہی کے ساتھ بدسلوکیاں نہیں کیں۔ بلکہ تمام مخلوق کو مستایا۔ اور اس پنج روزہ دنیا کے لیے بدنام ہوا۔ اُس سے جو نالائق حرکتیں سرزد ہوئیں اُن میں سے ایک یہ تھی کہ چرکہ دیباہی کیجیے خدایہ سلطان سلیم کو شاہ منصور بخشی کے حوالہ کیا۔ اور طرح طرح کی ایذا دینے کے لیے حکم دیا۔ دوسرے شیخ پوران جیسے عزیز شخص کو عبد الوہاب مغل کے اور اُس کے ہر بیٹے کو ایک کے سپرد کیا۔

تیسرے تمام اہل شہر کو اور شعر اکو ملا بتائی کے حوالہ کر دیا۔ چنانچہ طرفائے خراسان کا اس باب میں ایک قطعہ مشہور ہے۔ قطعہ

بجز عبد اللہ کیسہ خرامروز ندیدہ هیچ شاعر روئے زرا

بنائی نور مطلب دارد ز شعرش مگر خواہد گرفتن کیر حسد را

چوتھے خاندانہ بیگم (منظر حسین میرزا کی بیوی) سے جس کی عدت بھی پوری نہ ہوئی تھی ہر ہی کے لیے ہی نکاح کر لیا۔ پانچویں قاضی اعتبار محمد میر یوسف کو جو مشہور ملاؤں میں سے تھا بہت جھڑکا۔ چھٹے ملا سلا نعلی کے مخطوں اور بہزاد مصور کی تصویروں کو اصلاح دی۔ ساتویں ایک لغو شعر کہا اور منبر پر چڑھ کر پڑھا۔ اور پھر اُس کو بازار میں آویزاں کر کے اُس کی داد چاہی۔ گو وہ پڑھا لکھا تھا مگر ایسے لغو اور بے ادبی کے قول و فعل اُس سے بہت صادر ہوتے

تھے۔ شیبانی خاں ہر ہی لینے کے دس پندرہ دن بعد کھدستان سے ہوتا ہوا اہل سالار پر آیا۔ تمام فوج تیمور سلطان اور عبید سلطان کے ہمراہ کر کے ابوالحسن میرزا اور کبیک میرزا کی جانب جو مشہد میں غافل بیٹھے ہوئے تھے روانہ کی۔ وہ حضرات پہلے تو قلات کو حکم کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ ایک دفعہ ہی اس لشکر کے آنے کی جو شئی تو شیبانی خاں پر دفعۃً جاسینچے کی ٹھان لی۔ یہ ان کے عجیب مزے کے خیال تھے۔ کوئی بات قرار نہ دے سکے۔ پونہ بیٹھے رہے۔ اتنے میں تیمور سلطان دفعۃً مع لشکر آن موجود ہوا میرزا بھی سانوٹے ہوسا منے آئے۔

ابوالحسن میرزا کو چٹکی مارتے میں پکڑ لیا۔ کبیک میرزا کچھ آدمی لیکر دشمن کے مقابل ہوا۔ وہ بھی پکڑ گیا۔ جس وقت دونوں بھائی ایک جائے بٹھائے گئے اُس وقت دونوں ملے۔ ایک نے دوسرے کی پیشانی کو بوسہ دیکر رخصت کیا۔ ابوالحسن میرزا کے چہرہ سے خوف نمایاں تھا کبیک میرزا کے حال میں کوئی فرق نہ تھا۔ دونوں میرزاؤں کے سر کاٹ لیے۔ اور شیبانی خاں اہل سالار پر بٹھا جو اُس کے پاس بھیج دیے۔ اسی زمانہ میں شاہ بیگ اور اُس کے چھوٹے بھائی یقیم نے شیبانی خاں کے ڈر سے مکر راہیجی مع عزیوں کے میرے پاس بھیجے۔ اور کہتی ودوختو اہی ظاہر کی۔ یقیم نے تو ایک عزی میں گھلم گھلا لکھا کہ آپ آئیے۔ اس موقع پر کہ ازبک نے یہ بھی سارا ملک چھین لیا۔ دیدہ و دانستہ کافی دینی مناسب نہ معلوم ہوئی۔ جب اتنے راہیجی بھیجے اور اس قدر عزیوں بھیج کر مجھے بلایا تو مجھے اُن کے حاضر ہونے میں شبہ نہ رہا۔ سب امراء اور اہل الرائے سے مشورت کی۔ یہ بات قرار پائی کہ میں ضرور اُدھر چلوں۔ ارغون امراء کے آنے کے بعد جو اُن کی صلاح ہوگی وہ کیا جائے گا۔ خواہ خراسان چلنے کی ٹھیرے۔ خواہ کوئی اور بات قرار پائے۔ یہ قصد کر کے ہم قندھار کی طرف روانہ ہوئے۔

خراسان کی طرف بار دیگر روانگی

جسٹیس سلطان بیگم جن کو میں بیگم کہا کرتا تھا اپنی بیٹی محصور سلطان بیگم کو نیکر اُسی اقرار پر جو پہری میں ہوا تھا آئیں۔ ان سے غزنی میں ملاقات ہوئی۔ خسرو کو کلتاش سلطان علی چاق اور اودکانی بلال پہری سے

بھاگ کر ابن حسین میرزا پاس چلے گئے تھے۔ وہاں سے ابوالحسن میرزا پاس چلے گئے۔ یہاں بھی نہ ٹھہر سکے۔ بیگم محصور کے ساتھ میرے پاس آ گئے۔ قلات میں جو پہنچے تو ہندوستان کے سوداگر وہاں آگئے ہوئے تھے۔ وہ وہیں رُک گئے۔ ہمارے لشکر والوں نے دفعۃً اُن کو جاگھیرا۔ بہتوں کا ارادہ ہوا کہ فتنہ و فساد کا موقع ہے۔ اس غیر ملک کے قافلہ کو لوٹ لینا چاہیے۔ میں راضی نہ ہوا۔ میں نے کہا کہ بچا میرے سوداگر بے گناہ ہیں۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اگر ایسے فائدہ کو چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ہم کو سید فتنہ عینیت کرے گا۔ چنانچہ ابھی کا ذکر ہے کہ جس وقت قوم ظلمی پر ہم نے چڑھائی کی ہے اُس وقت مُہند قوم اپنے مال اسباب سمیت ہماری لشکرگاہ سے کوس بھر کے فاصلہ پر تھی۔ بہت لوگ اُس کی لوٹ مار پر مصروف ہوئے لیکن میں نے حکم نہ دیا۔ دوسرے ہی دن اللہ تعالیٰ نے خلجیوں کا مال اسباب اس قدر اہل لشکر کو دیا کہ کسی مہم میں اتنا مال ہاتھ نہ آیا ہوگا۔ قلات سے ہم چلے اور اُن سوداگروں سے بطریق پیشکش کچھ لے لیا۔ جب میں نے کابل لے لیا ہے تو خان میرزا خراسان چلا گیا تھا۔ اور جس وقت میں خراسان سے آیا ہوں تو عبد الرزاق میرزا خراسان ہی میں ٹھہر گیا تھا۔ قلات سے بھٹنے کے بعد یہ دونوں میرزا قندھار سے بھاگے ہوئے میرے پاس آئے۔ سیر محمد میرزا (جو بہار میرزا بن جہانگیر کا پوتا ہے) کی ماں بھی ان دونوں میرزاؤں کے ساتھ چلی آئی۔ شاہ بیگ اور تقیم کے نام خطوط بھیجے گئے کہ تمہارے کہنے سے میں یہاں تک آ گیا ہوں۔ تم نے لکھا تھا کہ ازبک جیسے اجنبی دشمن نے خراسان پر قبضہ کر لیا ہے۔ تم آؤ۔ تمہاری رائے اور اتفاق سے جو مناسب ہوگا وہ امر قرار دیا جائے گا۔ وہ دونوں مجھے خطوط لکھنے اور بلانے سے انکار کر گئے۔ یہودہ طریق سے سخت جواب لکھ بھیجے۔ اُن یہودہ طریقوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جو خط مجھے لکھا تھا اُس کی پیٹھ پر جہاں امراء کے لیے امراء بلکہ بڑے امراء چھوٹے امراء کے لیے ٹھہر کیا کرتے ہیں مہر کی۔ اگر ایسی یہودہ حرکتیں نہ کرتے اور ایسے سخت جواب نہ دیتے تو یہاں تک نوبت کیوں پہنچتی۔ سچ کہا ہے کہ

ستیزہ بجائے رساند سخن کہ ویراں کشد خانان کہن

اپنی اُنہی لڑائیوں اور بدردیشیوں کے طفیل اپنا گھر بار اور تیس چالیس برس کا سامان یہ لوگ کھو بیٹھے۔ شہر صفا کی نوات میں ایک دن یونہی غل غپاڑہ ہوا۔ فوج ساری مسلح ہو کر تیار ہو گئی۔

میں نہا رہا تھا۔ امر او بہت گھبرائے۔ نہا کر میں بھی سوار ہوا۔ چونکہ غلط شور اور غل تھا ایک کھلے کے بعد فرو ہو گیا۔ وہاں سے کوچ بہ کوچ مقام گذر میں آئے۔ یہاں سے بھی ہر چند مناسب گفتگو کی مگر وہ لوگ ذرا راہ پر نہ آئے۔ وہی سرکشی اور عناد کی باتیں کرتے رہے۔ اُن ہوا خواہوں نے جن کو اطراف و جوانب سے واقفیت تھی عرض کیا کہ جو راستے قذہار کے ہیں اُن کا سراپا با حسن ابدال اور خلیشک کی طرف ہے۔ اُسی جانب چل کر جتنے راستے قذہار کو جاتے ہیں سب کا انتظام کر لینا چاہیے۔ یہی بات قرار پائی۔ دوسرے دن صبیہ وغیرہ پہنکر برانفار و جرانفار لشکر درست کر کے خلیشک کی طرف کوچ کر دیا۔

قذہار پر شاہ بیگ اور مقیم
سے لڑائی اور اُن پر فتح

شاہ بیگ اور مقیم دونوں کو قذہار کی بیٹی گاہ میں جہاں میں نے مکان بنایا ہے اُس کے سامنے شامیانہ تانے ٹھہرے ہوئے تھے۔ مقیم ولے جلدی سے قریب آ گئے۔ ظوفان (رخون) جو شہر صفایں بھاگ کر ہمارے ساتھ ہو گیا تھا، اکیلا رخون کی فوج کی جہاں چلا۔ عشق اللہ نامی ایک سردار سات آٹھ آدمیوں سمیت لشکر سے الگ ہو چھٹ کر آیا تو بنانے تنہا عشق اللہ کا مقابلہ کر کے اُس کو گھوڑے سے گرا اُس کا سر کاٹ لیا۔ جس وقت میں سنگ نخشک کے پاس پہنچا اُس وقت وہ سر لایا۔ میں اس کو نیک شگون سمجھا۔ چونکہ یہاں حملات اور درخت تھے اس لیے اس مقام پر معرکہ آرائی نامناسب معلوم ہوئی۔ دامنہ کے نیچے سے چل کر مرغزار کی ندی کے کنارہ پر جو قذہار کی جانب ہے قیام کیا۔ اتنے میں شیر قلی نے آکر عرض کیا کہ دشمن نزدیک آ پہنچا ہے۔ قلات سے نکلنے کے بعد اہل لشکر بہت بھوکے اور پیاسے تھے۔ جب خلیشک میں پہنچے تو بیشتر پیاسی ہی کھانے پینے کا سامان لینے ادھر ادھر چلے گئے۔ میں نے ان لوگوں کے فراہم ہونے کا انتظار نہ کیا۔ جلدی سے ہم سوار ہو گئے۔ میرے ساتھی ٹھینا دو ہزار ہو گئے۔ مگر اب جو ٹھہرنے کے موقع پر لوگ متفرق ہو گئے اور فی الوقت حاضر نہ ہو سکے تو باقی ماندہ ایک ہزار کے قریب رہ گئے۔ گو میری فوج کم تھی مگر سب عمدہ۔ باقاعدہ اور مضبوط تھی۔ میں نے لشکر کی صفیں درست کر لی تھیں۔ اس وقت جیسا انتظام میں نے کیا کبھی ایسا نہ کیا تھا۔ فوج خاص میں سب اچھے اور کام کے جوان جُدا کر لیے۔ دس دس اور پچاس پچاس کی ٹولیاں بنا ہر ٹولی پر ایک ایک سردار مقرر کر دیا۔ ہر دس اور پچاس کی ٹولیاں اپنے ٹھہرنے کی جائے کے دست راست و چپ میں کھڑی کر دی گئیں تاکہ لڑائی کے وقت جو کام ان کو کرنا پڑے اُس کو معلوم کر لیں۔ اور اپنے کام سے ہوشیار رہیں۔ اور برانفار۔ جرانفار۔ دست راست۔ دست چپ۔ پہلوئے دست۔ پہلوئے چپ۔

بے تحلف دوڑ پڑیں۔ اور اپنے مقابل سے بلا کسی روک کے جا بھرٹیں۔ (اس مقام پر فوج کی صفوں کے نام جو اپنی طرف سے معین کیے ہیں لکھے ہیں۔ مگر عبارت ایسی مخدوش ہے کہ ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ان چند سطروں کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا۔ مترجم) برانفار میں میرزا خان۔ شیرم طغائی۔ یارک طغائی اور اُس کے بھائی کو۔ چلمہ قول میں ایوب بیگ۔ محمد بیگ۔ ابراہیم بیگ۔ علی سید مغل کو مع منولوں کے۔ سلطان علی چہرہ اور خدا بخش کو مع بھائیوں کے۔ جرانفار میں عبد الرزاق میرزا۔ قاسم بیگ۔ قوچی تنگری۔ قنبر علی۔ احمد علی۔ بوغد غوری۔ برلاس سید حسین اکبر اور میر شاہ قوچین کو۔ ایراول میں ناصر میرزا۔ سید قاسم۔ ایشک آقا۔ محب علی قورچی۔ بابا اوغلی۔ اللہ ویردی ترکمان۔ شیر قلی قراول مغل کو اُس کے بھائیوں سمیت اور علی محمد کو۔ قول میں اپنے دست راست کی طرف قاسم کو کھلتا ش۔ خسرو کو کھلتا ش۔ سلطان محمد دولہائی۔ شاہ محمود پر واپچی۔ قل بایزید بجاوُل۔ کمال شربت چی کو۔ اور دست چپ کی طرف خواجہ محمد۔ دوست ناصر۔ میرم ناصر۔ بابا شیرزاد۔ خان قلی۔ ولی خراچی قلیق قدم قراول مقصود سوچی اور بابا شیخی کو مقرر کیا۔ قول میں یہ سارے مصاحب اور سپاہی تھے۔ بڑے امراء میں سے کوئی نہ تھا۔ جن لوگوں کا بیان ہوا ہے اُن میں سے ابھی کوئی سرداری کے مرتبہ پر نہ پہنچا تھا۔ جو گروہ آگے مقرر ہوا تھا اُس میں شیر بیگ۔ جاتم قورچی بیگ۔ کیبک قلی۔ بابا ابوالحسن قورچی۔ مغلوں میں سے روشن علی۔ درویش علی۔ سید خوش کیلندی۔ جملہ دوست کیلندی۔ جملہ باغلی۔ اباجی مہدی۔ ترکمانوں میں سے منصور۔ رستم مع اپنے بھائیوں کے اور شاہ نظیر سوندوگ تھے۔ دشمن کی فوج کے دو حصے تھے۔ ایک شاہ شجاع ارغون (جہ شاہ بیگ مشہور ہے اور آئندہ اُس کا نام شاہ بیگ ہی لکھا جائیگا) کے تحت حکم۔ دوسرا اُس کے بھائی مقیم کے۔ ارغونی فوج ٹھینا چھ سات ہزار ہوگی۔ اور چار پانچ ہزار مسلح میں تو کوئی کلام نہیں دشمن کا قول اور برانفار سامنے آیا۔ ہمارے جرانفار پر جس میں قاسم بیگ اور اُس کے ہمراہی تھے مقیم نے حملہ کیا۔ لڑائی شروع ہوتے ہی قاسم بیگ نے دو تین آدمی بھیجے اور ایک چاہی۔ چونکہ ہمارے مقابلہ میں بھی غنیم جڑھا چلا آتا تھا اس لیے ہم ایک آدمی بھی اپنے سے علحدہ نہ کر سکے۔ ہم بھی بے توقف دشمن کی طرف متوجہ ہوئے۔ لڑائی شروع ہوتے ہی تیروں کی بوچھاڑ آئی ایک دفعہ ہی دشمن ہمارے ایراول کا منہ پھیر ہمارے قول میں اُس کو دھنسا دیا۔ ہم بھی تیر مارتے ہوئے بڑھے۔ تھوڑی دیر دشمن بھی اچھی طرح تیر مارتے رہے۔ میرے سامنے ایک شخص لوگوں کو ڈانٹتا ہوا گھوڑے سے کودا۔ اور اُس نے تیر مارنے کا ارادہ کیا۔ میں نے بے توقف بڑھنا چلا گیا۔ جو نہی میں قریب پہنچا وہ سامنے نہ ٹھیر سکا۔ سوار ہو کر بھاگا۔ یہ شخص جو

پیدل ہو گیا تھا خود شاہ بیگ تھا۔ اثنائے جنگ میں پری بیگ ترکمان مع اپنے چار پانچ بھائیوں کے اپنی پگڑیاں ہاتھوں میں لیے دشمن سے روگرداں ہو ہمارے پاس آ گیا۔ (یہ پری بیگ اُن ترکمانوں میں سے ہے جن کے امراء عبدالباقی میرزا اور مراد بیگ کے ہمراہ اُس زمانہ میں آئے ہیں جب شاہ اسماعیل صفوی نے سلاطین کو مارا ہے۔ اور عراق پر قبضہ کر لیا ہے) ہمارے برائے اپنے دشمن کو آگے رکھ کر بڑھنا شروع کیا۔ برائے کا اوج غوطہ لگا کر اُس باغ میں جا گھسا جس کو میں نے بنایا ہے۔ ہمارا جرنال بابا حسن اہلِ اُکر آخر میں اُسکی بڑی ندی اور اُورندیوں پر جا پہنچا۔ اس کے مقابلہ میں مقیم کی فوج تھی۔ ہمارا جرنال مقیم کی فوج سے بہت کم تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مدد کی۔ جو بڑی بڑی ندیاں قندھار کی طرف جاتی ہیں اُن میں سے تین چار ندیاں ہمارے جرنال اور دشمن کے درمیان حائل تھیں۔ ہمارے جرنال نے اُن کے گھاٹوں پر قبضہ کر لیا۔ اور غنیم کو اُترنے کا موقع نہ دیا۔ اگرچہ ہمارے جرنال نے اپنی جگہ خوب قائم رہے مگر ارغونیوں میں سے حلوایجی ترخان دریا میں آ کر باغ علی اور تیکری بڑی سے مقابل ہو خوب لڑا۔ قنبر علی زخمی ہوا۔ قاسم بیگ کی پستانی میں تیر لک کر خسارہ کے پاس سے نکل گیا۔ اسی زد و کشت میں دشمن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ یہ لوگ ان ندیوں سے کوہِ مرغان کی بینی گاہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ندیوں سے اُترتے وقت ایک شخص پتھاق یوز پر سوار پہاڑ کے دامن میں ادھر ادھر جانے کے لیے حیران اور سرگردان ہو رہا تھا۔ آخر ایک طرف اُس کا منہ اٹھ گیا۔ غالباً وہ شاہ بیگ ہو کیونکہ فتح قندھار کے وقت شاہ بیگ نہ تھا۔ اپنے دشمن کو شکست دیتے ہی سارا لشکر غنیم کا پیچھا کرنے اور قتل کرنے میں مصروف ہو گیا۔ میرے پاس کل گیارہ آدمی رہ گئے ہونگے۔ ان گیارہ میں ایک عبداللہ کتابدار تھا۔ مقیم میدان میں کھڑا ہوا لڑ رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی قلت پر ذرا خیال نہ کیا۔ خدا پر توکل کر تقارے بجاتا ہوا دشمن کی طرف میں چلا۔ فوج کم ہو یا زیادہ فتح دینے والا خدا ہے۔ اُس کے سامنے کسی کی مجال نہیں کہ ”مَنْ مِّنْ فِئْتَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئْتَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ“ تقاروں کی آواز سننے ہی اُس نے ہماری طرف دیکھا۔ دیکھتے ہی اُس کی رسی گم ہو گئی۔ اور بھاگ نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے کام بنا دیا۔ دشمن کو پسپا کر کے ہم قندھار کی طرف چلے۔ اور چار باغ فتح زاد میں جس کا اب نشان بھی نہیں جا اُترے۔ شاہ بیگ اور مقیم جو بھاگے تو قندھار میں نہ جا سکے۔ شاہ بیگ شاد و مستونک کی جانب نکل گیا۔ اور مقیم زمین داؤ کی طرف پہنچا۔ شہر میں کوئی ایسا نہ چھوڑا تھا جو شہر کو بچاتا۔ ارغون کے بھائیوں میں سے احمد علی ترخان وغیرہ شہر میں تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ مطیع ہونے پر آمادہ ہیں۔ وہ امان کے طلبکار ہوئے۔ میں نے

اُن کی استدعا قبول کی۔ قلعہ کا ماشورہ دروازہ اُنہوں نے کھول دیا۔ اور دروازے اس سطح
 نہ کھولے کہ لوگ ہلڑ مچا رہے تھے۔ اسی کھلے ہوئے دروازہ پر شیرم طغائی اور یارک بیگ
 کو معین کیا۔ میں خود چند مصاحبوں کو ساتھ لے اندر آیا۔ مسفدہ پردانوں کو مارا پیٹا۔
 دو ایک کو قتل کر دیا۔ پھر سب سے پہلے میں میقم کے خزانہ پر پہنچا۔ یہ خزانہ قلعہ سنگین میں
 تھا۔ عبدالرزاق بیگ میرزا آگے سے آگیا تھا۔ خزانہ میں سے کسی قدر عبدالرزاق میرزا کو
 دیا۔ پھر اس خزانہ کو ناصر بیگ۔ قل بابریہ اور بخشوں میں سے محمد بخشی کے سپرد کیا۔ یہاں سے
 میں ارگ میں گیا۔ شاہ بیگ کے خزانہ پر خواجہ محمد علی۔ شاہ محمود اور بخشوں میں طغائی شاہ
 بخشی کو مقرر کیا۔ ذوالنون بیگ کے دیوان میرم خاں کے مکان پر میرم ناصر اور مقصود جی
 کو بھیجا۔ اُس کو ناصر میرزا سے۔ شیخ ابوسعید ترخان کو خان میرزا سے اور اوروں کو عبدالرزاق
 سے گرفتار کرایا۔ اُس ملک میں کبھی اتنا روپیہ نہ دیکھا تھا۔ بلکہ کسی سے سنا بھی نہ تھا کہ اتنا
 روپیہ دیکھا ہو۔ رات کو میں ارگ ہی میں رہا۔ شاہ بیگ کے غلام سنبل کو کپڑے لائے۔ اگرچہ
 وہ کچھ بہت چڑھا بڑھا نہ تھا۔ مگر میں نے اُس کو ایک شخص کی حراست میں سپرد کر دیا۔ محافظان
 پوری احتیاط نہ کی۔ اُس کو بھگادیا۔ دوسرے دن میں باغ فرخ زاد میں آیا۔ قندھار کا علاقہ
 میں نے ناصر میرزا کو دیا۔ اور خزانے ضبط کر لیے جس وقت خزانہ کے اونٹ لہر کرارک سے باہر
 آنے لگے اُس وقت ناصر میرزا نے اُن میں سے روپیوں کے اونٹ روک لیے۔ میں نے اُنہی کو
 عنایت کر دیے۔ وہاں سے کوچ کیا۔ اور مرغزار تو شخانہ میں لشکر اُترا۔ اس وقت لشکر تو چلتا
 کیا۔ اور میں خود سیر کرتا ہوا ذرا دیر میں داخل فرو دگاہ ہوا۔ دیکھا تو اب وہ اگلا سا لشکر نہ تھا۔
 لشکر بچا پایا ہی نہ جاتا تھا۔ گھوڑوں اور گھوڑیوں کی قطاریں ہیں طرح طرح کے اسباب سے خجریں
 لدی ہوئی ہیں۔ عمدہ عمدہ خیمے خرگا ہیں ہیں۔ محل اور سقرات کے شامیانے کھنچے ہوئے ہیں۔
 ہر کارخانہ میں صندوقوں کے تودے لگے ہوئے ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کے مال اسباب
 کو عمدہ کرایا۔ کپڑوں کے صندوق۔ قسم قسم کے برتنوں کے پھیلے۔ طرح طرح کا اسباب
 ہر شخص کے خیمہ میں الفاروں بھرا ہوا تھا۔ ہزاروں بکریاں ماری ماری پھرتی تھیں۔ کوئی
 پوچھتا بھی نہ تھا۔ قلات میں سے میقم کے کچھ لوگ جن کے سردار فوج بیگ آرعون اور
 تاج الدین محمود تھے قاسم بیگ کے پاس آگئے تھے۔ اُن کا مال اسباب اُن کو عنایت کر دیا گیا۔
 قندھار سے جانب کابل مراجعت

قاسم بیگ دانا اور دراندیش آدمی تھا۔ قندھار
 میں میرزا یادہ ٹھہرنا مناسب سمجھا۔ تحصیل
 کرنے کے لیے کہہ کر مجھے وہاں سے لے نکلا جیسا کہ بیان ہوا۔ قندھار ناصر میرزا کو بھیجا تھا۔

اُن کو رخصت دیکر میں نے کابل کا قصد کر دیا۔ قندھار میں تو خزانہ تقسیم کرنے کی مہلت نہ تھی قراباغ میں ٹھیکر خزانہ تقسیم کیا۔ گننا مشکل تھا۔ ترازو میں تول کر دینا شروع کیا۔ امیروں۔ سرداروں۔ سپاہیوں اور خدمتگاروں نے پھیلے اور طباق بھر بھر کے اپنی تنخواہوں کے روپے لیے۔ اور لا دکر لے گئے۔ غرض بے انتہا مال متاع اور عزت و آبرو کے ساتھ کابل میں آنا ہوا۔

مقصودہ سلطان بیگم سے نکاح | سلطان احمد میرزا کی بیٹی معصومہ سلطان بیگم کو کابل سے بلالیا تھا یہیں اُس سے میں نے نکاح کیا۔

شیبانی خان نے قندھار کو گھیر لیا | چھ سات دن کے بعد ناصر میرزا کا ایک آدمی آیا۔ اور اُس نے خبر دی کہ شیبانی خاں نے قندھار کو

گھیر لیا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مقیم زمین دآور کی طرف بھاگ گیا۔ وہ جا کر شیبانی خاں سے ملا۔ شاہ بیگ نے بھی کئی آدمی پے در پے بھیجے۔ ان دونوں کے بہکانے اور اُگسانے شیبانی خاں نے کوہستان کے راستہ سے دفعۃً مجھ کو قندھار میں گھیرنا چاہا۔ قاسم بیگ ایک تجربہ کار آدمی تھا۔ سمجھ ہوئے تھا۔ مجھ کو تحصیل کرنے کے بہانے سے قندھار سے لے نکلا۔

ہرچہ در آئندہ جوان بسند | پسر درخت پختہ آں بسند
شیبانی خان نے آکر قندھار میں ناصر میرزا کو گھیر لیا۔ اس خبر کے سنتے ہی میں نے امراء سے مشورہ کیا۔ یہ باتیں بیان کی گئیں کہ ازبک جیسی قوم اور شیبانی خاں جیسا گھاگ دشمن ہو جو ملک امیر تیمور کی اولاد کے قبضہ میں تھا وہ اُس نے لے لیا۔ ترکوں اور چغتائیہ خاندان میں سے جو جہاں تھا کوئی تو خوشی سے اور کوئی مجبور اُس سے مل گیا۔ صرف ایک میں کابل میں آپڑا تھا۔ دشمن طاقتدار۔ میں نہایت ضعیف۔ نہ صلح کی امید۔ نہ مقابلہ کی تاب۔ ایسی حالت میں اپنے لیے کوئی اور مقام تلاش کرنا چاہیے۔ ایسے میں موقع ہے اور وقت ہے۔ جو کریں کر سکتے ہیں۔ اور دشمن سے دور ہو سکتے ہیں۔ ہندوستان کی طرف یا بدخشاں کی طرف نکل چلو۔ ان دونوں طرفوں میں سے ایک طرف چلنے کا قصد کر لو۔ قاسم بیگ اور شرم طغانی وغیرہ نے تو بدخشاں چلنے کی رائے دی۔ اور اور امراء نے ہندوستان کو پسند کیا۔ اس گفتگو کے بعد ہم لغمان کی طرف متوجہ ہوئے۔

قلات بھی نکل گیا | قندھار اور قلات فتح کرنے کے بعد قلات اور ترو کر کا ملک عبدالرزاق میرزا کو دیدیا گیا تھا۔ اور عبدالرزاق میرزا کو قلات میں چھوڑ دیا تھا۔ ازبک نے جو قندھار کو آگھیرا تو عبدالرزاق میرزا قلات میں نہ ٹھہر سکا۔ قلات کو چھوڑ سہارے چل کر زمانہ

کابل میں آگیا۔ میں نے کابل اُس کے سپرد کیا۔ بدخشاں میں بادشاہوں اور شاہزادوں میں سے کوئی نہ تھا۔ خان میرزا نے شاہ بیگم کی مناسبت سے اور اُسی کی صلاح سے بدخشاں کی خواہش کی میں نے اُس کو بدخشاں جانے کی اجازت دیدی۔ شاہ بیگم بھی خان میرزا کے ساتھ ہوئی خیالہ ہر نگار خانم نے بھی بدخشاں جانا چاہا۔ مناسب تو یہ تھا کہ وہ میرے پاس رہتیں، کیونکہ میں اُن کا سگا بھانجا تھا۔ ہر چند میں نے منع کیا مگر انہوں نے نہ مانا اور بدخشاں چلی گئیں۔

ہندوستان کی جانب دوسرا حملہ | ماہ جمادی الاول ۱۰۷۱ء میں میں نے کابل و ہندوستان کی طرف کوچ کیا۔ چھوٹے کابل کی راہ شرح رباط

میں آئے۔ تورق سائی کوتل سے نکلنا ہوا۔ جو افغانی تو ہیں کابل اور لغمان کے بیچ میں آباد ہیں وہ امن کے زمانہ میں بھی چوریاں کرنے اور ڈاکے مارنے سے نہیں چوکتیں۔ بے امنی کا زمانہ تو وہ خدا سے چاہتی ہیں۔ اور مشکل سے اُن کو ایسا موقع ملتا ہے۔ اس خیال سے کہ میرزا کابل چھوڑ کر ہندوستان جاتا ہے اُن کی حرص و گریہ چند ہو گئی۔ اُن کے اچھے بھی بد ہو گئے۔ یہ نوبت پہنچی کہ دوسرے دن جو ہم جگہ لگ سے چلے تو خضر خیل، شمو خیل اور جو کبانی وغیرہ جو اس دریاں میں آباد ہیں جگہ لگ کی گھائی کا راستہ روکنے کے لیے شمالی پہاڑ پر اُن موجود ہوئے۔ لگے نغارے بجانے اور تلواریں ہلانے۔ میں نے سوار ہوتے ہی حکم دیا کہ جو سپاہی جہاں ہے وہیں سے پہاڑ پر چڑھ جائے۔ لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ افغانان کوئی لمحہ بھر ٹھہرے ہوئے۔ ایک تیر بھی نہ مار سکے۔ اور بھاگ نکلے۔ افغانوں کو بھگا کر ہم پہاڑ پر آگئے۔ ایک افغان میرے پہلو میں سے نیچے کی طرف بھاگا جاتا تھا۔ میں نے اُس کے بازو میں تیر مارا اور اُس تیر خوردہ اور کئی اور افغانوں کو لوگ چھالے۔ انتظام کے لیے دو ایک کو سیخ سے مار دیا گیا۔ پھر تو نیکنہار میں قلعہ آدینہ پور کے سامنے مقام ہوا۔ پہلے سے براہ دور اندیشی کوئی فکر نہ کی تھی۔ نہ چھنے کی جائے مقرر کی تھی۔ نہ چھاؤنی ڈالنے کی۔ اوپر سے نیچے تک فوج کے چار حصے کر کے کوچ ہوتا تھا۔ تاکہ ایک کو دوسرے کی خبر رہے۔ تیر کے ہینے کا آخر تھا۔ میدانوں میں اکثر جائے سے دھان اٹھالیے گئے تھے۔ جو لوگ واقف تھے انہوں نے عرض کی کہ تومان علیشک کی ندی کے بالائی حصہ میں کھار دھان بہت بوتے ہیں۔ غالباً اہل لشکر کو جاڑے کے لیے غلہ ہاتھ آجائے۔ اس خیال سے نیکنہار کے میدان سے ہم چلے۔ اور قدم اٹھائے ہوئے سیاہ گُل سے نکل درہ برائین تک گئے۔ لشکر والوں نے خوب دھان لیے۔ یہ دھنڑیاں پہاڑ کے نیچے تھیں۔ یہاں سے رکھو اے بھاگ گئے تھے۔ کچھ کا فرارے بھی گئے۔ درہ برائین کی مینی گاہ پر سپاہیوں کی ایک ٹاکڑی حفاظت کے لیے کھڑی کر دی تھی۔ کافروں کے پلٹنے کے وقت

یہ لوگ پہاڑ سے تیر بربانے لگے۔ قاسم بیگ کے داماد پوران کے پاس اُسی موقع پر کہ یہ تیر مار رہے تھے کافر آپہنچے اور چاہا کہ اُس کو پکڑ لیں اور سپاہیوں نے حملہ کر کے پوران کو چھڑا لیا۔ اور غنیم کو باندھ لیا۔ کافروں کی ان دھنڑیوں میں ایک رات ٹھہرے۔ بہت سا غلہ لیکر لشکر میں آئے۔ تو مان مندر اور میں ہی تھے جو قسیم کی بیٹی ماہ جو جوک (اب وہ شاہ حسن کی بیوی ہے) کا نکاح قاسم کو کھٹاش سے کر دیا۔ چونکہ ہندوستان جانے کی صلاح نہ ٹھہری اس لیے ملا بابا ساغرچی کو مع چند سپاہیوں کے کابل بھیج دیا۔ فوج مندر اور سے چل کر اتر ویشیو میں آئے۔ کچھ دن وہاں قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔ اتر سے جا کر کورنر اور دیورگل کی میں نے سیر کی۔ کورنر سے میں جا رہی بیٹھ کر داخل لشکر ہوا۔ اس سے پہلے مجھے جالہ میں بیٹھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ جالہ میں بیٹھنا بہت ہی مجھے پسند آیا۔ اسی کے بعد جالہ کا رواج ہو گیا۔

اسی زمانہ میں ملا میرک فرقی ناصر میرزا کے پاس سے آیا۔ اس نے شیبانی کا قندھار پر آنا اور واپس جانا یوں مفصل بیان کیا کہ آپ کے جانے کے چند روز بعد شیبانی خاں غفلت دیکر قندھار پر حملہ آیا۔ ناصر میرزا قندھار کے قلعہ سنگین کو مستحکم نہ کر سکے۔ یونہی چھوڑ دیا۔ ارک کے گرد کئی جائے دشمن نے سرنگ لگائی۔ کئی بار رڑائی ہوئی۔ ناصر میرزا کی گردن میں تیر لگا۔ قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے۔ اسی حالت اضطراب میں خواجہ امین۔ خواجہ دوست۔ خاوند اور محمد علی پادہ ساتی قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور مایوس ہو گئے۔ لیکن باوجود اس کے شیبانی خاں نے صلح کا پیغام دیا۔ اور قندھار سے محاصرہ اٹھا لیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ شیبانی خاں نے قندھار پر چڑھائی کرتے وقت اپنے گھروالوں کو فرہ تو میں بھیج دیا تھا۔ وہاں ایک شخص نے سر اٹھایا اور فرد تو پر قبضہ کر لیا۔ اس مجبوری سے اُس کو صلح کرنی پڑی۔ اگرچہ جازا خوب پڑ رہا تھا۔ مگر ہم چند روز بعد براہِ ہادیج کابل میں پہنچے آئے۔ ہادیج کے اوپر ایک پتھر نصب کرنے کا میں نے حکم دیا۔ جس پر اس آمدِ درفت کی تاریخ کندہ کرائی گئی۔ حافظ جر کہ نے اس کو لکھا اور استاد شاہ محمد نے کندہ کیا۔ جلدی کے سبب سے اچھا کندہ نہ ہوا۔ ناصر میرزا کو میں نے غزنی دیا۔ عبدالرزاق میرزا کو تومان نیکہار۔ مند اور درہ نور۔ کورنر اور نواگل عطا کیا۔

بادشاہ لقب اختیار کیا | آج تک تیمور بیگ کی اولاد کو بادشاہ ہونے پر بھی میرا کہتے تھے۔

اب میں نے حکم دیا کہ مجھ کو بادشاہ کہا کہو۔ اسی سال کے آخر میں شبِ شنبہ ماہ ذیقعدہ کی چوتھی تاریخ آفتاب بہج محل میں تھا کہ ارک کابل میں ہمایوں پیدا ہوا۔ مولانا مشہدی نے اس کی تاریخ ولادت ”ہمایوں خاں“ کہی۔ کابل کے ایک شاعر نے ”شاہ فیروز قدر“ لکھی۔ تین چار دن کے بعد ہمایوں ہی نام رکھ دیا۔ ہمایوں کے پیدا ہونے کے پانچ دن بعد چار باغ میں ہمایوں کے پیدا ہونے کی شادی ہوئی۔ امراء اور متعلقین نے ساجی کی رسم ادا کی۔ زربسفید کا ڈھیر لگ گیا۔ اس سے پہلے کبھی اتنے روپیوں کا ڈھیر دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ بڑی دھوم کی شادی ہوئی۔

سلسلہ ہجری کے واقعات

اس سال کے موسم بہار میں ہمند افغانوں کی ایک بستی جو نواح نغزک میں تھی ہم نے جالوٹی۔ اس ہم سے فارغ ہو کر اپنے مقام پر آئے۔ تھوڑے دن بعد قوچ بگ فقیر علی۔ کریم داد اور بابا چہرہ نے بھاگ جانے کا قصد کیا تھا۔ جب معلوم ہوا تو آہستہ پاس آدمی بھیجا۔ استرغ کے پرے سے اُن کو پکڑ کر لائے۔ جہانگیر میرزا کی زندگی میں بھی ان کی بعض بیوہ باتیں میں نے سنی تھیں۔ حکم دیا کہ ان سب کو سرباز قتل کر دو۔ دروازہ پر لیجا کر اُن کے گلوں میں رستیاں ڈالی ہی تھیں۔ اسنے میں قاسم بگ نے خلیفہ کو بھیج کر اصرار کے ساتھ ان کے گناہ بخشینے کی درخواست کی۔ قاسم بگ کی خاطر سے میں نے جان بخشی کر دی۔ اور حکم دیا کہ قید کر دو۔ اسی اثناء میں دو تین ہزار آدمیوں نے جن میں حصاری۔ فندزی۔ خسرو شاہ کے مغل ملازموں کے اکابر (چلمہ علی۔ سید شمس۔ شیر علی اور انکو سالم) خسرو شاہ کے امراء چغتائیہ (سلطان علی چہرہ۔ خدا بخش اور اُن کے متعلق) اور ترکمان (سیوندک اور شاہ نظر وغیرہ) تھے باہم سازش کر کے بغاوت کرنی چاہی تھی۔ یہ لوگ عبد الکرزاں میرزا کو نیکہار سے لے آئے تھے اور پٹھانوں کے دیہات میں خواجہ اورش کے سامنے مرغزار سیوندک و قورغان سے مرغزار چالاک تک پڑے ہوئے تھے۔ کئی دفعہ محب علی قوری خلیفہ اور ملا بابا سے ان کے منصوبہ کا ذکر کیا تھا۔ مجھ سے بھی اشارہ کہہ دیا تھا۔ یقین کرنے کی بات نہ تھی۔ کسی کو بھی اس کی پروا نہ ہوئی۔ ایک دن میں چار باغ میں تھا۔ رات گشتا کے بعد میرے پہلو میں سے موسیٰ خواجہ اور ایک دوسرے شخص نے جلدی جلدی آکر میرے کان میں کہا تھیں خبر

کہ نخل باغی ہو گئے۔ پہلے بھی عبدالرزاق میرزا کا ان سے ملنا میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اب بھی ان کا باغی ہونا میرے خیال میں نہ آیا۔ میں ٹال گیا۔ لفظ بھر کے بعد میں نخل میں گیا۔ اس وقت نخل کے لوگ بارغ خلوت اور بارغ نور تحفہ میں تھے۔ میں نخل کے قریب پہنچا تھا کہ فچوں اور گنڈوں کے برگشتہ ہو جانے کا حال معلوم ہوا۔ لوگوں کے برگشتہ ہونے کے بعد میں اور غلام سرور شہر کی طرف چلے۔ خندق کے راستہ سے ہم آہنین دروازے میں پہنچے تھے کہ بازار سے خواجہ محمد علی آکر ساتھ ہو گیا۔

۹۱۵ ہجری کے واقعات

دوشنبہ کے دن محرم کی پہلی تاریخ میدان چندول کے آخر میں بھونچال آیا۔ نصف ساعت بخومی تک رہا۔ دوسرے دن ہم نے یہاں سے کوچ کیا۔ قلعہ باجور پر چڑھائی کر نیچے ارادہ سے قلعہ کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ دلہ زاک افغانوں میں سے ایک شخص کو بجور بھیجا۔ اور سلطان بجور سے کہلا بھیجا کہ اطاعت قبول کرو۔ اور قلعہ حوالہ کر دو۔ اُن جاہلوں نے ایکٹ سنی و اہی تباہی جواب دیدیے۔ میں نے حکم دیا کہ جال اور سیڑھیاں وغیرہ آلات قلعہ گیری درست کر لیے جائیں۔ اس انتظام کے لیے ایک دن اُس منزل میں ٹھہرنا پڑا۔

قلعہ باجور فتح ہوا | جموعات کے دن چوتھی تاریخ حکم دیا کہ لشکر تیار ہو جائے۔ جرائدار بجور کے بالائی سمت دریا سے پار ہو کر قلعہ کے شمال میں ٹھہرے۔ قول والے شمال و مغرب کے مابین دریا سے اتر کر اونچے نیچے مقامات پر قائم ہو جائیں۔ جرائدار مغرب کی طرف دروازہ کے نیچے مقیم رہے۔ دوست بگ اور جرائدار کے سردار جس وقت دریا سے پار ہوئے تو قلعہ سے سو سو پچاس پچاس سپاہیوں نے نکل کر تیر مارنے شروع کیے۔ ان سرداروں نے بھی تیروں کی بوچھاڑ کی۔ اور اپنے پیدل سپاہیوں کو قلعہ کی فسیل کے نیچے تک پہنچا دیا۔ عبدالملک خوستی دیوانہ و لہر فسیل کے نیچے پشتہ تک جا پہنچا۔ اگر سلمان قلعہ گیری تیار ہوتا تو اسی دن شام سے پہلے قلعہ فتح ہو جاتا۔ ملا ترک علی (تنگری بردی کا نوکر) نے دشمن سے خوب مقابلہ کیا۔ جس سے مقابلہ ہوا تھا اُس کا سر کاٹ لایا۔ استاد علی قلی نے پانچ آدمی توپ سے گرائے۔ اور گولہ از بھی دلیری کے ساتھ برابر فیر کرتے رہے۔ شام تک تقریباً ستراسی بجوری ان توپوں سے مارے گئے۔ ہر شخص سے انعام وغیرہ کا وعدہ کیا گیا۔ شام کو میں نے حکم دیا کہ رات ہو گئی ہے۔ لشکر واپس ہو۔ اور قلعہ گیری کا سامان درست کر کے صبح ہی قلعہ پر دھاوا کر دیا جائے۔ جمعہ کے دن پانچویں محرم کو صبح ہی نماز کے وقت حکم ہوا کہ

طبل جنگ بجا دو۔ اور ہر شخص اپنی جگہ سے قلعہ پر ہتھ کر دے۔ حکم ہوتے ہی جرنیال اور قول
 اپنے اپنے مورچوں سے اسباب قلعہ گیری ٹیکر قلعہ کی دیوار سے جا چپکے۔ خلیفہ شاہ حسن
 ارغون اور احمد یوسف کو جو قول کے دست چپ میں تھے حکم دیا کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر
 جرنیال کی مدد کو دمشق اور شمال کے مابین والے برج کے نیچے دوست بیگ کی آدمیوں
 نے آکر دیوار کو گرا نا اور کھودنا شروع کیا۔ وہیں استاد علی قلی بھی موجود تھا۔ اُس دن
 بھی اُس نے خوب آگ برساتی۔ دو دفعہ عمدہ نشانے لگائے۔ ولی خازن نے بھی ایک
 آدمی کو بند و ق سے مارا۔ قول کے اُلٹے ہاتھ کی طرف سے ملک تلی قطبی بھی سیڑھی پر
 چڑھ گیا۔ اور بہت دیر تک لڑتا رہا۔ قول کے مورچہ سے محمد علی جنگبگ اور اُس کے
 چھوٹے بھائی توروز نے سیڑھی پر چڑھ کر خوب برچھے اور تلواریں ماریں۔ بابائی بسا ول
 اوپر چڑھ گیا۔ تیروں کا مینہ برساتا رہا۔ اور قلعہ کی دیوار توڑتا رہا۔ اکثر سپاہی اچھی طرح
 وہاں پہنچ گئے۔ اور ایسے نشانے مارتے رہے کہ غنیم کو سر اٹھانے کی فرصت نہ ملی۔ کچھ سپاہی
 براہِ قلعہ کی دیوار گرا تے رہے۔ انہوں نے ذرا غنیم کے حوہوں اور تیروں کی پروا نہ کی۔
 چاشت کا وقت تھا کہ مشرق و شمال کے بیچ والے برج کو جسے دوست بیگ کی فوج گرا رہی
 تھی ڈھادیا۔ اور دوست بیگ کے لوگ غنیم کو ہٹا کر اوپر چڑھ گئے۔ عنایت الہی سے بڑھاپا
 اور پکا قلعہ دو تین گھنٹہ میں فتح ہو گیا۔ فوج کے سب سپاہیوں نے حتی المقدور
 بہت تندہی کی۔ اور بڑی نیکنامی حاصل کی۔ بجور میں گھستے ہی مردوں کا قتل عام کیا گیا۔ او
 اُن کے بال بچے قید کر لیے گئے۔ تھینا تین ہزار آدمی سے زیادہ قتل ہوئے ہوئے۔ فتح
 ہونے کے بعد میں شہر میں داخل ہوا۔ شہر کی سیر کی اور والی بجور کے مکانات میں اُترا۔
 بجور کا ملک خواجہ کلاں کو عنایت کیا۔ اُس کی مدد کے لیے عمدہ عہدہ دار معین کر دیے۔
 پھر مغرب کے وقت میں لشکر میں واپس آیا۔ دوسرے دن کوچ کر کے۔ بجور کے ایک میدان
 میں چشمہ بابا قراں پر ڈیرے پڑے۔ کچھ قیدی رہ گئے تھے۔ خواجہ کلاں کی سفارش سے چھوڑ دیے
 گئے۔ اُن کے بال بچے حوالہ کر کے اُن کو رخصت دیدی۔ بعض ملکوں اور سرکشوں کو جو
 پکڑے گئے تھے قتل کر ڈالا۔ کچھ ملکوں کے سر اور فتح کی خبر کا بل بھیجی گئی۔ بدخشاں اور
 بلخ بھی فتح نامے مع سروں کے روانہ کیے گئے۔ شاہ منصور یوسف زئی یوسف زئی
 سے آکر اس موقع پر شریک ہو گیا تھا۔ خلعت اور فرمان دیکر یوسف زئی کے انتظام کے
 لیے اُس کو رخصت کیا۔ بجور کے انتظام سے فارس ہو نویں تاریخ سہ شنبہ کو کوچ کیا۔
 کوئی کوس دو کوس چلے اور اسی میدان میں اُتر پڑے۔ ایک اونچے مقام پر کھمبہ بنا بنائیکا

حکم دیا۔ چار شنبہ دسویں محرم کو سیر کرنے کے لیے سوار ہو کر میں بچہ میں گیا۔ خواجہ کلاں کے مکان پر شراب کی محفل ہوئی۔ بچہ کے کافر شراب اور میوے لائے تھے۔ بچہ میں شراب اور میوہ کا فرستان ہی سے آتا ہے۔ رات کو وہیں رہنا ہوا۔ دوسرے دن قلعہ کے برج اور فصیل کا ملاحظہ کر کے لشکر میں آگیا۔ صبح کو کوچ کر دیا۔ دریائے چندول کے کنارہ پر لشکر اتر آیا۔ حکم دیا کہ جو لوگ بچہ کی ملک کے لیے معین ہوئے ہیں وہ سب بچہ چلے جائیں۔ ایک نہ رہے۔ اڈار کے دن چودھویں تاریخ خواجہ کلاں کو توغ عنایت کر کے بچہ جانے لیے رخصت دی۔ اُس کے جانے کے دو ایک روز بعد یہ قطعہ خیال میں آیا اسکو لکھ کر خواجہ کلاں کے پاس بھیج دیا۔ قطعہ

قرار و عہد بسیار اینچنین نبود مرا گزیدہ جبر و مرا کردہ سبب راز آخر
 بے شوہا سے زمانہ چہ چارہ سازد کس بچہ کردہ حب و ایا رازہ یار آخر
 بدھ کے دن سترھویں تاریخ سلطان علاؤ الدین سوادے جو سلطان دس سوادے کا بھائی تھا ملازمت کے لیے حاضر ہوا۔ اٹھارھویں تاریخ کوہ تہر میں جو بچہ اور چندول کے بیچ میں ہے شکار کھیلا۔ اس پہاڑ کی گایوں اور بارہ سنگوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور وہ اچھا رنگ ہوتا ہے۔ شاید اس پہاڑ سے نیچے ملک ہندوستان میں بارہ سنگے اور گائیں کالی ہی ہوتی ہیں۔ آج ہی ایک ساربن زس کا شکار ہوا۔ وہ بھی کالا تھا۔ آج ہی ایک کالا ہرن یورکوٹھ نے پکڑا۔ لشکر میں غلہ کی کمی ہو گئی تھی۔ درہ کھراج میں سے لوگوں نے غلہ لیا۔

سوادے کی طرف چلے | یوسف زئی پر چڑھائی کرنے کے قصد سے سوادے کی طرف جموں کے دن کوچ کیا۔ جہاں دریائے چندول۔ دریائے بچہ اور دریائے بیچ کوزہ ملتے ہیں وہاں اترنا ہوا۔ شاہ منصور یوسف زئی چند کمالی بہت عمدہ مرنے کی لیکر آیا۔ ایک کمالی کے میں نے کئی حصے کیے۔ ایک حصہ میں نے کھایا۔ ایک حصہ کمالی طغائی نے اور ایک حصہ عبداللہ کتابدار نے کھایا۔ اسی پر سب نے اکتفا کیا۔ اس وقت جو شام ہو گئی تھی تو امراء سے مشورہ کرنے کے لیے بھی نہ نکل سکتا تھا۔ یہ عجیب کھانا تھا۔ اگر اس قسم کی کمالی اب ساری کھنا جائیں تو معلوم نہیں کہ اُس سے آدھا مزہ بھی آئے یا نہ آئے۔ یہاں سے چلے اور درہ کھراج و درہ پیش کرام کے دہانہ پر بیچ کوزہ کے قریب فروکش ہوئے ہم اسی مقام پر تھے جو برف پڑی۔ ان دونوں میں کبھی کبھار برف پڑتی ہے۔ اس برف باری پر لوگ تعجب کرتے تھے۔ سلطان اوس سوادے کی اتفاق سے اس لشکر کے لیے

کھر آج والوں سے چار ہزار در چانول لینے تجویز ہوئے۔ اس غلہ کی تحصیل کے لیے سلطان اوتیس سوادی کو بھیجا۔ ان گاؤں والوں اور پہاڑیوں نے اتنا غلہ کبھی نہ دیا تھا۔ اب بھی دینا گوارا نہ کیا۔ اور اپنے اپنے گھر چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ منگل کے دن تیسویں تاریخ ہندو بیگ کو کچھ فوج کے ہمراہ پنج کوزہ کی مہم پر بھیجا۔ پنج کوزہ مکر کوہ سے کچھ اونچا ہے۔ کوس بھر کے قریب پہاڑ کی اونچائی سے ملے جائیں تو پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں ولے بھاگ گئے تھے۔ کسی قدر ان کی بھیر بکریاں۔ گایوں کے ریوڑ اور غلہ لے آئے۔ دوسرے دن قوتج بیگ کے ساتھ فوج بھیجی گئی۔ جمعرات کے دن چھیسویں تاریخ درہ کھر آج کے موضع بایند بس میں غلہ لینے کے لیے لشکر اُترا۔ اسی سال میں ہمایوں کے بعد کئی نیچے اور پیدا ہوئے مگر گزر گئے۔ ہندال ابھی پیدا نہ ہوا تھا۔ میں اسی نواح میں تھا کہ ماہم کے پاس سے خط آیا۔ لکھتی ہے کہ بیٹا ہو یا بیٹی جو ہونیری قسمت سے جیتا جاگتا ہو۔ اور مجھے اُس کا پالنا نصیب ہو۔ جمعہ چھیسویں تاریخ اسی منزل میں ہندال کا نام اور خطوط لکھ کر یوسف علی زکا بدر کے ہاتھ کابل روانہ کیے۔ ابھی ہندال نہ ہوا تھا۔ یہیں درہ میں اوپر کی جانب ایک اتنا بڑا چوہا نیا کر آیا جس کے پیچ میں مکان بن جائے۔ اس چوہرے کے لیے تمام مصاحبوں اور سپاہیوں نے ہتھ لاکر جمع کیے۔ یوسف زئی پٹھانوں میں سے ملک شاہ منصور بن ملک سلیمان شاہ حاضر ہوا۔ اور اُس نے اظہارِ دوستی کی۔ یوسف زئی قوم کے میل جول کے خیال سے اُس کی بیٹی کی خواستگاری کی گئی۔ شام کو شراب نوشی کا جلسہ منعقد ہوا سلطان علاؤ الدین کو بھی اُس میں شریک کیا۔ اُس کو خلعت وغیرہ بھی عطا کیا۔ اٹھائیسویں تاریخ اتوار کے دن درہ کھر آج سے باہر ہوئے۔ طاووس خاں یوسف زئی شاہ منصور کا بھائی اپنی بھتیجی کو اس منزل میں لایا۔ چونکہ بہنوئی لوگ بجور ہی سے متعلق تھے اس لیے یہاں ہی یوسف علی بکاؤل کو بھیجا گیا کہ اُن کو بجور میں لیکر آئے۔ جو لشکر کابل میں تھا اُس کو لکھا گیا کہ یہاں آجائے۔ جمعہ کے دن صفر کی تیسری تاریخ وہاں اُترے جہاں دریائے بجور اور دریائے پنج کوزہ ملتے ہیں۔ اتوار کے دن پانچویں کو یہاں سے میں بجور گیا۔ خواجہ کلاں کے ہاں شراب نوشی کا جلسہ ہوا۔ منگل کے دن ساتویں کو امراء اور دلہ زاک افغانوں سے مشورت کی۔ یہ بات قرار پائی کہ سال آخر ہو گیا ہے۔ حوت کے دو دن رہ گئے ہیں۔ جو غلہ کٹا تھا۔ اُس کو کاشتکار اٹھالے گئے ہونگے۔ اس موسم میں اگر سواد چلیں گے تو غلہ نہ میسر آنے سے لشکر کو بڑی تکلیف ہوگی۔ اپنائی اور پائی پائی کی راہ سے ہوتے ہوئے ہر شہر کے کنارہ کے اوپر کی طرف دیائے سواد سے پار ہو کر ماہورائی یوسف زئی کے سامنے اُن یوسف زئی

اور محمد زنی پٹھانوں پر جو جنگل اور میدان میں پڑے ہوئے ہیں دفعۃً چڑھائی کرنی چاہیے۔ آئندہ سال میں غلہ تیار ہونے کے موقع پر یہاں والوں کی خبر لے لیں گے۔ یہی بات ٹھہرا کر دوسرے دن چار شنبہ کو سلطان وٹس۔ سلطان علی اور سلطان علاؤ الدین کو گھوڑے اور خلعت وغیرہ عنایت کر کے اور ان کی دلجوئی کر کے ان کو رخصت کیا۔ ہم وہاں سے کوچ کر کے پور کے سامنے اترے۔ شاہ منصور کی بیٹی کو واپس آئے تک۔ ہمیں پھیرایا۔ دوسرے دن یہاں سے چلے۔ اور خواجہ خضر میں فروکش ہوئے۔ اس مقام سے خواجہ کلاں کو رخصت کیا۔ بہیر اور بھاری اسباب کو کوز کے راستہ سے لمغان بھیجنے کی تجویز کی۔ دوسرے دن کوچ کر دیا گیا۔ بھاری اسباب اور اونٹوں کو خواجہ میراں کے ہمراہ خور غاٹو۔ دروازہ اور کوتل قراکوہ کے راستہ سے چلتا گیا۔ اور ہم جریدہ سواروں کو ساتھ لے کوتل انبالہ سے ہوتے ہوئے اور ایک اور پہاڑ سے مکمل عصر کی نماز کے بعد جھٹ پڑے کے وقت پانی بالی میں آگئے۔ ادغان بردی کو کچھ آدمیوں کے ساتھ سُن گُن لینے آگے بھیجا۔ ہم میں اور افغانوں میں بہت فاصلہ نہ تھا۔ اس واسطے رات کو ہم نے کوچ نہ کیا۔ چاشت کے وقت ادغان بردی آیا ایک افغان کو پکڑ کر اُس کا سر کاٹ لیا تھا۔ مگر رستہ میں گر پڑا۔ جو دل چاہتا تھا وہ خبر لے آیا۔ پھر کو ہم نے کوچ کر دیا۔ دریاے سواد سے پار ہو عصر سے پہلے منزل پر جا اترے۔ عشا کی نماز کے وقت چل نکلے۔ اور قدم اٹھائے ہوئے چلے۔ آفتاب ایک نیزہ بلند ہوا ہو گا کہ رستم ترکمان جو قراولی کے لیے بھیجا گیا تھا آیا۔ اُس نے بیان کیا کہ افغانوں کو خبر ہو گئی۔ وہ طرف منتشر ہو گئے ہیں۔ اور اُن کا ایک گروہ پہاڑ پر چڑھ رہا ہے۔ یہ سُنتے ہی ہم نے قدم بڑھایا۔ فوج کا ایک دستہ آگے روانہ کیا۔ جس نے افغانوں کو جالیا کچھ افغانوں کو مار کر اُن کے سر کاٹ لیے۔ بہت سوں کو پکڑ لایا۔ اور اُن کے ریوڑ بھی گھیر لیے۔ دلہ زاک افغان بھی کئی کے سر کاٹ لائے۔ وہاں سے پلٹ کر ہم کاتلنگ کی نواح میں آئے۔ خواجہ میر میراں بہیر وغیرہ کو دوسری طرف سے لیے آتا تھا۔ اُس کے پاس آدمی بھیجا کہ مقام پر آکر ہم سے ملے دوسرے دن کوچ کر دیا۔ بلائیک کے راستہ سے مقام میں اترے۔ شاہ منصور کا آدمی آیا جس کو کلتاش اور احمدی پروانچی کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ اُس کے پاس بھیج دیا۔ سہ شنبہ چودھوی تاریخ جس وقت ہم ارک میں آئے اُس وقت وہ آکر ہم سے ملے۔ بیس چالیس برس ہوئے کہ شہباز نامی ایک فقیر ملحق تھا۔ اُس نے یوسف زنی اور دلہ زاک کے کچھ لوگوں کو لحد بنادیا تھا۔ ہمیں پہاڑ کے قریب ایک پہاڑی ہے بہت ہی پُر فضا اور خوش منظر۔ اتنی اونچی ہے کہ تمام جنگل اُس پر سے نظر آتا ہے۔ اُس پر شہباز قلند رند کوہ کی قبر ہے۔ اس مقام کی میں نے میر کی

ول میں آیا کہ ایسی عمدہ جگہ ایسے محلہ کی قبر بدربیب ہے۔ میں نے حکم دیا کہ اس قبر کو ڈھاکر برا کر دو۔ چونکہ بہت ہی صاف اور ہوادار مقام تھا اس لیے یہاں سبھون کھائی اور پھوڑی دیر میں بیٹھے رہے۔ بجور سے بہرہ جانے کا خیال تھا۔ اصل یہ ہے کہ جب سے میں کابل میں آیا تھا ہندوستان کی یورش کی مجھے دھن لگی ہوئی تھی۔ مگر بعض موانع سے یہ خیال پورا نہ ہوا تھا۔ تین چار مہینے لشکر بجور کے علاقہ میں پھرتا رہا۔ مگر اہل لشکر کو کچھ اچھی طرح ہاتھ نہ لگا۔ اور چونکہ بہرہ ہندوستان کا دروازہ ہے وہ قریب تھا اس لیے ارادہ ہوا کہ آؤ جریدہ ہی ادھر چلے چلیں۔ امید ہے کہ اہل لشکر کے ہاتھ کچھ نہ کچھ لگ جائیگا۔ اس خیال سے واپس ہو افغانوں کو جبارا۔ مقام میں اترنے کے بعد بعض دوستخواہوں نے عرض کیا کہ اگر ہندوستان چلنے کا رسم قصد کریں تو پورا سامان کر کے چلنا چاہیے۔ اس وقت بہت سی فوج تو کابل میں ہے۔ کچھ لوگ بجور میں چھوڑ دیے گئے ہیں بہت سا لشکر گھوڑوں کے ناکارہ ہونے سے لمغان چلا گیا ہے۔ جو لوگ ساتھ ہیں ان کے گھوڑے بھی ایسے تھک گئے ہیں کہ ایک دن کی دور کے قابل نہیں رہے۔ بیشک یہ باتیں معقول نہیں۔ لیکن ارادہ کر لیا تھا۔ ان باتوں کی کچھ پروا نہ کی۔ صبح ہی اندھیرے میں دریا کے سارے کنارے کے گھاٹ کی طرف رخ کر دیا۔ میر محمد جالہ بان کو مع اس کے بھائیوں کے اور چند سپاہیوں کے دریا کے ادھر ادھر گھاٹ دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ اور لشکر کو دریا کی جانب روانہ کر کے آپ سواتی کی طرف جس کو کرک خانہ کہتے ہیں شکار پھیلنے چلا گیا۔ کئی کرک دکھائی دیے لیکن ان کا جنگل بہت وسیع تھا۔ اس سبب سے وہ باہر نہ نکلے۔ ایک بچہ والی مادہ میدان میں آئی۔ اور بھاگی۔ اس پر تیروں کی بوچھاڑ پڑ گئی۔ چونکہ اس کا جنگل قریب تھا اس لیے اسی میں گھس گئی جنگل میں آگ لگا دی گئی۔ وہ بھاگی ہوئی تو نہ ملی۔ ایک اور کرک نظر آیا۔ آگ میں جلا ہوا پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اسی کو ذبح کر کے ہر ایک نے حصہ لیا۔ سواتی سے پلٹے وقت بڑی سرگردانی اٹھا کر عشا کے وقت ہم باہر نکلے۔ جن کو گھاٹ دیکھنے بھیجا تھا وہ دیکھ کر آگے آئے۔ دوسرے دن جمعرات کو سوطھویں تاریخ گھوڑوں اونٹوں اور پر تل نے گھاٹ سے عبور کیا۔ لشکر کے پیدلوں اور اہل بازار کو جالہ کے ذریعہ سے اتارا۔ آج ہی نیلاب والے سربراہ حاضر ہوئے۔ ایک گھوڑا یکم دار اور تین سو شاہرخی پیشکش لائے۔ دریا سے اترتے ہی ظہر کے وقت سب آگے چلے۔ پہرہات گئی تک کچھ کوٹ کے دریا کے پاس آن اترے۔ وہاں سے دھندلے میں چل کھڑے ہوئے۔ دریا کے کچھ کوٹ سے پار ہو سنکھہ کے پہاڑ سے نکل کر مقام کیا۔ فاسم ایشک آغا چاندلوں

کچھ کو جو ر لوگ جو لشکر کے پیچھے لگے آتے تھے اُن کو پکڑ لیا اور اُن میں سے بعض کے سر کاٹ لایا۔ صبح ہی سندھ کی سے کوچ ہوا۔ اور ظہر کے وقت دریا کے سوہان سے پار جا کر لشکر کے پیچھے لوگ آدھی رات تک آئے۔ منزل ذرا کڑی تھی۔ گھوڑوں کے تھک جانے ہی کا موقع تھا۔ چلتے چلتے اکثر گھوڑے بیکار ہو گئے تھے۔ بہرہ سے سات کو س شمال کی طرف ایک پہاڑ ہے اس کو ظفر نامہ وغیرہ کتب تاریخ میں کوہ جودہ لکھا ہے۔ اسکی وجہ تسمیہ معلوم نہ تھی۔ اب معلوم ہوا کہ اس پہاڑ کے لوگ ایک دادا کی اولاد ہیں۔ ان میں دو قومیں ہیں۔ ایک کا نام جودہ ہے۔ دوسری کا نام ججو ہے۔ اس پہاڑ پر اور نیلاب و بہرہ میں جو قومیں آباد ہیں ان پر ججو ہے قوم قدیم سے حکومت کرتی چلی آئی ہے۔ طرز حکومت دوستانہ اور برادرانہ ہے۔ حاکموں کا جودل چاہتا ہے وہ نہیں کر سکتے۔ یا نہیں لے سکتے۔ مالگزاری کی رقم بالمقطع ابتدا میں مقرر کر دی ہے۔ اُس رقم مقررہ سے زیادہ نہ دینے والے دیتے ہیں نہ لینے والے لے سکتے ہیں۔ وہ رقم فی گھر ایک شاہرخی ہے۔ شادی کے موقع پر سپاہیوں کو سات شاہرخی دی جاتی ہیں۔ جودہ کی بھی کئی شاخیں ہیں۔ اور ججو ہے کی بھی۔ یہ پہاڑ جو بہرہ سے سات کو س پر کوہستان کشمیر (کوہستان کشمیر اور کوہ ہند و کش دوسری طرف واقع ہے) سے الگ ہو کر جنوب و مغرب کے بیچ میں ہوتا ہوا دینکوت کے نیچے دریا کے سندھ پر ختم ہوتا ہے۔ اُدھے پہاڑ میں قوم جودہ آباد ہے اور اُدھے پہاڑ میں ججو ہے۔ مگر جودہ ہی کے نام سے منسوب ہو کر کوہ جودہ کہلاتا ہے۔ ان کے سبب میں بڑے سردار کورائے کہتے ہیں۔ اور اس کے بھائی بیٹوں کو ملک۔ یہ قوم ججو ہے لشکر خان کی ننھیال ہے۔ دریا کے سوہان کی نواح میں جو قومیں ہیں ان کے حاکم کا نام ملک ہست تھا۔ (اصل میں تو اس کا نام اسد تھا۔ ہندوستانی کبھی ایسے متحرک حرف کو ساکن کر دیتے ہیں اس سبب سے اسد کو اسد کہنے لگے۔ جیسے خبر کو خبر کہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ ہست ہو گیا) یہاں پہنچتے ہی لشکر خاں کو ملک ہست کے لانے کے لیے بھیجا گیا۔ وہ فوراً وہاں گیا اور اُس کو میری عنایت و مہربانی کا امیدوار کر کے عشا کے وقت ساتھ لیکر آیا۔ ہست نے ایک گھوڑا سح سامان نہر کیا۔ اور ملازمت حاصل کی۔ اس کی عمر بائیس تیس برس کی ہوگی۔ ان لوگوں کی مولشی کے ریوڑ لشکر کے ادھر ادھر بہت تھے۔ مجھ کو تو مدت سے ہندوستان لینے کا خیال تھا۔ یہ قطعہ ملک جس میں بہرہ۔ خوشاب۔ چناب اور جیوت شامل ہے مدتوں

یقین تھا کہ خواہ بزور شمشیر خواہ بطریق صلح ہم اس کو لیں گے اور لیں گے۔ اس وجہ سے ان پہاڑیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا لازم تھا۔ میں نے حکم دیا کہ ان کی ایک بھیڑ بلکہ رستی کے ٹکڑے اور ٹوٹی ہوئی سوئی کو بھی کوئی نگاہ بھر کے نہ دیکھے۔ اور ان کو نقصان نہ پہنچائے۔ یہاں سے چلے اور ظہر کے وقت کلدہ کنار میں اترے۔ یہاں چاروں طرف خدی کے کھیت کے کھیت تھے۔ یہ مقام قابل دید ہے۔ بہیرے سے دس کوس کے فاصلہ پر پہاڑ میں ایک ہموار قطعہ ہے۔ اسی میدان میں ایک صاف جائے بڑا تالاب ہے۔ گرد کے پہاڑوں اور بارش کا پانی یہاں جمع ہوتا ہے۔ اس تالاب کا گرد اولا تقریباً تین کوس کا ہوگا۔ مرغزار کے شمال میں ایک ندی ہے۔ اس کے مغرب میں دامنہ کوہ ہے۔ اور اس میں ایک چشمہ ہے۔ اس چشمہ کا پانی ان بلندیوں پر جو تالاب کے اوپر ہیں ٹھہر رہتا ہے۔ چونکہ جگہ عمدہ تھی اس لیے میں نے یہاں باغ تیار کرایا۔ اس کا نام باغ صفا رکھا۔ یہ باغ ہوادار اور صاف مقام پر بنا۔ اس کا مفصل حال آگے بیان ہوگا۔ کلدہ کنار سے ہم صبح ہی روانہ ہوئے۔ پہاڑ پر کئی جگہ لوگ حاضر ہوئے اور مختصر مختصر پیشکشیں انہوں نے پیش کیں۔ ان آنے والوں کو عبد الرحیم شقاول کے ہمراہ کر کے بہیرے بھیجا۔ اور بہیرے والوں سے کہلا بھیجا کہ تم ڈرو نہیں۔ ہر طرح سے مطمئن رہو۔ یہ ملک قدیم سے ترکوں کے تحت میں رہا ہے۔ تم لوگ منتشر نہ ہو۔ ہم کو اس ملک اور اہل ملک کا خیال ہے۔ یہاں کیل کا کھٹکانہ ہوگا۔ چاشت کے وقت پہاڑ کے نیچے لشکر کے ڈیرے ہوئے۔ قربان حرجی اور عبد الملک ہستی کو سات آٹھ آدمیوں سمیت خبر دریافت کرنے کے لیے آگے روانہ کیا۔ ان آگے جانے والوں میں سے محمد ہدی خواجہ ایک شخص کو لایا۔ اسی اثناء میں افغانوں کے کئی سردار مع پیشکش حاضر ہو کر باریاب ہوئے۔ ان کو لشکر خاں کے ساتھ بہیرے والوں کے پاس بھیج دیا۔ پہاڑ اور جنگل سے نکل کر انار۔ قول اور سیا دل درست کر کے بہیرے کی طرف ہم چلے۔ بہیرے کے نزدیک جب ہم پہنچے تو دولت خاں یوسف خیل کا بیٹا علی خاں اور دیوہ ہند وغیرہ بہیرے سے آکر شرفیاب ملازمت ہوئے۔ ظہر کا وقت تھا کہ دریا کے بہت کے کنارہ پر بہیرہ کو مشرق میں بے آنکھ بہیرہ والوں سے کچھ تعرض کیا ہوا ایک سرسبز مقام پر جا اترے۔ جب میر تیمور صاحب قرآن ہندوستان میں آئے ہیں اور چلے گئے ہیں تو یہ کئی علاقے بہیرہ۔ خوشاب۔ چناب اور چنیدت صاحب قرآن اور ان کی اولاد کے قبضہ میں رہے سلطان مسعود میرزا (سیو غم ش میرزا کا بیٹا احمد شاہرخ میرزا کا پوتا) جب کابل و زابل کا بادشاہ ہوا تو اسی

اس کو سلطان مسعود کا بی بی کہتے ہیں) اُس کے امراء میں سے میر علی بیگ کے کئی بیٹے بابا کا بیلی۔ دریا خاں اور ابا ق خاں (جس کا لقب آخر میں غازی خاں ہو گیا) ان علاقوں کا حاکم رہے۔ سلطان مسعود میرزا اور اُس کے بیٹے علی اصغر میرزا کے بعد غازی خاں کا بل زابل اور ان علاقوں کو دبا بیٹھا۔ سن ۹۱ھ میں جو میں کا بل آیا اور ہندوستان لینے کے خیال سے براہ خیبر پشاور میں آ گیا۔ اور باقی یغانیا نی کے کہنے سے ملک بنگش کی طرف جا کر وہاں کے افغانوں اور بنودشت والوں کو تاخت و تاراج کرتا ہوا دکہ کے مقام سے چلا گیا تھا تو اُس زمانہ میں بہرہ۔ خوشاب اور چناب کا حاکم سید علی خاں (غازی خاں کا بیٹا۔ میر علی بیگ کا پوتا) تھا۔ وہ سکندر بہلول کے نام کا خطبہ پڑھواتا تھا اور اُسی کا مطبع تھا۔ میرے آنے سے ڈر کر بہرے کو اُس نے چھوڑ دیا۔ اور دریائے بہت کے پار مقام شیرکوٹھ میں (جو بہرہ کا ایک موضع ہے) وہ جا بیٹھا۔ اس کے ایک دو سال کے بعد افغان میرے طرفدار ہو کر سید علی سے بگڑ گئے۔ وہ بھی اس سبب سے بہت ڈرا۔ آخر اُس نے اس ملک ہی کو چھوڑ دیا۔ دولت خاں ولد تاتار خاں یوسف خیل اُن دنوں میں حاکم لاہور تھا۔ اُس نے اپنے بڑے بیٹے علی خاں کو دیدیا تھا۔ وہی اس زمانہ میں بہرے کا حاکم تھا۔ تاتار خاں (دولت خاں کا باپ) اُن چھ سات سرداروں میں سے ہے جنہوں نے خوج کے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ اور بہلول کو بادشاہ کر دیا تھا۔ دریائے ستلج کے شمالی اضلاع اور سرہند پر تاتار خاں قابض تھا اس ملک کی آمدنی تین کروڑ سے زیادہ تھی۔ تاتار خاں کے مرنے کے بعد سلطان سکندر نے اپنے عہد سلطنت میں یہ ملک تاتار خاں کی اولاد سے لے لیا۔ اور کابل میں میرے آنے سے دو برس پہلے صرف ایک لاہور دولت خاں کو دیدیا۔ دوسرے دن بعض مقاموں میں جہاں مناسب تھا فوج کے دستے روانہ کیے گئے۔ اُسی دن میں نے بہرے کی سیر کی۔ لشکر خاں خوج بہرہ بھی آج ہی آیا۔ ایک گھوڑا اُس نے نذر کیا۔ اور ملازمت سے مشرف ہوا۔ بائیسویں تاریخ جمعرات کو بہرے کے چودھریوں اور اکابر کو بلا لیا چار لاکھ شاہرخمی محصول قرار دیکر تحصیلدار مقرر کر دیے۔ اس کے بعد سوار ہوا۔ کشتی میں بیٹھ کر معجون کا شغل کیا۔ اور سیر کرتا ہوا روانہ ہوا۔ حیدر علی کو اُن بلوچوں کے پاس بھیجا جو بہرے اور خوشاب کے علاقہ میں تھے۔ دوسرے دن جمعرات کو وہ لوگ حاضر ہوئے اور ایک تیجا ق گل باوامی پیشکش لائے۔ انہیں لوگوں نے عرض کی کہ کچھ سپاہیوں نے بہرے والوں کو تباہ کیا ہے اور اُن پر ہاتھ ڈالا ہے۔ فوراً اُن سپاہیوں کو گرفتار کر کے بعض کو سزائے موت کا حکم دیا اور بعض کی ناکیں کٹوا کر

تشریح کرایا۔ اس ملک کو تو ہم اپنا ہی جانتے تھے۔ اس وجہ سے اُس کو بالکل محفوظ و مامون کھا۔ یہاں والوں نے بھی کہا کہ اگر بطریق مصاحبت دربارِ دہلی میں پیغام بھیجا جائے تو جو ملک ترکوں کا ہے وہ اُس پر دعوے نہیں کریں گے۔ اس لیے ملا مرشد کو ایچی مقرر کیا۔ اور سلطان ابراہیم (یا بیچ چھ مہینے ہوئے تھے کہ اُس کا باپ مر گیا تھا۔ اور وہ ہندوستان کا بادشاہ ہو گیا تھا) کے پاس بھیجا۔ اور جتنا ملک قدیم سے ترکوں کا تھا اُس کا دعوے کیا۔ جو خطوط دولت خاں اور سلطان ابراہیم کے نام لکھے تھے وہ ملا ند کو رکے حوالے کیے۔ کچھ زبانی بھی کہہ دیا۔ اور اُس کو رخصت کیا۔ ہندوستانی خصوصاً پٹھان بیوقوف ہوتے ہیں۔ نہ دشمنی کی لیاقت رکھتے ہیں۔ نہ دوستی کی راہ رسم برت سکتے ہیں۔ نہ مقابلے میں ٹھہرنے کی تاب رکھتے ہیں۔ نہ بھانسنے کا انداز جانتے ہیں۔ ہمارے ایچی کو عرصہ تک دولت خاں نے لاہور میں ٹھہرائے رکھا۔ نہ تو آپ اُس سے ملا نہ اُس کو ابراہیم پاس بھیجا۔ اس بیچارے کی جب کسی نے بات نہ پوچھی اور اس کو کوئی جواب نہ ملا تو کچھ دن بعد وہ کابل میں چلا آیا۔ جمعہ کے دن خوشاب والوں کی غرضداشت آئی۔ شاہ حسین بن شاہ شجاع ارغون خوشاب جانے پر معین ہوا۔ ہفتہ کے دن پھینویں تاریخ شاہ حسین خوشاب بھیجا گیا۔ اتوار کو ایسا مینہ برساکہ سارے جنگل میں جل پھل بھر گئے۔ بہترے میں اُن پہاڑوں کے نیچے جہاں ہمارا لشکر پڑا ہوا تھا ایک چھوٹی ٹسی ندی تھی۔ ظہر کے وقت تک اُس کا پاٹ بڑے دریا کے برابر ہو گیا۔ پہلے بہترے کے قریب گزبھر سے زیادہ پاٹ نہ تھا۔ اب تیر کر جانیکے قابل ہو گیا۔ تیسرے پہر کو میں بھی سیر کرنے گیا۔ اس قدر ہوا اور بارش تھی کہ لشکر میں آس آنے تک میں گھبرا گیا۔ اُسی دریا میں تیر کر ہم آئے۔ اہل لشکر کا بہت ہی پتلا حال ہوا۔ بہتوں نے اپنے ڈیرے چھوڑ دیے۔ اپنے ہتھیار اور سامان کندھے پر ڈال ننگی پیٹھ کے گھوڑوں پر سوار ہو تیر کر نکل گئے۔ تمام جنگل میں پانی ہی پانی تھا۔ دوسرے دن لوگ کشتیاں لے آئے۔ بہت سوں نے اپنے خیموں اور اسباب کو کشتیوں میں لاد لاد کر پار اُتار دیا۔ مغرب کے وقت تک لشکر والوں نے کوس بھر اوپر کے رخ جا کر اُترنے کا موقع پایا۔ لوگ وہیں سے پار ہو قلعہ میں جس کو جہاں نا کہتے ہیں جا اُترے۔ ایک روز وہاں ٹھہرے۔ دوسرے دن مینہ اور رو کے خیال سے اُن بلند مقاموں پر جو بہترے کے شمال میں ہیں ڈیرے ڈالے۔

بہترے وغیرہ کا انتظام | جو محصول مقرر کیا گیا تھا اُس کے دینے میں رعایا نے اچھر مچ کی۔ اس کا یہ انتظام کیا کہ ملک کو چار سرکاروں پر منقسم کیا۔ ایک سرکار پر خلیفہ کو۔

دوسری پر قوت بیگ کو۔ تیسری پر دوست ناصر بیگ کو۔ چوتھی پر سید قاسم اور محمد علی کو مقرر کیا۔ اور ان امراء کو حکم دیا کہ انتظام کر کے روپیہ داخل کرو۔ جمعہ کے دن دوسری شبان کو شیشاق پیادہ اور درویش علی پیادہ (جواب بند و فچی ہے) ہندال کے پیدا ہونے کی خبر لائے۔ چونکہ اس تسخیر ہند کے موقع پر یہ خبر آئی اس لیے بطریق شگون مولود کا نام ہندال رکھا۔ قنبر بیگ بھی تلخ سے محمد زمان میرزا کی عرضی لایا۔ دوسرے دن دربار برخواست کرنے کے بعد سیر کے لیے کشتی میں سوار ہوا۔ شراب کا دور چلا۔ اہل مجلس خواجہ دوست خاوند۔ خسرو۔ میر۔ میرزا قلی۔ محمدی۔ احمدی۔ کدائی۔ لقمان۔ لشکر خان قاسم علی تریاکی۔ یوسف علی۔ اور تنگر قلی تھے۔ کشتی کے سرے پر ایک پٹا ہوا لان تھا۔ اسکی چھت ہموار تھی۔ میں چند مصاحبوں کے ساتھ اُسی پر بیٹھا تھا۔ کچھ لوگ پیچھے والان میں تھے کشتی کے دنبالہ کی طرف بھی بیٹھنے کی جگہ تھی۔ محمد۔ کدائی اور لقمان وہاں بیٹھے تھے۔ عصر کے وقت تک شراب کا شغل رہا۔ پھر اُس سے دل بھر گیا تو معجون کھائی گئی۔ کشتی والوں کو معلوم ہوا کہ میں نے معجون کھائی ہے۔ وہ بھی جانتے تھے کہ شراب پی رہے ہیں۔ عشا کے وقت اندھیرے میں کشتی سے اتر کر ہم لشکر میں آئے۔ محمدیم اور کدائی یہی خیال کر کے کہ میں نے صرف شراب ہی پی ہے شائستہ خدمت کرنے پر آمادہ ہوئے۔ شراب کی ایک ٹھیلی باری باری سے گھوڑوں پر رکھکے کچھ عجیب خوشی اور اتراہٹ کے ساتھ لیکر آئے۔ اور کہنے لگے کہ اس اندھیری رات میں ہم باری باری سے اٹھکے لائے ہیں۔ مگر انہوں نے دیکھا کہ صحبت کا اور رنگ ہے۔ کچھ معجونی ہیں اور کچھ شراب سے متوالے ہیں۔ معجونی اور شرابی کی ذرا نہیں بنتی اس سبب سے وہ بہت شرمندہ ہوئے۔ میں نے کہا کہ یہ بات کچھ نہیں۔ جلسہ کا مزہ کرکرا نہ کرو۔ جس کا دل شراب پینے کو چاہے وہ شراب پیے جس کا دل معجون کھانے کو چاہے وہ معجون کھائے۔ کوئی کسی سے اُچھے ہیں۔ اس کہنے سے کسی نے شراب پی اور کسی نے معجون کا ہستعمال کیا۔ تھوڑی دیر تک یہ جلسہ رہا۔ بابا جان کشتی میں ہی تھا۔ جب ہم خانہ سفید میں آئے تو اس کو بلایا۔ اُس نے شراب مانگی۔ تردی محمد قچاق کو بھی بلایا۔ ان کو مستوں نے شریک صحبت کیا۔ معجونوں اور شرابیوں کی تو بنتی نہیں شرابیوں نے وہی تباہی بکنا شروع کیا۔ یہ لوگ معجون اور معجونوں پر مٹنے آئے لگے۔ بابا خان بھی نشہ میں بہک رہا تھا۔ تردی محمد کو بھی گلاس پر گلاس پلا کر مستوں نے بے سدھ کر دیا۔ میں نے بہت چاہا کہ ہنہالوں مگر نہ سنبھال سکا۔ بڑی دھند مچی۔ جلسہ مچ ہی ہو گیا۔ سب متفرق ہو گئے۔ پیر کے دن پانچویں تاریخ بہیرا ہندو بیگ کے سپرد کیا۔ اور حسین انکرانک کو

چٹاب کا حاکم کیا حسین انکراک اور چٹاب والوں کو رخصت دی گئی۔ انہی دنوں میں منوچر خاں جب مجھے اطلاع دیکر ہندوستان سے چلا اور اوپر کے رستہ سے آنے لگا تو تاتار خاں کھکڑے اُس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے اُسے روک لیا۔ اور اپنی بیٹی سے اُسکی شادی کر دی۔ چند روز منوچر خاں وہاں رہا۔ پھر میرے پاس چلا آیا۔ نیلاب دہرہ کے بیچ میں جو پہاڑ کشمیر کے پہاڑوں سے ملے ہوئے ہیں اُن میں قوم جودہ اور جتوہرہ کے علاوہ جٹ اور کچوڑ کی قومیں بھی آباد ہیں۔ انہوں نے ہر پشتہ اور درہ میں اپنے گاؤں بسالیے ہیں۔ ان قوموں کا حاکم کھکڑے ہے۔ ان کی طرز حکومت جودہ اور جتوہرہ کی سی ہے۔ اُس زمانہ میں اس دامنہ کوہ کی حکومت تاتار کھکڑ اور ہائی کھکڑ سے متعلق تھی۔ یہ دونوں ایک ادا کی اولاد اور باہم چچیرے ہوتے تھے۔ ٹیلوں اور کھڈوں میں ان کے مقامات تھے۔ جو بہت ہی مستحکم تھے۔ تاتار کی ریاست گاہ پر ہالہ تھا۔ یہ ملک برفان کے پہاڑ سے بہت ہی نیچے واقع ہے۔ ہائی کا علاقہ پہاڑ سے ملا ہوا ہے۔ مقام کچرزا بابو خان کے تحت میں تھا۔ اُس کو بھی ہائی نے چھین لیا تھا۔ تاتار کھکڑ دولت خاں سے مل کر کسی قدر اُس کا مطیع ہو گیا تھا۔ ہائی اُس سے نہ ملا تھا۔ اور برسرِ فساد تھا۔ امرائے ہند کے بل پر اور اُن کے کہے سے تاتار ہائی کے مقابلہ میں پڑا ہوا تھا۔ مگر دور دور تھا۔ اُس زمانہ میں جبکہ ہم بہرے میں تھے ایک بہانہ سے ہائی عین غفلت میں تاتار پر جا پڑا۔ اُس کو قتل کیا اور اُس کا خزانہ اور مال اسباب سب لے لیا۔ ظہر کے وقت میں سیر کرنے کشتی میں سوار ہوا۔ شراب کا شغل شروع ہوا۔ اہل بزم یہ لوگ تھے۔ دوست بیگ۔ میرزا قلی۔ احمدی۔ کدائی۔ محمد علی جنک۔ جنگ عیس افغان اور نردی مغل۔ گویوں میں سے روح دم۔ بابا خان۔ قاسم علی۔ یوسف علی۔ تنگری قلی۔ ابوالقاسم اور رمضان لولی تھے۔ شام تک سانگو کا دور چلتا رہا۔ عشا کے وقت دھت بنے ہوئے تھے جو کشتی سے اتر کر سوار ہوئے۔ مشعل میں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ دریا کے کنارہ سے لشکر تک کبھی گھوڑا اُدھر ڈالتا تھا کبھی اُدھر۔ غرض لڑکھڑاتا ہوا آیا۔ میں نشہ میں اتنا چور تھا کہ مجھے ذرا خبر نہ تھی۔ صبح کو جرات کا یہ حال مجھ سے بیان کیا تو باور نہ آیا۔ مکان پر آتے ہی میں نے کئی بار تے کی۔ جمعہ کے دن سیر کے لیے سوار ہوا۔ کشتی میں بیٹھ کر پار گیا۔ اُس جانب کے باغوں۔ پھلوری اور گنوں کے کھیتوں کی سیر کی۔ ان کے ڈول اور رہٹ دیکھے۔ انوسا منے پانی کھینچوایا۔ اور پانی نکالنے کی کیفیت دریافت کی۔ بلکہ بار بار کھینچوایا۔ اثنائے سیر میں معجون کا استعمال کیا۔ وہاں سے پھر اور کشتی میں سوار ہوا۔ منوچر خاں کو بھی معجون

کھلائی تھی۔ اُس کو اتنا نشہ ہوا کہ دو آدمی بازو پکڑے ہوئے کھڑا رکھتے تھے تھوڑی دیر کشتی کا لنگر ڈلو کر دریا کے بیچ میں پھیرے رہے۔ پھر دریا کے نشیبی جانب گئے۔ کچھ دور چل کر کشتی کو اوپر کی طرف کھینچوایا۔ رات کو کشتی میں رہے۔ صبح کے قریب لشکر میں آئے۔ شنبہ دسویں ربیع الاول کو آفتاب برج حمل میں آیا۔ آج ہم تیسرے پہر سیر کے واسطے روانہ ہوئے کشتی میں بیٹھ کر شراب پی گئی۔ مجلسیوں میں خواجہ دوست خاوند۔ دوست بیگ۔ میرم۔ میرزا قلی۔ محمدی۔ احمدی۔ یونس علی۔ محمد علی جنک جنک۔ کدائی طغائی۔ میر خسرو عیس۔ گوپوں میں روح دم۔ بابا خان۔ قاسم علی۔ یوسف علی۔ تنگری اور رمضان تھے۔ دریا کی ایک شاخ میں آ کر نشیبی جانب چلے گئے۔ اور بہت دور جا کر نکلے۔ شام کو لشکر میں آئے۔ اسی روز شاہ حسین خوشاب سے آیا۔ چونکہ شاہ دہلی کے پاس ملحق بھیج دیا تھا۔ اور ترکوں کے اس قدیمی ملک کے مطالبہ کے لیے مصالحت کا پیغام بھیجا تھا اس لیے جو محصول یہاں مقرر کیا تھا اُس میں سے کسی قدر وصول کیا۔ گرمی سر پر آگئی۔ ہندو بیگ کی کمک کے لیے شاہ محمد مہر دار اور اُس کے چھوٹے بھائی دوست مہر دار وغیرہ کو جو مناسب معلوم ہوئے مقرر کیا۔ ان میں ہر ایک کے لیے علی قدر مراعات اخراجات وغیرہ کا بند و بست کر دیا گیا۔ لشکر خاں ان پورشوں کا باعث ہوا تھا۔ اور اُس نے سجدہ کوشش کی تھی۔ اُس کو خوشاب عنایت کر کے توغ عطا کی۔ اُس کو بھی ہندو بیگ کی کمک کے لیے پھوڑا۔ جو ترک سپاہی اور زمیندار بہترے میں رہے تھے انکی تنخواہیں بڑھا دیں۔ اور اُن کو بھی ہندو بیگ کی مدد کے واسطے مقرر کر دیا۔ ان میں منوچر خان تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ نظر علی ترک تھا منوچر خاں کا قرابتی لشکر خاں ججنوہ اور ملک ہست ججنوہ تھا۔

کابل کی جانب مراجعت | بالفعل صلح کی امید پر اس ملک کا انتظام اسی طرح کر کے اقوار کے دن ربیع الاول کی گیارھویں تاریخ بہرے سے کابل کی طرف مراجعت کی۔ کلدردہ کنار میں آ کر پھیرے۔ اس دن بھی شدت سے مینہ برسا تھا۔ کپنک دار اور غیر کپنک دار برابر تھا۔ لشکر کے پیچھے لوگ رات کو عشا کے وقت منزل پر پہنچے۔

ہائی پہ چڑھائی اور فتح | جن کو اس ملک کا بخوبی حال معلوم تھا علی الخصوص ججنوہ جو کھلکے قدیمی دشمن تھے انہوں نے عرض کی کہ ہائی کھلکے شاید ذات ہے۔ رستہ لوٹ لیتا ہے۔ اور مسافروں کو سخت پریشان کرتا ہے۔ یا تو اُس کو

یہاں سے نکال دیجیے۔ باوری گوشمالی دیجیے۔ اس کام کے لیے دوسرے دن خواجہ میر میراں اور میر تم نامہ کو میں نے لشکر میں متعین کیا۔ اور خود چاشت کے وقت ہانی کے سر کچلنے کے لیے سوار ہوا۔ ہانی کھکر اُسی زمانہ میں تاتار کو مار کر اُس کا ملک پر ہالہ دبا بیٹھا تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ لشکر سے ہم علیحدہ ہوئے اور چلتے چلتے عصر کے وقت ٹھہرے۔ گھوڑوں کو فرشتا اور دانہ کھلا عشا کے وقت وہاں سے چلتے ہوئے۔ ملک ہست کا ایک ملازم سر یا نام کجوری ہمارا رہبر تھا۔ رات بھر چلے اور صبح دم لیا۔ بیگ محمد مغل کو لشکر کی طرف اُلتا پھیر دیا۔ دن نکلے ہم سوار ہوئے۔ چاشت کے وقت جیبہ پن قدم اٹھا کر چلے کوس بھر سے پر ہالہ کا سواد دکھائی دیا۔ فوج درست کیے روانہ کی گئی۔ برنغار پر ہالہ کے مشرق کی طرف گیا۔ فوج بیگ کو جو جرائدار تھا مدد کے لیے اُس کے پیچھے روانہ کیا۔ جرائدار اور قول کی فوج نے پر ہالہ پر دھاوا کیا۔ دوست بیگ کو اُن لوگوں کی کمک کے لیے بھیجا جو پر ہالہ کے زیر دیوار پہنچ گئے تھے۔ پر ہالہ ایسی جگہ پر ہے جہاں چاروں طرف کھڈ اور ٹیلے ہیں۔ شہر کے دوراں تھے ہیں۔ ایک جنوب و مشرقی سمت کے بیچ میں ہے۔ ہم اسی راستہ سے آئے۔ یہ راستہ کھڈوں میں سے ہے۔ اس کے دونوں طرف کھڈ اور ٹیلے ہیں۔ آدھ کوس سے شہر کے دروازہ تک اس راستہ کے کھڈ ایسے پاس پاس ہو گئے ہیں کہ چارپانچ جاؤ تالیسی ہو گئی ہے۔ چنانچہ گز بھر بھی بڑی دیکھ بھال سے رستہ چلا جاتا ہے۔ دوسرا راستہ مغرب اور شمال کے مابین ہے۔ وہ ایک کھلے ہوئے درہ میں سے پر ہالہ تک ہے۔ اور ایک اُٹا ہے۔ ان دونوں کے سوا تیسرا راستہ کسی طرف سے نہیں ہے۔ اگرچہ شہر کی چار دیواری نہیں ہے مگر ایسی قلب جگہ ہے کہ حملہ کرنا بھی دشوار ہے۔ شہر کے گرد سات آٹھ گز چوڑائی میں کھڈ واقع ہیں۔ جرائدار والے ان سکرٹے مقاموں سے نکل دروازہ پر جا پہنچے۔ ہانی نے تیس چالیس سواروں اور بہت سے پیدلوں کے ساتھ ہمارے لشکر کے مقدمہ کا مقابلہ کر کے اُس کو ہٹا دیا۔ دوست بیگ جو پیچھے مدد پر تھا جا پہنچا۔ اور اُس نے زبردست حملہ کیا۔ دشمن کے بہت آدمی گرائے اور اُس کو ہزیمت دی۔ ہانی اُن میں بڑا بہادر مشہور تھا۔ ہر چند اُس نے ہاتھ پاؤں مارے مگر نہ ٹھہر سکا۔ آخر بھاگ نکلا۔ ان کھڈوں میں سے بھاگ کر شہر میں پہنچا۔ اُس کو بھی نہ سنبھال سکا۔ حملہ آور اُس کے پیچھے پیچھے شہر میں گھس گئے۔ آخر ہانی اُس دروازہ سے جو شمال و غرب میں ہے نکل بھاگا۔ یہاں دوست بیگ نے بہت کوشش کی فتح و دست بیگ ہی کے نام پر ہوئی۔ میں اُسی دن پر ہالہ میں آیا۔ تاتار کے مکانوں میں ٹھہرا۔ فوج کی صف بندی کے وقت اُس جمعیت میں سے جس کو اپنے پاس ٹھہرنے کے لیے مقرر کیا تھا

کچھ لوگ حملہ آوروں میں مل گئے تھے۔ ان میں سے امین محمد۔ قراجہ اور ترخان ارغون کو عدول حکمی کی سزائیں ایک گجور رہبر کے ہمراہ لشکر کے سامنے ننگے سر ننگے پاؤں جنگل کی طرف نکلوا دیا۔ دوسرے دن غب و شمال کے مابین والے کھڈوں میں سے نکل ایک خویذار میں قیام ہوا۔ بابوئی خزاہی کو کچھ سپاہیوں سمیت لشکر سے آگے سوہان ندی کی طرف روانہ کیا۔ پنجشنبہ پندرھویں تاریخ مقام اندرانہ میں جو دریائے سوہان کے کنارہ پر ہے خیمہ زن ہوئے۔ یہ اندرانہ ہمیشہ سے ملک ہست کے باپ کے تحت میں تھا ملک ہست کے باپ کو جب سے ہائی نے مارا اُس وقت سے وہ ویران پڑا تھا۔ اور ان دنوں میں بھی اُجاڑ ہی تھا۔ جواہر لشکر کلدہ کنارہ سے رخصت کر دیے گئے تھے وہ بھی عشا کے وقت یہاں آگے گئے۔ ہائی نے جب تاتار کو مار لیا ہے تو پریت نام اپنے قرا بتدار کے ہاتھ ایک گھوڑا مع سامان بطریق پیشکش بھیجا تھا۔ پہلے اُسے حاضر ہونیکا موقع نہ ملا۔ اب پس ماندہ لشکر وغیرہ کے ہمراہ آکر اُس نے ملازمت حاصل کی۔ اور پیشکش گزرائی۔ لشکر خاں بہترہ کی چند قوموں کے ساتھ بعض کاموں کی وجہ سے نیچے رہ گیا تھا۔ اور اب حاضر ہوا تھا اُسکو بھی بھن زمیندار ان بہترہ کے ہمراہ رخصت کیا۔ پھر ہننے کوچ کر دیا۔ دریائے سوہان سے عبور کر کے پشتہ پر منزل کی۔ ہائی کے قرا بتدار پر بت کو خلعت دیا۔ اور ہائی کے نام استمالت کا فرمان لکھ بھیجا۔ اور محمد علی جنک جنک کے ایک ملازم کو اُس کے ساتھ کر دیا۔ ہمایوں کے ملازم جو بابا دوست اور ہلال کے ساتھ نیلاب۔ ہزارہ اور قارلوق (یہ مقامات ہمایوں کو دیدیے گئے تھے) کے داروغہ ہوئے اُسے تھے قارلوق کے ملک سیرا آلو سے قارلوق کو تیس پالیس آدمی سمیت ہمراہ لیکر حاضر ہوئے۔ اُنہوں نے ایک گھوڑا کچم دار نذر کیا۔ اور ملازمت حاصل کی۔ دکنہ زاک افغانوں کا لشکر بھی آیا۔ دوسرے دن وہاں سے کوچ کیا۔ دو کوس پر قیام ہوا۔ ایک اونچے مقام پر سے لشکر کو ملاحظہ کیا۔ حکم دیا کہ اونٹوں کو گنوں۔ پانے آشتی اونٹ تھے۔ درخت سنبل کی تعریف سنی تھی۔ یہاں اُس کو آنکھ سے بھی دیکھ لیا۔ اس پہاڑ کے دامنہ میں سنبل کے درخت بہت نہیں ہوتے۔ کہیں کہیں لگاؤ ہوتا ہے۔ ہندوستان کے پہاڑوں میں ان کی کثرت ہے۔ اور بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ جہاں ہندوستان کے حیوانات اور نباتات کا ذکر آئیگا وہاں ان کا بھی بیان ہوگا۔ یہاں سے نقارہ بجنے کے وقت کوچ کیا۔ چاشت کے وقت سنگد ددا کے کوتل کے نیچے ٹھہرے۔ عصر کے وقت ہم نے کوچ کر دیا۔ درود کوتل سے نکل کر ایک اونچی جگہ اُترے۔ آدھی رات کو وہاں سے چلے۔ بہترہ جاتے وقت جس گھاٹ سے گئے تھے اور وہاں سیر بھی کی تھی

اسی گھاٹ میں ایک جالہ غلہ سے بھرا ہوا رہ گیا تھا۔ اُس کے مالکوں نے بہت کوشش کی مگر
 اُس کو حبش نہ ہوئی۔ اُس میں سے ہم نے غلہ لیکر ہمراہیوں پر تقسیم کیا۔ یہ غلہ بڑے موقع پر ملا۔
 شام کے قریب دریائے کابل اور دریائے سند کے ملنے کی جگہ نیلاب سے نیچے کی جانب ہوتے ہوئے
 دونوں کے بیچ میں اوپر کی طرف اترے۔ نیلاب سے لوگ پانچ چھ کشتیاں لے آئے۔ ہر انفار
 جرانفار اور قوئل میں کشتیاں بانٹ دی گئیں۔ سب نے دریا سے عبور کرنے کی کوشش کی۔
 پیر کے دن تو ہم یہاں پہنچے تھے۔ منگل کی رات سے منگل کے دن چہار شنبہ کی رات
 اور چہار شنبہ کے دن تک اہل شکر اترتے رہے جمعات کو بھی لوگ پار ہوئے۔ پربت (ہائی
 کا قزاق) اور جوناخ اندرانہ سے محمد علی جنک جنک کے ملازم کے ساتھ بھیجا گیا تھا دریا کے
 کنارہ پر آکر باریاب ہوا۔ ہائی کی طرف سے ایک کیچم دار گھوڑا پیشکش لایا۔ نیلاب والے
 بھی ایک گھوڑا کیچم دار لائے۔ اور باریاب ہوئے۔ محمد علی جنک جنک کو بہرے میں رہنے کی
 تمنا تھی۔ بہرے تو ہندو بیگ کو عنایت ہو گیا تھا۔ بہرے اور سندھ کا درمیانی ملک اور قاربوق
 ہزارا۔ ہائی۔ عنایت وال اور کھت قوموں کی حکومت محمد علی کو عطا کی۔ اور حکم دیا کہ جو اعانت
 کرے اُس کو امن دیا جائے۔ جو سربازی کرے اُس کے ساتھ اس شعر کے مضمون پر عمل
 کیا جائے۔ جو اطاعت نہ کرے اُس پر چڑھائی کیجئے۔ جب وہ دب جائے تو پھر اُس کو بھلائی کیجئے۔
 محمد علی جنک جنک کو سیاہ مغل کا تھاقی حبیبہ عنایت کیا اور توغ عطا کی۔ ہائی کے رشتہ دار کو
 رخصت دی۔ تلوار۔ خلعت اور فرمان استمالت اس کے ہاتھ ہائی کو بھیجا گیا جمعات کے دن
 آفتاب نکلے ہی دریا کے کنارہ سے کوچ کیا۔ آج سجون کھائی۔ سجون کے سرور میں اس مقام
 کی عجیب پھلوری کا تماشا دیکھا۔ زمین کے ایک ایک قطعہ پر پھول کھل رہے تھے۔ ایک
 تختہ میں زرد پھول کھلے ہوئے تھے تو دوسرے میں ارغوانی۔ اور کہیں ایسے جیسے افشاں
 کیے ہوئے۔ شکر کے قریب ایک اونچی جگہ۔ بیشک اس دلفریب منظر کی بہار دیکھی۔ اس مہندی
 کے گرد چھ طرفوں میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ نقاشی کی ہوئی ہے۔ اگر ایک تختہ زرد پھولوں کا
 تھا تو ایک ارغوانی کا۔ اور خط اس طرح پڑے ہوئے تھے کہ مسدس کی شکل پیدا ہو گئی تھی۔
 دو طرفوں میں پھول کم تھے۔ غرض جہاں تک آنکھ کام کرتی تھی وہی پھلوری نظر آتی تھی۔
 پشاور کی فوج موسم بہار میں بڑی گلزار ہوتی ہے۔ صبح اُس منزل سے چلے۔ دریا کے
 کنارہ کے راستہ سے ایک شیر درختا ہوا نکلا۔ شیر کی آواز سننے ہی گھوڑے بچل گئے چاروں
 طرف بھاگنے لگے۔ اور کھڑے ہوئے۔ غیبہ میں گرنے لگے۔ شیر جھاڑی میں گھس گیا میں نے
 حکم دیا کہ بھینس کو جنگل میں باندھو اور شیر کو بٹا لو۔ لوگوں نے یہی کیا۔ شیر پھر درختا ہوا نکلا۔

چاروں طرف سے تیروں کی بھرا ہونے لگی۔ میں نے بھی ایک تیر مارا۔ جاگو پیادہ نے جو
 برچھا مارا تو شیر نے سان کو دانتوں سے چبا ڈالا۔ شیر بے شمار تیر کھا کر بھاگا اور ایک بھٹ
 میں جا چھپا۔ بابا بساول تلوار سونت اُس کے پاس پہنچا۔ حملہ کرنے میں شیر کے سر پر گر پڑا پھر
 علی سیستانی نے شیر کی کمر میں تلوار کا ایک ہاتھ دیا۔ شیر اُچھل کر دریا میں کود پڑا۔ دریا
 میں سے اُس کو نکالا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کی کھال الگ کر لو۔ دوسرے دن کو بیچ کیا اور
 بگرام میں آئے۔ کور کھتری کی سیر کی۔ یہ ایک چھوٹا سا معبد ہے۔ دروازہ سے اندر گھسکر
 دو ایک سیڑھیاں نیچے ایک آدمی کے لیٹ جانے کی جگہ ہے۔ اندھیرا ایسا کہ بغیر روشنی کے
 قدم نہ رکھا جائے۔ اس مکان کے باہر ارد گرد بے شمار ڈاڑھی مونچھ منڈے پڑے رہتے
 ہیں۔ اس کے اطراف میں ایسے حجرے بنے ہوئے ہیں جیسے مدرسوں اور مسافرخانوں میں
 ہوتے ہیں۔ جب اڈل سال کابل میں آنے کے بعد کھت اور بنو دشت پر چڑھائی کی تو کراچ
 اور ترکمان کی سیر کا اتفاق تو ہوا تھا مگر کور کھتر نہ دیکھا تھا۔ کور کھتر نہ دیکھنے کا افسوس تھا۔
 اب دیکھا کہ قابل دید مقام نہیں ہے۔ آج ہی میری عمدہ بھری جاتی رہی شیخ میر شکار کے
 ہاتھ پر تھی۔ شنگ اور شنگ کو مزے سے کھڑتی تھی۔ دو تین دفعہ کمر بڑھ چکی تھی کیوں
 نہ جاتی۔ میں نے بھی تو ایک بیہوش آدمی کو میر شکار کر دیا تھا۔ دلہ زاک افغانوں کے
 پوتھا ند ملک ترخان اور ملک موسیٰ کے ساتھ تھے اُن میں سے چھ سرداروں کو سو سو مثقال
 چاندنی۔ ایک ایک تھان جامہ وار۔ تین تین گائیں اور ایک ایک بھینس فی آدمی ہندوستان
 کی موفات دی۔ اوروں کو بھی اعلیٰ قدر مراتب زرو کپڑے۔ گائیں اور بھینس عنایت کیں۔
 علی تجہ نے پہنچے تو یعقوب خیل دلہ زاک میں سے معروف نام ایک سردار نے چالیس دے۔
 زونگوں چانول کی اور آٹھ بکرے مذکیعہ علی مسجد سے بدھ پیر میں آئے۔ وہاں سے جوئے شادی
 میں ظہر کے وقت آکر اترے۔ اُسی دن دوست بیگ کو تپ محرقہ لاق ہوئی۔ جوئے شادی سے
 دوسرے دن روانہ ہوئے۔ دو پہر باغ و فانیں گزاری۔ ظہر کے وقت باغ وفا سے چل کھڑے
 ہوئے۔ دریا کے گندمک سے پار ہو شام کو ایک خید زار میں گھوڑوں کو سستایا۔ دو تین گھڑی
 کے بعد سوار ہو سرخاب سے نکل مقام گزنگ میں پہنچے۔ رات کو سو رہے۔ صبح ہونے سے پہلے
 سوار ہو گئے۔ جہاں سے قرآ کو راستہ پھٹتا تھا وہاں سے میں پانچ چھ آدمی ساتھ لے جو
 باغ میں نے قرآ تو میں بنایا تھا اُس کی سیر کرنے گیا۔ خلیفہ اور شاہ حسین بیگ غیر کو سید
 راستہ سے روانہ کیا کہ قاروق سائی میں توقف کریں۔ جس وقت ہم قرآ تو میں پہنچے اُس
 وقت معلوم ہوا کہ شاہ بیگ ارغون پھر گیا۔ اور اُس کے ملازم قبریل نے خیبر کا ہان کو

تاخت و تاج کر دیا۔ میرا حکم تھا کہ مجھ سے پہلے میرے آنے کی کوئی خبر نہ کرے۔

کابل میں داخل ہوئے

ظہر کا وقت تھا جو میں کابل میں داخل ہوا جب تک قتل قدم کے چل پر پہنچے ہیں کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ اس کے بعد بیویوں اور کامران کو خبر ہوئی۔ اُن کو موقع نہیں ملا کہ فوراً سوار ہوا اور اپنے آدمیوں کو ساتھ لے شہر کے باہر آجائے۔ شہر اور ارک کے دروازوں کے بیچ میں آکر لے۔ عصر کے وقت قاسم بیگ اور قاضی شہر وغیرہ ملازم جو کابل میں تھے حاضر خدمت ہوئے۔ جمعہ غرہ ربیع الاول کو شہر کی مجلس منعقد ہوئی۔ شاہ حسین کو میں نے خلعت خاص عنایت کیا۔ ہفتہ کے دن صبح کشتی میں بشمک صبحی پی۔ اس جلسہ میں نور بیگ نے عود بجایا۔ اس زمانہ میں میں تائب نہ تھا۔ ظہر کے وقت کشتی سے اُترا۔ اور اُس بلغ کی سیر کو گیا جو میں نے گلکتنے میں پہاڑ کے درمیان میں بویا ہے۔ اس کی سیر کر کے عصر کے وقت باغ بنفشہ میں آگیا۔ پانچویں تاریخ شنبہ کی رات کو دوست بیگ نے جس کو راستہ میں شدت کا بخار چڑھا تھا انتقال کیا۔ مجھے بہت ہی رنج اور صدمہ ہوا۔ اُس کا جنازہ بڑی دھوم سے اٹھا۔ روضہ سلطان کے دروازہ کے پاس دفن کیا۔ وہ بڑا عمدہ سپاہی تھا۔ ابھی مرتبہ امیری پر پہنچا تھا۔ اس سے پہلے جب وہ امیر نہ تھا اور شیخ دست تھا اُس نے کئی عمدہ خدمتیں انجام دی تھیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ میں رباط قاروق میں تھا جو اندجان سے ایک فرسنگ پر ہے۔ وہاں جب سلطان احمد تنبل نے عجم پر بخون مارا تو میں نے دس پندرہ آدمیوں سے اُس کی اگلی فوج کو مار کر ہٹا دیا۔ اور جس وقت میں اُس کے قول تک جا پہنچا جس میں تھینا سو آدمی تھے اُس وقت میرے ساتھ تین آدمی رہ گئے۔ ایک دوست ناصر۔ دوسرا میرزا قلی اور تیسرا کریم داد۔ میرے پاس صرف تین تیر تھے تنبل مع ایک آدمی کے ایک مکان کے فاصلہ سے آگے کھڑا تھا۔ میرا اور اُس کا سامنا ہوا۔ میں نے اُس کے دو بلغم میں ایک تیر مارا۔ دوسرا تیر اور اُس کے سر کو تاک کر لگایا۔ اُدھر سے بھی ایک تیر آیا جو میری گردن کے پاس سے نکل گیا۔ تنبل نے میرے سر پر ایک تلوار کا ہاتھ مارا عجیب تماشہ ہوا۔ میرے سر پر دو بلغم کی طاقی تھی۔ اُس کا تو ایک تار نہ کٹا اور میرے سر پر کاری زخم لگا۔ نہ اُس وقت کسی نے میری مدد کی۔ نہ کوئی میرے ساتھ تھا۔ مجبوراً میں نے گھوڑے کی باگ پھیری۔ اُس وقت میرے پیچھے دوست بیگ تھا۔ تنبل نے مجھے چھوڑ کر اُس کے تلوار بازی۔ دوسری بار آخشی میں یہ موقع ہوا کہ جب لڑا بھڑکا میں آخشی سے نکلا اور میرے ساتھ فقط آٹھ آدمی رہ گئے تو ایک اُن میں یہ بھی تھا۔ دو آدمیوں کے بعد دوست بیگ کو بھی دشمنوں نے گرا دیا تھا۔ امیر ہونے کے زمانہ میں بھی جب سو نچک تھاں سلاطین کے ہمراہ تاشکند میں

احمد قاسم کے مقابلہ پر آیا ہے تو اُس موقع پر بھی اُس نے جان لڑا دی۔ اور دشمنوں کو زیر کر کے اُن میں سے صاف نکل کر شہر میں آ گیا۔ پھر جب احمد قاسم بے آنکھ اُس کو خبر کرے شہر کو چھوڑ کر بھاگ گیا تو وہاں سے بھی یہ دشمنوں کو مارا ہوا عجمی سے نکل آیا۔ شیرم طغائی اور مرید جس زمانہ میں باغی ہوئے ہیں اور غوثی سے ایذا کر کے آئے ہیں تو ان مغلوں نے تین سے چار سے آدمی دوست بیگ کے مقابلہ کے لیے بھیجے۔ دوست بیگ نے شردکان کے مقام پر اس فوج کو بھاری شکست دی۔ بہت سوں کو قتل کیا اور بہت سوں کے سر کاٹ لایا۔ بجز کے قلعہ پر بھی دوست بیگ دو تین آدمیوں سمیت سب سے پہلے چڑھا ہے۔ پھر ہالہ میں بھی دوست بیگ ہی نے ہائی کو نوک دم بھگایا۔ اور پھر ہالہ فتح کر لیا غرض دوست بیگ کے مرنے کے بعد اُس کی جاگیر اُس کے چھوٹے بھائی میرم ناصر کو میں نے عطا کی۔ جمعہ کے دن ربیع الاول کی آٹھویں کو قلعہ سے چار باغ میں آیا۔ سہ شنبہ بارھویں تاریخ سلطان حسین میرزا کی بڑی بیٹی اور سلطان بیگم جو ان جھگڑوں میں خوارزم میں قلعوں کا بل میں آئیں۔ باغ خلوت میں اُن کو اُتروایا۔ اُنہوں نے اُن کے بعد میں اُن سے ملا۔ بڑی بہن تھیں۔ تعظیماً میں نے زانو مارا۔ اُنہوں نے بھی زانو مارا۔ پھر اسی فائدہ سے ملتا رہا۔ اتوار کے دن سترھویں تاریخ بابا شیخ نکمچرام کو جو مدت سے قید تھارہا کر دیا۔ اُس کے گناہ معاف کر دیے اور خلعت عطا کیا۔ منگل کے دن ۱۹ تاریخ دوپہر کو خواجہ سیار ان کی سیر کے لیے میں سوار ہوا۔ آج میں روزہ سے تھا۔ یونس علی غیر کو تعجب ہوا۔ کہنے لگے کہ منگل کا دن اور حضور کو روزہ ہے! یہ عجیب بات ہے! مقام ہزار دی میں آیا اور وہاں کے قاضی کے ہاں اُترا۔ رات کو جلسہ کی پٹری۔ قاضی نے عرض کیا کہ میرے مکان میں کبھی ایسی مجلس نہیں ہوئی۔ یو آپ بادشاہ ہیں۔ آپ کو اختیار ہے۔ گو جلسہ کے اسباب جتیا ہو گئے تھے مگر قاضی کی خاطر سے شراب کا شغل موقوف کر دیا گیا۔ جمعرات کے دن اکیسویں تاریخ اُس پہاڑ کی بینی گاہ میں جس میں باغ تیار کر لیا ہے ایک چو ترہ بننے کا حکم دیا۔ جمعہ کے دن پُل کے اوپر سے جالہ میں بیٹھے۔ جب ہم چڑھی رول کی بستی کے پاس پہنچے تو اُنہوں نے ایک جانور دیکھا جو کچھ اٹھا ہٹ گیا۔ میں نے دیکھ کر کبھی نہ دیکھا تھا۔ نئی صورت کا جانور ہے۔ ہندوستان کے جانوروں کا جہاں بیان ہوگا وہاں اس کا بھی ذکر ہوگا۔ ہفتہ کے دن تیسویں کو چو ترے کے گرد چٹا اور بال کے درخت لگائے گئے۔ تیسرے پہر شراب نوشی کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن صبح کو اسی چو ترے پر صبحی اُڑائی۔ یہاں سے خواجہ حسن ہوتے ہوئے کابل چلے خواجہ حسن میں نشہ کی زیادتی

ذرا سورا ہے۔ خواجہ حسن سے آدھی رات کو چار باغ میں آگئے۔ راستہ میں عبداللہ کپڑوں سمیت
 دریا میں کود پڑا۔ چونکہ رات تھی اس لیے سردا گیا۔ اور آنہ سکا۔ رات کو قتلِ خواجہ کے
 پل پر رہ گیا۔ دوسرے دن کل کی بے اعتدالی سے متنبہ ہو کر توبہ توبہ کرتا ہوا آیا۔ میں نے
 کہا کہ ابھی توبہ نہجہ سکے یا نہجہ سکے اس واسطے ایسی توبہ کر کہ سوائے ہماری صحبت کو
 اور کہیں شراب کو ہاتھ نہ لگا۔ کئی مہینے تک تو ایسا ہی کرتا رہا۔ پھر یہ توبہ بھی ٹوٹ گئی۔ پیر کے
 دن پچیسویں تاریخ ہند وہیگ (جس کو بہترے میں صلح کی امید پر یونہی سائبند و بست
 کر کے چھوڑا تھا) چلا آیا۔ معلوم ہوا کہ فریقِ ثنائی نے صلح کی بات نہ سنی۔ وہ مجھے خاطر میں
 نہ لایا اور میری بات اس کان سُنی اُس کان اُڑا دی۔ وہاں سے میرے پلٹے ہی بہت سے پٹھان
 اور ہندوستانی جمع ہو ہند وہیگ پر چڑھائی کرنے بہترے کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں کے
 زمیندار بھی ہٹھانوں کے ساتھ ہو گئے۔ ہند وہیگ بہترے میں نہ ٹھہر سکا۔ خوشاب چلا آیا۔
 دیکوٹ کے علاقہ میں سے ہوتا ہوا نیلاب آیا اور وہاں سے کابل میں آ گیا۔ سکتو کے بیٹی بوہندہ
 اور چند ہندوؤں کو بہترے سے پکڑ لایا تھا۔ ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔ بلکہ انکو خلعت گھوڑے
 اور انعام دیکر رخصت کر دیا۔ جمعہ کے دن دسویں تاریخ یدن میں حرارت سی معلوم ہوئی۔ میں نے
 فصد کھلوا ڈالی۔ ان دنوں میں دوسرے تیسرے دن بخار ہو جاتا تھا۔ ہر بار بخار چڑھنے کو
 بعد جب تک پسینہ نہ آجاتا تھا تب نہ اُترتی تھی۔ دس بارہ دن کے بعد خواجہ نے مرکب
 شربت تیار کیا۔ دو ایک خوراکیں ہیں۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اتوار کے دن جمادی الاول کے
 تیرمہوں کو خواجہ محمد علی خوست سے آیا۔ ایک گھوڑا مع زین نذر کیا۔ تصدیق کے لیے کچھ نقد بھی
 پیش کیا۔ محمد شریف بنجم اور خوست کے میرزا بھی محمد علی کے ہمراہ آئے۔ انہوں نے بھی ملازمت
 حاصل کی۔ دوسرے دن پیر کو ملائیکہ کا شجر سے آیا۔ ملائیکہ جان سے کا شجر ہوتا ہوا کابل میں آیا
 ہے۔ پچیسویں تاریخ پیر کے دن ملک شاہ منصور یوسف زئی مع چند سرداران یوسف زئی
 سوات سے آیا۔ ان سب کو خلعت عنایت کیے۔ ملک شاہ منصور کو جامہ قماشِ مکہ دار۔ ایک
 جامہ قماشِ پلکھ دار اور چھ کو جامہ قماش دیکر رخصت کیا۔ یہ تو بھیری ہوئی ہے کہ الودھ بالہ
 سے کوئی سوات میں دخل نہ دے اور ماسی رعایا کو اپنے سے علیحدہ کر دیں۔ اب یہ قرار پایا کہ
 جو افغان بچور اور سوات میں زراعت کریں وہ چہ ہزار گونیں وہان کی دیوانی میں داخل کریں۔
 تیسری تاریخ چار شنبہ کہیں نے مسہل لیا۔ پیر کے دن آٹھویں کو خلیفہ کی بڑی بیٹی کے ساتھ
 قاسم بیگ کے چھوٹے بیٹے حمزہ کی رسمِ ساجت ادا ہوئی۔ اُس نے ایک ہزار شاہرخ دی۔ اور
 ایک گھوڑا مع زین دیا۔ نہ شنبہ کو شاہ حسین بیگ نے مجلسِ شراب کی اجازت چاہی کچھ لہرا

(جیسے محمد علی وغیرہ) کو اپنے مکان پر لے گیا۔ یونس علی اور کدائی طفائی میرے پاس رہے۔ مجھ ابھی پر ہینر تھا۔ میں نے کہا کہ کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ میں تو ہشیار رہا ہوں اور اور متوالے ہو گوں۔ میں خالی رہا ہوں اور دوسروں نے شراب پی ہو۔ آؤ میرے ہی پاس جلسہ کرو۔ میں بھی یہ تماشا دیکھوں کہ مستوں اور ہشیاروں کا میل جول کیونکر ہوتا ہے۔ چار باغ کے دروازہ میں جانبِ شرق و غرب ایک صورت خانہ بنایا گیا تھا۔ انہیں ایک خانہ سفید بنایا تھا۔ کبھی کبھی میں اُس میں بیٹھا کرتا ہوں۔ وہیں یہ مجلس منعقد ہوئی۔ عنایت مسخرہ بھی آیا۔ کئی بار ہنسی سے اُس کو باہر نکلوا دیا آخر نکلتا ہوا محفل میں آ گیا۔ محمد قچاق اور ملا کتابدار کو بھی بلالیا۔ یہ بیباکی اُسی وقت کہ کمر شاہ حسین اور اہل مجلس کے پاس بھیجی تھی۔

احباب کہ بزمِ مید انگستاں خوش طوؔ بوقِ اُمیدی الا بزمِ اِزادِ ستور
اولِ جمعہ اگر حضور و جمیعتِ نورؔ لشکرِ توحیدِ جمعِ بیحضورِ امرِ ماسِ تور
(ترجمہ) ”دوستوں کی بزمِ گلستانِ حسن ہے۔ لیکن مجھے اس بزم میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر اُس مجمع میں حضوری اور جمیعت ہے تو شکر ہے کہ یہاں بھی بے حضور نہیں ہیں۔“ یہ رباعی امر اہم چہرہ کے ہاتھ بھیجی۔ دو نمازوں کے درمیان تک اس بزم کے لوگ پی پلا متوالے ہو چلتے بنے۔ اس علالت کے زمانہ میں تختِ رواں پر سوار ہو کر میں پھر تار ہا۔ اس سے کچھ دن پہلے شرابِ مزوج پی گئی تھی۔ فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دی تھی۔ کسی قدر نفارت باقی تھی کہ دریائے رحمت پر غروب و جنب کی طرف ایک سیب کے درخت کے نیچے جلسہ منعقد ہوا۔ میں نے شرابِ مزوج پی جمعہ کے دن بارہویں تاریخ احمد بیگ اور دولہائی جو کمک کے لیے۔ جو میں تھے حاضر ہوئے۔ بدھ کے دن سترھویں تاریخ حیدر تھی کے باغ میں سنگری بر دی وغیرہ امرانے جلسہ کیا۔ میں نے بھی اُس میں شریک ہو کر شراب پی۔ عشا کے وقت وہاں سے اُٹھے اور بڑے سفید مکان میں آئے۔ وہاں بھی کچھ پی جمعات کے دن پچیسویں تاریخ ملا محمود سے فقہ کا سبق شروع ہوا۔ منگل کے دن سلخ کو شاہ شجاع ارغون کے پاس سے ابوسلم کو کلتاش ایچی ہو کر آیا۔ ایک پیچاق پیشکش لایا۔ آج ہی یوسف علی رکابدار باغِ چار کے حوض میں تیرا۔ تقریباً سو بار تالیان بجاتا رہا۔ اور ادمہ سے ادمہ۔ ادمہ سے ادمہ تیرتا ہوا آتا جاتا رہا۔ انعام میں اُس کو خلعت اور گھوڑا زین سمیت عطا ہوا۔ رجب کی آٹھویں تاریخ بدھ کے دن شاہ حسین کے ہاں جا کر میں نے شراب کا شغل کیا۔ اکشر مصاحب اور امر اہم ساتھ تھے یہفتہ کے دن گیارھویں تاریخ جلسہ ہوا۔ عصر اور مغرب کے مابین بڑے کبوتر خانہ کی چھت پر بیٹھے اور شراب کا دو چلا۔ شام کو دیکھا کہ کچھ ترک سہار

پٹھانوں کے گاؤں سے چلے آتے ہیں اور شہر کی طرف جا رہے ہیں تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ درویش محمد ساربان ہے جو میرزا خان کے پاس سے ایلچی ہو کر آیا ہے۔ کوٹھے پر سے اُسے بلایا گیا اور کہلا بھیجا کہ سفارت کے قاعدوں اور قرینوں کو چھوڑ کر بے تکلفانہ چلا آ۔ درویش فوراً چلا آیا۔ تار تلیق کر کے شریک صحبت ہوا۔ وہ اُس زمانہ میں صوفی تھا۔ کچھ کھانا پیتا نہ تھا۔ جب تک نشہ کا ابھار نہ ہو لیا یہیں پیتے رہے۔ دوسرے دن دربار میں قاعدہ اور قرینہ سے درویش محمد حاضر ہوا۔ میرزا خان نے جو پیشکشیں بھیجی تھیں گزرائیں۔ اگلے سال بڑی کوشش سے اور بہت وعدوں سے اُدھر کی قوموں وغیرہ کو کابل میں لایا گیا تھا۔ کابل ایک جھوٹی سی جگہ ہے۔ مختلف قوموں اور متعدد مویشی کے لیے قشلاق و ایلاق وہاں نہیں ہو سکتا۔ اگر جنگلی قوموں کو ان کی خوشی پر چھوڑ دیا جائے تو ایک بھی کابل میں نہ رہے۔ اسی لیے ایماق و تازک نے قندز اور بغلان کی طرف جانے کے لیے قاسم بیگ کی منت سماجت کی اور اُسی کے وسیلہ سے درخواست دی۔ آخر قاسم بیگ نے بڑے اصرار سے اُن لوگوں کے قندز اور بغلان جانے کی اجازت حاصل کی۔ حافظ خیر کاتب کا بڑا بھائی سمر قندز سے آیا ہوا تھا۔ انہی دنوں میں اُسے رخصت کیا۔ پولاد سلطان کو اُس کے ہاتھ اپنا دیوان بھی میں نے بھیجا۔ اُسکی پشت پر یہ قطعہ لکھ دیا۔ قطعہ

اول سرو نیک حرکت نہ کرتا سنک اے باؤ پر کیل تو ہجرتہ سدیدن ما کو کیلنکا

رضم ایلامان سا غینما یائی باورنی یار امید سافغانی خداے بے پولاد کو نکلک کا

یعنی ”اے صبا میں اُس سرو سے بہت خوش ہوں۔ اگر تو اُس پاس جائے تو اُسکو اس خستہ ہجر کی یاد دلاؤ۔ اُس نے ترس کھا کر کبھی بابر کو یاد نہ کیا۔ امید ہے کہ خدا اُس کے فولادوں کو نرم کر دے۔“ جمعہ کے دن سترھویں تاریخ محمد زمان میرزا کے پاس سے شاہ فرید کوکلتاش کچھ تصدیق اور ایک گھوڑا نذر کیلیے لایا۔ آج ہی شاہ بیگ ارغون کے سفیر ابو مسلم کوکلتاش کو خلعت انعام دیکر رخصت کیا۔ خواجہ محمد علی اور ننگری بردی کو بھی اُن کے علاقوں خوست اور اندراب میں جانے کی اجازت دی جمعات کے دن تیسویں تاریخ محمد علی جنگینک جس کو نواح کچھ کوٹ اور قار بوق کا حاکم کیا تھا حاضر ہوا۔ شاہ حسین (میرزا بلوی قار بوق کا بیٹا) وغیرہ اس کے ہمراہ تھے۔ آج ہی ملا علی خان جو اپنے ہاں بچوں کو لانیلے لیے سمر قندز گیا تھا آیا۔ اور اُس نے ملازمت حاصل کی۔

عبدالرحمن افغان پر چڑھائی | عبدالرحمن افغانوں کا سرغنہ کردیز کی سرحد پر رہتا تھا۔ محصول وغیرہ سیدھے ہاتھوں نہ دیتا تھا۔ اور

اُس طرف سے آنے جانے والوں کو ستا تا بھی تھا۔ بدھ کے دن اُنٹیویں تاریخ اُسکے انتظام کے واسطے اُدھر جانے کا ارادہ کیا۔ منک اور عجمان کی نواح میں جا کر ہم اترے۔ وہاں سے ظہر کے وقت آس کھا کر روانہ ہوئے۔ رات کو راستہ بھول گئے مشرق اور جنوب میں مقام شہنہ کے اُس طرف پہاڑوں اور جنگلوں میں جا پھنسے۔ بڑی سرگردانی اور پریشانی اُٹھائی۔ بہت دیر کے بعد راستہ ملا۔ نماز کے وقت چشمہ تیرہ کے پہاڑ سے براہ درہ بافتش یق کر دیز کی جانب باہر نکلے۔ اور میدان میں آئے۔ فوج کی ٹولیاں آگے روانہ کیں۔ ایک ٹولی کوہ کریاس کی جانب جو کر دیز سے مشرق و جنوب میں ہے گئی۔ اسکے پیچھے خسرو میرزا قلی اور سید علی کو قول کے دست راست والوں میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ کر کے چلتا کیا۔ بہت سے اہل لشکر نے کر دیز کے مشرق کی طرف میدان سے اوپر کے رخ حملہ کیا۔ ان کے پیچھے سید قاسم ایشک آقا۔ میر شاہ قوچین۔ قیام۔ ہندوبگ یققل قدم اور حسین کوح اُنکے ہمراہیوں کے بھیجا۔ چونکہ بہت سا لشکر میدان کے اوپر کی جانب چلا گیا تھا۔ اُنکے چلنا کرنے کے بعد میں بھی سب کے پیچھے چلا۔ اس میدان کے اوپر کی جانب جانے والے بہت دور تھے اور ان کے گھوڑے ٹھک گئے تھے اس سبب سے اُنکے ہاتھ کچھ نہ لگا۔ انہیں چالیس پچاس افغان جنگل میں نمودار ہوئے۔ جو لوگ پیچھے گئے تھے انہوں نے ان کا ذرا خیال نہ کیا۔ میں دوڑا۔ میرے پیچھے سے پہلے حسین ایک ہیو وہ طور سے اکیلا گھوڑا دوڑا اُن افغانوں میں جا گھسا۔ یہ تلوار کو میان سے نکالتا ہی رہا کہ افغانوں نے تیر مار کر اسکے گھوڑے کو گرا دیا۔ اور اس کے اُٹھتے اُٹھتے پاؤں میں تلوار کے ہاتھ مارا سکو گرا دیا۔ پھر چاروں طرف سے چھروں اور تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ ہمارے امرا دیکھتے رہے کسی نے مدد نہ کی۔ جب مجھے معلوم ہوا تو کہ اتنی طغائی۔ پایندہ محمد قیلان۔ ابوالحسن قورچی اور موسیٰ آنکھ اور اچھے اچھے جوانوں کو جلوریز آگے روانہ کیا۔ اور خود بھی دوڑ پڑا۔ پہلے موسیٰ آنکھ نے ایک افغان کو نیزہ سے مار کے گرایا اور اُس کا سر کاٹ لیا۔ ابوالحسن قورچی بے سامان تھا مگر اُس نے جھپٹ کر بڑی خوبی سے افغانوں کا آگاہ گھیرا۔ گھوڑا لپکا ایک افغان کے تلوار ماری۔ اور اُس کا سر کاٹ لیا۔ اس کے تین زخم لگے۔ اور گھوڑے کے ایک زخم آیا۔ پایندہ محمد قیلان بھی خاصا بیچا۔ ایک کو تلوار سے مارا اُس کا سر کاٹ لایا۔ اگرچہ ابوالحسن اور پایندہ محمد قیلان کی خوبیاں اس سے پہلے معلوم تھیں لیکن اس یورش میں انہوں نے اپنی کارگزاری بہت ظاہر کی۔ غرض یہ چالیس پچاس افغان یہیں تیر تیغ ہو گئے۔ سب کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑ گئے۔ ان کے قتل ہو جانے کے بعد ایک خود توار میں اُترے۔ میں نے

حکم دیا کہ ان مقتولوں کے سروں کا منارہ چُن دو۔ جب ہم راستہ پر آنکے تو وہ مرا بھی آگے بڑھیں گے ہمراہ تھے۔ میں اُن پر بہت غصہ ہوا۔ میں نے کہا کہ اتنے لوگ کھڑے دیکھتے رہے۔ غور سے سے پیدل افغان تھے۔ میدانِ زمین تھی۔ تم نے ایسے جوانوں کو ضائع کر دیا۔ تم اس قابل ہو کہ تمہارے درجے گھٹا دیے جائیں۔ تمہاری جاگیریں ضبط کر لی جائیں اور تمہاری ڈاڑھیاں سُنڈوا کر شہر کرائی جا کے تاکہ پھر کوئی ایسے جوانوں کو یوں دشمنوں میں نہ گھروائے۔ جو ایسی میدانِ زمین میں دانستہ ہاتھ پاؤں چھوڑے کھڑا رہے اُس کی بھی سزا ہے۔ جو فوج کوہ کریاس کی طرف گئی تھی اُس میں سے بابا قشقہ کی ایک افغان سے مشہور ہوئی۔ جو وہی افغان نے تلوار کا ہاتھ مارا وہی بابا قشقہ نے قائم رہ کر ایک تیرہ ماہ کے اُسکا کام تمام کر دیا۔ دوسرے دن یہاں سے ہم کابل کی جانب چلے۔ محمد نجفی۔ عبدالغزنیہ خور اور میر خور و بکاول کو حکم دیا کہ چشمہ تریں سے کوئی قرغاول پکڑو۔ میں خود چند آدمیوں کے ساتھ میدانِ رستم کے راستہ سے جس کو میں نے کبھی دیکھا نہیں تھا روانہ ہوا۔ میدانِ رستم کو ہستان میں ایک پہاڑ کی چوٹی کے قریب واقع ہے۔ کچھ بہت اونچی جائے نہیں ہے۔ دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک میدان ہے۔ اس کے جنوب کی طرف پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹا سا چشمہ ہے۔ بڑے بڑے درخت بھی ہیں۔ جو راستہ گردن سے اس میدان کی طرف آتا ہے اُس میں کثرت سے چشے اور درخت ہیں۔ یہ درخت چھوٹے چھوٹے ہیں۔ اگرچہ یہ مقام بہت چھوٹا ہے مگر اس کے آخر کی جانب نہایت شاداب ایک سبزہ زار ہے۔ میدانِ رستم کے اسی جنوبی پہاڑ پر ایک بہت صاف مقام ہے۔ جہاں سے کوہستان کرباس اور کوہستان بگلش نیچے معلوم ہوتے ہیں۔ اس ملک میں اگر برسات نہیں ہوتی تو پانی بھی کہیں نہیں ہوتا۔ فجر کے وقت ہم ہوئی میں آ کر اترے۔ دوسرے دن وہ محمد آقا کی نواح میں ٹھہرا ہوا۔ مجھ کو کھائی۔ پھلیاں پیرنے کی دو دریا میں ڈالکر پھلیاں پکڑیں۔ اتوار کے دن تیسری شعبان کو کابل میں آگئے۔ مشکل سے پانچویں تاریخ درویش محمد فیصلی اور خسرو کے آدمیوں سے نیلاب کی کیفیت دریافت کی۔ جن لوگوں نے کوتاہی کی تھی تحقیقات کے بعد اُن کے درجے گھٹا دیے۔ ظہر کے وقت درختوں کے نیچے سے نوشی کی محفل ہوئی۔ بابا قشقہ محل کو خلعت اور انعام عطا ہوا۔ جمعہ کے دن آٹھویں تاریخ ماہِ مکہ جو میرزا خان پاس گیا تھا آیا۔

خواجہ سیار ان کی سیر | جمعرات کے دن میں مصاحبوں سمیت خواجہ سیار ان کی سیر کے لیے سوار ہوا۔ عشاء کے وقت ہم بابا خاتون میں پہنچے۔ دوسرے دن استائف میں اُترے۔ اُس دن ہجون کا استعمال ہوا۔ جمعہ کے دن استائف میں شراب کا جلسہ ہوا۔

دوسرے دن استائف سے چلے۔ ورہ سجد سے نکل کر جس وقت خواجہ سیاراں میں پہنچے ہیں اُس وقت ایک بڑے سانپ کو مارا۔ اس کی صفاست کلائی سکے برابر اور لمبائی آدمی کے قد کے برابر ہوگی۔ اس سانپ کے پیٹ میں ایک چھوٹا سانپ نکلا۔ شاید اُس نے اس کو ابھی کھایا ہو۔ اس چھوٹے سانپ کے سارے اعضاء درست تھے۔ یہ سانپ تھا تو چھوٹا پر اس کے پیٹ میں سے بڑا چوہا نکلا۔ چوہا بھی جیسے کا تیا تھا۔ خواجہ سیاراں میں آنکڑ بزم شراب آرہا تھا۔ اُدھر کے سرداروں کو کنجلیہ لونقطار کے ہاتھ اس مضمون کے فرمان بھیجے گئے کہ لشکر آتا ہے۔ تیار ہو کر حاضر ہو۔ دوسرے دن سوار ہوئے اور سجون کھائی گئی۔ دریائے بردان کے پاس پہنچے تو اگلے دن کی طرح مچھلیاں پکڑنیکی دوا ڈالی۔ اور مچھلیاں پکڑیں۔ میر شاہ بیگ نے آتش حاضر کی اور گھوڑا نذر کیا۔ وہاں سے چلے اور گلبہار میں پہنچے۔ مغرب کے بعد شراب کا جلسہ ہوا۔ ان صحبتوں میں درویش محمد ساربان شریک ہوتا تھا۔ تھا تو جوان اور سپاہی لیکن شراب نہ پیتا تھا۔ صوفی تھا۔ قلیق خواجہ کو کلتاش بدلت سے سپاہگرمی کو چھوڑ فقیر ہو گیا تھا۔ اُس کی عمر بہت تھی۔ اور اُس کی ڈاڑھی سفید ہو گئی تھی۔ با اینہم ہمیشہ جلسوں میں شراب پیاکرتا تھا۔ میں نے درویش محمد سے کہا کہ خواجہ کی سفید ڈاڑھی کی شرم تو نہیں کرتا۔ وہ توفیقہ بوڑھا اور سفید ریش ہو کر ہمیشہ شراب پیے اور اسکے کیا معنی کہ ماشاء اللہ تو سپاہی گبر و اور سیاہ ریش ہو کر مٹنے نہ لگائے۔ چونکہ میرا قاعدہ اور طریقہ یہ نہ تھا کہ جو شخص نہ پیتا ہو اُس پر زبردستی کروں اس لیے اتنا ہی ہنسی سے ہلکے چپ ہو رہا۔ اس کے دوسرے دن صبح کو صبحی پی بچاڑنے کو گلبہار سے کوچ ہوا۔ میوہ خاتوں کے گاؤں میں پہنچے۔ اور ہم زرگر کے باغوں میں ڈیرے ہوئے۔ ظہر کے بعد شراب کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن خواجہ خان سعید کے مزار کی زیارت کی۔ جیبہ تور غانی سے جالہ میں سوار ہوئے۔ جہاں دریائے پنجہر ملتا ہے وہاں سے جالہ نکلتے ہی ایک پتھر سے ٹکرا کر ڈوبنے لگا۔ اور جب جالہ پہاڑ پر پہنچا تو روح دم۔ تنگہ سی قلی اور میر محمد جالہ بان دریا میں گرے۔ روح دم اور تنگہ سی قلی کو بڑی مشکل سے نکالا اور جالہ میں بٹھایا۔ ایک صبی کا پیالہ۔ چیمہ اور دائرہ دریا میں گر پڑا۔ یہاں سے چلتے چلتے سنگ بریدہ کے پاس پہنچے تو نہ معلوم کسی شلخ سے یا کسی کھونٹے سے جالہ ٹکرایا۔ شاہ حسین بیگ ایک فوجی اوندھا ہو گیا اور میرزا قلی کو پکڑ کر گر پڑا۔ درویش محمد ساربان بھی دریا میں گرا۔ میرزا قلی کے ہاتھ میں خربوزہ کاٹنے کی چھری تھی۔ یہ اس ڈھنگ سے گرا کہ گرتے وقت چھری جالہ کھرے بورے میں گھس گئی۔ میرزا قلی جالہ میں نہ آیا۔ کپڑوں سمیت تیرتا ہوا نکل گیا۔ اُس رات ہم جالہ بڑوں

گھروں میں پھیرے۔ جیسا ہفت رنگا پیالہ دریا میں گرا تھا ویسا ہی پیالہ درویش محمد نذر کیا۔ جمعہ کو دریا کے کنارہ سے سوار ہو کوہ باریک کے دامن میں فروکش ہوئے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے بہت سی مسواکیں توڑیں۔ ظہر کے وقت قتلِ خواجہ کی جاگیر کے موضع لغانی میں مقام کیا۔ قتلِ خواجہ نے دعوت کی۔ کھانا کھا کے ہم سوار ہو گئے۔ اور کابل میں داخل ہوئے۔ پیر کے دن پچیسویں تاریخ درویش محمد ساربان کو خلعت خاصی اور گھوڑا مع زین عنایت کیا۔ وہ آداب بجالایا۔ چار مہینے سے میں نے اصلاح نہ بنوائی تھی۔ بدھ کے دن ستائیسویں تاریخ اصلاح بنوائی۔ آج ہی شراب کا جلسہ ہوا۔ جمعہ کے دن انیسویں تاریخ میر خرد کو حکم دیا کہ ہندال کی امالیقی کی نذر گزارانے۔ اُس نے ہزار شاہرخ پیش کی۔ رمضان کی پانچویں تاریخ جمعرات کے دن تولک کو کلتاش کے پاس سے اسکا نوکر برلاس چکتی عرضی لایا۔ اُس نواح میں ازبک کی فوج آگئی تھی۔ تولک نے جنگ و مقابلہ کے بعد اُسکو ہزیمت دی۔ ایک ازبک کو زندہ گرفتار کیا۔ ایک کاسر کاٹ لایا۔ شنبہ کے دن آٹھویں تاریخ قاسم بیگ کے ہاں ہم نے روزہ افطار کیا۔ اُس نے ایک گھوڑا مع زین نذر کیا۔ دوسرے دن خلیفہ کے ہاں روزہ کھولا۔ اس کے دوسرے دن خواجہ محمد علی اور جان خیرجو شریک شکر ہونے کے لیے بلائے گئے تھے اپنے اپنے علاقوں سے آئے۔ بدھ کے دن بارہویں تاریخ سلطان علی میرزا کامران کاموں جو اگلے سال (جب ہم خوست سے کابل گئے ہیں) کا شغز گیا تھا آیا۔

قوم یوسف زئی پیر پور ش | جمعرات کے دن تیرھویں تاریخ یوسف زئی قوم کی تنبیہ کے واسطے سوا ہوئے۔ اُس مرغزار میں لشکر اُترا جو

وہ یعقوب سے کابل کی طرف ہے۔ سوار ہونے کے وقت بابا خان آختہ جی نے گھوڑا اچھا نہ کسا تھا۔ میں جھلٹا گیا۔ اُس کے منہ پر ایک گھونسا مارا۔ میری بیچ کی انگلی جڑ کے پاس سے اُتر گئی۔ گرم گرم چوٹ تھی۔ اُس وقت تو کچھ نہ معلوم ہوا۔ جب منزل پر اترے تو بہت تکلیف ہوئی۔ کئی دن یہی حال رہا۔ ایک حرف نہ لکھا جاتا تھا۔ آخر آرام ہو گیا۔ اسی منزل میں میری خالہ دولت سلطان خانم کا کوکا قتل قدم خانم کے پاس سے آیا۔ اُن کا خط اور اُنکی خبر لایا۔ آج ہی نوخان اور موسیٰ (سردارِ ان دکنہ زاک) حاضر ہوئے اور پیشکش لائے۔ اتوار کے دن سوٹھویں تاریخ قوچ بیگ آیا۔ بدھ کے دن انیسویں تاریخ یہاں سے چل کر ندی کے کنارے پر جہاں ہمیشہ پھرتے ہیں اُترے۔ چونکہ قوچ بیگ کا اور ازبک کا علاقہ قریب تھا اس لیے اُس کو لشکر کی شرکت سے معاف کیا۔ اور اسی منزل میں اپنے سر کی مندی

اُس کو عنایت کر کے اُس کے علاقہ کی طرف جانے کی رخصت دی۔ جمعہ کے دن اکیسویں کو
 بادام چشمہ میں آئے۔ دوسرے دن یکاب میں پہنچے۔ میں قرآن کی بھی سیر کرتا آیا۔ اسی
 منزل میں میں نے ختام کیا۔ اب منزل در منزل چلنا شروع کیا۔ بدھ کے دن چھبیسویں
 تاریخ باغ و فامیں اُترے۔ جمعرات کے دن باغ میں مقام کیا۔ جمعہ کو کوچ کر دیا سلطانپور
 سے نکل کر ڈیرے پڑے۔ آج شاہ میر حسین اپنے علاقہ سے آیا تھا۔ موٹے خاں اور اُور
 سرداران دکنہ زاک آج ہی حاضر ہوئے۔ یوسف زئی پر چڑھائی کرنے کے لیے سوات کی
 طرف رُخ کیا۔ دکنہ زاک ملکوں نے عرض کیا کہ ہشتنفر میں بہت سے قبیلے ہیں، غلہ کثرت
 سے ہاتھ آئیگا۔ اُدھر چلنا چاہیے۔ مشورہ کے بعد یہی بات ٹھہری کہ ہشتنفر میں غلہ کثرت
 سے ہے تو وہیں کے پٹھانوں کو مار پیٹ کر اور غلہ لیکر قلعہ ہشتنفر اُقلعہ بٹنا در کو دست
 کر کے اس غلہ میں سے وہاں ذخیرہ جمع کرایا جائے۔ اور شاہ میر حسین کو کچھ فوج
 کے ساتھ چھوڑ دیا جائے۔ اسی کام کے لیے شاہ میر حسین کو پندرہ دن کی رخصت دی
 کہ اپنے علاقہ میں جائے اور سامان درست کر کے چلا آئے۔ ہم دوسرے دن کوچ کر کے
 جوئے شاہی پر اُترے۔ اسی پڑاؤ پر تنگری بردی اور سلطان محمد دودائی آکر ہمراہ ہوئے۔
 قندرز سے حمزہ بھی آج آگیا۔ اتوار کے دن سلخ کو جوئے شاہی سے کوچ ہو کر فریق اربین
 میں اُترنا ہوا۔ میں کئی مصاحبوں سمیت جالہ میں آیا۔ عید کا چاند اسی منزل میں دیکھا کہی پھریں
 شہزاد کی درگاہ سے لوگ لائے تھے۔ مغرب کے بعد جلسہ ہوا۔ اہل جلسہ محب علی قوری
 بیک خواجہ، محمد علی کتابدار، شاہ حسین بیگ، سلطان محمد دودائی اور درویش محمد ساربان
 تھے۔ درویش محمد بچپن سے صوفی تھا۔ میں نے تو کہہ دیا تھا کہ جو نہ پیے اُسکو کیوں ستایا جا
 رہا ہے۔ درویش محمد شریک صحبت ہوتا تھا۔ لیکن کبھی کوئی اُس سے اصرار نہ کرتا تھا۔ آج محمد علی
 سے کسی ترکیب سے اُسے پلاہی دی۔ دوسرے دن پیر کو عید ہوئی، اور ہم سوار ہو کر
 خمار دفع ہونے کے لیے رستہ میں معجون کا استعمال کیا۔ معجون والا تخم حنظل لایا۔ درویش محمد
 حنظل کو نہ پہچانتا تھا۔ میں نے کہا کہ ہندوستان کا بہتان ہے۔ ایک کراچی توڑ کر میں نے
 اُس کو دی۔ اُس نے بڑے مزے سے چبایا مگر ایسا مٹہ کر ڈھا ہوا گیا کہ شام تک تلخی نہ گئی
 گرم چشمہ کی بلندی پر اُتر کر تھوڑی دیر ٹھہرے تھے کہ لشکر خاں جو مدت سے ایک جائے
 تھا آیا۔ کسی قدر معجون اُس نے نذر کی۔ اور شرف اندوز ملازمت ہوا۔ یہاں سے چل کر
 یدہ سر میں اُترے۔ عصر کے وقت چند مصاحبوں کے ساتھ میں جالہ میں بیٹھا اور کوئی
 کوس بھر نیچے کی طرف جا کر چلا آیا۔ صبح وہاں سے کوچ کر دیا۔ خیبر کے پہاڑ کے نیچے

اُترنا ہوا۔ آج ہی سلطان بایزید ہماری خبر سنکر نیلاب سے آیا۔ یہ ہمارے پیچھے پیچھے نشینی سے آیا تھا۔ اس نے عرض کی آفریدی پٹھان مع بال بچوں اور مال اسباب کے بارہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے دھان بہت بھر کھا ہے۔ کھیتی تیار ہے اور کٹنے کو ہے۔ چونکہ ہشتنر میں یوسف زئی پٹھانوں کا تاخت و تاراج کرنا ٹھان لیا تھا اسلئے ادھر آٹکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ ظہر کے وقت خواجہ محمد علی کی قیامگاہ میں جلسہ ہوا۔ اسی جلسہ میں اس طرف آنے کی کیفیت سلطان تیرائی کے ہاتھ خواجہ کلاں کو بجور لکھ بھیجی۔ فرمان کے حاشیہ پر یہ شعر بھی میں نے لکھ دیا ہے

صبا بہ لطف بگو آں غزال رعنا را کہ سر بکود بیا باں تو دادہ مارا
وہاں سے کوچ کر کے خیبر کے پہاڑ اور گھاٹی سے نکل علی مسجد میں آئے۔ ظہر کے وقت میں بہر سے الگ ہو کر روانہ ہوا۔ تقریباً آدھی رات آئی ہوگی جو دریائے کابل کے کنارہ پر آگیا۔ ذرا سو رہا۔ صبح ہی گھاٹ کا پتہ لگا دریا سے عبور کیا۔ قراول نے اطلاع دی کہ افغان لوگ حال سُنکر بھاگ گئے۔ دریا سے اتر کر افغانوں کے کھیتوں میں ہم پہنچے۔ جتنا بیان کیا تھا اُس کا آدھا بلکہ چوتھائی غلہ بھی ہاتھ نہ آیا۔ اور ہشتنر پر اسی امید سے چڑھائی کی تھی کہ خوب غلہ دستیاب ہوگا۔ جن دکنہ زاک ملکوں نے اس پورش کی صلاح دی تھی وہ بہت ہی منفصل ہوئے۔ عصر کے وقت دریائے سوات سے کابل کے رُخ چل کر اترے۔ دوسرے دن دریائے سوات سے کوچ کیا۔ اور دریائے کابل پر اُترنا ہوا۔

آفریدیوں پر پورش کی تجویز | امراء سے مصلحت کی۔ یہ تجویز قرار پائی کہ سلطان بایزید نے آفریدیوں کا حال بیان کیا تھا اُن پر چڑھائی کرنی چاہیے۔ اور اُنکے مال و غلہ سے قوت حاصل کر کے قلعہ پشاور کو آراستہ کر لیجیے اور کسی کو وہاں مقرر کر دیجیے۔ ہندو بیگ اور میرزا ہادی اسی مقام پر حاضر ہوئے۔ آج جنت سبحون کا استعمال کیا ہے اُس وقت درویش محمد ساربان، محمد کوکلتاش، کدائی طغائی اور عس اوغان حاضر تھے۔ شاہ حسین کو بھی بلالیا۔ آتش نوش کرنے کے بعد عصر کے وقت جالہ میں بیٹھے۔ لشکر خاں ساری کو بھی جالہ میں بلالیا۔ مغرب کے وقت جالہ سے نکل لشکر میں آئے۔ پھر تجویز مذکورہ کے بموجب دریا کے کنارہ سے صبح ہی کوچ کر دیا۔ کشتی میں بیٹھ کر دریا سے اترے اور علی مسجد میں پھرے۔

بدخشاں کے فساد کی خبر آئی | ابوالہاشم سلطان علی نے آکر عرض کیا کہ عرفہ کی رات کو جوئے شاہی میں جو شخص بدخشاں سے آیا تھا مجھ سے ملا۔ اُسکا بیان ہے کہ سلطان سعید خاں نے

بدخشاں پر چڑھائی کی ہے۔ میں بادشاہ سے اطلاع کرنے آیا ہوں۔ یہ سنتے ہی امرا کو بلا کر مشورہ کیا۔ اس خبر کے سننے سے قلعہ کے درست کرنے کی نہ بیٹھری۔ بدخشاں جانے کے قصد سے مراجعت کر دی۔ لشکرهاں کو خلعت دیا۔ اُس رات خواجہ محمد علی کے خیمہ میں شراب کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن اندھیرے میں کوچ کر دیا۔ خیبر کے پہاڑ سے نکل پہاڑ کے نیچے اترے۔

خضر خیل کا انتظام | خضر خیل نے بہت نالائق حرکتیں کی تھیں۔ لشکر کے آنے جانیکے وقت جو اکاؤنٹ کا پیچھے رہا تھا اور لشکر سے دور ہوتا تھا اُسکا گھوڑا

چھین لیتے تھے۔ اُن کو سزا دینی لازم تھی۔ اس خیال سے صبح کوچ کر غلاموں کے گاؤں میں دو پہر گزاری اور ظہر کے وقت گھوڑوں کو دانہ گھاس کھلا سوار ہو گئے۔ محمد حسین قورچی کو کابل بھیجا کہ جو خضر خیل کابل میں ہیں اُن کو قید کر لے۔ اور اُن کا مال اسباب ضبط کرنے کے بعد اطلاع دے۔ اور بدخشاں کا جو حال ہو اُس کو بھی مفصلاً لکھ بھیجے۔ اُسی رات کوچ کر دیا دو پہر تک چلتے رہے۔ سلطان پور سے تھوڑی دور نکل کر اترے۔ تھوڑی دیر سوئے اور بھر حل کھڑے ہوئے۔ خضر خیل کے لوگ مقام بہار اور سیح کرام میں پڑے ہوئے تھے۔ صبح سویرے اُن کو جالیا۔ فوج کی ایک ٹکڑی روانہ کی۔ بہت سوں کا مال اسباب لوٹ لیا۔ اور اُنکے بال بچے گرفت کر لیے گئے۔ کچھ لوگ قریب کے پہاڑ پر بھاگ گئے۔ اس کے دوسرے روز مقام نیلا عویں اُترنا ہوا۔ اسی منزل میں ایک قراڈل پکڑا گیا۔ جو لشکر پیچھے رہ گیا تھا وہ اسی منزل میں اُن ملاویری افغان ہمیشہ کھنڈے پیوں محصول نہ دیتے تھے۔ اس سیاست سے اُنہوں نے تین سے دُبے پیش کیے۔ جس دن سے میرے ہاتھ میں درد ہوا تھا اُس دن سے ایک حرف نہ لکھا تھا۔ آج کے دن چودھویں تاریخ کچھ لکھنے کا شغل کیا۔ دوسرے دن ضلجی اور شہو با افغانوں کے سردار حاضر ہوئے۔ دلہ زاک کے امرا نے اُن کی بہت سفارش کی۔ خیر اُنکے گناہ معاف کر دیے گئے۔ اُن کے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ چار ہزار دُنے اُن پر محصول مقرر کر دیا۔ اُنکے سرداروں کو خلعت دیے اور تحصیلدار معین کر دیے۔

جانب کابل مراجعت | اس کام سے فرصت پا کر جمہرات کے دن اٹھارہویں تاریخ بہار اور سیح کرام میں قیام کیا۔ دوسرے دن باغ و فایں آگئے۔

باغ و فایں تیار تھا۔ تمام صحن باغ سرسبز تھا۔ حوض بھرے ہوئے تھے۔ سارے درخت شاہاب تھے۔ نارنج کے درخت جھوم رہے تھے۔ درختوں کی بھی کثرت تھی اور پھل بھی بہت تھا۔ گزنارنج ابھی اچھی طرح پختہ نہ ہوئے تھے۔ اسکے انار اگرچہ ولایت کے اناروں سے تو لگاتھیں کھاتے

مگر پھر بھی بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ باغ وفا کو دیکھ کر ایک دفعہ ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ اب کی بار جو تین چار دن تک باغ میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو تمام اہل لشکر نے خوب اناج چٹ کیے۔ پیر کے دن باغ وفا سے ہم نے کوچ کر دیا۔ سب چلے گئے میں کوئی پہر بھرتک ٹھہرا رہا۔ دو درخت شاہ حسین کو عنایت کیے۔ کچھ اور عمدہ داروں اور امرا کو بھی عطا کیے۔ کسی کو ایک درخت دیا کسی کو دو دیے۔ چونکہ جاڑے کے موسم میں ملتان کی سیر کا قصد تھا اس لیے حکم دیا کہ حوض کے گرد و درخت ہیں ان کی اچھی طرح حفاظت کی جائے۔ راج گنڈک میں غیمے پڑے۔ شام کے قریب شراب نوشی کی بزم منعقد ہوئی۔ اکثر مصاحب شمشک بزم تھے۔ آخر میں قاسم بیگ کا بھانجا کدائی محمد کو ہوش نہ رہا۔ نشہ کی زیادتی میں میرے پہلو سے تکیہ سے لگ کر ہونٹیاں کدائی ٹٹائی اس کو مجلس سے اٹھالے گیا۔ یہاں سے اندھیرے میں چل کھڑے ہوئے۔ درہ کے اوپر کی جانب وہاں کی سیر کرنے گئے۔ جہاں دریائے خرواق سائی نکلتا ہے۔ اس جائے راق کے کچھ درخت تھے جو کیفیت دکھارہے تھے۔ ہم یہیں ٹھہر گئے۔ جام شراب کا در چلنے لگا۔ راستہ میں سے دُمنے لے لیے تھے۔ اُنکے کباب لگائے۔ درخت بلوط کی شاخوں کو آگ لگا کر انکا تماشا دیکھتے رہے۔ ملا علی الملک دیوانہ نے جو میرے آنے کی سنی تو اُس نے کابل چلنے کی خواہش کی۔ اسکو کابل بھجوا دیا گیا۔ حسن نمیر یا مجھ سے اجازت لیکر میرزا آخان کے پاس سے آیا تھا۔ یہیں اُس نے ملازمت چل کی۔ دو پہر کو یہاں شراب کا شغل کیا۔ پھر سوار ہو گئے۔ اہل مجلس نغمہ میں چور تھے۔ قاسم کو ایسا نشہ تھا کہ امین ترخان اور مستی چہرہ وغیرہ جو اُس کے ہمراہ تھے انہوں نے بہتیرا سنبھالنا چاہا مگر گھوڑے پر سوار نہ کر سکے۔ سر سید یا فی بھی ڈالا پر وہ ہوشیار نہ ہوا۔ اسی موقع پر افغانوں کا ایک گروہ دکھائی دیا۔ امین ترخان کو خیال آیا کہ اس کچھ ہیں پڑا رکھنا چاہیے۔ ایسا نہ کہ پٹھان انکر سکو پکڑ لیجائیں۔ یا سرکاٹ لیں جس طرح بنے لے چلنا چاہیے۔ بارے بڑی وقت سے گھوڑے کی پیٹھ پر ڈال بے آئے۔

کابل میں داخل ہوئے آدمی رات بے گئے ہم داخل کابل ہوئے۔ دو سرون دیوان قلی بیگ سفیر ہو کر سلطان سعید کے پاس کاشغر گیا تھا۔

حاضر ہو کر شرفیاب ملازمت ہوا۔ میرزا انبارچی بھی قلی بیگ کے ساتھ گیا تھا۔ یہ لوگ اس ملک کی کسی قدر سوغات بھی لائے۔ چار شنبہ غمہ ذیقعدہ کو کور قابل کے قریب اکیلے جاکر میں نے صبحی نوش کی۔ اس کے بعد اہل مجلس بھی ایک ایک دو دو آگے بدن چڑھا باغ بنفشہ میں جاکر حوض کے کنارہ پر شراب پی۔ دو پہر کو ذرا نیند لی۔ دو پہر کے بعد

پھر شراب کا دور چلا۔ اسی جلسہ میں تنگڑی قلی بیگ مضحک کو جس کو کبھی پہلے اپنی صحبت میں شراب نہ پلائی تھی شراب پلائی۔ عشا کے وقت میں تمام میں آیا۔ رات کو تمام ہی میں رہا۔ جمعرات کے دن ہندوستانی سوداگروں کو جن کا میر قافلہ تھیں لو غانی تھا کئی خلعت عطا کیے۔ اور رخصت کیا۔ اتوار کے دن چھوٹے صورت خانہ میں جلسہ ہوا۔ اگرچہ وہ چھوٹا سا حجرہ ہے مگر سولہ آدمی اُسی میں سما گئے۔

سیر موسم خزاں پیر کے دن موسم خزاں کی سیر دیکھنے اُتارے گئے۔ آج معجون کا شغل ہوا۔ آج خوب مینہ برسا۔ جو امراء اور سپاہی ہمراہ تھے اُن میں سے اکثر باغ میں گئے۔ اور درختوں کے نیچے ہو بیٹھے۔ دوسرے دن اسی باغ میں شراب کا جلسہ ہوا۔ رات بھر شراب اڑی۔ صبح کی صبحی نے سب کو سلا دیا۔ دوپہر کے بعد اُتارے سے چلے۔ رستہ میں معجون کھائی۔ عصر کے وقت ہم بہزادی میں آگئے۔ خزاں بڑی بہار کی تھی۔ اُتارے سیر میں یاروں نے شراب پینے کے لئے ہلایا جو معجون کھالی تھی مگر خزاں کی جو کیفیت خوب تھی تو خزاں رسیدہ درختوں ہی کے نیچے بیٹھ کر جام شراب کا دور چلا۔ عشا کے وقت تک وہیں جلسہ ہوتا رہا۔ اتنے میں ملا محمود خلیفہ آیا۔ اُس کو بھی صحبت میں بٹھا لیا۔ عبد اللہ کو بہت نشہ ہو گیا تھا خلیفہ سے کچھ کہنے لگا۔ ملا محمود کا خیال نہ رہا۔ یہ مصرع پڑھنے لگا سر در ہر کہ بگری ہمیں داغ مبتلا ملا محمود ہر شیار تھا۔ عبد اللہ کے اس مصرع پڑھنے پر ہنسی سے ملا محمود نے بہت اعتراض جڑے۔ عبد اللہ سمجھا اور گھبرا یا۔ لگا بیٹھی میٹھی باتیں کرنے۔ جمعرات کے دن سو لھویں تاریخ باغ بنفشہ میں معجون کھائی۔ بعض مصاحبوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔ ہمایوں اور کامران بھی آگئے۔ ہمایوں نے ایک مرغابی کا شکار مزہ سے کیا۔ ہفتہ کے دن اٹھارھویں تاریخ دوپہر کو چار باغ سے سوار ہوا۔ تو بقطار وغیرہ مقامات میں گشت کرتا ہوا پل بابا پر سے ہو دیورتن کی گھاٹی سے نکل روڈ بازاریان کی کاریز پہنچا۔ اور حرم خانہ کے رستہ سے شام کو تردی بیگ کی کاریز پر آ گیا۔ تردی بیگ میرے آنے کی سننے ہی گھبرا کر دوڑ آیا۔ اُس کی مفلسی مجھے معلوم تھی۔ میں سو شاہر خیاں لیتا گیا تھا وہ اُس کو دیدیں۔ اور کہا کہ شراب و سامان لے آ۔ دل چاہتا ہے کہ جلسہ کریں۔ تردی بیگ سب کچھ لینے بہزادی کو گیا۔ میں نے اپنا گھوڑا تردی بیگ کے ایک غلام کے ہاتھ ایک درہم میں بیچ دیا اور آپ کاریز کے پیچھے ایک ٹیلے پر ہو بیٹھا۔ کوئی پہر بھر کے بعد تردی بیگ شراب کا ایک خم لایا ہم شراب پینے لگے۔ تردی بیگ جب شراب لایا ہے تو محمد قاسم برلاس اور شاہزادہ کو بھی معلوم ہو گیا۔ وہ اُس کے پیچھے پیچھے پیدل ہی چلے آئے ہیں۔

اُن کو شریکِ صحبت کر لیا۔ تردی بیگ نے عرض کیا کہ بل ابل آتمکے چاہتا ہے کہ وہ اور فخر بیگ شراب پیس۔ میں نے کہا کہ میں نے اُنہیں شراب پیتے کبھی نہیں دیکھا، کیا مضائقہ ہو بلاو۔ شاہی نام ایک درویش کو بھی ایک کاریزی کے ساتھ جلسہ میں بلایا۔ کاریز کے عقب میں ایک اونچی جگہ بیٹھے ہوئے شام تک شراب پیتے رہے۔ پھر تردی بیگ کے گھر میں آگئے۔ شمع روشن کر دی۔ اوپر بڑی رات گئے، تک بھی مشغول رہا۔ عجب بے تکلف صحبت تھی۔ میں ذرا لیٹ رہا۔ اہل مجلس نقارہ بجنے کے وقت تک پیتے رہے۔ بل ابل آتمکے نے مجھے بہت سے سلام کیے۔ آخر میں نشہ کا بہانہ کر کے کھسک گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ لوگوں کو غفلت و بچہ اکیلا استرغنج چلا جاؤں۔ مگر سب جان گئے۔ جس وقت نقارہ بجایا ہے اُس وقت میں سوار ہوا۔ تردی بیگ اور شاہزادہ کو اطلاع کر کے تین آدمیوں کو ہمراہ لے استرغنج روانہ ہوا۔ نماز کے وقت استائفہ کے نیچے مقامِ خواجہ حسن میں تھوڑی دیر بٹھرا۔ معجون کھائی اور خزاں کی سیر کرتا رہا۔ سورج نکلنے ہی باغِ استائفہ میں آگیا۔ کچھ انگوروں کو رکھائے۔ پھر سوار ہو کر شاہی میں (جو استرغنج کے علاقہ میں ہے) آکر سوار ہوا۔ میرا خوراک گھر نہیں تھا۔ میرے پیادے ہوئے، تنگ اُس نے آتش تیار کر رکھی۔ جب اُٹھا تو آتش اور ایک شراب کا ختم حاضر کیا۔ خزاں نہایت کیفیت کی تھی۔ میں کئی جام پیکر سوار ہو گیا۔ ظہر کے وقت استرغنج سے ایک عمدہ باغ میں آکر ٹھہرے۔ بزمِ شراب منعقد ہو گئی۔ لمحہ بھر کے بعد خواجہ محمد امین آموجد ہوا۔ عشا کے وقت تک جلسہ ہوا۔ اسی رات اور اسی دن عبداللہ عیسٰی۔ نور بیگ اور یوسف علی آگئے۔ دوسرے دن آسپس کھانے کے بعد سوار ہو گئے۔ باغِ بادشاہی کی (جو استرغنج سے نیچے کی جانب ہے) سیر کی۔ میں ایک سیب کا درخت خزاں رسیدہ دیکھا۔ کئی شاخوں میں پانچ چھ پتے رہ گئے ہوئے۔ اُس کی ہیئت ایسی تھی کہ اگر مصور لاکھ جان مارے تو بھی اُس کا نقشہ نہ کھینچ سکے۔ استرغنج سے چلے۔ خواجہ حسن میں آتش کھائی۔ اور مغرب کے وقت ہزادی میں آگئے۔ خواجہ محمد امین کے مکان میں تیرے اور شراب کا شغل رہا۔ اُس کے دوسرے دن منگل کو کابل کے چار باغ میں آگئے، جمعرات کے دن تینیسویں تاریخ یہاں سے قلعہ میں گئے۔ جمعہ کو محمد علی رکابدار ایک توپی نمون کو پکڑ لایا اور پیش کیا۔ ہفتہ کے دن پچیسویں تاریخ باغِ چنار میں جلسہ ہوا۔ اور عشا کے وقت برخاست ہو گیا۔ سید قاسم کچھلے واقعہ سے شرمندہ تھا۔ اُس کے ہاں گئے اور خند جام پیے۔ جمعرات کے دن غزوہ دہلی کو تاج الدین محمود قندھار سے آکر ملا۔ ہفتہ کو محمد علی تاجیک آیا۔ منگل کو لشکر خاں جنجوعہ نے بہیرہ سے آکر ملازمت حاصل کی۔ جمعہ تینیسویں تاریخ علی شیر بیگ کے چاروں دیوانوں کا انتخاب پورا ہو گیا۔ منگل کے دن ستائیسویں تاریخ ارک میں جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں میں نے حکم دیا۔

جس وقت کسی شخص کو نشہ بہت ہو جائے اسی وقت اُس کو جلسہ سے باہر کر دو۔ اور دوسرے کو بلا لو۔
جمعہ کے دن سلخ کو لغات کی سیر کے لیے میں روانہ ہوا۔

۹۲۷ ہجری کے واقعات

ہفتہ کے دن محرم کی پہلی تاریخ خواجہ سیاران میں ہم گئے۔ ایک ٹیلے پر چوڑی کے کنارے
تھا شراب کا جلسہ کیا۔ دوسرے دن ریگ روان کی سیر کی۔ سید قاسم کے بیلی خانہ میں بیٹھے قیام کیا۔
اور جلسہ کیا۔ صبح وہاں سے سجون کھا کر سوار ہو گئے۔ اور مقام ملکیر میں مقام ہوا۔ رات کو تو شراب
نہ پی تھی۔ البتہ صبح کو صبحی پی گئی۔ ظہر کے وقت درنامہ میں آ گئے۔ شراب کی مجلس آراستہ ہوئی
صبح اندھیرے منہ صبحی کی۔ درنامہ کے سردار حسن داد نے اپنا باغ نذر کیا۔ جمعرات کے دن
تاجیکوں کے ایک گادوں میں جو علاقہ تخراد میں ہے ڈیرے پرے۔ جمعہ کے دن چہل قلبہ اور
دریائے باران کے بیچ میں جو پہاڑ ہے وہاں شکار کھیلا۔ جب سے میری انگلی میں ضرب آئی
تھی میں نے تیر کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ آج کمان لیزم سے ایک ہرن کے بانو میں ایسا اچھا تیر مارا
کہ اُدھے پر خانہ تک گھس گیا۔ عصر کے وقت شکار سے فارغ ہو کر آدیں آ گئے۔ اس کے
دوسرے دن بچاد والوں کی پیشکش شاٹھ شغال سونا مقرر کیا۔ دل چاہتا تھا کہ اس سفر میں
ہمایوں بھی ساتھ رہے۔ مگر وہ نہ تھیرا۔ کوئل کوزہ سے اُسے رخصت کر دیا۔ ہم بداران میں آن کرے۔
دریائے باران میں سے ہائی گیروں نے بہت سی مچھلیاں پکڑیں۔ چار گھڑی دن رہے جالہ میں
بچھکر شراب کا شغل ہوا شام کو جالہ میں سے اُترے۔ اور سفید مکان میں آ کر شراب پی گئی۔
حیدر علی علمدار کو اپنی طرف سے کافروں کے پاس بھیجا تھا۔ وہ کافروں کے پانچ سرداروں کو
صبح بہت سی شراب کے کوئل مادر کے نیچے لایا۔ سب نے ملازمت حاصل کی۔ پہاڑ سے نکلے وقت
دیکھا کہ شکار کثرت سے ہے۔ دوسرے دن جالہ میں بیٹھے اور سجون کھائی۔ بولاق کے راستہ سے
بہت نیچے نکلے۔ اور شکر میں آ گئے۔ جالے دو تھے۔ جمعہ کے دن کوچ کیا۔ مندر اور سے دام نہ کوہ
کے نیچے قیام ہوا۔ رات کو شراب کا جلسہ ہوا۔ ہفتہ کو جالہ میں بیٹھے۔ تنگی کے مارے اُسکو تنہ میں
چھوڑا اور ہم جہاں نما سے اوپر کی جانب جالہ سے باہر آ کر باغ و فوا کی طرف چلے۔ یہ باغ ادیبہ
کے پاس ہے۔ جالہ سے اُترتے وقت قیام شاہ حاکم نیکنہار بنے حاضر ہو کر ملامت چل کی۔
بہت دن سے لشکر خان ساری فیلاب میں تھا۔ وہ بھی آ کر بارباب ہوا۔ باغ و فوا میں ہم اُترے
اُس کے رنج خوب پختہ ہو گئے تھے۔ زرد اور صاف تھے۔ پانچ چھ دن تک باغ و فوا میں
ہم مقیم رہے۔ ارادہ تھا کہ چالیس برس کی عمر میں شراب سے توبہ کر لوں اور اب چالیس سال میں

ایک برس سے کچھ کم باقی ہے۔ اس واسطے دل کھول کر شراب پی جاتی ہے۔ اتوار کے دن اٹھارھویں کو صبحی پینے کے بعد ہوشیار ہوئے۔ ہم سچون کھارہے تھے کہ ملا بارک نے جو نقش بنایا تھا پیش کیا۔ اچھا نقش بنایا تھا۔ مدت سے میں ادھر متوجہ نہ ہوا تھا۔ مجھے بھی خیال ہوا کہ کچھ بناؤں میں نے چارگاہ کی صورت بنائی۔ چنانچہ اپنے موقع پر اسکا ذکر کیا جائیگا بدھ کے دن ہنسی سے میں نے حکم دیا کہ جو شخص تاجیکی گا ناگا لے اُس کو ایک پیالہ شراب کا بلےگا۔ اس ہفتوں نے شراب پی۔ صبح صادق سے پہلے درخت چنار کے نیچے جو چمن میں ہے بیٹھ کر حکم دیا کہ جو ترکوں کا گانا گا لے وہ ایک پیالہ پیے۔ یہاں بھی بہت سوں نے شراب پی۔ آفتاب نکلنے کے وقت نارنج کے درختوں کے نیچے حوض کے کنارے پر شراب پی گئی۔ دوسرے دن دودھ سے جالہ میں بیٹھ جوئے شاہی سے پار ہو مقام آس میں پہنچے۔ اس سے چلے تو درہ نور کی سیر کرتے ہوئے موضع ساسون پہنچے۔ اور وہاں سے پلٹ کر آملہ میں آن کرے خواجہ کلاں نے۔ بجور کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ چونکہ وہ مصاحب تھا اس لیے اُس کو بلالیا۔ اور بجور کو شاہ میر حسین کے سپرد کیا۔ سنگل کے دن بایسویں تاریخ شاہ میر حسین کو رخصت ہوئی آج آملہ میں بھی مے نوشی ہوئی۔ دوسرے دن مینہ برسا۔ ہم بارش ہی میں کرے کلمہ کرام میں جہاں ملک قلی خاں کا مکان ہے آئے۔ اُس کے سنبھلے بیٹے کا مکان نارنج زار کے پاس ہے اُس میں اُترے۔ بارش کی وجہ سے نارنج زار میں نہ گئے۔ وہیں مینے پلانے کا شغل ہونے لگا۔ مینہ کی جھڑی لگ گئی۔ مجھے ایک تعویذ یاد تھا۔ میں نے تلا علیٰ کو سکھایا۔ اُس نے کاغذ کو چار پرزوں پر اُس کو لکھ کر جو چار طرف لٹکایا تو فوراً مینہ ختم گیا۔ اور ہوانے ابر کو بھاڑ دیا۔ دوسرے دن جالہ میں بیٹھے۔ دوسرے جالہ میں اُور لوگ بیٹھے۔ دیجور کی نواح میں گھاس کے سر پر سے ایک چیز لیتے ہیں جس کو کیم کہتے ہیں۔ اس کا بوزہ بنتے ہیں۔ اور کیمیاں بنا کر خشک کر لیتے ہیں۔ اس بوزہ کی اصل کیم ہے۔ بعض بوزہ بہت نشہ کا ہوتا ہے۔ مگر بچہ کرٹوا اور بد مزہ ہوتا ہے میں نے بھی اس کا استعمال کرنا چاہا تھا مگر اتنا کرٹوا تھا کہ مُنہ نہ لگا سکا۔ آخر معجون کھالی جس حسن انکرک اور سستی دوسرے جالہ میں بیٹھے تھے۔ اُن کو حکم دیا کہ اس بوزہ کو کھاؤ۔ اُن کو تو ایسا نشہ ہوا کہ حسن انکرک بیہودہ طرح سے بہکے لگا جس سے آپے سے باہر ہو گیا۔ لگا اُچھلنے کو دینے۔ میں انکی حرکتوں سے تنگ ہونے لگا۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان کو جالہ سے نکلوا کر دریا میں دھکے دلوادوں۔ بعض نے سفارش کی میں چپکا ہوا۔ انہی دنوں میں بجور شاہ میر حسین کے سپرد کر کے خواجہ کلاں کو میں نے بلالیا۔ اس لیے کہ خواجہ کلاں میرا مصاحب تھا۔ بجور میں اُسے رہتے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے اور بجور کا

انتظام بھی ہو گیا تھا۔ دریائے گزوار سے عبور کرتے وقت شاہ میر حسین کو بعض باتیں بانی سمجھا دیں۔ اور مختار کر کے رخصت کر دیا۔ ہم نور گل کے قریب پہنچے تو ایک بڑھا کر بھیک مانگنے لگا۔ جو لوگ جالہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ہر کسی نے چغہ۔ پگڑی اور اور چیزیں اُسے دیں۔ غرض وہ بہت کچھ لے گیا۔ اُدھے راستہ پر جالہ ایک بڑی جائے ٹکرایا۔ بہت ہی گھبراہٹ ہوئی۔ اگرچہ جالہ غرق نہوا مگر میر محمد جالہ بان دریا میں گر پڑا۔ رات کو اُم کے قریب رہے۔ ہفتہ کے دن میدر میں آگئے۔ قلیق قدم اور اُس کے باپ نے قلیق قدم نے جلسہ کا سامان کر رکھا تھا۔ گو دلچسپ جئے نہ تھی لیکن اُنکی خاطر سے کئی پیالیاں پی لیں دوپہر کے بعد لشکر میں آگئے۔ بدھ کے دن چشمہ کند گر کی میں نے سیر کی۔ کند گر ایک گاؤں ہے۔ تومان مندر اور کے علاقہ میں۔ اس سارے علاقہ میں کھجور یہیں پیدا ہوتی ہے۔ یہ موضع پہاڑ کے دامن سے بہت اونچا آباد ہے۔ اُسکے باغات اُسکے مشرق میں ہیں اور یہ باغوں کے کنارہ پر واقع ہے۔ چشمہ کے سرے سے چھ سات گز نیچے پتھر چن کر نہائے کاٹھکانا بنادیا ہے۔ پانی گرنے کی جگہ اس کے اوپر بنا دی ہے۔ جو نہانے بیٹھے پانی اُسکے سر پر گرتا ہے۔ اس چشمہ کا پانی بہت معتدل ہے۔ جاڑوں میں کوئی اس پانی سے نہائے تو پیلے اُسے پانی ٹھنڈا معلوم ہوگا۔ پھر چاہے جتنا اُس میں رہے ناگوار نہیں ہوتا۔ جمعرات کے دن شیر خاں نے اپنے ہاں اُتارا اور دعوت کی۔ ظہر کے وقت سوار ہو کر ماہی خانہ میں آئے جو تیار کر رکھا تھا اور مچھلیاں پکڑیں۔ یہ ویسا ہی ماہی خانہ ہے جس کا بیان ہو چکا ہے۔ جمعہ کے دن خواجہ میر میراں کے موضع کے قریب اُترے۔ مغرب کے بعد جلسہ ہوا۔ ہفتہ کے دن علی شنگ اور انکار کے بیچ میں جو پہاڑ ہے اُس میں شکار کھیلا۔ ایک طرف سوا انکار پور نے اور دوسری جانب سے علی شنگیوں نے ہانکا کر کے ہرنوں کو پہاڑ میں سے نکالا۔ بہت ہرن شکار ہوئے۔ فکار سے واپس آئے تو انکار میں آئے۔ اور ملکوں کے باغ میں شہر صحت گرم ہوئی۔ میرا آگے کا ایک دانت آدھا ٹوٹ گیا تھا۔ آدھا باقی تھا۔ آج کھانا کھائی میں وہ بھی ٹوٹ گیا۔ دوسرے دن سوار ہو کر مچھلیاں پکڑیں۔ دوپہر ہو گئی تھی کہ علی شنگ میں پہنچے۔ باغ میں گئے اور شراب پی۔ دوسرے دن حمزہ خاں (ملک علی شاہ کا بیٹا) کو جسے بہت سے خون ناحق کیے تھے اُس کے مدعیوں کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اُس کو بدلے لیا۔ منگل کے دن وظیفہ پڑھ کر بولائے کے نیچے کے راستہ سے کابل کی طرف مہجبت کی۔ عصر کے وقت النورات سے چل کر مغرب کو وقت قرأت میں آگئے۔ گھوڑوں کو دانہ چڑھا دیا۔ اور ہمارے لیے خاصہ حاضر کیا۔ گھوڑے دانہ کھا کر اور ہم کھانا کھا کر سوار ہو گئے۔

۹۳۲ ہجری کے واقعات

ہندوستان کا قصد

جمعہ کے دن صفر کی پہلی تاریخ ۹۳۲ھ میں جبکہ آفتاب برج قوس میں تھا ہندوستان کی طرف چلنے کا قصد کیا۔ تھوڑی دو چکر دو چکر کے مغرب میں جو مرغزار ہے وہاں فروکش ہوئے۔ اس منزل میں عبدالملک تورچی (سات آٹھ جہینے سے سفیر ہو کر سلطان سعید خاں پاس گیا ہوا تھا) بانکے بیگ کو کلتاش کے ساتھ حاضر ہوا خان وغیرہ کے خطوط اور سو غایتیں لایا۔ لشکر فراہم ہونے کے لیے دو دن تک یہیں قیام رہا۔ یہاں سے کوچ کر کے رات گزرنے کے بعد بادام چشمہ پر آن اترے۔ اس منزل میں میں نے معجون کھائی۔ بدھ کے دن جب دریائے باربک پر ہم آ کر ٹھیرے تو خواجہ حسین دیوان لاہور نے چونبیل ہزار شاہرخ کے برابر سونا۔ کچھ اشرفیاں اور روپے تور بیگ کے ہاتھ بھیجے تھے وہ پہنچے۔ کسی قدر اُس میں سے ملا احمد کے ہاتھ بیخ و ہلوں کے لیے بیخ روانہ کیا۔ جمعہ کے دن آٹھویں تاریخ گندمک میں مجھے جاڑے سے بخار چڑھا۔ الحمد للہ کہ جلدی سے اتر گیا۔ ہفتہ کے دن باغ و فامیں اترے۔ ہمایوں اور اس طرف کے لشکر کے انتظار میں کئی دن باغ و فامیں ٹھیرنا ہوا۔ باغ و فامیں اس کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔ باغ و فامیں ہی ہے جو خدیو کی نظر سے دیکھیگا وہ جانیگا کہ کیا باغ ہے۔ جتنے دن ہم ہاں رہے اکثر مے نوشی کا شغل رہا۔ شراب نہ پی تو معجون کھائی۔ وقت مقررہ پر نہ آنے سے ہمایوں کو کئی خط بھیجے تاکہ کید کی اور بہت سخت و سست الفاظ لکھے۔ ہفتہ کے دن سترھویں تاریخ صبحی بی جا چکی تھی کہ ہمایوں آیا تاخیر کے سبب سے ذرا اُس کو ڈانٹا۔ آج ہی خواجہ کلاں بھی غزنی سے آ گیا۔ دو شنبہ کی رات کو نئے باغ میں جو سلطان پورا اور خواجہ رستم کے درمیان میں بنا ہے آئے۔ بدھ کو وہاں سے کوچ کر دیا۔ جالہ میں بیٹھے۔ قوس گنبد تک شراب پیتے رہے۔ قوس گنبد میں جالہ سے کل لشکر میں آئے۔ دوسرے دن لشکر کو چلتا کیا۔ اور ہم جالہ میں بیٹھے۔ معجون کھائی۔ فریق اریق میں پہنچے۔ وہاں ہر چند ادھر ادھر دیکھا کہیں لشکر کا پتا نہ ملا۔ گھوڑے بھی نظر نہ آئے۔ دل میں آئی کہ چشمہ قریب ہے اور وہاں سایہ بھی ہے۔ شاید لشکر وہیں اترتا ہو چشمہ پر پہنچے۔ وہاں بھی لشکر کا نشان نہ پایا۔ رات ہو گئی تھی۔ رات کو پھرتے رہے۔ آخر جالہ ایک جائے ٹھیرا دیا۔ اور ذرا نیند لے لی۔ نماز سے پہلے یہ سہرا میں آئے۔ آفتاب نکلے لشکر والے سیر کرتے ہوئے آنے شروع ہوئے یہ لوگ دو روز سے فریق اریق میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ مگر ہم کو نہ دکھائی دیے جالہ اکثر وہ لوگ تھے جو شکر کہتے تھے جیسے شیخ ابو الوجد۔ شیخ زین۔ ملا علی خان۔ تردی بیگ اور خاکسار

وغیرہ۔ اثنائے صحبت میں محمد صلح کا یہ شعر پڑھا گیا ہے
 محبوبی ہر عشوہ گرے را چہ کند کس جائیکہ تو باشی و گرے را چہ کند کس
 فرمائش کی کہ اس زمین میں کچھ کہو۔ شاعر اور موزوں طبع فکر کرنے لگے۔ ملا علی خاں سے بہت
 ہنسی کھلی ہوتی تھی۔ ہنسی سے میں نے فی البدیہہ یہ شعر کہا ہے
 مانند تو مدہوش گرے را چہ کند کس نرگاؤ کے مادہ خرے را چہ کند کس

پہلے اس سے جو کچھ اچھا بڑا کہنے کا یا ہزل نظم کر نیکا اتفاق ہوتا تھا تو لکھ لیا جاتا تھا۔ جبے بستین کو
 نظم کرنے لگا تو دل میں آیا کہ جس زبان سے یہ پاک الفاظ نکلیں حیف ہے کہ اُس سے بیہودہ لفظ
 بھی نکلیں۔ اور جس دل میں ایسے مقدس مضامین نکلیں افسوس ہے کہ اُس میں ایسے ناپاک
 خیال بھی پیدا ہوں۔ اُسی دن سے ہزل کہنا ترک کر دیا تھا۔ اس شعر کے کہتے وقت اصلاً خیال
 نہ رہا۔ دو ایک روز کے بعد بکرام میں آ کر مجھے جارٹے سے بخار چڑھا۔ کھانسی بھی ہوئی۔ اور کھنکار
 میں خون آنے لگا۔ اب میں سمجھا کہ یہ شبیہ کس طرف سے ہے اور یہ تکلیف کیوں ہے۔ فَمَنْ نَكَثَ
 فَاَتْمَيْنَا نَكَثًا عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ اَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْنَا فَيَوْحِنَا غَيَّرْنَا بِمَا عَٰهَدْنَاهُ مِثْرًا تَرَكَهُ۔

من سبتیک سیلا ای بستر جہلنگدین بیک خجسم فاندور
 بنچہ رنجشی و سناک تو ہر ایلہ شر برسی محش و بری یلغا ندور
 کرد سناک کو با مین بوجہ پیلہ حیدر بنکی بو عرضہ دین بانڈور

یعنی اسے زبان اس تیرا کیا غلام کروں۔ تیری طفیل میرے دل کا خون ہو گیا ہو تو کتبک
 ایسے اشعار کہے جائے گی جن میں سے کوئی فحش ہے اور کوئی جھوٹ۔ اگر تو کہے کہ میں
 اس کتاہ سے کیونکر بچوں تو تو اس میدان سے اپنی باگ موڑ لے۔ رَبَّنَا اَلْهَمْنَا اَنْفُسَنَا
 وَارِنْ لَمْ نَفْعُرْ لَنَا وَتَرْكَحْمَنَا وَتَغْفِرْ لَنَا لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۝ میں نے بار و گرتو بہ
 کی۔ اور اس نالائق طرز سے دل ہٹا لیا۔ سچ یہ ہے کہ کسی گنہگار بندہ کے دل میں ایسے
 خیال کا پیدا ہونا ایک بڑی دولت ہے جو خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ جو بندہ اس طرح
 تشبہ ہو جائے وہ اس کو سعادت عظمیٰ سمجھے۔ المدعا۔ وہاں سے کوچ کیا۔ اور علی مسجد
 میں ٹھہرنا ہوا۔ اس منزل کا پڑاؤ تنگ ہے اس واسطے میں ہمیشہ یہاں ٹیلے پر اترتا ہوں۔
 اور لشکر گھائی میں اُترتا ہے۔ اب بھی یہی ہوا۔ رات کو اہل لشکر نے الاؤ لگائے و عجیب
 خوبی کے ساتھ چراغ جلتے ہوئے معلوم ہوئے۔ جب اس منزل میں اُترنا ہوا ہے تو اسی
 لطف کے سبب سے شراب کا شغل ضرور ہوا ہے۔ صبح سے پہلے بیچون کھا کر سوار ہو گئے۔
 اُس دن میں نے روزہ رکھ لیا۔ بکرام کے پاس جیسے پڑے۔ دوسرے دن یہیں مقام کیا۔

اور شکر کا کھیلنے گیا۔ بکرام کے آگے سے دریائے سیاہ کے پار ہو کر دریا کے اُٹھ کر گھیرا ڈالا بخوبی دور چلے تھے کہ پیچھے سے کسی نے آ کر خبر دی کہ بکرام کے پاس جھاری میں گینڈے آ موجود ہو ہیں۔ ہم وہاں سے گھوڑوں ڈٹائے ہوئے پیچھے پیچھے ہی گھیرا ڈالا دیا۔ غل شور مچایا تو وہ میدان میں نکل آئے اور بھلا گئے۔ ہمایوں نے اور اُن لوگوں نے جو اُدھر سے تازہ آئے ہوئے تھے کبھی گینڈے کو نہ دیکھا تھا۔ ان کا خوب تماشا دیکھا۔ تقریباً کوس بھر تک اُنکا چھپا کر کے بہت سوں کو تیروں سے مارا۔ کسی گینڈے نے کسی آدمی اور گھوڑے پر حملہ نہ کیا۔ گینڈے ہی بہت سے مارے گئے۔ بہت دن سے دل میں تھا کہ اگر ہاتی کو گینڈے کے سامنے کر دیتے ہیں کس طور سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اب کے فیلبان ہاتھیوں کو لے آئے۔ ایک گینڈے سے مقابلہ ہوا۔ فیلبانوں نے جو ہی ہاتی ہوئے گینڈا سامنے سے بھاگ گیا۔ اُس دن ہم بکرام میں رہے۔

لشکر کا جائزہ اور شمار | امیروں۔ بخشوں۔ دیوانی والوں اور مصاحبوں کے چھ ساتھیوں کے اُن کو نیلاب کے گھاٹ پر کشتیوں میں سے اُترنے والے لشکر کے جائزہ لینے اور گنتی کرنے کے لیے مقرر کر دیا۔ اسی رات کو کسی قدر مجھے جاڑے سے بچا چڑھا۔ کھانسی بھی اُٹھی۔ ہر کھنکار میں خون آیا۔ بہت ہی فکر ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ دو تین دن میں آرام ہو گیا۔ بکرام سے دو منزل چل کر پٹنہ کے دن اٹھا میسور تارنخ دریا سے کنارے پر لشکر اُترا۔ ہفتہ کے دن ربیع الاول کی پہلی کو سندھ چھوڑ کر یائے کچھ کوٹ سے عبور کیا۔ اور دریا کے کنارے پرخیمہ زن ہوئے۔ جو لوگ لشکر کا جائزہ لینے کشتیوں پر معین ہوئے تھے انہوں نے جائزہ لینے کے بعد عرض کیا کہ تمام لشکر مع ہیرو وغیرہ بارہ ہزار آدمی قلمبند ہوئے ہیں۔ اس سال یہاں کے جنگلوں میں بارش کم ہوئی تھی۔ شہر کے قریب کے دامنه کوہ میں خاصی ہو گئی تھی۔ غلہ کے خیال سے براہ سیا لکوٹ دامنه کوہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ جب پانی ٹھکر کے علاقہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک ندی میں ہر جاے پانی ٹھیرا ہوا ہے۔ یہ سارا دریا تنج بہت تھا۔ اگرچہ تنج بہت سے بہت ہاتھ بھراؤ پچی ہوگی۔ زیادہ نہ ہوگی۔ مگر ہندوستان میں تو اتنی برف بھی عجیب بات ہے۔ یخ اڑھ کو بیس دیکھا کئی سال سے میں ہندوستان میں آتا ہوں لیکن تنج اور ہندوستان اس کئی برس میں ابھی دیکھنے میں آئی ہے۔ غرض سندھ سے پانچ منزل چل کر جھپٹ مندر میں کوہ چوہ سے ملا ہوا جو بال تانہ جوگی کا پہاڑ ہے۔ اُس کے نیچے ایک ندی کے کنارہ پر لشکر اُترا۔ دوسرے دن غلہ لینے کے لیے وہیں مقام کیا۔ اُس دن عرق پیا گیا۔ ملا محمدی نے بہت باتیں بنائیں۔ کبھی اتنی بکواس اُس نے نہ کی ہوگی۔ ملا شمس نے بھی اسی طرح مغر کا کھایا۔ ایک بات شام سے جو چھپڑی تو صبح تک تمام نہ کی۔ اہل لشکر سپاہی وغیرہ غلہ لینے گئے تھے۔ غلہ کو چھوڑ جھاڑیوں پہاڑوں

اور قلب مقامات میں مٹنے اٹھائے ہوئے جاگھٹے۔ کئی آدمیوں کو ضائع کر دالے۔ بچتے تو نقطہ نظر وہیں فوت ہوا۔ وہاں سے کوچ کیا۔ اور دریائے بہت سے جہلم کے نیچے کی طرف عبور کیا۔ دی فری جسکا پرگنہ میر ذکر ہی کو دیدیا تھا یہاں حاضر ہوا۔ سیالکوٹ کی حفاظت نہ کرنے کے سبب سے میں اُس سے ناراض تھا۔ اُس نے عرض کیا کہ میں اپنے پرگنہ سے آگیا تھا۔ مگر خسر و کھٹاش نے سیالکوٹ سے اپنے نکلنے کی خبر مجھے نہ کی۔ اُسکا یہ عذر قابلِ سماعت تھا۔ اُس سے کہا گیا کہ جب سیالکوٹ سے سب لاہور چلے گئے تو تو اُن امراء کے ساتھ کیوں نہ چلا گیا۔ چونکہ کام کرینکا موقع تھا اس لیے میں زیادہ سر نہیں ہوا۔ اسی منزل سے سید طوفان اور سید لاجپن کو اُن لوگوں کے پاس جولاہو میں تھے گھوڑوں کی ڈاک بٹھا کر دوڑا دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ جنگ نہ کرو۔ سیالکوٹ میں میرے پاس چلے آؤ۔ افواہ یہ تھی کہ غازی خاں نے تیس چالیس ہزار فوج جمع کی ہے۔ اور اپنی مکہ میں دلواریا باندھی ہیں۔ وہ ضرور مقابلہ کریگا۔ مجھے خیال ہوا کہ مثل مشہور ہے ”نوسے دس اچھے“۔ جو لوگ لاہور میں ہیں اُن کو ساتھ بیکر لونا بہتر ہے۔ اسی وجہ سے امراء پاس آدمی روانہ کئے۔ ہم ایک منزل کر کے دریائے چناب کے کنارے پر اُترے۔ بہلول پور خالصہ میں ہے۔ راستہ میں میں اُس کی سیر کرنے گیا۔ اُسکا قلعہ دریائے چناب کے کنارے پر اونچی جگہ واقع ہے۔ وہ مجھے بہت ہی پسند آیا۔ دل میں آئی کہ یہاں سیالکوٹ والوں کو آباد کرنا چاہیے۔ انشاء اللہ قلعے فرصت ہو جائے تو ایسا ہی کر دینگا۔ بہلول پور سے میں کشتی میں بیٹھ کر داخل شکر ہوا۔ کشتی میں جلسہ تھا۔ کسی نے عرق پیا۔ کسی نے بوزہ اور کسی نے بھون کھائی۔ عشاء کے بعد کشتی میں اُترے۔ اور خیمہ میں آکر بھی کچھ پیا کھایا۔ گھوڑوں کو آرام دینے کے لیے ایک دن دریا کے کنارے پر مقام کیا۔ جمعہ کے دن چودھویں ر۔ صبح الاؤل کو بہر سیالکوٹ میں آگئے۔ جب ہم ہندوستان سے گئے ہیں تو یہ ہوا ہے کہ گائیں بھینسیں لوٹنے کے لیے سینکڑوں جاٹ اور گوجر بہاڑ اور جنگل سے آگئے ہیں اور مویشی کو ظالم لوٹ لے گئے ہیں۔ پہلے یہ ملک پرایا تھا کچھ انتظام نہ کیا جاتا تھا۔ اب کی بار یہ سارا ملک مطیع ہو گیا ہے۔ اب جو ایسا ہوا تو بہت سے بھوکے۔ ننگے۔ غریب اور محتاج فریاد کرتے ہوئے آئے کہ ہم کو لوٹ لیا۔ ایک بار ہی غل حج گیا۔ جن لوگوں نے لوٹ مار کی تھی اُنکی تلاش کی گئی۔ دو تین کو اُن میں پکڑ پکڑے مکرٹے کر دیا۔ اسی منزل میں ایک سوداگر آیا۔ عالم خاں۔ رخصت ہونے کے بعد اُس گرمی میں کہ لوچل رہی تھی دو منزلہ کر کے لاہور میں آیا۔ عالم خاں کو جس وقت رخصت کیا ہے اُس وقت ازبک سرداروں وغیرہ نے آکر بلخ میں قتل عام کیا تھا۔ عالم خاں کو میں نے ہندوستان بھیجا۔ اور آپ بلخ گیا۔ عالم خاں ہندوستان میں آیا۔ اور جواہر محصل ہندوستان میں تھے اُن سے اُن سے کہا کہ پادشاہ نے تم لوگوں کو میری ملک کیلی

مقرر کیا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو میں غازی خاں کو بھی ساتھ لوں گا اور دلی پر چڑھائی کروں گا ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم غازی خاں کے ساتھ کیونکر ہو جائیں۔ ہکو تو حکم یہ ہے کہ جس وقت غازی خاں اپنے بھائی حاجی خاں کو مع اپنے بیٹے کے بادشاہ کی حضور میں بھیجے یا لاہور میں بطریق اول رکھے اُس وقت تم اُس کے ساتھ ہو جانا۔ ورنہ نہ ہونا۔ یہی کوکل وہ لڑو اد گیا۔ اور ٹو اد گیا۔ بھلا پھر کس بھروسے پر اُس کے ساتھ ہوتے ہو۔ ہماری صلاح نہیں ہے کہ تم اُسکی ہمراہی کرو۔ ہر چند امرانے یہ باتیں کہیں اور منع کیا۔ مگر اُس نے ایک نہ سُنی۔ اپنے بیٹے شیر خاں کو بھیج کر دوا اور غازی خاں سے گفتگو کر باہم ملاقات کی۔ دلاور خاں جو بہت دن تک مقید رہا تھا وہیں پہنچے ہوئے کہ قید میں سے بھاگ کر لاہور آ گیا تھا۔ اُس کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ میرزا محمود خاں جہاں جس نے لاہور حوالہ کر دیا تھا اُس کو بھی ساتھ لیا۔ غالباً انہوں نے یہ بات قرار دی کہ دولت خاں و غازی خاں اور امراء جو ہندوستان میں چھوڑے گئے ہیں بلکہ اس طرف کے سب لوگوں کو اپنے تحت میں لے لے۔ دلاور خاں اور حاجی خاں عالم خاں کے ہمراہ ہوں۔ اور یہ لوگ دلی اور آگرہ کے علاقوں کا فتح کرنا اپنے ذمہ لیں۔ اسماعیل خاں حلوانی اور امراء عالم خاں سے آکر ملے۔ اور سب فوراً کوچ در کوچ دلی کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام اندری میں پہنچے تو سلیمان شیخ زادہ بھی ان سے آ ملا۔ ان کے پاس میں چالیس ہزار آدمی کا لشکر جمع ہو گیا۔ ان لوگوں نے دلی کو گھیر لیا۔ لڑائی تو کوئی ہوئی نہیں۔ مگر ہاں اہل شہر کو تنگ کرنے لگے۔ سلطان ابراہیم اس لشکر کی خبر سُنے ہی مقابلہ کے لیے چل کھڑا ہوا۔ جب وہ قریب آ گیا تو یہ بھی قلعہ چھوڑ سانسے آئے۔ انہوں نے تجویز کی کہ اگر دن کو لڑیں گے تو پٹھان آپس کی غیرت سے بھاگنے کے نہیں۔ اور اگر ہم شبخون مارینگے تو اندھیری رات میں کوئی کسی کو دیکھتا نہیں۔ ہر سردار اپنا رستہ لیگا۔ یہ بات پھیر کر تقریباً چھ کوس سے شبخون مارنے چلے۔ دود فدا اسی قصد سے دوپہر کو اپنی جائے سے سوار ہوئے۔ اور آدھی رات تک گھوڑوں کی پیٹھوں پر رہے۔ مگر نہ آگے بڑھے نہ پیچھے ہٹے۔ نہ کوئی بات قرار دے سکے۔ تیسری دفعہ پہر رات آئی ہوگی کہ شبخون مارنے چلے۔ اتنا شبخون مارنا ہی تھا کہ غیموں۔ ڈیروں میں آگ لگا دیں۔ غرض پہر رات گئے پیچھے سے آئے۔ اور آگ لگا کر نکل چا دیا۔ جلال خاں حکمت وغیرہ قائم خاں سے آئے۔ سلطان ابراہیم اپنے سراچہ میں اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ رات بھر جاگتا تھا۔ اور وہیں صبح کر دیتا تھا۔ عالم خاں کی فوج لوٹ مار میں مصروف ہو گئی۔ سلطان ابراہیم نے جو دیکھا کہ دشمن کی جمعیت تھوڑی سی ہے تو وہیں سے جہاں تھا کسی قدر فوج اور ایک ہاتھی کو لے انکی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو بھاگتا قریب پہنچا دشمن کو مقابلہ کی تاب نہ رہی۔ سب بھاگ نکلے۔ اسی بھاگڑ میں عالم خاں ساں و آب سے

ہوتا ہوا پانی پت کی نواح میں آگیا۔ پھر پانی پت سے یہ لوگ بھاگے۔ اندری پہنچے تو سلیمان
تین چار آدمی بیکر چلے دیا۔ اسماعیل خاں حلوانی۔ دریا خاں اور عالم خاں کا بیٹا جلال خاں
ان سے الگ ہو دو آبے میں چلے گئے۔ پھر عالم خاں کے جمع کیے ہوئے لشکر میں سے کچھ لوگ
جیسے سیف خاں۔ دریا خاں۔ محمود خاں خان جہاں اور شیخ جمال فرعی وغیرم لڑائی سے پہلے
سلطان ابراہیم کے پاس بھاگ کر چلے گئے۔ عالم خاں۔ دلاور خاں اور حاجی خاں سرہند
سے جو چلے تو میرے آنے اور بلوت لینے کی خبر انہوں نے سنی۔ دلاور خاں جس نے ہمیشہ
میرا دم بھرا ہے۔ اور میرے ہی لیے تین چار جہیز کی قید بھگتی تھی اسے جدا ہو کر سلطان اور
اور کوچی میں آیا اور بلوت لینے کے تین چار روز بعد نواح بلوت میں مجھ سے آ ملا عالم خاں
اور حاجی خاں دریائے شلت ہو دو دن کے پہاڑ کے نیچے دکنکوٹہ کے قلعہ میں جو بہت مستحکم
تھا آ گئے۔ کچھ فوج، فغان و ہزارہ نے ان کو آ گھیرا۔ اور ایسے مضبوط قلعہ کو قریب تھا
کہ لے لیں۔ اتنے میں شام ہو گئی۔ اندر والوں نے باہر نکلنا چاہا۔ گھوڑے ایسے تھک گئے تھے
کہ باہر نہ نکل سکتے تھے۔ باقی بھی تھے ان کو آگے دھکیلا۔ گھوڑوں کی باگ دُوریں پکڑ کر
کھینچا پھر بھی گھوڑوں پر سوار باہر نہ آ سکے۔ آخر رات کے اندھیرے میں بڑی دقت سے
پیادہ پانچلے۔ اور غازی خاں کے پاس بلوت میں آئے۔ وہ پہاڑ کی طرف بھاگا جاتا تھا۔
اسکے ہمراہ ہوئے۔ غازی خاں نے پوری توجہ نہ کی۔ دن کے نیچے پھلور کی نواح میں
عالم خاں نے ملازمت حاصل کی۔ جو لوگ لاہور میں تھے انکے پاس سے سیالکوٹ میں آدمی آیا۔
انہوں نے کہا بھیا کہ کل ہم سب حاضر ہوتے ہیں۔ دوسرے دن کوچ کر کے ہم پر سردر میں مقیم
ہوئے۔ محمد علی جنگج، خواجہ حسین اور اڈر امرا یہاں حاضر ہوئے۔ غنیم کا لشکر دریائے راوی
کے کنارے پر لاہور کی طرف تھا۔ چونکہ کو اس کے ساتھیوں سمیت سُن گئے لینے کے یہ بھجلا۔
تین پہرات گزری ہوئی جو خبر آئی کہ غنیم ہماری سُننے ہی منتظر ہو کر بھاگ گئے۔ ایک نے ایک کی
سُندھ نہ لی۔ دوسرے دن ہم نے کوچ کر دیا۔ بہرہ وغیرہ سے الگ ہو شاہ حسین اور اُور لوگوں کو
بہر میں چھوڑا اور میں خود مع کسی قدر فوج کے دوڑ پڑا۔ تیسرے پہریم کلاؤز میں جا موجود ہوئے
محمد سلطان میرزا اور عادل سلطان میرزا وغیرہم امرا نے یہاں ملازمت حاصل کی۔ رات کو ہم
کلاؤز سے چل کھڑے ہوئے۔ رستہ میں خبر ملی کہ غازی خاں اور بھاگے ہوئے قریب ہی ہیں
محمدی۔ احمدی اور اکثر کو جن کو کابل میں حکم دیا گیا تھا کہ سر سواری حاضر ہوں ان بھاگی ہوؤں
کے پیچھے روانہ کیا۔ اور سمجھا دیا کہ اگر ان تک پہنچ جاؤ تو واہ ہے۔ اور اگر نہ پہنچ سکو تو قلعہ بلوت
کو اس طرح گھیر لینا کہ قلعہ والے بھاگنے نہ پائیں۔ اس احتیاط سے میری غرض غازی خاں تھی

ان امراء کو تو آگے بھیجا اور میں کلا نور کے قریب دریا سے پار ہوا۔ یہاں سے دو منزلہ کر کے قلعہ بلوت والے درہ کے دامنہ میں آن اُترا۔ آگے پہنچ جانے والے امراء اور ہندوستانی امراء کو حکم دیا گیا کہ قلعہ کو پاس سے گھیر لو۔ دولت خاں کا پوتا علی خاں کا بیٹا اور اسماعیل خاں دولت کا بڑا بیٹا یہاں حاضر ہوا۔ ان کو کچھ دھمکایا اور کچھ تسلی دے قلعہ کی طرف بھیجا۔ جمعہ کے دن لشکر کو آگے بڑھایا۔ آدھ کو س کے فاصلہ سے ڈیرے ڈال دیے۔ میں نے خود جا کر قلعہ کو دیکھا۔ برانغار جرنال اور قول کے مورچے مقرر کیے۔ پھر لشکر میں واپس آیا۔ علی خاں نے عرض کرا بھیجا کہ غازی خاں تو پہاڑ کی طرف بھاگ گیا۔ اگر میری خطا معاف ہو تو میں غلامی میں حاضر ہو کر قلعہ سوئپ دوں۔ خواجہ میراں کو اُس کے پاس بھیجا۔ خواجہ اُسکو مطمئن کر کے اپنے ساتھ لے آیا۔ علی خاں اپنے بیٹے کے ہمراہ حاضر ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ وہی دونوں تلواریں جو میرے مقابلہ کے لیے کمر میں باندھی تھیں اس کی گردن میں لٹکا دو۔ ایسے گستاخ کی سزا یہی ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچنے پر بھی انھیں تابی رہا۔ لوگ آگے لائے۔ میں نے حکم دیا کہ تلواریں گردن سے نکال لو۔ سامنے آکر زانو مارنے میں بھی رُکا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کا پاؤں کھینچ کر رسم تعظیم ادا کراؤ۔ اور ٹھٹھا دو۔ ایک ہندوستانی کو ترجمان بنایا۔ اُس سے کہا کہ جو میں کہوں وہ ایک ایک بات اسکو سمجھا کر کہہ۔ اس سے کہہ کہ میں تجھ کو باپ کہا کرتا تھا جس طرح تیرا دل چاہتا تھا ویسی ہی تیری عزت کیا کرتا تھا۔ تجھے اور تیرے بچوں کو ملو خاں کے دروازہ پر ٹھوکریں کھانے سے بچایا۔ تیرے کنبے کو گھر بار کو ابراہیم کی قید سے چھڑا دیا اور تانا رخاں کا تین کرڑ کا ملک تجھ کو دیا۔ میں نے تیرے ساتھ کونسی بُرائی کی تھی جس کے بدلے میں تو نے دو دو تلواریں کمر میں باندھ کر مجھ پر فوج کشی کی میرے ملک میں فتنہ و فساد برپا کیا۔ بوڑھا بوبک بڑبڑانے لگا اور کوئی بات اُس کے مُنہ سے نہ نکلی۔ ان باتوں کے جواب میں سوائے سکوت کے کہہ ہی کیا سکتا تھا۔ خیر یہ تجویز ہوئی کہ اسکے کنبے اور گھر بار کو اسی کے حوالے کر دیا جائے۔ باقی مال اسباب ضبط سم کار ہو۔ اور یہ خواجہ میر سیڑاں کے پاس رہے۔ ہفتہ کے دن بائیسویں ربیع الاول کو اُسکے کنبے اور بال بچوں کے صحیح سالم نکلوا دینے کے لیے میں آپ ایک اونچی جگہ بلوت کے دروازہ کے سامنے ٹھیرا بیٹھا آیا۔ کچھ اشرفیاں اُس نے نذر کیں اور نظر کے وقت تک اپنے متعلقوں کو نکال لے گیا۔ عبداللہ محمد علی جنکنک۔ قتل قدم۔ محمدی۔ احمدی اور اور امراء کو حکم ہوا کہ قلعہ میں جائیں اور اُنکے تمام خزانے اور کارخانے ضبط کر لیں۔ اُس کے لوگوں نے تو یہی کہا تھا کہ غازی خاں چلا گیا ہے مگر بعض یہ بھی کہتے تھے کہ ہم نے قلعہ میں دیکھا ہے۔ اسی واسطے سپاہیوں کے پہرے دروازہ پر مقرر کر دیے۔ اور کہہ دیا کہ جہاں شبہ ہو تلاشی لیلو۔ ایسا نہو کہ غازی خاں دھوکا دیکر نکلیں گے

اصلی غرض قہر تھی اور ایسا خیال بھی تھا کہ جو کچھ جواہر وغیرہ پوشیدہ لیجانا چاہے وہ چھپن لیا جائے۔ قلعہ کے دروازہ پر لوگ لگے بلوہ کرنے۔ انتظام کے لیے میں نے چند تیر مارے۔ قنار ایک تیر ہمایوں کے چوپان کے قبضہ میں لگا۔ وہ فوراً مر گیا۔ رات کو میں اُسی بلندی پر رہا۔ پیر کو قلعہ میں جا کر سیر کی۔ غازی خاں کے کتب خانہ میں گیا۔ کچھ کتابیں اچھی نکلیں۔ کئی ہمایوں کو دیں اور کئی کامران کو بھیجیں۔ ملاؤں کے مطلب کی زیادہ کتابیں تھیں۔ جیسی عمدہ کتابوں کی امید تھی ویسی نہ نکلیں۔ رات کو میں شہر میں رہا۔ اور صبح وہاں سے آیا۔ میرا خیال تھا کہ غازی خاں شہر میں ہے۔ مگر وہ بے غیرت نامرد مان۔ باپ۔ چھوٹے بھائی اور چھوٹی بہن کو بلوت میں چھوڑ کر چند آدمیوں کے ساتھ نکل بھاگا تھا۔ قطعہ

بہیں آں بے حیثیت را کہ ہرگز نخواہد دید روئے نیک بختی

تن آسانی گزیند خویشتن را زن و فرزند بگزارد بہ سختی

بدھ کے دن وہاں سے کوچ کر دیا۔ اُسی پہاڑ کی طرف چلے جدھر غازی خاں بھاگ گیا تھا۔ درہ بلوت کی منزل میں ایک کوس چلکر درہ میں اُترنا ہوا۔ دلاؤر خاں نے یہاں آکر ملازمت حاصل کی۔ دولت خاں علی خاں۔ اسماعیل خاں اور انکے کئی سرداروں کو قید کر کے کتہ بیگ کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ قلعہ ملونی میں جہ پیرہ میں ہے ان کو لیجائے اور حفاظت سے رکھے۔ انکے علاوہ جسکو جسے گرفتار کیا اُسکی قیمت گرفتار کر نوالے کے لیے دلاؤر خاں کے اتفاق رائے سے مقرر کر دی بعض کی قیمت دلا دی گئی۔ اور بعض کو قید کر کے روانہ کیا۔ وہ قیدیوں کو لے گیا سلطانپور پہنچا ہو گا کہ دلاؤر خاں مر گیا۔ بلوت کو محمد علی جناب جناب کے سپرد کیا تھا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی ارغون کو اپنی طرف سے مقرر کیا۔ اور افغان و ہزارہ کے بھی دو سے ڈھائی سے آدمی لکاک کے لیے متعین کر دیے۔ خواجہ کلاں غازی سے شراب کے کئی اونٹ لایا تھا۔ اُس کا مکان قریب ہی تھا جو قلعہ اور ارک کے اوپر کی جانب تھا۔ وہیں جلسہ منعقد ہوا۔ کسی نے شراب پی اور کسی نے عرق پیا پھر یہاں سے چلے۔ دریائے کند کی اور بلوت کی پہاڑیوں سے نکل دوں میں آئے۔ ہندوستان کی زبان میں میدان کو دوں کہتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسے کھیت جن میں پانی رواں ہو اسی میدان میں ہیں میدان کے گرد بہت سے دیہات ہیں۔ یہ مقام دلاؤر خاں کے ماموں جوآن کا پرگنہ تھا۔ خوش قطع مقام ہے۔ اس کے اطراف میں دو مرغزار ہیں۔ اس میں دھان بوئے جاتے ہیں۔ تین چار آسیا کے برابر پانی بہتا رہتا ہے۔ میدان کی وسعت کہیں کوس دو کوس اور کہیں کہیں تین کوس کی ہوگی ہاں کے پہاڑ چھوٹے چھوٹے ہیں۔ ایسے ہیں جیسے پختے۔ سارے گاؤں دامنہ کوہ میں آباد ہیں۔ جہاں آبادی ہے وہاں مور اور بندر کثرت سے ہوتے ہیں۔ چڑیوں جیسے جانور بھی بہت ہیں۔ صورت تو

مرغ کی سی مگر اکثر ایک رنگ۔ چونکہ غازی خاں کا حال معلوم نہ ہوا کہ کہاں ہے اس لیے تردی بیگ کو برم دیو ملہاس کے ساتھ مقرر کیا کہ جہاں غازی خاں ہو وہاں اُس کی خبر لو۔ اس میدان کی پہاڑیوں میں چاروں طرف مضبوط مضبوط قلعے ہیں۔ شمال مشرقی سمت میں ایک قلعہ ہے کو تملہ نام۔ اُسکا گرداؤلا ستر اسی کو س کا ہے۔ بڑے دروازہ کی طرف سات آٹھ گز کی ہوگی گزرگاہ کی فراخی دس بارہ گز ہوگی۔ دو لمبے لکڑیوں کا پل باندھ دیا ہے۔ گھوڑے اور مویشی کو اُسی پر سے لیجاتے ہیں۔ یہاں کے کوہستان میں غازی خاں نے جن قلعوں کو درست کیا تھا اُن میں سے ایک قلعہ یہ بھی تھا۔ قلعہ میں سپاہی متعین تھے۔ اس قلعہ پر ہماری فوج کی ایک ٹکڑی گئی۔ لڑائی ہوئی۔ قلعہ فتح ہونیکو تھا کہ شام ہوگئی۔ قلعہ والے ایسے مستحکم قلعہ کو چھوڑ بھاگ گئے۔ دوسرا مضبوط قلعہ کنگو نہ ہے۔ اسکی چار دیواری ہے مگر قلعہ کو تملہ جیسی نہیں ہے۔ عالم خاں اسی قلعہ میں آیا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ غازی خاں پر فوج روانہ کر نیکیے بعد بہت کی رکاب میں پاؤں رکھ اور توکل کی باگ ہاتھ میں لے سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر بن سلطان بہلول لودھی افغان کی جانب جو اُن دنوں میں ہندوستان کا بادشاہ تھا اور جس کا دار السلطنت دلی تھا اور جسکی رکاب میں ایک لاکھ فوج اور ایک ہزار ہاتھی کا ہونا بیان کیا جاتا تھا متوجہ ہوا۔ ایک منزل کے بعد باقی شقاوول کو دیال پور عنایت کر کے بلخ کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ بلخ کے انتظام کے لیے بہت سارے پیہ بھیجا۔ کابل میں جو فرزند و افادہ تھے اُنکے لیے سو غاتیں اور وہ اسباب جو بلوت کی فتح میں ہاتھ لگا تھا بھیجا۔ میدان کے آخر کی طرف دو ایک منزل کے بعد اریش خاں اور ملا مذہب کے خطوط لیکر شاہ عماد حاضر ہوا۔ اور دو لٹوا ہی ظاہر کی۔ اس یورش میں اُنہوں نے بہت سعی کی تھی۔ میں نے بھی ایک آدمی کے ہاتھ عنایت آمیز فرامین اُن کو لکھ بھیجے۔ میں آگے بڑھا۔ جو فوج کا دستہ بلوت گیا تھا اُسے چڑھائی کر کے ہندو راور کھلور وغیرہ کے قلعوں کو جنگی طرف اُنکی مضبوطی کے باعث سے مدتوں سے کسی نے رخ نہ کیا تھا فتح کیا۔ اور وہاں والوں کو لوٹ مار کر پھر وہ ہم سے آں ملا۔ عالم خاں بھی پریشاں حال پایادہ پا اسی منزل میں آیا۔ امرا اُسکی پیشوائی کے واسطے بھیجے گئے۔ گھوڑے بھی اُس کے لیے بھجوا دیے۔ اس نواح کے پہاڑوں اور گھاٹیوں میں فوج گئی۔ اور دو ایک دن کے بعد واپس گئی۔ کچھ بہت اُس کے ہاتھ نہیں لگا۔ شاہ حسین اور جان بیگ وغیرہ بھی رخصت لیکر گرداوری کے لیے گئے۔ انہی دنوں میں دو تین دفعہ ہلکے حلوانی کی عضیاں آئیں۔ یہاں سے بھی اسکی خواہش کے موافق فرمان بھیجے گئے۔ دو دن سو کوچ کر کے ہم روپر میں آئے۔ روپر سے چلے اور سر ہند کے نزدیک تالاب پر خیمہ زن ہوئے۔

یہاں ایک ہندوستانی سلطان ابراہیم کا اپنی بنا ہوا آیا۔ اگرچہ اُسکے پاس کوئی خط نہ تھا مگر اُس نے
 مجھ سے ایک اپنی کے بھیجنے کی استدعا کی۔ میں نے بھی ایک نفنگا سواتی اُسی طرح بھیج دیا۔
 جب دونوں پہنچے سلطان ابراہیم نے اُن کو قید کر دیا۔ جس دن ابراہیم کو شکست ہوئی
 اُسی دن سواتی رہا ہوا۔ ایک منزل کے بعد دیہور دستور میں اُترے۔ ہندوستان کے
 دریاؤں سے علحدہ یہاں ایک ندی بہتی ہے۔ اُس کو کھڑے کہتے ہیں۔ چتر بھی اسی ندی کے
 کنارے پر ہے۔ دریا کے بالائی جانب سیر کرنے کے لیے میں سوار ہوا۔ چتر سے تین چار
 کوس اس دریا سے اونچی جانب کے ایک درہ سے بہت صاف اور عمدہ ندی نکلتی ہے۔
 ایک اور کشادہ درہ سے چار پانچ آساکے برابر پانی آتا ہے۔ (اس مقام کو نہایت پُر فضا اور
 ہوادار دیکھ کر یہاں ایک چار باغ بنانے کا حکم دیا) یہ پانی صحرا میں ایک کوس بھر بہکندی
 میں ٹپکتا ہے۔ دریا کے کھڑے کے نکلنے کی جائے اُن دیہات سے جن کے نیچے دریا بہتا ہے
 تین چار کوس ہٹ کر ہوگی۔ اس منزل میں مجھے معلوم ہوا کہ سلطان ابراہیم جہاں
 کے اس جانب تھا وہاں سے کوس بھر آگے آیا ہے۔ اور حمید خاں خاص خیں حاکم حصار و فیروزہ
 مع اُس فوج کی فوج کے دس پندرہ کوس ادھر آ گیا ہے۔ اور چلا آتا ہے۔ کتہ بیگ کو ابراہیم
 کے لشکر کا اور مومن آتکے کو لشکر حصار کا حال دریافت کرنے روانہ کیا۔ اوار کے دن تیسویں
 جمادی الاول کو انبالہ سے کوچ کر کے ایک تالاب کے کنارے پر ہم اُترے تھے کہ مومن آتکے
 اور کتہ بیگ آج ہی آئے۔ براندا کی فوج میں سے خواجہ کلاں۔ سلطان محمد ولدانی۔ قلی خازن
 خسرو بیگ۔ ہندو بیگ۔ عبدالعزیز اور محمد علی جنگجک کو۔ اور قول میں سے بھی شاہ منصور
 برلاس۔ کتہ بیگ اور محبت علی وغیرہ کو ہمایوں کے ساتھ کر کے حمید خاں کے مقابلہ کے لیے
 مقرر کیا۔ امین نے بھی اسی منزل میں آکر ملازمت حاصل کی۔ یہ پٹھان بھی بڑے گنوار اور
 جاہل ہیں۔ باوجودیکہ دلاور خاں عہدہ اور مرتبہ میں اس سے زیادہ ہے۔ عالم خاں اُسکے سردار
 ہے اور یہ میرے سامنے نہیں بیٹھنے پاتے۔ مگر اس نے بیٹھنے کی خواہش کی۔ پیر کے دن جو بیسویں
 تاریخ ہمایوں نے حمید خاں پر دھاوا کر دیا۔ سو ڈیڑھ سو آدمی چھنے ہوئے بطریق قراول
 آگے روانہ کیے۔ یہ قراول بہت آگے پہنچ کر دشمن سے جا بٹھا۔ کچھ چھپر چھاڑ ہوئی تھی۔
 اتنے میں عقب سے ہمایوں کا لشکر پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے ہی غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔
 سو دو سے آدمیوں کو گھیر کر آدھوں کے سر کاٹ لیے اور آدھوں کو زندہ گرفتار کر لیا۔ سنا
 آٹھ ہفتی بھی چھپیں لیے۔ اور سب کو لے آئے۔ ہمایوں کی اس فتح کی خبر اٹھائیسویں تاریخ
 جمعہ کے دن ماہ بیگ میرک مغل اسی منزل میں لایا۔ اُسی وقت خلعت خاص اور ایک

خاصہ کا گھوڑا اُس کو عنایت کیا۔ پیر کے دن اکیسویں تاریخ اسی منزل میں ہمایوں سوار
 قیدیوں اور سات اٹھ ہاتیوں سمیت آیا۔ اور ملازمت کی۔ انتظام کے خیال سے
 علی قلی اور تنگیچوں کو حکم دیا کہ ان سب قیدیوں کو گولیاں مار دو۔ ہمایوں کی پہلی
 لڑائی یہی تھی۔ اور پہلا کام اُس نے یہی کیا تھا۔ شکون تو اچھا ہوا۔ بھاگے ہوؤں کے
 پیچھے فوج روانہ ہوئی۔ حصار یروزہ کو اُس نے چھین لیا۔ حصار فیروزہ مع توابعات
 اور ایک کڑوڑ زرنقہ ہاتیوں کو انعام میں دیا۔ ہم یہاں سے کوچ کر کے شاہ آباد میں آئے۔
 شاہ آباد میں چند روز ٹھہرنا ہوا۔ یہیں سے رحمت پیادہ کے ہاتھ کابل کو فتح نامے بھیجے۔
 اسی مقام پر ہمایوں نے اپنی ڈاڑھی منڈائی۔ اس کو آج اٹھارہواں سال ہے اور مجھ کو
 چھیالیسواں۔ ہم اسی منزل میں تھے کہ اٹھائیسویں جمادی الاول کے کو آفتاب برج حمل
 میں آیا۔ ابراہیم کے لشکر سے برابر خبریں آئیں کہ ایک ایک دود کو کس کوچ ہو تا ہے اور
 ہر منزل میں دودو تین تین دن تک مقام رہتا ہے۔ ہم بھی آگے بڑھے۔ شاہ آباد سے
 ایک منزل چل کر سردارہ کے مقابل میں دریا سے جہنما کے کنارے پر خیمہ زن ہوئے۔ خواجہ کلا
 کے ملازم حیدر قلی کو حریف کی سُن گُن لینے کے لیے بھیجا گیا۔ میں نے جہنما کے پار جا کر سردارہ
 کی سیر کی۔ اُس دن میں نے مجھ کو استعمال کیا تھا۔ سردارہ میں ایک چشمہ بھی ہے۔ اس
 چشمہ سے پانی جاری رہتا ہے۔ یہ مقام بُرا نہیں ہے۔ تردی بیگ خاکسار نے ایک کشتی
 میں دالان بنایا تھا۔ کبھی میں اُس کشتی میں بیٹھ کر سیر کرتا تھا اور کبھی طے منازل بھی کرتا تھا۔ اسی
 منزل سے دریا کے کنارے نیچے کی جانب بڑھتے چلے جاتے تھے۔ اسی اثناء میں حیدر قلی
 جو جاسوسی کے لیے گیا تھا خبر لایا کہ داؤد خاں اور بہتم خاں کو چھ سات ہزار سوار کے ساتھ دواؤبہ
 سے روانہ کیا ہے۔ ابراہیم کے لشکر سے تین چار کوس اس طرف ڈیرے ڈالے وہ پڑے ہوئے
 ہیں۔ اٹھارہویں جمادی الاخر کے کو ہفتہ کے دن چہین تیمور سلطان۔ مہدی خاں۔ محمد سلطان میرزا
 اور عادل سلطان میرزا کو تمام فوج جرائدار کے ساتھ جس میں سلطان جنید۔ شاہ میر حسین اور
 قتلچہ قدم تھے۔ اور قول میں سے یونس علی۔ عبداللہ۔ احمدی اور کتہ بیگ کے ساتھ فوراً روانہ کیا۔
 یہ لشکر ظہر کے وقت دریا سے اتر عصر و مغرب کے درمیان میں وہاں سے چل نکلا۔ اور مغرب کے
 اول وقت غنیم کے سر پر جادھمکا۔ یہ لشکر اس طور سے بڑھا اور حملہ آور ہوا کہ اس کے قریب
 ہوتے ہی دشمن کی فوج ایسی بھاگی کہ ابراہیم کی فرودگاہ کے قریب جا کر ٹھہری۔ بہتم خاں کو جو
 داؤد خاں کا بڑا بھائی اور ایک سردار تھا مار کر ستر اسی قیدی اور اٹھ سات ہائی بیگ بکڑ ملائے
 رعب جمانے کے لیے اکثر قیدیوں کو قتل کر ڈالا۔ فوج کی صفیں آراستہ کر یہاں سے آگے بڑھے۔

معمول ہے کہ جب فوج تیار ہو کر چلنے لگتی ہے تو کمان یا چابک ہاتھ میں لیکر دستور کے موافق اُسکا تختینہ کیا جاتا ہے۔ اور اُسی کے بموجب حکم لگایا جاتا ہے کہ اتنا لشکر ہے میں اپنا لشکر کو جس قدر سمجھے ہوئے تھا تختینہ کے وقت اُس قدر نہ نکلا۔ اسی منزل میں توقف کیا۔ تاکہ جتنے ہو سکیں چھکڑے تیار کر لیں۔ سات سے چھکڑے تیار ہوئے۔ استاد علی قلی کو حکم دیا کہ روحی طریقہ سے چھکڑوں کو زنجیر کے بدلے رسیوں سے باندھا جائے۔ ہر جائے دو چھکڑوں کے بیچ میں چھ سات جالی کے خانے ہوں۔ گولہ انداز ان چھکڑوں اور جالیوں کی آرٹیں کھڑے ہو کر گولے ماریں۔ اس سامان کے درست کرنے کے لیے پانچ چھ دن یہیں ٹھہرے رہے۔ سب اسباب لیس ہو جانے کے بعد تمام امراء اور افسران فوج کو جو بات سمجھتے تھے عام طور سے جمع کر کے مشورہ کیا۔ باتفاق آرایہ بات قرار پائی کہ پانی پت میں مکانات اور محلے بہت ہیں۔ ایک طرف تو اُس کو رکھنا چاہیے۔ اور دوسری طرفوں کو اربوں اور جالوں سے مستحکم کر کے گولہ اندازوں اور پیدلوں کو اُن کے پیچھے کھڑا کر دیا جائے۔ اس تجویز کے بعد کوچ کر دیا۔ ایک منزل سے چلکر جمعرات کے دن جمادی الاخریٰ کے سنگ کو ہم پانی پت میں آئے۔ دست راست کی طرف شہر کو رکھا اور ادھر جو چھکڑے اور جال تیار کیے تھے قائم کر دیے۔ دست چپ وغیرہ کی سمتوں میں خندق کھود دی۔ اور جھانکڑ لگا دیے۔ ہر جانب ایک ایک تیر کے پر تاب سے اتنی جگہ چھوڑ دی کہ سو دیرھ سو آدمی نکل جائیں۔ فوج کو ذرا تردد اور ہراس تھا۔ مگر یہ یہودہ بات تھی۔ خدا نے جو قسمت میں لکھ دیا ہے وہی ہوتا ہے۔ لوگوں میں یہ عیب تھا۔ لیکن اس عیب کی گرفت بھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وطن چھوڑے دو تین مہینے ہو گئے تھے۔ ایک اجنبی قوم سے کام پڑ گیا تھا۔ نہ ہم انکی زبان سے آشنا تھے نہ وہ ہماری زبان سے

شدہ جمے و بود جمے پریشاں گرفتار تو سے و تو سے عجائب
غنیم کا لشکر جتنا سامنے تھا اُسکا تختینہ ایک لاکھ کیا جاتا تھا اور ہزار کے قریب ہاتیوں کی تعداد بیان کی جاتی تھی۔ اپنے وقت اور باپ کے وقت کا خزانہ کھچا کھچ بھرا ہوا پاس تھا۔ ہندوستان میں یہ رسم ہے کہ جس وقت ایسا کام پڑتا ہے اُس وقت کچھ دن کے لیے فوج بھرتی کر لیتے ہیں۔ اس کو سربندی کہتے ہیں۔ اگر ایسا کیا جاتا تو حریف ایک لاکھ فوج اور رکھ سکتا تھا۔ خدا کی قدرت نہ وہ اپنے لشکر کو راضی کر سکا نہ خزانہ تقسیم کر سکا۔ لوگوں کو راضی کیونکر کرتا اسکی طبیعت بہت ہی مہمک تھی۔ اپنے تلوار میں روپیہ رکھنے کا عزم نہ تھا۔ ایک جوان آدمی تھا اور ناخبر بہ کار۔

۱۵ یہ مشہور قصبہ دلی سے تقریباً چالیس کوس مغرب میں ہے اور تاریخی اعتبار سے بدینہ مشہور مقام ہے کہ اس کی بڑی اہمیت ہوئی ہے جس نے ایک عہد تبارک کی بھی سوکھ کرانی ہو اور نیز ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج بھی دلی پر چڑھائی کر نیکی لیے اسی طرف آئی تھی ۱۲

نہ اُسنے آتے وقت معقول بند و بست کیا نہ ٹھیسرنے کا اور بھاگنے کا ٹھکانا کیا۔ جب ہم پانی پت میں پھیر کر چھکڑوں اور خندق سے اپنا بند و بست کر رہے تھے اُس موقع پر حملہ کر نیکا خیال نہ کیا۔ درویش محمد ساربان نے عرض کیا کہ اب ایسی احتیاط ہو گئی ہے کہ دشمن کی ہوا بھی ہمارے لشکر میں نہیں آسکتی۔ میں نے کہا کہ ازبک وغیرہ پر قیاس نہ کرنا چاہیے جس سال کہ ہم سمرقند سے چلے اور حصار میں آئے تو سب خان اور سلاطین ازبک متفق ہو کر درندہ سے ہم پر چڑھائی کرنے چلے۔ ہم سب مع گھر بار تیس ہزار آدمی تھے۔ ہم نے حصار کے محلات کو خوب مضبوط کر لیا۔ دشمن فوج کی آمد رفت وغیرہ سے آگاہ تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے حصار کو پناہ کی جائے بنالیا ہے۔ اور دل میں ٹھان لی ہے کہ یہیں مرنا ہیں جینا۔ چڑھائی کا موقع نہیں ہے۔ وہ اُلٹے پھر گئے! اسکو اُس سے مشابہ نہ کر۔ یہ لوگ موقع و محل کیا جانیں خدا کی شان! جو میں نے کہا تھا وہی ہوا۔ سات آٹھ دن تک ہم پانی پت میں رہے۔ ہمارے قہوڑے قہوڑے سے سپاہی اُنکے لشکر کے پاس جاتے تھے اور بہت سوں کا مقابلہ کرنے پر پلٹے تھے مگر وہ اپنی جگہ سے ہلتے نہ تھے۔ آخر بعض ہندوستانی امراء کے کہنے پر عمل کیا۔ مہدی خواجہ محمد سلطان میرزا۔ عادل سلطان۔ خسرو شاہ۔ میر حسین۔ سلطان جنید۔ برلاس۔ عبدالعزیز خور۔ محمد سلطان۔ جنگجک۔ قتل قدم۔ ولی خازن۔ محب علی خلیفہ۔ محمد بخشی۔ جان بیگ اور قراوقی وغیرہم سرداروں کو چار پانچ ہزار فوج کے ساتھ شیخون مارنے کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ عمدہ طور سے مجتمع نہ ہو سکے۔ اور الگ الگ بھی کچھ نہ کر سکے۔ صبح کر دی۔ دن نکلے غنیم کے لشکر کے پاس پہنچے۔ غنیم کی فوج بھی سانوئی ہو گئی۔ تقارے۔ بجائی ہوئی اپنے ہاتھوں کو لیے ہوئے نکلی اگرچہ ہماری فوج نے کوئی نمایاں کام نہیں کیا مگر یہ کیا کہ اتنی کثیر فوج میں سے صبح سالم بے اُنکے کوئی پکڑا بھی گیا ہو نکل آئی۔ محمد علی جنگجک کے پاؤں میں تیر لگا۔ کاری نہ لگا تھا۔ پر لڑائی کے دن تک وہ کام کا نہ رہا۔ میں نے مذکورہ بالا خبر کے سنتے ہی ہمایوں کو اُس کے لشکر سمیت کوس ڈیڑھ کوس انکی پیشوائی کے لیے بھیجا۔ اور میں خود باقی فوج کو لے باہر نکل آیا۔ شیخون والے ہمایوں سے آئے۔ چونکہ غنیم آگے نہ بڑھا اس لیے ہم بھی واپس آ گئے۔ اسی رات غلطی ہو لشکر میں غل مچ گیا۔ تقریباً گھنٹہ بھر تک یہ غل رہا جن لوگوں نے ایسا غل غبارہ نہ سنا تھا وہ بہت سرا سیمہ ہوئے۔ بارے قہوڑی دیر بعد غل ختم کیا۔

پانی پت کی لڑائی
سویرے قراول نے اطلاع دی کہ غنیم سید معا چلا آتا ہے۔ ہم بھی دست
ہو کر سوار ہوئے۔ برنغار میں ہمایوں۔ خواجہ کلاں۔ سلطان محمد ولدانی۔
ہندو بیگ۔ ولی خازن اور پیر قلی سیستانی تھا۔ جرائدار میں مہدی خواجہ۔

دولہائی - میرزا - عادل سلطان - شاہ میر حسین - سلطان جنید - قلعہ قدم - جان بیگ - محمد نبی
 اور شاہ حسین مغل غانچی تھا۔ قول کے دست راست میں چین تیمور سلطان سلیمان - محمدی
 کوکلتاش - شاہ منصور برلاس - یونس علی - درویش محمد ساربان اور عبداللہ کتابدار تھا۔
 قول کے دست چپ میں خلیفہ - خواجہ میر میراں - احمدی پروانچی - تردی بیگ - قوچ بیگ - محمد علی
 خلیفہ - میرزا بیگ نرخان تھا۔ ایراول میں خسرو کوکلتاش اور محمد علی جنگجنگ تھا۔ عبدالعزیز
 میراخور کو طرح میں مقرر کیا۔ برانغار کے اوج میں ولی قزل - ملک قاسم اور بابا قشقة کو مغلوں
 کے نونہ پر معین کیا۔ برانغار کے اوج میں قراقرزی - بواکھد نیزہ باز - شیخ جمال بازی - مندی
 اور تگرہ قلی مغل کو نونہ پر رکھ دیا گیا۔ اور حکم دیا کہ جس وقت دشمن کی فوج قریب آئے تم اُسکے
 پیچھے ہو جانا۔ جب غنیم کا لشکر نمودار ہوا تو معلوم ہوا کہ برانغار کی جانب اُسکا زور زیادہ ہے اس
 واسطے عبدالعزیز کو جو طرح میں تھا برانغار کی کمک کے لیے بھیجا۔ سلطان ابراہیم کی فوج جو دوسرے
 آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی وہ قدم اٹھائے ہوئے چلی آتی تھی۔ ہماری فوج میں غنیم کی آمد اور انتظام
 کی ترکیب دیکھ کر ذرا کھل ملی مچی کہ ٹھیریں یا نہ ٹھیریں۔ مقابلہ کریں یا نہ کریں۔ موقع کی بات کرنی
 چاہیے۔ ایسوں سے مقابلہ ہے جو بے توقف چلے آتے ہیں۔ میں نے حکم دیا کہ نونہ والے
 غنیم کے دست راست اور دست چپ سے پھر کر تہہ باز نے شروع کریں۔ اور لڑائی میں مشغول
 ہوں۔ برانغار بھی جائیجے تو نونہ والے غنیم کے پیچھے سے پلٹ کر تیروں کا مینہ برسانے لگے۔ جہاں
 میں سے مہدی خواجہ سب سے آگے پہنچا۔ مہدی خواجہ کے مقابلہ میں کچھ فوج ایک ہاتی لیے ہوئے
 آئی۔ مہدی خواجہ والوں نے تیروں کی بھرمار سے اُس فوج کا منہ پھیر دیا۔ برانغار کی کمک
 نے یہ سب سنا۔ تردی بیگ - قوچ بیگ اور محمد علی خلیفہ بھیجے گئے۔
 برانغار میں بھی لڑائی شروع ہو گئی۔ محمدی کوکلتاش - شاہ منصور برلاس - یونس علی اور عبداللہ
 کو حکم دیا کہ قول سے آگے بڑھ کر لڑائی شروع کرو۔ استاد علی قلی بھی قول کے آگے آکر
 فیر کرنے لگا۔ مصطفیٰ قویچی دست چپ سے خوب گولے مارنے لگا۔ نونہ والوں نے چاروں طرف
 سے غنیم کو گھیر لیا۔ اور ہنگامہ پیکار گرم کر دیا۔ دو ایک مرتبہ برانغار اور قول نے خفیت سے
 چلے کیے۔ پھر تلواریں سونت لیں۔ اب تو دست راست و دست چپ اور قول وغیرہ سب گڈ گڈ
 ہو گئے۔ گھسان کی لڑائی ہونے لگی۔ غبار ایسا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔ آفتاب کوئی
 ایک نیزہ بلند ہوا ہوگا کہ جنگ مغلوبہ شروع ہوئی۔ دو پہر تک تلوار چلتی رہی۔ دو پہر ہونے ہی
 دشمن ہست ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک ایسا مشکل کام ہم پر آسان کر دیا کہ
 کہ وہ ہمیشہ لشکر و سپہ کے عرصہ میں خاک میں مل گیا۔ باقی چھ ہزار آدمی تو سلطان ابراہیم کو سنا

ایک جائے مارے گئے تھے۔ باقی ہر جگہ کشتوں کے پتے لگے ہوئے تھے۔ ہم نے اس وقت مقتولوں کا تحفہ اپنے نزدیک پندرہ سولہ ہزار آدمی کا کیا۔ مگر آگرے میں ہندوستانیوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اس معرکہ میں پچاس ساٹھ ہزار فوج کام آئی تھی۔ المختصر بیعت السیف قرار ہوئے اور ہم آگے بڑھے۔ جوامر آگے بڑھے تھے وہ بھاگے ہوئے افتادوں کو پکڑ لائے۔ ہاتھوں کے غول کے غول فیلبانوں سمیت گرفتار کر کے لائے۔ اور نذر کیے فراریوں کے عقب میں بابا چہرہ وغیرہ کو اس خیال سے کہ ابراہیم ہمراہیوں کے ساتھ بھاگ گیا ہے روانہ کیا۔ اور حکم دیا کہ بہت جلد چلے جاؤ۔ اور آگرہ تک جا پہنچو۔ اس کے بعد میں لشکر ابراہیم میں آیا اور اُس کے خیموں ڈیروں کو ملاحظہ کیا۔ پھر سند آئی کے کنارہ پر ہم ٹھہرے۔ پھر کے وقت طاہر (خلیفہ کا چھوٹا بھائی) تبریزی نے ابراہیم کی لاش بہت سی لاشوں میں پڑی ہوئی دیکھی۔ یہ فوراً اسکا سر کاٹ لایا، اسی دن ہمایوں میرزا۔ خواجہ کلاں۔ محمدی شاہ منصور برلاس پوتس علی۔ عبداللہ اور ولی خازن کو حکم دیا کہ ابھی چلے جاؤ۔ آگرہ پر قبضہ کر لو اور خزانے ضبط کر لو۔ مہدی خواجہ۔ محمد سلطان میرزا۔ عادل سلطان۔ جنید برلاس اور قتل قدم کو حکم دیا کہ بہرے سے علیحدہ ہو کر فوراً دلی چلے جاؤ اور وہاں کے خزانوں کی احتیاط رکھو۔ دوسرے دن ہم کوں بھر چلے۔ گھوڑوں کو آساکش دینے کے لیے جتنا کہ کنارے پر ڈپے کیے۔ پھر دو منزل چلے سہ شنبہ کو دہلی میں داخل ہوئے۔

دلی میں آنا اور خطبہ پڑھوانا | اول حضرت شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے مزار کی زیارت کی۔ دلی کے قریب جتنا کہ کنارے پر ڈپے کیے۔ پھر کی رات

کو دلی کے قلعہ کی سیر کر کے رات وہیں گزاری۔ صبح حضرت خواجہ قطب الدین گدس سرہ کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا۔ سلطان غیاث الدین بلبن اور سلطان علاؤ الدین خلجی کے مقبروں عمارتوں۔ لاٹھ شمشیر تالاب۔ حوض خاص۔ مقبرہ سلطان بہلول۔ مقبرہ سلطان سکندر اور باغ کی سیر کی سیر کر کے کشتی میں بیٹھ کر عرق پیا۔ دلی جاگ کر دلی کا صوبہ دار اور دوست بیگ کو دلی کا دیوان مقرر کیا۔ خزانوں پر مہر لگا کر انکے سپرد کر دیے۔ جمہرات کو دلی سے کوچ کروایا۔ اور تغلق آباد کے قریب جتنا کہ کنارہ پر لشکر تراجمہ کے دن یہاں مقام ہوا۔ مولانا محمود اور شیخ زین وغیرہ یہاں سے شہر گئے۔ دلی کی جامع مسجد میں انہوں نے جمع کی نماز پڑھی۔ میرے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور فقراء کو بہت سارے پیسے تقسیم کر کے واپس آئے۔ ہفتہ کو اس منزل سے چلے۔ میں نے تغلق آباد کی سیر کی۔ کوچ در کوچ آگرہ چلے گئے۔ جمعہ کے دن بائیسویں رجب کو نواح آگرہ میں پہنچے۔ اور سلیمان فرلی کے

مکان میں اُترنا ہوا۔ یہ مقام شہر سے بہت دور تھا۔ صبح یہاں سے جلال خاں جگہت کے محلوں میں جاٹھیرے۔ ہمایوں وغیرہ پہلے سے آگے بڑھے۔ قلعہ والوں نے قبضہ دینے میں جیلے حوالے کیے۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگ بگڑے ہوئے ہیں۔ تاکید کی کہ خزانوں کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ اور کوئی باہر نہ نکلنے پائے۔ یہ انتظام کر کے میرے منتظر رہے۔ بکرماجیت ہندو گواٹیار کا راجہ تھا۔ اور سو برس سے اُسکے بزرگ وہاں راج کرتے تھے۔ سلطان سکندر گواٹیار چھیننے کے لیے کئی برس سے آگرہ کو دار السلطنت بنائے ہوئے تھا۔ ابراہیم کے وقت میں اعظم ہمایوں اور سرداری نے کئی بار چڑھائی کی۔ آخر صلح سے گواٹیار لے لیا اور شمس آباد اُسکو دیدیا۔ ابراہیم کی شکست کے زمانہ میں بکرماجیت مر گیا۔ بکرماجیت کے بال بچے اور متعلق آگرہ میں تھے۔

مشہور ہیرا کوہ نور کا ہاتھ آنا اور آگرہ پر قبضہ کرنا

جب ہمایوں آگرہ میں آیا تو بکرماجیت کی اولاد بھاگنے کے خیال میں تھی۔ ہمایوں نے سپاہی متعین کر دیے تھے۔ انہوں نے روکا۔ مگر ہمایوں نے اُن کے لوٹے اور مارنے کی اجازت نہیں دی۔ انہوں نے اپنی خواہش سے بہت سا جواہر ہمایوں کی نذر کیا۔ اُس میں ایک مشہور ہیرا تھا جو سلطان علاؤ الدین لایا تھا۔ کہتے ہیں کہ بعض نے اسکی قیمت ساری دنیا کی خراج کا نصف تشخیص کی تھی۔ غالباً اُسکا وزن آٹھ مثقال ہے۔ جب میں آیا تو ہمایوں نے اُسکو میرے آگے پیش کیا۔ میں نے ہمایوں ہی کو دیدیا۔ قلعہ میں جتنی فوج تھی اُن میں ملک داد کرانی۔ ملی سورا اور فیروز خاں میواتی ہوشیار آدمی تھے۔ انہی نے کسی قدر پھر چرکی۔ انکی تادیب کے لیے کچھ لوگ بھیجے گئے۔ ملک داد کرانی نے بعض سرداروں کے وسیلہ سے عرض معروض کی۔ لوگ ادھر ادھر آئے گئے۔ ان باتوں میں چارپانچ دن گزرے۔ آخر اُنکے مدعا کے موافق انکی پرورش کی گئی۔ اور جرائم معاف کر دیے گئے۔ سلطان ابراہیم کی ماں کو سات لاکھ نقد کا پرگنہ عنایت کیا۔ ان امیروں کو جاگیریں عطا کیں۔ اور ابراہیم کی ماں کے رہنے کو آگرہ سے کوس بھر کے فاصلہ پر دیا۔ اُس طرف ایک مکان دیا۔ رحیب کی بتائیسویں تاریخ ہفتہ کو دن بعد دوپہر کو شہر آگرہ میں داخل ہوا۔ سلطان ابراہیم کے محل میں اُترا۔ کابل سے ہندوستان تک کی فتح کا محل بیان آگرہ ہجری میں کابل فتح ہوا جب اب تک

سلطان ابراہیم کی ضعیفہ ماں نے قلعہ دہلی میں شہزادہ ہمایوں کی نذر کیا۔ یہی ہیرا کوہ نور کے نام سے مشہور ہے۔ مغلیہ دربار سے رنجیت سنگھ والی لاہور کے پاس بیچا اور وہاں سے ملکہ معظمہ کو دیا۔ قیصر ہند کے ہاتھ لگا۔ اب تک یہ ہیرا ملکہ ممدوحہ کے مشکوئے دولت میں ہے ۱۲

ہندوستان لینے کی ہوس تھی۔ کبھی امراء کی بے ہمتی سے اور کبھی بھائیوں کی بغاوت سے یہ آریز پوری نہ ہوئی۔ آخر وہ موانع نہ رہے۔ چھوٹے بڑے امیروں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو خلافت مقصود دوم مار سکے۔ ۹۲۵ ہجری میں تجور کا قلعہ دو تین گھنٹے میں بزورِ شمشیر چھین لیا۔ اور وہاں قتل عام کر کے بہرے میں آگیا۔ بہرے والوں کو نہ لوٹا نہ مارا۔ جان و مال کی انکوائمان دی۔ اور چار لاکھ شاہرخہ کا نقد و جنس خراج کے اہل لشکر پر تقسیم کر کا بل میں آگیا۔ اُس سن سے ۹۳۲ تک آٹھ سات ہجری میں نے پانچ حملے ہندوستان پر کئے۔ پانچویں بار اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے سلطان ابراہیم جیسے مقابل کو زیر کرادیا۔ اور ہندوستان جیسا وسیع ملک مسخر فرما دیا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے آج تک اُدھر کے بادشاہوں میں سے تین حملہ آور بادشاہ کامیاب ہوئے ہیں۔ ایک سلطان محمود جس کی اولاد بھی مدتوں ملک ہند پر فرمانروا رہی ہے۔ دوسرا سلطان شہاب الدین غوری۔ اس کے متعلق اور غلام برسوں یہاں کے حکمران رہے ہیں تیسرا میں ہوں۔ مگر میری اور اُن بادشاہوں کی پوری مائیت نہیں سمجھ سکتی کیونکہ سلطان محمود نے جب ہندوستان کو لیا ہے اُس وقت سلطان کی قوت اتنی تھی کہ خراسان اُس کے تحت میں تھا۔ شاہانِ خوارزم و دارالمرزا اُس کے مطیع تھے۔ سمرقند کا بادشاہ اُس کا محکوم تھا۔ اُسکا لشکر حملہ کے وقت اگر دو لاکھ نہیں تو ایک لاکھ ضرور ہوگا۔ دوسرے تمام ہندوستان میں ایک بادشاہ نہ تھا۔ مختلف راجہ تھے۔ اپنی اپنی ڈھلی اور اپنا اپنا راجہ تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری اگرچہ خراسان پر قابض نہ تھا مگر اُس کا بڑا بھائی سلطان غیاث الدین غوری مالکِ خراسان تھا۔ طبقاتِ ناصری میں لکھا ہے کہ سلطان مرحوم ایک لاکھ آٹھ ہزار مسلح سواروں سے ہندوستان پر آیا تھا۔ اُس کے مقابلہ میں بھی متفرق راجہ تھے۔ سارے ہندوستان کا ایک بادشاہ نہ تھا۔ جب میں بہرے میں آیا ہوں تو زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو ہزار فوج میرے ساتھ ہوگی۔ اب پانچویں مرتبہ جو میں نے حملہ کیا ہے اور سلطان ابراہیم کو شکست دیکر ہندوستان کو فتح کر لیا ہے تو سارا لشکر مع بہیر و جنگاہ ہار و ہرا لکھا گیا تھا۔ اور کبھی اتنی جمعیت لیکر آنے کا موقع نہ ملا تھا۔ بدخشاں۔ قندھار۔ کابل اور قندھار کا ملک میرے قبضہ میں تھا۔ پر اُن کی آمدنی بہت نہ تھی۔ بلکہ بعض علاقے دشمنوں کے ملک سے ایسے قریب تھے کہ وہاں بڑی مدد دینی پڑتی تھی۔ سارا ماہ و راء النہر از بکوں کے قبضہ میں تھا۔ اُن کی فوجیں تھیں ایک لاکھ کے قریب بیان کیجاتی تھیں۔ اور وہ ہمارے قدیمی دشمن تھے۔ ہندوستان کی قلمرو بہرے سے ملک بہار تک پٹھانوں کے تحت میں تھی۔ یہاں کا بادشاہ سلطان ابراہیم تھا۔ پانچ لاکھ سے کم اُسکی فوج نہ سمجھنی چاہیے۔ بیشک پورب کے بعض امراء اسی وقت اُسکے

مخالف تھے۔ اسپر بھی کہتے ہیں کہ ٹھینا ایک لاکھ سوار پیدل اور ہزار امرا کے فیل نشین حاضر رہا۔
تھے۔ با اینہم میں نے ضار پر بھروسہ کیا۔ انہیں جیسے لاکھ دشمنوں کو پیچھے چھوڑا اور سلطان ابراہیم صاحب لشکر و ملک سے جو سیلاب شتم تھا جا بھڑا۔ خدا ستعالیٰ نے میری محنت اور کوشش ضائع نہ کی۔ ایسے زبردست مقابل کو مغلوب کر دیا۔ اور ہندوستان جیسا وسیع ملک فتح کر دیا۔ میں اس دولت کے حاصل کرنے کو اپنی تاب و طاقت پر محمول نہیں کرتا اور اس سعادت کے نصیب ہو جانیکو اپنی کوشش و ہمت کی بدولت نہیں جانتا بلکہ محض خدا ستعالیٰ کی عنایت سمجھتا ہوں۔

ہندوستان کا بیان | ہندوستان وسیع۔ بہت آباد اور سیر حاصل ملک ہے۔ اس کے مشرق و جنوب بلکہ کسی قدر مغرب میں بھی دریا اے سمندر ہے۔ شمال میں ایک

پہاڑ ہے جو کہ ہندو کش۔ کافرستان اور کوہستان کشمیر سے ملا ہوا ہے۔ اُس کے مغرب شمال میں کشمیر۔ غزنی اور قندھار ہے۔ ہندوستان کا دارالملک آج تک ”دلی“ ہے سلطان شہاب الدین غوری کے بعد سے سلطان فیروز شاہ کے آخر زمانہ تک ہندوستان کا تقریباً سارا ملک شاہان دلی کے زیر نگین رہا ہے۔ اب جبکہ میں نے اس کو فتح کیا ہے تو پانچ مسلمان بادشاہ اور دو ہندو راجہ یہاں حکومت کرتے ہیں۔ گو چھوٹے چھوٹے راجے اور راجہ پہاڑوں اور جنگلوں میں اور ہتیرے ہیں مگر مقتدر اور مستقل بھی ہیں۔ ان میں سے ایک پٹھان تھے جن کا تسلط ہیرے سے بہار تک تھا۔ ان افغانوں سے پہلے جو تپو سلطان حسین شرقی کے پاس تھا۔ انکو پوہنی کہتے ہیں۔ انکے بزرگ سلطان فیروز شاہ کے دربار کے امرا میں سے تھے۔ فیروز شاہ کے بعد جو تپو کے بیٹے قتل ہو گئے۔ دلی سلطان علاؤ الدین کے قبضہ میں رہی۔ یہ لوگ سید تھے۔ امیر تیمور نے دلی فتح کر کے انکو دیر سی تھی۔ سلطان بہلول لودھی اور اُس کے بیٹے سلطان سکندر نے دلی سے جو تپو تک قبضہ کر لیا تھا۔ دونوں دارالسلطنتوں میں ایک ہی بادشاہ ہو گیا۔ دوسرا سلطان مظفر گجرات میں تھا۔ ابراہیم سے چند روز پہلے اُسکا انتقال ہو گیا۔ وہ بڑا شریع بادشاہ تھا۔ عالم تھا۔ محدث تھا۔ اور ہمیشہ قرآن شریف لکھا کرتا تھا۔ اس خاندان کو نائک کہتے ہیں۔ انکے بزرگ بھی سلطان فیروز شاہ کے اہل خدمت میں سے شہر ایدار تھے۔ فیروز شاہ کے بعد گجرات دبا بیٹھے۔ تیسرا دکن میں بہمنی۔ آج کے زمانہ میں بہمنی سلطنت میں دم نہیں رہا۔ اُسکا سارا ملک اُسکے بڑے بڑے امرا میں منقسم ہو گیا ہے۔ بادشاہ وقت امرا کا محتاج ہے۔ چوتھا مالوہ میں جس کو سند بھی کہتے ہیں، سلطان محمود تھا۔ اس خاندان کو خلجی کہتے ہیں۔ اسکو رانا ساٹگانے زیر کر لیا ہے۔ اور اسکے ملک کے اکثر حصے چھین لیے ہیں۔ سلطنت اب بودی ہو گئی۔ انکے باپ دادا بھی فیروز شاہی امیر تھے۔ پھر مالوہ کے حاکم بن بیٹھے۔ پانچواں نصرت شاہ بنگالہ میں تھا۔ اسکا باپ بنگالہ کا بادشاہ

ہوا تھا جس کا نام سلطان علاؤ الدین تھا۔ اور جسکی قوم سید تھی۔ نصرت شاہ کو سلطنت ترکہ میں ملی ہو
 بنگالہ میں سلطنت ملنے کی یہ عجیب رسم ہے کہ میراثی بہت کم ہوتی ہے۔ حقیقت میں بادشاہ تخت
 ہے۔ بادشاہ کے لیے بھی اسکی جائے معین ہے۔ اور امراء۔ وزراء اہل مناصب کے واسطے بھی ایک ایک
 جائے مقرر ہے۔ گویا بنگالیوں کے نزدیک وہ تخت اور وہ جگہ ہی کچھ چیز ہے۔ اس پر جائے سے نوکروں
 چاکروں کی ایک جماعت متعلق ہے۔ جس امیر یا وزیر کا عزل و نصب بادشاہ کو منظور ہوتا ہے
 اُس کی جائے بدل دی جاتی ہے۔ اس جائے کے ساتھ جو حشم و خدم ہوتے ہیں وہ جدید شخص کے
 متعلق ہو جاتے ہیں۔ یہی بادشاہی تخت کی صورت ہے۔ بادشاہی یوں حاصل ہوتی ہے کہ جو کوئی
 بادشاہ حال کو مار کر جھٹ پٹ تخت پر بیٹھ جاتا ہے اُسی کو تمام امراء۔ وزراء۔ فوج اور رعیت بادشاہ
 سمجھنے لگتی ہے۔ مقتول بادشاہ کی طرح قاتل بادشاہ کے سب مطیع ہو جاتے ہیں۔ بنگالیوں کا قول ہے
 کہ ہم تو تخت کے نوکر ہیں۔ جو تخت پر بیٹھ جائے وہی ہمارا بادشاہ ہے۔ چنانچہ نصرت شاہ کے باپ
 سلطان علاؤ الدین سے پہلے ایک حبشی بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر بیٹھ گیا تھا۔ مدتوں اُس نے
 حکومت کی حبشی کو سلطان علاؤ الدین مار کر بیٹھ گیا۔ اور بادشاہ ہو گیا۔ البتہ علاؤ الدین کے بعد اسکا
 بیٹا نصرت شاہ بطور وراثت اب بادشاہ ہوا۔ بنگالہ میں یہ بھی دستور ہے کہ ہر بادشاہ کو نیا خزانہ جمع کرنا
 لازم ہوتا ہے۔ خزانہ جمع کرنا اُن لوگوں کے نزدیک بڑے فخر کی بات ہے۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ خزانہ عام
 بلکہ تمام خانگی اخراجات شاہی کے واسطے ہمیشہ سے تنخواہ میں جاگیریں مقرر ہیں۔ اُنکی آمدنی اور
 کاموں میں بالکل نہیں صرف ہوتی۔ یہ تو مسلمانوں کے پانچ بادشاہوں کا حال ہے۔ اُنکے علاؤ
 مسلمان سردار صاحب ملک و فوج اور بہت سے ہیں۔ جو خود مختار اور ذی اقتدار ہیں ہندوؤں
 میں سب سے بڑا راجہ جکل ایک بیجا نگر والا ہے اور دوسرا نانا سا ننگا ہے۔ جس نے اپنی چالاکی اور
 جرأت سے اقتدار حاصل کیا ہے۔ اسکا اصلی ملک چتور ہے۔ مندو کے بادشاہوں کی کمزوری کو
 زمانہ میں رنہنبور۔ رنگ پور پہلے اور چندیری کے علاقے اس کے قبضہ میں آ گئے۔ پھر
 عنایت الہی سے چندیری کو جو کئی برس سے دار الحکومت تھا رانا سانگا کے بڑے سردار میدھو
 حاکم چندیری سے دو گھڑی میں بڑے شمشیر میں نے چھین لیا۔ اور کفار کو قتل کر کے دلا الاسلام
 بنا دیا۔ چنانچہ اسکا مشرّح ذکر آ گئے آئیگا۔ ان دونوں کے علاوہ ہندوستان میں رائے اور
 راجہ بہتیرے ہیں۔ بعض تو مطیع الاسلام ہیں اور کچھ اس سبب سے کہ رستے دور ہیں اور اُنکے
 اُنکے مقامات مستحکم ہیں سلطان بادشاہوں کی ذرا اطاعت نہیں کرتے۔ ہندوستان اقلیم آج
 دوم اور سوم میں ہے۔ اقلیم چارم میں اسکی کوئی جائے واقع نہیں ہے۔ یہ ایک جُنبی ملک ہے
 ہماری ولایت سے دوسری دنیا ہے۔ پارڈ۔ دریا جکل۔ جانور۔ نباتات۔ آدمی۔ زبان۔ ہوا

اور مینہ سب اور ہے۔ اگرچہ کابل کے علاقہ جات میں سے گرم سیر ملک بعض چیزوں میں ہندوستان سے مشابہ ہے اور بعض میں نہیں ہے۔ مگر دریائے سندھ کے ادھر آتے ہی زمین۔ دریا۔ درخت۔ پتھر۔ قومیں اور انکی راہ و رسم سب ہندوستانی طریق کی۔ شمال کی طرف دریائے سندھ کے پار ہوتے ہی سارے پہاڑ میں آبادی ہے۔ اور وہ ملک کشمیر کے علاقہ میں گنا جاتا ہے جیسے بگلی اور سہنک وغیرہ کے علاقے۔ ان علاقوں میں سے اس زمانہ میں بہت سے علاقے گو کشمیر کے تعلق سے نکل گئے ہیں لیکن پہلے داخل کشمیر ہی تھے۔ کشمیر سے بنگالہ تک اس پہاڑ میں بڑا وسیع ملک ہے گاؤں کے گاؤں آباد ہیں۔ اور بیشمار قومیں ہیں۔ یہ پہاڑ سمندر کے کنارہ پر ختم ہوتا ہے۔ بہت تحقیق و دریافت کیا پورا حال تو کوئی نہ کہہ سکا ہاں اتنا بیان کیا کہ یہاں کی ساری مخلوق ہندوستانی ہو کر انکو کہیں کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اہل ہندوستان کو سنیں بولتے ہیں۔ چونکہ اس پہاڑ میں بڑا شہر کشمیر ہے اور کشمیر کو کشمیر کہا کرتے ہیں اس لیے یہ پہاڑ کہیا میر مشہور ہے اور یہاں کے پہاڑی کہیں کہلاتے ہیں کشمیر کے علاوہ اس پہاڑ میں کوئی اور بڑا شہر سننے میں نہیں آیا۔ اور عجیب نہیں کہ اسی وجہ سے اسکو بھی کشمیر کہتے ہوں۔ اس پہاڑ کی اجناس مشک نافہ۔ قرناس بحری بخورنا۔ سیسہ اور تانبا ہیں۔ ہندو اس کو سوالک پر بت بھی کہتے ہیں۔ ہندوستان میں سوا ربیع کو۔ لک ننوا ہزار کو اور پر بت پہاڑ کو کہتے ہیں۔ یعنی سوالک پہاڑ۔ اس پہاڑ پر ہمیشہ برف رہتی ہے۔ ہندوستان کے بعض قطعات جیسے لاہور۔ سرہند اور دیرہ اسماعیل خاں سے یہ پہاڑ سفید برف کا معلوم ہوتا ہے۔ کابل کے علاقہ میں اسی پہاڑ کا نام ہندو کش ہے۔ یہی پہاڑ کابل سے مشرق کی طرف مائل بہ جنوب چلا گیا ہے۔ اس پہاڑ کے جنوب میں سارا ہندوستان ہے۔ اور شمال میں ملک بت ہے۔ اسی پہاڑ میں بہت سے دریا نکل کر ہندوستان میں بہتے ہیں۔ سرہند کے شمال میں چھ دریا ہیں۔ سند۔ چناب۔ راوی۔ بیاج اور ستلج۔ یہ سب دریا اس پہاڑ سے نکلے ملتان کی نواح میں جمع ہوتے ہیں۔ اور وہاں سے دریائے سند کے نام سے مشہور ہو کر مغرب کی طرف ملک گھٹا میں بہتے ہوئے دریائے عمان میں جاگرتے ہیں۔ انکے علاوہ جیسے جتنا گنگا۔ رتھ۔ کو دی۔ سرو۔ کندک اور بہت سی ندیاں اور دریا اسی پہاڑ سے نکل کر گنگا میں ملتے ہیں۔ اور گنگا کے نام سے مشرق کی جانب ملک بنگالہ میں بہتے ہوئے سمندر میں گر جاتے ہیں۔ غرض ان سارے دریاؤں کا منبع سوالک ہی ہے۔ اور بہت سے دریا ہیں جو وسط ہند کے پہاڑوں سے نکلے ہیں۔ جیسے چنبل۔ بناس۔ بن بولی اور سون وغیرہم۔ یہ بھی گنگا کے ہمراہ ہو جاتے ہیں۔ وسط ہند کے پہاڑوں پر برف نہیں پڑتی۔ ہندوستان میں بہت پہاڑ ہیں۔ ان میں سے ایک پہاڑ شمال سے جنوب میں جاتا ہے۔ یہ پہاڑ دلی کے علاقہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس کا پتھر یہی پہاڑ

ہے جس پر سلطان فیروز شاہ کا محل موسوم بہ چان نمائنا ہوا ہے۔ یہاں سے یہی پہاڑ دلی کی نواح میں جا بجا چھوٹی چھوٹی ٹسنگین پہاڑیوں کی صورت کا ہوتا ہوا ملک میوات میں جاتا ہے اور میوات میں بڑا ہو جاتا ہے۔ میوات سے بیانہ کے علاقہ میں جاتا ہے۔ سیکری۔ بارڈی اور دھولپور کے پہاڑ اسی کی شاخیں ہیں۔ مگر مسلسل نہیں ہیں۔ گوالیار کا پہاڑ جس کو کاپور کہتے ہیں اسی پہاڑ کا شعبہ ہے۔ رنچھنبور۔ چتور۔ مندو اور چندیری کے پہاڑ بھی اسی کی شاخیں ہیں۔ ان میں کہیں کہیں سات آٹھ کوس کا فاصلہ ہو گیا ہے۔ یہ پہاڑ نیچے نیچے ہموار اور پتھر لیے ہیں۔ اور ان میں جھاڑیاں ہیں۔ ان میں برف مطلق نہیں پڑتی۔ ہندوستان کے بعض دریا ان پہاڑوں سے بھی نکلتے ہیں۔ ہندوستان کے اکثر قطعات میدانوں اور ہموار زمینوں میں واقع ہیں۔ اتنے شہر اور مختلف ملک جتنے ہندوستان میں ہیں کسی ولایت میں نہیں ہیں۔ یہاں نہریں کہیں جاری نہیں ہیں۔ ہاں دریا بہتے ہیں۔ بلکہ بعض دریا بہت بڑے ہیں۔ کسی کسی شہر میں ایسا موقع بھی ہے کہ نہر جاری کی جائے۔ اور وہاں نہر بھی لے آئے ہیں اسی سبب سے وہاں کی زراعت اور باغات سرسبز رہتے ہیں۔ پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خریف تو برسات ہی سے ہو جاتی ہے۔ یہ بڑی بات ہے کہ مینہ نہ بھی برسے تو بھی ربيع کی فصل ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے درختوں کی پودھ کو برس دو برس رہٹ سے یا چرس سے پانی دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ بڑے ہو گئے اور پھر پانی دینے کی احتیاج مطلق نہیں رہتی۔ البتہ ترکاریلہ وغیرہ کو پانی دیتے رہتے ہیں۔ لاہور۔ دیالپور اور سرہند وغیرہم کی نواح میں رہٹ سے پانی دینے کا دستور ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کنوئیں کے گہراؤ کے برابر رستی کے دو حلقے بناتے ہیں۔ ان دونوں میں لکڑیوں کے ٹکڑے یوں باندھتے ہیں کہ لکڑی کا ایک سر ایک حلقہ کی رستی میں۔ دوسرا دوسرے کی رستی میں۔ ان لکڑیوں کے ٹکڑوں میں ٹٹیاں باندھ دیتے ہیں۔ اس لکڑیوں اور ٹٹوں بندھے ہوئے حلقہ کو اُس چرخ میں ڈال دیتے ہیں جو کنوئیں کے منہ پر ہوتا ہے۔ اس چرخ کے سرے پر ایک چرخي دندانہ دار ہوتی ہے۔ اس چرخي کے پاس اور چرخ دندانہ دار ہوتا ہے جسکے دندانے چرخي کے دندانوں سے ٹکراتے ہیں۔ اور جس کا شہتیر سیدھا کھڑا ہوتا ہے۔ اس میں بیل جوتے ہیں۔ جب بیل اس چرخ کو پھراتا ہے تو اس کے دندانے اُس چرخي کے دندانوں سے ٹکڑا کر اُس کو چکڑ دیتے ہیں۔ چرخي کے چکڑ سے وہ حلقہ چرخ پھرتا ہے۔ اُسکے پھرنے سے حلقہ کو گردش ہوتی ہے۔ حلقہ کی گردش سے گٹیاں اوتھتی آتی ہیں۔ اور پانی گراتی ہیں۔ اس پانی کے لیے نالی بنا دیتے ہیں۔ نالی سے جہاں چاہتے ہیں پانی لیجاتے ہیں۔ دلی۔ آگرہ اور بیانہ وغیرہم کی نواح میں چرس سے زراعت کو پانی دیتے ہیں۔

اس میں محنت بہت پڑتی ہے۔ اور گند اپن بھی ہے۔ اسکی وضع یہ ہے کہ کوئیں کے منہ پر ایک کنارہ کے پاس دو شاخ لکڑی مضبوط کر کے گاڑتے ہیں۔ دونوں شاخوں کے بیچ میچ جیجی پھنسا دیتے ہیں۔ پھر ایک بڑا موٹا ماگا وڈم رستا اس چرخ پر ڈالتے ہیں۔ رستے کے ایک سرے میں بڑا ڈول بندھا ہوا ہوتا ہے۔ دوسرا سربیلوں کے جوئے میں اٹکاتے ہیں۔ ایک آدمی کوئیں کے پاس کھڑا رکھ کر ڈول میں سے پانی بہاتا ہے۔ ایک آدمی بیلوں پر ہوتا ہے۔ بیل ہر مرتبہ رستا کھینچ کر ڈول کوئیں سے نکالتا ہے۔ ڈول کو خالی کر کے پھر کوئیں میں ڈالتے ہیں۔ بیل دوسری جانب سے پھر آتا ہے۔ اس آنے جانے میں اکثر پیشاب اور گوبر کرتا ہے۔ خالی ڈول کوئیں میں ڈالتے وقت رستا اس گوبر اور پیشاب میں لٹھرتا رہتا ہے۔ لٹھڑا ہوا رستا کوئیں میں جاتا ہے اور بیشتر گوبر اور پیشاب کنوئیں میں گرتا ہے۔ ایسی بھی کھیتیاں ہیں کہ انکو پانی دیوگی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ انکو عورتیں اور مرد ڈھیکے سے پانی دیتے ہیں۔ ہندوستان کے شہر بہت غلیظ رہتے ہیں۔ تمام شہروں اور زمین کی ایک قطع ہے۔ یہاں کے باغوں کی دیواریں نہیں ہوتیں۔ اکثر باغ میدان میں ہوتے ہیں۔ اکثر دریاؤں اور ندیوں کے کناروں پر اور جہاں گھاس ہوتی ہے برسات میں دلدل ہو جاتی ہے جس سے آمد رفت میں وقت پڑتی ہے کہیں کہیں کنوئیں اور تالاب ہیں جن میں پانی بھرا رہتا ہے۔ اتنے شہر اور اتنے ملک انہی کنوئیں اور تالابوں سے جن میں برساتی پانی جمع ہو جاتا ہے گزران کرتے ہیں۔ ہندوستان میں دیہات بلکہ شہر بہت جلد سب جاتے اور اُڑ جاتے ہیں۔ بڑے سے بڑے شہر والے جہاں برسوں سے بود و باش کرتے ہوں گے۔ بھاگنے پر آئیں تو ایک دن یاد و پہر میں ایسے وہاں سے کافر ہو جاتے ہیں کہ نشان تک نہیں رہتا۔ اگر لوگ بسنا چاہیں تو نہر وغیرہ کھولنے کی یا بند باندھنے کی احتیاج نہیں ہوتی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ تالاب بنایا یا کنواں کھود لیا اور فارغ ہو گئے۔ نہ مکان بنائیں نہ دیواریں جنیں۔ ڈھیروں پھونس اور بیشمار درختوں سے جھونپڑیاں بنا لیتے ہیں۔ بس آن کی آن میں گانوں یا شہر خاصا آباد ہو جاتا ہے۔

جانوروں کا ذکر ہندوستان کے مخصوص چاند جانوروں میں سے ایک ہاتی ہے۔ ہاتی کالپی کا سرحد کے قریب ہوتا ہے۔ جتنا مشرق کی جانب اوپر کو چلتے جاؤ اتنا ہی ملتا جائیگا۔ اسی جنگل میں سے ہاتی پکڑے جاتے ہیں۔ اگر وہ اور ناگپور کے علاقہ کے تیس چالیس کانوں والوں کا یہی کام ہے۔ اگر وہ ہاتی بڑے جسم کا جانور ہے مگر ایسا سدھ جاتا ہے کہ جو کہ وہ کرتا ہے۔ ہاتی کی قیمت اس کے چوڑے ہونے پر مقرر ہے جیسا ہاتی ویسی قیمت۔ جتنا بڑا ہوگا اتنی قیمت زیادہ ہوگی۔ یہاں تو چار گز سے زیادہ اونچا دیکھنے میں نہیں آیا۔ کہتے ہیں کہ اور جزیروں میں بھی ہاتی ہوتا ہے اور بڑے قد کا ہوتا ہے۔ ہاتی سونڈ کے ذریعہ سے کھاتا پیتا ہے۔ اس کے منہ میں اوپر کی جانب بڑی دانت باہر نکلے ہوئے

ہوتے ہیں۔ ان دانتوں سے وہ دیواروں اور درختوں کو زور کر کے گرا دیتا ہے۔ انہی دانتوں سے حرب اور ضرب کا کام لیتا ہے۔ ہاتی دانت بھی اسے ہی مراد ہے۔ ہندوستانی ان دانتوں کی بہت قدر کرتے ہیں۔ اور جانوروں کی طرح ہاتی کے جسم پر بال اور پشم نہیں ہوتی۔ ہندوستانیوں کے نزدیک ہاتی بڑی عزت کی چیز ہے۔ ہر سردار کے لشکر میں کئی کئی ہاتی ہوتے ہیں۔ ہاتی کام بھی بہت دیتا ہے۔ بڑے بڑے پاٹ دار اور تیزی سے بہتے ہوئے دریاؤں سے ڈھیروں سباب پیچھ پرلا کر آسانی سے پار لیجاتا ہے۔ جس چھکڑے کو چار سو یا پچھو آدمی کھینچ سکیں اُسکو دو تین ہاتی بے تھکان کھینچ لیجاتے ہیں۔ البتہ پیٹ اُس کا بہت بڑا ہوتا ہے۔ وہ تین چار اونٹوں کا دانہ اکیلا چٹ کر جاتا ہے۔ ایک جانور گینڈا ہے۔ یہ بھی بڑا جانور ہے۔ دو تین بھینسوں کے برابر بڑا ہوتا ہے۔ دوسرے ملکوں میں مشہور ہے کہ گینڈا ہاتی کو اپنے سینک سے اٹھا لیتا ہے مگر یہ غلط ہے۔ اُس کے ماتھے پر ایک سینک بالشت بھرے کچھ زیادہ کا ہوتا ہے۔ دو بالشت کا نہیں دیکھا۔ ایک بڑے سینک سے آنچرے کی کشتی اور طاس بنا۔ شاید کسی سے تین چار کشتیاں بھی بن جائیں۔ گینڈے کی کھال بہت دبیز ہوتی ہے۔ اگر کڑی کمان کو اتنا کھینچ کر بغل کھل جائے تیر مارا جاوے تو تین چار انگلی تیر گھس جائے۔ مشہور ہے کہ بعض جائے اُسکی کھال میں تیر اچھی طرح گھس جاتا ہے۔ اس کے دونوں کانڈھوں کے اور دونوں رانوں کے کنارے خالی ہوتے ہیں۔ دور سے وہ مثل پردے کے نظر آتے ہیں۔ اور حیوانوں کی نسبت گھوڑے میں اور اس میں زیادہ شبابہت ہے۔ جیسا گھوڑے کا پیٹ چھوٹا ہے ویسا ہی اسکا پیٹ چھوٹا ہے۔ جس طرح گھوڑے کی گانچی میں ایک پڑی ہوتی ہے اسی طرح اس کے ہوتی ہے۔ گھوڑے کے ہاتھوں میں بھی گئے ہوتے ہیں اس کے بھی ہوتے ہیں۔ ہاتی سے یہ زیادہ درندہ ہوتا ہے۔ ہاتی کے برابر فرمانبردار بھی نہیں ہوتا۔ گینڈا پشاور اور پشاور کے جنگلوں میں بہت ہوتا ہے۔ اور دریائے سرحد کے جنگل میں بھی ہوتا ہے۔ ہندوستان پر جب یوریشین کی ہیں تو پشاور اور پشاور کے جنگلوں میں دیکھا ہے۔ وہ اکثر سینگ مارتا ہے۔ شکاروں میں بہتوں کے سینگ مارے ہیں۔ ایک شکار میں مقصود چہرہ کے گھوڑے ایسا سینگ مارا کہ وہ ایک تیر کے برابر اچھل کر گر پڑا۔ اسی سے اُسکا نام گینڈا رکھ دیا۔ ایک بڑا جانور بھینسا ہوتا ہے۔ اُس کے سینگ معمولی بھینس کی طرح تھپے کو اُسے ہوئے ہوتے ہیں مگر جیکے ہوئے نہیں ہوتے۔ طاقتدار اور مرکھنا جانور ہے۔ ایک میل گائے سے۔ گھوڑے کی برابر قدر۔ مگر جسم اُس سے دبلا پتلا۔ اسکا سر بالکل نیلا ہوتا ہے۔ اور مادہ بارہ سنگے کے رنگ کی ہوتی ہے شاید نر کے نیلا ہونے سے اسکو نیل گائے کہتے ہوں۔ اچکے دو چھوٹے چھوٹے سینگ ہوتے ہیں۔ گردن میں بالشت بھرے زیادہ لمبے تھوڑے سے بال ہوتے ہیں۔ آواز تو ماش جیسی ہوتی ہے۔

گائے کا سا کوہاں ہوتا ہے۔ ایک کوٹہ پائے۔ یہ سفید ہرن کے برابر ہوتا ہے۔ چاروں ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اسی لیے اسکو کوٹہ پائے کہتے ہیں۔ اس کے سینک بارہ شگے کسی طرح شناخدار ہوتے ہیں لیکن چھوٹے چھوٹے۔ بارہ شگے کی طرح اسکے سینک بھی ہر سال جھڑتے ہیں یہ بہت دور مانہیں۔ اسی باعث سے جنگل کے باہر نہیں نکلتا۔ ایک قسم کا ہرن مونہ زجران جیسا ہوتا ہے۔ اسکی پیٹھ کالی ہوتی ہے اور پیٹ سفید ہوتا ہے۔ مونہ کے سینک سے اسکا سینک زیادہ لمبا اور سخت ہوتا ہے۔ ہندوستانی اسکو کلہرہ کہتے ہیں۔ اصل میں کالہ ہرن ہے مخفیہ کر کے کلہرہ کر دیا۔ اسکی مادہ سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ اس کلہرہ کو پالکر اس سے جنگلی کلہرہ پکڑتے ہیں۔ پکڑنے کی ترکیب یہ ہے کہ پٹے ہوئے ہرن کے سینک میں ایک جال کا حلقہ مضبوط باندھتے ہیں اور گنبد سے بڑا پتھر پاؤں میں باندھ کر لٹکا دیتے ہیں۔ جب اسکو چھوڑ دیتے ہیں تو وہ نہیں جانتے کہ کتنا۔ پھر جنگلی کلہرہ کو جہاں دیکھتے ہیں اُسیر اسکو چھوڑتے ہیں۔ یہ قسم لڑاکا بہت ہی فوراً دونوں سینگوں سے لڑنے لگتے ہیں۔ ایک دوسرے کو دھکیلتا ہے۔ اس دھکاپیلی میں جنگلی ہرن کا سینک اُس جال کے حلقہ میں پھنس جاتا ہے جو خانگی ہرن کے سینک میں بندھا ہوتا ہے۔ اب اگر جنگلی ہرن بھاگنا چاہتا ہو تو نہیں بھاگ سکتا۔ غالباً وہ پتھر نہیں بھاگنے دیتا جسکو خانگی ہرن کے پاؤں میں باندھا ہے۔ اس ڈھنگ سے بیسیوں ہرن پکڑے جاتے ہیں۔ پکڑے ہوئے کو سدھاتے ہیں۔ پھر اُن سے اوڑ پکڑتے ہیں۔ ان سدھے ہوئے ہرنوں کو گھڑوں میں بھی لڑاتے ہیں۔ یہ خوب لڑتے ہیں۔ پہاڑوں کے دامنوں میں ایک چھوٹا ہرن ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑا ایک سالہ بوقلی کے برابر ہوگا۔ اس کا گوشت بڑا ہی ملائم اور مزہ کا ہوتا ہے۔ ایک گائے ہوتی ہے چھوٹی۔ بہت بڑی ہو تو ولایت کے توپکار کے برابر ہوتی ہے۔ ایک جانور میمون ہے۔ ہندوستانی اس کو بندر کہتے ہیں۔ یہ کسی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم ہے جس کو ان ملکوں میں لیجا میں اور وہاں کے بازیگر اس کو ناچنا اور تماشے کرنا سکھاتے ہیں۔ یہ قسم درہ تور کے پہاڑوں میں۔ درہ خیبر کے پہاڑوں کے دامنوں میں اور لدھر تمام ملک ہند میں ہوتی ہے۔ ان مقاموں پر اوپر مقاموں میں نہیں ہوتی۔ اس کے بال زرد ہیں۔ منہ سفید ہے۔ دم بہت لمبی نہیں ہوتی۔ ایک قسم کا بندر ہے جو بچور اور اُسکی نواح میں نہیں نظر آتا ہے۔ یہ قسم اُس قسم سے جسے ولایت میں لیجاتے ہیں بہت بڑی ہے۔ اسکی دم بڑی لمبی ہوتی ہے۔ بال سفید ہوتے ہیں اور منہ بالکل سیاہ ہوتا ہے۔ اس کو لنگور کہتے ہیں۔ ہندوستان کے پہاڑوں اور پہاڑی جنگلوں میں یہ کثرت سے ہوتا ہے۔ ایک قسم ہے کہ اُس کے بال۔ سارے اعضا اور منہ کالا ہی ہے۔ اس قسم کے بندر بعض جزائر سے آتے ہیں۔ ایک اور قسم کا جزائر میں ہوتا ہے جسکا رنگ

زرد نیلا ہٹ لیے ہوئے پوتین جیسا ہوتا ہے۔ اس کا سر چوڑا ہوتا ہے۔ جسم اور بندروں سے بڑا۔
 اس قسم کا بند کھٹنا بہت ہوتا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ ہر وقت خرخر کرتا رہتا ہے کبھی چپکائی
 رہتا۔ ایک جانور نیلا ہے جھوٹے کیس سے چھوٹا۔ درخت پر چڑھ جاتا ہے بعض اس کو موش خرما
 کہتے ہیں۔ اور اس کو مبارک سمجھتے ہیں۔ ایک جانور چوہے جیسا ہے اس کا نام گلہری ہے۔ یہ
 ہمیشہ درختوں پر رہتا ہے۔ درختوں پر عجیب پھرتی سے چڑھتا اترتا ہے۔ پرندہ جانوروں میں
 مور ہے۔ نہایت رنگین اور زینت دار۔ اس کا ڈیل ڈول اس کے رنگ اور زینت کے لائق نہیں
 ہے۔ جسم گنگ کے برابر ہوتا ہے۔ مگر قد گنگ سے ٹھنکنا۔ نر کے سر پر دو تین انگلی اونچائی
 پروں کا تاج ہوتا ہے۔ مادہ کے سر پر تاج نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ خوبصورت ہوتی ہے۔ نر اس کے
 پر رنگین ہوتے ہیں۔ نر کا سر سوسنی اور چمکتا ہوا ہوتا ہے۔ گردن نیلی خوش رنگ۔ گردن سے نیچے
 پشت ساری زرد اور نیلی ہوتی ہے۔ دم کے پر نقش ہوتے ہیں۔ پشت کے گل چھوٹے چھوٹے۔
 پیٹھ سے دم کے آخر تک رنگین اور نقش بڑے بڑے گل ہوتے ہیں بعض مور سر سے دم تک
 آدمی کے قد کے برابر ہوتا ہے۔ ان نقش اور گلہر دم کے پروں سے نیچے چھوٹے چھوٹے پر
 اور جانوروں کی دم جیسے بھی ہوتے ہیں۔ یہ دم کے چھوٹے پر اور بازو سرخ ہوتے ہیں۔ بچور
 اور اس سے نیچے کے ملکوں میں یہ جانور ہوتا ہے۔ اوپر کی جانب لمفانات وغیرہ میں نہیں ہوتا۔
 قرغاول سے اسکی اُڑان بہت کم ہے۔ دو ایک بار سے زیادہ نہیں اُڑ سکتا۔ اسی کم پروازی
 کے سبب سے اکثر پہاڑوں میں رہتا ہے۔ جب آدمی کے قد کے برابر اس جھاڑی سے اُس
 جھاڑی تک چلنا ہو تو بھیرے سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ ہندوستانی اسکو مور کہتے ہیں۔ امام
 ابو حنیفہ کو فی کے مذہب میں حلال ہے۔ اسکا گوشت مزے کا ہوتا ہے۔ تیر کے گوشت جیسا تو
 ہوتا ہے مگر اونٹ کے گوشت کی طرح ذرا کراہیت سے کھایا جاتا ہے۔ ایک طوطی ہے موسم بہار
 میں جب شہوت پکتا ہے تو نیکنہار اور لمفانات میں یہ جانور آ جاتا ہے۔ پھر نظر نہیں آتا۔
 طوطی کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم ہے کہ اُسکو وہاں والے پالتے ہیں اور بولیاں سکھاتے ہیں۔
 دوسری قسم کا طوطی اس سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اسکو بھی بولیاں سکھاتے ہیں۔ اسکو جنگلی کہتے ہیں۔
 یہ قسم بچور اور سوات کی نواح میں بہت ہے۔ پانچ پانچ چھ ہزار کے جھلڑے جا بجا اڑتے پھر ہیں۔
 انکے اور انکے جسم میں فرق ہے اور رنگ ایکساں ہے۔ ایک اور قسم کا طوطی ہوتا ہے جو اس جنگلی طوطی
 سے چھوٹا ہے۔ اس کا سر لال ہوتا ہے اور پر بھی سرخ ہوتے ہیں۔ دم کا سرادو انگلی کو قریب
 سفید ہوتا ہے۔ انہی میں سے بعض کی دم بھی سرخ ہوتی ہے۔ یہ طوطی بولیاں نہیں بولتا۔ اسکو
 طوطی کشیر کہتے ہیں۔ ایک قسم کا طوطی جنگلی طوطی سے کسی قدر چھوٹا ہوتا ہے۔ اسکی چونچ سرخ ہوتی ہے۔

جو بولی سکھاؤ سیکھ جاتا ہے۔ میں نے غور سے دیکھا کہ طوطی اور مینا کو جو بولی سکھا دو وہ بولنے لگتے ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔ ابوالقاسم جلا کر نے جو میرے مصاحبوں میں سے ہے انہی دونوں میں ایک عجیب ذکر کیا کہنے لگا۔ ”میرے پاس اسی قسم کا طوطی تھا۔ پتھرے پر میں نے بستنی باندھ رکھی تھی۔ طوطی نے کہا اسکو اُتار ڈالو۔ میں نے اُسی وقت بستنی اُتار ڈالی۔ پھر ایک بار اُسکا پتھر اور یا پر کھول دیا تھا۔ رستہ چلنے والے چلے جاتے تھے۔ طوطی نے کہا ”لوگ جاتے ہیں یہ نہیں جاتے“ دروغ بگردن راوی۔ گو وہ بیان کرتا تھا مگر جب تک اپنے کانوں سے نہ سُن لیں یقین نہیں ہوتا۔ ایک قسم کا طوطی ہوتا ہے نہایت شوخ رنگ۔ سُرخ رنگ کے علاوہ اور رنگ بھی ہوتے ہیں۔ اسکی پوری ہیئت مجھے یاد نہیں۔ اسی سبب سے اسکا مفصل حال نہیں لکھا۔ طوطی خوبصورت بہت ہوتا ہے۔ باتیں بھی کرتا ہے۔ اتنا عجیب ہی کہ آواز بھونڈی ہے۔ ایسی ہے جیسے چینی کے مکرے کو تانے کے برتن پر گھیسٹنے سے آواز نکلتی ہے۔ ایک جانور مینا ہے۔ لمخانات میں مینا بہت ہوتی ہے۔ اُس سے نشینی ملک میں جو ہندوستان ہے کثرت سے ہے۔ یہ کئی قسم کی ہوتی ہے ایک قسم ہے کہ اُسکا سر سیاہ اور کچھ پر سفید ہیں۔ جُستہ حل یک چہری سے بڑا ہے۔ باتیں نہیں کی جاتی ہے ایک اور قسم کی ہوتی ہے۔ اسکو بندادی کہتے ہیں۔ بنگالہ میں ہوتی ہے۔ اسکا رنگ کالا ہوتا ہے جسم یہاں کی مینا سے چھوٹا۔ چونچ اور پاؤں زرد۔ دونوں کانوں میں پردے لٹکے ہوئے ہیں جو بد نما ہوتے ہیں۔ اسکو بنگالے کی مینا کہتے ہیں۔ باتیں خوب بناتی ہے۔ فصیح ہوتی ہے۔ ایک اور قسم کی مینا ہوتی ہے مذکورہ بالا میناؤں سے ذرا نازک۔ اسکی آنکھیں سُرخ ہوتی ہیں۔ یہ باتوں نہیں کہتی۔ ان دونوں میں میں نے گنگا کا پل بندھوا کر مخالفوں کو بھگایا اور میں لکھنؤ اور اودھ میں آیا تو یہاں ایک طرح کی مینا دیکھی جسکا سینہ سفید۔ سر اہل اور پیٹ سیاہ ہے۔ اس قسم کی مینا پہلے نہ دیکھی تھی۔ غالباً یہ مینا باتیں کرنی نہیں سیکھتی۔ ایک جانور نوہ ہے۔ اسکو بظلموں بھی کہتے ہیں۔ ستر دُم تک پانچ چھ طرح کے صاف رنگ ہوتے ہیں۔ ایسے جیسے کبوتر کی گردن۔ قد قاست کبک درہی کے برابر۔ عجب نہیں کہ ہندوستان کی کبک درہی بھی ہو جس طرح کبک درہی پہاڑوں پر پھرتی ہے یہ بھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھرا کرتی ہے۔ یہ جانور کابل کے علاقوں میں بخراڈ اور اُسکے نیچے کے تمام پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ اوپر کی طرف نہیں ہوتا۔ اسکا عجیب حال سُسنے میں آیا ہے کہ تو میں کہ جب جاڑا ہوتا ہے تو پہاڑ کے دامنوں میں یہ آجاتا ہے۔ ہنکا نے سے یا اڑانے سے اتنا بھی اس سے نہیں اڑا جاتا کہ انگور کے درختوں پر سے اُڑ جائے۔ آخر لوگ پکڑ لیتے ہیں۔ اسکا گوشت حلال ہے۔ اور مزیدار ہے۔ ایک جانور تیر ہے۔ ہندوستان ہی کے ملک پر منحصر نہیں بلکہ سب گرم سیر دلائیوں میں ہوتا ہے۔ البتہ بعض قسم کا تیر سوائے ہندوستان کے دوسری لائیوں میں

نہیں تھا۔ اس واسطے اسکا بیان یہاں لکھا گیا۔ اسکا قد کنگ یعنی کبک کے برابر ہوتا ہے پیٹھ کے
 پروں کا رنگ جنگلی مرغ جیسا۔ گردن اور سینہ کالا۔ اس پر سفید چٹیاں۔ دونوں آنکھوں کے دونوں
 طرف سرخ ڈورے پڑے ہوئے۔ ایک طرح کی فریاد کرتا رہتا ہے۔ اسکی آواز سے یہ الفاظ نکلتے
 ہیں۔ ”متر دارم شکرک“۔ استر آباد وغیرہ کے تیر کے ہونے میں یہ لفظ معلوم ہوتے ہیں۔ ”ہو توئی لار“
 عرب کے تیر ”بالشکر تدموم النعم“ کہا کرتے ہیں۔ اس کی مادہ کا رنگ قرغادل جیسا ہوتا ہے۔
 یہ جانور بخار سے نشیبی ملکوں میں ہوتا ہے۔ ایک قسم کا تیر ہوتا ہے اسکو کجیل کہتے ہیں۔ معمولی
 تیر کے برابر جسم میں۔ آواز کبک کی آواز میں بہت ملتی جلتی ملک کبک کی آواز سے بھاری۔
 اس کی مادہ اور نر کے رنگ میں یونہی سا فرق ہوتا ہے۔ پشاور ہشتنر اور ان سے نشیبی ملکوں
 میں ہوتا ہے۔ بالائی ملکوں میں نہیں ہوتا۔ ایک جانور بلکار ہے۔ جسم اور رنگ مرغی کا سا۔ ہاتھ
 سے سینہ تک سرخ رنگ۔ یہ جانور ہندوستان کے پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ ایک جنگلی مرغی ہوتی
 ہے۔ اس میں اور خانگی مرغی میں اتنا ہی فرق ہے کہ یہ قرغادل کی طرح پرواز کرتی ہے۔ ایک خانگی
 مرغی ہوتی ہے ہر رنگ کی۔ یہ مرغی بجور اور امان کے پہاڑوں سے نیچے اور اوپر کے ملکوں میں
 نہیں ہوتی۔ ایک جانور ہے بلکار جیسا۔ مگر بلکار اس سے بہت خوش رنگ ہوتا ہے۔ یہ بھی بجور
 کے کوہستان میں ہوتا ہے۔ ایک شام جانور ہے مرغ خانگی کے برابر۔ اسکا رنگ ایکساں ہے۔
 بجور کے پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ ایک جانور پودنہ ہے۔ پودنہ اور ملکوں میں بھی ہوتا ہے مگر چارپانچ
 قسم کا خصوصاً ہندوستان میں ہوتا ہے۔ ایک قسم جسکو اور ملکوں میں لیجاتے ہیں۔ اس قسم کا
 پودنہ بڑا اور موٹا تازہ ہوتا ہے۔ ایک قسم کا پودنہ اس سے چھوٹا ہے۔ اسکے پروں اور دم کا
 رنگ لال ہوتا ہے۔ خرچل کی طرح اڑتا ہے۔ ایک اور قسم کا پودنہ ہے جو ولایت جانیوالے
 پودنہ سے بہت چھوٹا ہے۔ اسکے سینے اور گردن میں سیاہی زیادہ ہے۔ ایک پودنہ ہودہ کا بل
 کم جاتا ہے۔ یہ بھی چھوٹا سا ہوتا ہے۔ قارحہ سے کچھ بڑا۔ کابل میں اسکو قورا تو کہتے ہیں۔ ایک جانور
 خرچل ہے بڑے سے بڑا بوغداق کے برابر۔ کیا عجیب ہے کہ یہ ہندوستان کا بوغداق ہو۔ اس کا
 گوشت بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ کسی کی صرف ران کا اور کسی کے تمام اعضا کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔
 ایک جانور حرر ہے۔ اسکا جسم تو غدری سے ذرا دبلا ہوتا ہے۔ نر کی پیٹھ تو غداق جیسی ہوتی ہے۔
 اس کا سینہ کالا ہے۔ مادہ ایک رنگ ہوتی ہے۔ حرر کا گوشت بھی مزے کا ہوتا ہے جیسا خرچل
 تو غداق کا مشابہ ہے ویسا ہی حرر تو غدری سے مشابہ ہے۔ ایک جانور باغری قراستہ ہوتا ہے۔
 یہ ولایت کے باغی قراستے چھوٹا اور پتلا ہے۔ اور جانور میں جو دریا کے کنارے رہتے
 ہیں۔ ان میں سے ایک وتنگ ہے۔ یہ جسم جانور ہے۔ اسکے پروں اور بال آدمی کے قد کے برابر ہوتے ہیں۔

اس کے سر اور گردن پر پر نہیں ہوتے۔ گردن میں ایک قیصلی سی لٹکتی ہوتی ہے۔ پیٹھ کا رنگ کالا اور سر کا سفید ہے۔ یہ جانور کبھی کابل میں بھی آجاتا ہے۔ ایک سال لوگ پکڑ لائے تھے۔ خوب سدھ گیا تھا۔ گوشت کی بوئی کو پھینکتے تھے تو جھٹ چوہے سے لپک لیتا تھا۔ ایک دفعہ چوہی جوتی لے اڑا تھا۔ ایک دفعہ ایک جنگلی مرغ کو پروں سمیت نگل گیا تھا۔ ایک جانور سارس ہے قینا بڑا ہندوستان میں ہوتا ہے کہیں نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں نوربہ سے کسی قدر یہ چھوٹا ہے۔ اسکو پا لاکرتے ہیں۔ خوب ہل جاتا ہے۔ ایک سکا رہے۔ قد سارس کے برابر اور جسم اُس سے چھوٹا۔ جسم لکھک جیسا مگر اُس سے بہت بڑا۔ چوہے لکھک سے بڑی اور کالی۔ سر سوسنی۔ گردن سفید۔ بازو اور پروں کے کنارے ابلق ہوتے ہیں۔ ایک جانور لکھک کی قسم ہے۔ اسکی گردن سفید۔ اسکا سر اور سب اعضا کالے ہیں۔ اسکو غیر ملکوں میں لیجاتے ہیں۔ لکھک سے یہ بہت چھوٹا ہے۔ اسکو ہندوستانی یکہ بیک کہتے ہیں۔ لکھک دوسرا جانور ہے جس کا رنگ اور وضع اُس لکھک سا ہی جسکو اُن ولایتوں میں لیجاتے ہیں۔ اسکی چوہے سیاہ و سفید ہوتی ہے۔ اُس لکھک سے یہ چھوٹا ہے۔ ایک جانور ہے جو بگھلے اور لکھک دونوں سے مشابہ ہے۔ اسکی چوہے بگھلے سے بڑی اور لمبی اور جسم لکھک سے چھوٹا ہے۔ ایک جانور برک کلاں ہے۔ بڑائی میں سمار کے برابر۔ اسکی پیٹھ بازووں سے اونچی ہوتی ہے۔ ایک برک کلاں ہے۔ اسکا سر سفید۔ بازو سیاہ۔ اسکو بھی اور ملکوں میں لیجاتی ہیں۔ ہندوستان کے برک سے یہ چھوٹا ہوتا ہے۔ ایک مرغابی ہے جسکو مرغیائی کہتے ہیں تہ چوہین سے بڑی۔ اس کے زرمادہ کا ایک رنگ ہے۔ ہشتر میں تو یہ ہمیشہ ہوتی ہے اور لمغانات میں کبھی چلی جاتی ہے۔ برک سے بہت اونچی ہوتی ہے۔ اور ہندوستان کی برک سے بہت چھوٹی۔ اسکی ناک اونچی بینیہ سفید۔ پیٹھ کالی اور گوشت مزے کا ہے۔ ایک رنج ہے۔ لور کوٹ کے برابر ہوتا ہے اور رنگ کا کالا۔ ایک سارا در ہے۔ اسکی پیٹھ اور دم سُرخ ہے۔ ایک الہ قرقہ ہند ہے۔ اُس ولایت کے الہ قرقہ سے بہت دبلا پتلا۔ گردن میں ذرا سفیدی ہوتی ہے۔ ایک جانور ہے یراغ بنگلہ جیسا لمغانات میں اسکو مرغ جنگل کہتے ہیں۔ اسکا سینہ اور سر سیاہ۔ بازو اور دم بہت سُرخ ہے۔ اس میں اڑان کم ہے۔ اسی لیے جنگل سے کم نکلتا ہے۔ اور اسی سبب اسکو مرغ جنگل کہتے ہیں۔ ایک بڑی شیرہ ہے جسکو چمگا در کہتے ہیں۔ ایک اور چمگا در یا لاغ کے برابر ہوتی ہے۔ اسکا سر سُور اور کتے سے جیسا ہوتا ہے عجیب بات یہ کہ جس درخت میں یہ رہتی ہے اسکی شاخ میں اُلٹی لٹکتی ہے۔ ایک جانور ہندوستان کا ہے اسکو نیا کہتے ہیں۔ ایک کچھ چھوٹا ہے سیاہ اور سفید رنگ کا ابلق ہوتا ہے۔ جھیا بگھلے اور سیاہ رنگ کی ابلق ہے۔ ایک جانور ہے ارک۔ سادہ اور لاخ ممولہ کے برابر۔ اسکو ممولہ کہتے ہیں۔ خوش رنگ سُرخ ہے۔ بازو کے پر کسی قدر سیاہی لیے ہوئے۔ ایک جانور مگر چہ ہے قالدہ علاج ذرا سے بہت مشابہ مگر اُس سے

بڑا ہوتا ہے۔ ایک رنگ کالا ہے۔ ایک جانور کویل ہے۔ لمبان میں کوتے کے برابر کوتے سے بہت ڈبلی۔ بولتی خوب ہے۔ گویا لمبل ہندوستان ہی ہے ہندوستانی اسکو لمبل سے کم نہیں سمجھتے۔ جن باغوں میں درخت بہت ہوتے ہیں ان میں رہتی ہے۔ ایک جانور ہے شقراق جیسا۔ درختوں پر چمٹا رہتا ہے۔ شقراق ہی کے برابر بڑا ہوتا ہے۔ طوطی کا سا سبز رنگ۔

آبی جانور | آبی جانوروں میں ایک شیر آبی ہے جسکا گز بڑے بڑے دریاؤں پر رہتا ہے۔ ایک کیلش کی سی صورت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ آدمی بلکہ بھینسے کو بھی پکڑ لیتا ہے ایک

سیار ہے۔ اسکی وضع بھی کیلش جیسی ہوتی ہے۔ یہ ہندوستان کے سب دریاؤں میں ہوتا ہے اسکو پکڑ کر لائے تھے۔ چار پانچ گز لمبا تھا۔ اس سے بھی لمبا ہوتا ہے۔ اسکی تھو قھنی آدھ گز سے زیادہ لمبی ہوتی ہے۔ اوپر اور نیچے کے جبرے میں ہمیں ہمیں دانتوں کی قطار ہوتی ہے۔ دریا کی کنارہ پر پڑا ایندھ کرتا ہے۔ ایک دریائی سور ہے۔ یہ بھی ہندوستان کے سب دریاؤں میں ہوتا ہے۔ اسکو پکڑ کر لائے تھے۔ چار پانچ گز کا لمبا ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اسکی تھو قھنی آدھ گز کے قریب دفعہ پانی سے باہر نکلتی ہے۔ سر پانی سے باہر نہیں ہوتا کہ پھر پانی میں چلی جاتی ہے۔ اسکی دم باہر دکھائی دیتی رہتی ہے۔ اسکا جبر ابھی سیار کے جبرے کے برابر لمبا ہے اور اسی طرح دانتوں کی قطاریں ہیں۔ ایک جانور تندر ہے مچھلی جیسا۔ آپس میں کھیلے وقت ایسا ہو جاتا ہے جیسے مشک۔ آبی سور جو دریا کے سرو میں ہوتے ہیں وہ تو کھیلے وقت دریا سے باہر آ جاتے ہیں۔ یہ مچھلی کی طرح دریائی میں رہتا ہے۔ ایک جانور گریال (گھڑیال) ہے۔ یہ بہت بڑا ہے دریا کے سرو میں ہمارے لشکر میں سے بہت لوگوں نے اس کو دیکھا ہے۔ یہ آدمی کو پکڑ لیتا ہے۔ جب ہم دریا کے سرو کے کنارے پر خمیہ زن تھے تو دو ایک آدمیوں کو اسنے پکڑ لیا تھا۔ غازی پور اور بنارس کے آدمیان میں بھی لشکر کے تین چار آدمی پکڑ لیے تھے۔ میں نے اسی نواح میں گھڑیال کو دور سے دیکھا ہے لیکن اچھی طرح تیز نہیں ہوئی۔ ایک کلکے ماہی ہے۔ اسکے دونوں کانوں کے پاس دو ہڈیاں نکل کر کی نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسکو پکڑو تو دونوں ہڈیوں کو ہلانا ہے۔ جس سے نئی طرح کی آواز نکلتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے لوگ اسکو کلکے کہتے ہوں۔ ہندوستان کی مچھلیوں کا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے۔ کانٹے بھی کم ہوتے ہیں۔ بڑی چالاک مچھلیاں ہیں۔ ایک بار ایک دریا میں دو طرف جال ڈالے۔ جال ہر طرف دریا سے گز بھراؤ بچے تھے۔ مچھلیاں جال سے گز گز بھرا چھل کر نکل گئیں۔ ہندوستان کے بعض دریاؤں میں چھوٹی مچھلیاں بھی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی دھماکا ہو یا پاؤں گھنگھو لو کی آواز ہو تو انکی بار آدھ گز پانی سے اچھل جاتی ہیں۔ ایک جانور مینڈک ہے۔ یہاں کے مینڈک پانی میں سات آٹھ گز دوڑتے ہیں۔

نباتات | ہندوستان کے خاص میووں میں سے ایک اہم ہے۔ اکثر ہندوستانی اسکی بے کوکین بولتے ہیں۔ چونکہ وہ تلفظ بڑا معلوم ہوتا ہے اس لیے بعض اسکو فوک کہتے ہیں چنانچہ امیر خسرو فرماتے ہیں کہ

نفرک یا نغز گن بوستان نغز ترین میوہ ہندوستان

اس میں خوشبو ہوتی ہے اور یہ خورد بھی ہوتا ہے۔ مگر خورد و عمدہ نہیں ہوتا۔ اکثر کچی کیریاں توڑ لیتی ہیں اور پال ڈال کر بچاتے ہیں۔ گدڑی کیریاں ترشی لیے ہوتی ہیں۔ گدڑی کیریوں کا مڑبہ خوب بنتا ہے۔ سچ یہ کہ آرم ہندوستان کے عمدہ میووں میں سے ہے۔ اسکا درخت بہت بڑھتا ہے بعض تو آرم اتنا پسند کرتے ہیں کہ سوائے خربوزہ کے سب میووں سے بہتر کہتے ہیں۔ ایسا تو نہیں ہے ہاں بو کاڑی سے ملتا جلتا ہے۔ برسات کے موسم میں پکتا ہے۔ اسکو ایک تو اس طرح کھاتے ہیں کہ نیچے کی طرف کو پیللاتے ہیں۔ پھر اسکے منہ میں سوراخ کرتے ہیں اور رُس چوستے ہیں۔ دوسروں کھاتی ہیں کہ شفتالو کے کار دی کی طرح پوست کو علیحدہ کر کے کھاتے ہیں۔ اسکا پتا شفتالو کے پتے سے کچھ کچھ مشابہ ہے۔ تنہ بے ہنگم اور بے ڈول ہوتا ہے۔ بنگالہ اور گجرات میں اسکی کثرت ہے۔ ایک میوہ کیلا ہے جسکو اہل عرب موز کہتے ہیں۔ اسکا درخت بہت اونچا نہیں ہوتا بلکہ اس ڈھنگ کا ہوتا ہے کہ جس کو درخت نہیں کہہ سکتے۔ گویا گھاس اور درخت کے بین بین میں ایک چیز ہے۔ پتا امان قرا کے پتے کی صورت کا ہوتا ہے۔ مگر کیلے کا پتہ لگایا دو گز لمبا ہوتا ہے اور ایک گز چوڑا۔ پتے اور درخت کے بیچ میں سے ایک شاخ دل کی شکل کی نکلتی ہے۔ اسی شاخ کے منہ پر غنچہ ہوتا ہے اس غنچے کی وضع بکرنے کے دل جیسی ہوتی ہے غنچے کی جو بیج پھرتی کھلتی ہے اسکی جڑ میں سڑچہ سات کیلوں کی قطار چھوٹی ہے۔ یہی کلیاں کیلا ہو جاتی ہیں۔ جو شاخ دل کی صورت کی تھی وہ پریشان ہو جاتی ہے۔ اور اُس بڑے غنچے کی پتھوڑیاں کھل کر کیلے کی گیل بن جاتی ہے۔ کیلے میں دو اٹھ فٹین یا ایک یہ کہ اسکا چھلکا آسانی سے اُتر جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اُس کے اندر بیج یا اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ کیلا بیگن سے لمبا اور پتلا ہوتا ہے۔ میٹھا خوب ہوتا ہے۔ بنگالے کے کیلے بہت ہی میٹھے ہوتے ہیں اسکا درخت بھی خوشنما ہوتا ہے۔ اُسکے چوڑے چوڑے اور ہرے ہرے پتے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک، آملی ہے۔ خرمائے ہندی اسی کو کہتے ہیں۔ اس کے پتے میں چھوٹی چھوٹی پتیاں ہوتی ہیں کسی قدر یو یا کے پتے سے مشابہ ہے۔ لیکن اسکے پتے یو یا کے پتے سے چھوٹے ہیں۔ درخت بہت خوبصورت ہے۔ گھن کا ہے اور بڑھتا بھی بہت ہے۔ ایک ہبہ ہے۔ اسکا درخت خوشنما اور سایہ دار ہے۔ ہندوستانیوں کے مکانات میں اکثر ہبہ کی لکڑی کام آتی ہے۔ ہبہ کے پھولوں کا عسرق کھینچا ہے۔ اس کے پھول کو موز کی طرح سکھا کر کھاتے ہیں۔ اور اسکا عرق بھی کھینچتے ہیں کیش جیسا

ہو جاتا ہے۔ مزہ بھی بُرا نہیں ہوتا۔ اور بو بھی اچھی ہوتی ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ کھا سکے ہیں۔ میوہ جنگلی اور بستانی دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کھرنی ہے۔ اسکا درخت اگر بہت اونچا نہیں ہوتا تو پھوٹا بھی نہیں ہوتا۔ اسکا پھل زرد ہوتا ہے۔ سجد سے پتلا ہوتا ہے۔ مزہ کچھ انگور میں ملتا ہے۔ آخر میں ذرا کیلا پن ہوتا ہے۔ غرض بُرا نہیں ہے کھا سکے ہیں۔ اسکا پوست چمٹا ہوا ہوتا ہے۔ ایک میوہ جامن ہے۔ اسکا پتہ تال کے پتے میں کچھ ملتا ہے۔ یہ پتہ گول اور سبز زیادہ ہے۔ اسکا درخت ہشکل نہیں ہے۔ پھل ایسا ہے جیسا کالا انگور۔ مزہ میں زیادہ اچھا نہیں ہے۔ کسی قدر ترشی لیے ہوئے ہے۔ ایک کمرگ ہے۔ اس کے پانچ پہلو ہوتے ہیں بڑائی میں غیاٹو کے برابر ہوگی۔ اور لمبائی میں چار انگلی کی۔ کپنے کے بعد زرد ہو جاتی ہے۔ اس میں گٹھلی نہیں ہوتی مگر کچھ تورٹو تو بہت کڑوی ہوتی ہے۔ پک کر اسکی ترشی مزے کی ہو جاتی ہے۔ اچھا اور طبعاً میوہ ہے۔ ایک گٹھل ہے۔ یہ بڑا ہی بد صورت اور بد مزہ میوہ ہے۔ صورت بیسنہ بکرے کی اور جھڑی جیسی بیسی کی طرح سے پھولتا رہتا ہے۔ مزہ میٹھا ہے۔ اور اس کے اندر فندق کے سے دانے ہیں جو کسی قدر خرماسے مشابہ ہوتے ہیں۔ مگر اس کے دانے گول ہوتے ہیں۔ بے نہیں ہوتے۔ ان دانوں میں کھجور سے زیادہ نرم گودا ہوتا ہے۔ اسی کو کھاتے ہیں۔ بہت ہی چھپچھا ہوتا ہے چھپچھاہٹ کی سبب اکثر لوگ ہاتھ اور منہ کو چکنائی ملکر کھاتے ہیں۔ یہ درخت کی شاخ میں بھی لگتا ہے اور تنہا بھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا درخت میں کپیاں لٹکی ہوئی ہیں۔ ایک بڑا ہل ہے۔ سبب یہ اسکی بو اچھی ہوتی ہے۔ عجب بے مزہ چیز ہے۔ ایک تیر ہے۔ فارسی میں اسکو کنار کہتے ہیں۔ یہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔ آلوچ سے ذرا بڑا۔ ایک قسم کا بیر انگوڑی حسینی کے برابر ہوتا ہے۔ اس قسم کا اکثر بُرا ہوتا ہے۔ باندے میں ایک قسم کا بیر میں نے دیکھا وہ بہت عمدہ تھا۔ ثور اور جوا میں اسکی پت جھڑ ہوتی ہے۔ سرطان میں جو ٹھیکہ برسات ہے پتے پھوٹ کر ہر ہا بھرا ہو جاتا ہے۔ جب آفتاب دلو اور حوت میں آتا ہے تو پھل پک جاتا ہے۔ ایک کمر وندہ ہوتا ہے۔ ہمارے ملک جگہ کی طرح لمبوتر انگول۔ جگہ پہاڑوں میں ہوتا ہے اور یہ میدانوں میں۔ اسکا مزہ مرمی خوان جیسا ہے۔ مگر اُس سے اس میں سٹھاس بڑھی ہوئی ہے۔ اور تراوٹ کم ہے۔ ایک میوہ بیسآلہ ہوا دھ کچری سُرخ سیب کے مشابہ۔ مزہ میں چاشنی دار۔ لذیذ میوہ ہے۔ اسکا درخت انار کے درخت سے اونچا اور پتہ بادام کے پتے جیسا۔ مگر ذرا اُس سے لمبا۔ ایک گور ہے۔ اسکا پھل درخت کے گدے میں لگتا ہے۔ انجیر سے مشابہت رکھتا ہے۔ عجب بے مزہ پھل ہے۔ ایک آملہ ہے۔ اسکی پانچ پھلیں ہوتی ہیں۔ یہ ادھ کچرا ہی رہتا ہے سخت اور بے مزہ چیز ہے۔ اسکا مُرہ بُرا نہیں ہوتا۔ بڑا مفید میوہ ہے۔ درخت خوب صورت ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ایک چروخی ہے۔ اسکا درخت

پھاڑی ہے۔ اس کا مندرجہ انہیں ہوتا گھٹلی میں سے چار سفر اور بادام کی سی گری نکلتی ہے۔
چھوٹی ہوتی ہے اور بڑی نہیں ہوتی۔ چروخی کی گری گول ہے۔ ایک کھجور ہے۔ یہ لغات
میں بھی ہوتی ہے۔ شاخیں درخت کے سر پر ایک ہی جگہ ہوتی ہیں۔ پتے ہنسی کی جڑ سے ستر تک
دو طرفہ ہوتے ہیں۔ تنہ کھردرا اور بد رنگ۔ پھل انگور کے خوشہ کی طرح لگتا ہے۔ مگر اس کا خوشہ انگور
کے خوشہ سے کہیں بڑا ہوتا ہے۔ کھجور میں دو باتیں حیوان جیسی ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح حیوان کا سر
کاٹ ڈالو تو وہ مر جاتا ہے اسی طرح اسکے درخت کا سر تراش دو تو یہ خشک ہو جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ
جیسے حیوانات میں بغیر زکے مادہ کے ہاں بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح مادہ کھجور کے پھول میں نہ کھجور کا
پھول نہ رکھا جائے تو پھل نہیں لگتا۔ اس بیان کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہے۔ شاید اس ہی
سے سر مراد ہو کھجور کے درخت میں یہ بھی کرتے ہیں کہ جہاں سے شاخ اور پتے پھوٹے ہیں ہاں
پنیر کی سی ایک سفید سفید چیز ہوتی ہے۔ اسی پنیر جیسی سفید چیز سے شاخ نکلتی ہے۔ جب یہ شاخ او
پتہ پر نشان ہو جاتا ہے تو اس سفید چیز کو پنیر کہا کرتے ہیں۔ یہ مغز چار مغز سے مشابہ ہے۔ خامی
چیز ہے۔ بڑی نہیں ہے۔ اسی جائے جہاں پنیر ہوتا ہے شکاف دیتے ہیں۔ اس زخم کے پاس
پتے کو اس طرح گوندھ دیتے ہیں کہ زخم میں سے جس قدر پانی نکلتا ہے اسی پر سے ہوتا ہے۔ پتے کو
ایک ٹیپا میں ڈالتے ہیں۔ اور ٹیپا کو درخت میں باندھ دیتے ہیں۔ زخم میں جو پانی نکلتا ہے وہ اس
ٹیپا میں جمع ہوتا ہے۔ یہ پانی تازہ تو میٹھا ہوتا ہے۔ دو تین دن بعد پایا جائے تو کسی قدر نشہ کرنا
ہے۔ ایک ہار میں باڑی کی سیر کو گیا تھا۔ چنل ندی کے کنارے پر جو مقامات ہیں ان میں سیر کرنے
گیا۔ اثنائے راہ میں ایک درہ ملا۔ وہاں اسی طرح کھجور کا رس لوگ نکال رہے تھے، ہمارا تھیل
نے اسکو پایا۔ مگر تھوڑا تھوڑا پایا اسلئے نشہ کی پوری کیفیت معلوم نہ ہوئی۔ شاید بہت پایا جاتا تو اچھی طرح
معلوم ہو جاتا۔ ایک نارگیل ہے اہل عرب اسکو معرب کہہ کے نارجل کہتے ہیں۔ ہندوستانی ناریل غالباً
ناریل غلط العام ہے۔ ناریل جو ہندی ہے۔ اسکو پھوڑتے ہیں تو کالے کالے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔
بڑے ٹکڑے کا کاسہ عجب بنا لیتے ہیں۔ اسکا درخت بعینہ کھجور کے درخت جیسا ہوتا ہے۔ ساری شاخیں
پتے ہوتے ہیں۔ پتے کا رنگ کھٹا ہوا ہوتا ہے جس طرح چار مغز پر سبز پوست ہوتا ہے اسی طرح اسکے
پھل پر ہوتا ہے۔ لیکن ناریل کا پوست ریشہ دار ہوتا ہے۔ جہازوں اور کشتیوں کے رستے اور ٹیپا
اسی پوست سے بناتے ہیں۔ جب ناریل کے پوست کو چھیل ڈالتے ہیں تو اسکا ایک طرف تین کھوٹا ہوتا
ہے۔ اور اس میں تین چار سو راخوں کے نشان ہوتے ہیں۔ دو سخت ایک نرم۔ نرم نشان کو ذرا سا
کو چا دینے سے سوراخ ہو جاتا ہے۔ مغز کی مٹیا بننے سے پہلے اندر بالکل پانی ہوتا ہے۔ سوراخ سے
پانی نکال کر پیتے ہیں۔ پانی بد مزہ نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کے پنیر کو پانی کر لیا ہے۔ ایک

تارٹ ہے۔ تارٹ کی شاخیں بھی درخت کے سر پر ہوتی ہیں۔ تارٹ سے بھی کھجور کی طرح رس نکالتے ہیں اور پیٹوں میں اسکو تارٹ کہتے ہیں۔ کھجور کے رس سے اس میں نشہ زیادہ ہوتا ہے۔ تارٹ کی شاخ میں گڑ ڈیڑھ گرننگ پتائیں ہوتا۔ گڑ ڈیڑھ گرنکے بعد تیس چالیس پتے شاخ پر برابر پٹے ہوئے نکلتے ہیں۔ ان پتوں کی لمبائی تقریباً گز بھر کی ہوتی ہوگی۔ ہندی تحریر میں دفتر کے طور پر اکثر اہلی پتوں پر لکھی جاتی ہیں جنکو کانوں میں سوراخ ہوتے ہیں وہ اس پتے کے بالے بنا کر پہنتے ہیں۔ تارٹ کے پتے کے بنالے جو بڑے بازاروں میں بکتے ہیں۔ اسکا گڈا کھجور کے گڈے سے خوبصورت اور صاف ہوتا ہے۔ ایک میوہ تارٹ ہے۔ لمفانات میں چھوٹا اور ناف دار ہوتا ہے نہایت لطیف۔ نازک اور تر۔ خراسان کے نارنج کو اس سے نسبت نہیں۔ نزاکت اتنی ہوتی ہے کہ لمفانات کا پل سے تیرہ چودہ فرسنگ ہی وہاں سے یہاں تک لانے میں بہت نارنج بگڑ جاتے ہیں۔ استر آباد اور سمرقند میں دو سے استی یا ستر کوس کا فاصلہ ہے وہاں سے سمرقند میں لیجاتے ہیں۔ ان کا پوست ایسا سخت ہوتا ہے اور ان میں تری اتنی کم ہوتی ہے کہ اُس قدر خراب نہیں ہوتے۔ بجور کا نارنج بھی کے برابر ہوتا ہے، اور بہت سیلا۔ اور نارنجوں سے زیادہ کھٹا ہوتا ہے۔ خواجہ کلاں کا بیان ہے کہ بجور میں ایک درخت سے سات ہزار نارنج توڑے تھے۔ مجھے مدت سے خیال تھا کہ نارنج نارنگ کا معرب ہے آخر وہی بات سچی۔ بجور اور سوات والے نارنج کو نارنگ کہتے ہیں، ایک لیمو ہے۔ کثرت سے ہوتا ہے مرغی کے انڈے برابر بڑا اور اسی صورت کا۔ اگر اسکے ریشہ کو جوش دیکر زہر خوردہ کو پلاؤ تو زہر کا اثر جاتا ہے۔ ایک ترنج ہے نارنج کے مشابہ۔ بجور اور سوات والے اسے ہالنگ کہتے ہیں۔ اسی لیے اُسکے مربے کو مربائے ہالنگ کہتے ہیں۔ ترنج دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک میٹھا۔ بے مزہ اور دل شکن اس کو کھاتے نہیں۔ اسکے مربے ڈالے ہیں۔ لمفانات میں اسی قسم کا ہوتا ہے۔ دوسرا ترنج ہندوستان میں کھٹا ہوتا ہے، اسکا شربت بڑے مرے کا ہوتا ہے، ترنج اتنا بڑا ہوتا ہے جتنا چھوٹا خوبوزہ۔ پوست کھردرا۔ چھلکا پٹلا۔ رنگ نارنج کے رنگ سے زرد۔ درخت کا گڈا بڑا نہیں ہوتا چھوٹا ہوتا ہے۔ پٹا نارنج کے پتے سے بڑا۔ ایک پھل مثل نارنج کے ہے۔ وہ سنگترہ کہلاتا ہے۔ وضع اور رنگ نارنج سے ملتا جلتا۔ اسکا پوست صاف ہوتا ہے اور ذرا ترنج سے چھوٹا۔ زرد آلو کے برابر۔ پٹا رنگ کے پتے جیسا۔ کھٹا بہت ہوتا ہے۔ جو شیریں ہوتا ہے وہ مرے کا ہوتا ہے۔ لیمو کی طرح یہ بھی مقوی سعدہ ہے، نارنج کی طرح مضغیت سعدہ نہیں ہے۔ ایک میوہ ہے نارنج جیسا۔ یہ بڑالیموں ہے۔ اسکو ہندوستان میں کلکل کہتے ہیں۔ بالکل قاز کا انداز معلوم ہوتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ انڈے کی طرح دونوں مرے پٹے نہیں ہوتے۔ اسکا پوست سنگترے جیسا شفاف ہوتا ہے۔ بہت ہی سیلا ہوتا ہے۔ ایک اور پھل ہے جو نارنج کو مشابہ ہے۔

جسامت میں نارنج کی شکل۔ مگر رنگ نارنجی نہیں ہوتا۔ زرد ہوتا ہے۔ اور بونارنج کی سی۔ یہ بھی بڑا کھٹا ہوتا ہے۔ ایک اور قسم ہے نارنج جیسی۔ اندام میں امرود کی برابر۔ رنگ بھی کے رنگ کا سا۔ مزے میں میٹھا۔ مگر نارنج کی طرح مٹھاس ناگوار نہیں۔ ایک اور پھل ہے نارنج سے مشابہ۔ ایک کرتا ہے۔ یہ بھی نارنج سے ملتا جلتا ہو۔ کل کل لیمو کے برابر بڑا ہوتا ہو۔ ذائقہ میں کھٹا۔ نارنج کے مشابہ ایک پھل اعلیٰ سید ہے۔ ابھی اسی سال میں میں نے اسکو دیکھا ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اگر سوئی اس میں ڈال دو تو پانی ہو جاتی ہے۔ عجیب نہیں کہ یہ اُسکی کھٹاس کی تیزی سے ہو۔ یا اُسکی خاصیت ہی ایسی ہو۔ اُس کی ترشی نارنج اور لیمو کی ترشی کے برابر ہوتی ہے۔ اسکی عمدہ کمہ ہے۔ کملہ حاجی پور اور تنک میں ہوتا ہے۔ وہ مزے میں میٹھا چاشنی دار ہے۔ بہت ہی خوشگوار پر بالہ وغیرہ کے علاقوں میں بھی کملہ ہوتا ہے۔ مگر اُس کی سی لطافت نہیں ہے۔ ایک نارنگی ہے۔ حاجی پور وغیرہ میں بہت عمدہ ہوتی ہے۔ اس میں ترشی مٹھاس لیے ہوئے ہے بلکہ مٹھاس اور کھٹاس دونوں کا نئے کی تول ہیں۔

پھول

ہندوستان میں پھول طرح طرح کے اور عمدہ ہوتے ہیں۔ ایک پھول جاسون ہے۔ اسکو بعض ہندوستانی کرتی کہتے ہیں۔ اسکا درخت شادخار ہوتا ہے۔ گھاس کی صورت کا نہیں ہوتا۔ اور گلاب کے درخت سے بڑا ہوتا ہے۔ اس کا رنگ انار کے پھول سے زیادہ کھٹا ہوا اور گلاب کے پھول کے برابر بڑا ہے۔ فرق اتنا ہو کہ گلاب کی کلی ایک ہی دفعہ کھل جاتی ہو۔ اسکی کلی پہلے ایک بار کھلتی ہے پھر اُسی کھلی ہوئی کلی میں سے ایک چیز دل کی شکل کی نکلتی ہے۔ اور اُسکی پتیوں کھل کر پھول ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں اگرچہ ایک ہی پھول ہیں مگر اسکے بیچ میں پہلی پتیوں میں سے دل کی صورت کی ایک چیز کا نکلتا اور دوسرا پھول بن جاتا ایک نادریات ہے۔ یہ پھول درخت میں لگا ہوا بڑی بہار دیتا ہو۔ زیادہ پائدار نہیں ہوتا۔ ایک ہی دن میں مڑ جھکا کر پتیاں جھڑ جاتی ہیں۔ برسات کے چار مہینے کثرت سے کھلتا ہے۔ کیا عجیب ہو کہ سارے برس کھلتا رہتا ہو۔ مگر کثرت نہیں ہوتی۔ ایک کثیر ہے۔ یہ سفید رنگ کا بھی ہوتا ہے۔ سُرخ رنگ کا بھی۔ اسکی جڑ اور پتے شفقنا لو جیسے سُرخ۔ پھول تو بہت شفقنا لو کا پھول ہے۔ مگر کثیر کے پھول چودہ پندرہ ایک جگہ سطح کھلتے ہیں کہ دور سے ایک بڑا پھول معلوم ہوتا ہے۔ اسکے درخت کا پھیر گلبن کے درخت کے پھیر سے زیادہ ہے۔ سُرخ پھول میں جیسی جیسی بو ہوتی ہے۔ یہ بھی برسات کے موسم میں تین چار مہینے تک برابر کھلتا ہے۔ اور اکثر سال بھر رہتا ہے۔ ایک کیوڑا ہے۔ اسکی بو نہایت لطیف ہو۔ اہل عرب اسکو کادی کہتے ہیں۔ اتنا عیب ہے کہ ذرا خشک ہوتا ہے۔ اسکو مشک تر کہہ سکتے ہیں۔ بو تو اچھی ہے مگر صورت عجیب طرح کی ہے۔ پھول کی لمبائی ڈیڑھ بالشت کے قریب پتیاں لمبی لمبی خار دار۔ یہ پتے

اوپر نیچے اس طرح پٹے ہوئے کہ غنچہ معلوم ہو۔ اوپر کے پتے سبز اور تازہ خاردار۔ اندر کے پتے نرم اور سفید۔ اندر کے پتوں میں گلی سے اور پتے سے لپٹی ہوئی ایک چیز معلوم نہیں یہ کیا ہے۔ اسکی فارسی مجھے معلوم نہ تھی اس لیے یونہی لکھ دیا۔ خوشبو اسی میں سے آتی ہے۔ درخت کی ہیئت اسی جیسے بانس کا درخت جس کا ابھی تن نہ ہوا ہو۔ پتے بہت چوڑے خاردار۔ تنہ بے ڈھنگا۔ ادھر ادھر شاخیں پھیلی ہوئی۔ ایک کینگی ہے کیوڑے میں ملتی ہوئی۔ مگر اس میں چھوٹا بہت چھوٹا رنگ زیادہ زرد اور بوٹکی۔ اکثر پھول جو ولایت میں ہوتے ہیں جیسے گلاب اور نرگس وغیرہ سب ہندوستان میں ہوتے ہیں۔ سفید یا سمن بھی ہوتی ہے۔ سکوجنیلے کہتے ہیں۔ ہمارے ملک کی یا سمن سے کہیں بڑی۔ خوشبو خوب تیز۔ ایک چمپا ہے۔ اسکا درخت بڑا اونچا اور خوبصورت ہوتا ہے۔ اس پھول کی بونہایت اچھی ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نقشہ یا نرگس کا پتا ہے۔ رنگ اس کا زرد ہوتا ہے۔ صورت سوسن میں ملتی ہوئی، مگر سوسن کا پھول بڑا ہوتا ہے۔

موسم وغیرہ ہمارے اُن ملکوں میں چار فصلیں ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں تین۔ چار مہینے گرمی چار مہینے برسات اور چار مہینے جاڑا۔ مہینوں کی ابتدا ماہ ہلالی کے وسط سے ہوتی ہے۔ ہر تیسرے برس ایک مہینہ بڑھا دیتے ہیں۔ پہلے تیسرے برس برسات میں۔ پھر جاڑا میں۔ پھر گرمی میں۔ ان کا کہیہ یہی ہے۔ مہینوں کے نام یہ ہیں:- چیت۔ بیباکھ۔ جیٹھ۔ اسارٹھ۔ (گرمی کے مہینے جو ت۔ جل۔ ثور۔ جوز کے موافق) ساون۔ بھادوں۔ کوار۔ کاتک (برسات بھاتی) سرطان۔ اسد۔ سنبھ۔ میزان) آگن۔ پوس۔ ماہ۔ پھاگن (جاڑا۔ موافق عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو) ہندوؤں کے موسم کو چار چار مہینوں میں مقرر کیا ہے۔ ہر موسم میں دو دو مہینوں کو گرمی۔ برسات اور جاڑے کے لیے مخصوص کیا ہے۔ گرمی کے مہینوں میں سے آخر کے دو مہینوں جیٹھ اور اسارٹھ کو گرمی کا چلہ کہتے ہیں۔ برسات کے مہینوں میں سے اول کے دو مہینوں ساون بھادوں کو برسات کے مہینے مقرر کرتے ہیں۔ جاڑے کے مہینوں میں سے پہلے کے دو مہینوں پوس اور ماہ کو جاڑے کا چلہ کہتے ہیں۔ اس حساب سے انکے ہاں چھ فصلیں ہوتی ہیں۔

دنوں کے نام دنوں کے نام بھی انہوں نے رکھے لیے ہیں یہ ہیں:- سینچر (شنبہ) اتوار (یکشنبہ) سوموار (دوشنبہ) منگل (سہ شنبہ) بدھ وار (چار شنبہ) برہسپتہ وار (پنجشنبہ)

سکروار (جمعہ) وقتوں کی تقسیم اور نام ہمارے ہاں رات دن کو چوبیس حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصہ کو گھنٹہ کہتے ہیں۔ ہر گھنٹہ ساٹھ پر تقسیم کر کے ہر حصہ کو دقیقہ کہتے ہیں۔ جو رات دن میں ایک بار چار سو چالیس

ہوتے ہیں۔ (دقیقہ کی مقدار تقریباً یہ ہے کہ چھ مرتبہ سورہ الحمد مع بسم اللہ پڑھی جائے۔ اس حساب سے آٹھ ہزار چھ سو چالیس دفعہ سورہ مضافہ مع بسم اللہ ایک ات دن میں پڑھی جاتی ہے) اہل ہند نے رات دن کے ساتھ جتے کیے ہیں۔ ہر حصہ کو گھڑی کہتے ہیں۔ پھر رات کے چار اور دن کے چار حصے کیے ہیں۔ اس ہر حصہ کو پہر کہتے ہیں۔ (جو فارسی میں پاس کہلاتا ہے) اُس ملک میں پاس اور پاسان کہتے تھے۔ اُس کی حقیقت اب کھلی۔ اس کام کے لیے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں لوگ مقرر ہیں۔ انکو گھڑیالی کہا کرتے ہیں۔

گھڑیال و رُسکا بجانا | پتیل کی ایک چوڑی گول چیز بنائی ہے طباق کے برابر۔ دو انگلی موٹی اسکا نام گھڑیال ہے۔ اس گھڑیال کو کسی اونچی جگہ لٹکاتے ہیں۔

نیچے ایک نند دلا ہوتا ہے۔ اُس میں پانی بھر دیتے ہیں۔ ایک کٹورے کے پینڈے میں چھید کر کے نندولے میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ کٹورہ گھڑی بھر میں نیچے والے سوراخ کے ذریعہ سے بھر جاتا ہے۔ گھڑیالی ہر وقت اس طاس پر آب کو دیکھتے رہتے ہیں۔ جب کٹورہ بھر جاتا ہے تو آلٹ دیتی ہیں اور گھڑیال بجا دیتے ہیں۔ بجانے کا ڈھنگ یہ ہے کہ مثلاً صبح سے ایک نند ولا بھر کر کٹورہ ڈال دیا پہلا کٹورہ بھرا اور موگری سے گھڑیال کو ایک دفعہ بجا دیا۔ دوسری بار بھرا۔ دو بجا دیے۔ اسی طرح پہر کے تمام ہونے تک بجاتے رہے۔ پہر جب تمام ہوتا ہے تو متواتر یعنی گجر بجا دیتے ہیں۔ یہ پہر تمام ہونے کی علامت ہے۔ اگر دن کا پہلا پہر ہے تو گجر بجانے کے بعد ذرا ٹھہر کر ایک بجاتے ہیں۔ دوسرا پہر ہوتا ہے تو دو تیسرے پر تین اور چوتھے پر چار۔ بس دن تمام ہوا۔ اب رات کا پہر اسی طرح ایک سے شروع کیا اور چار پر تمام کر دیا۔ اس سے پہلے گھڑیالوں کا دستور تھا کہ بطریق مذکور ات دن میں جس وقت پہر تمام ہوتا اُس وقت پہر کی علامت بجاتے تھے۔ رات کو جن کی آنکھ کھلتی تھی وہ یہ نہ پہچان سکتے تھے کہ دوسرا پہر ہے یا تیسرا پہر۔ میں نے حکم دیا کہ رات اور دن میں گھڑیوں کے بجانے کے بعد بھی پہر کی علامت بجا کرے۔ مثلاً پہلے پہر کی تین گھڑیاں بجانے کے بعد ذرا ٹھہر کر ایک پہر کی علامت بجا دو۔ جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ تین گھڑی پہلے پہر کی ہے۔ اسی طرح تیسرے پہر کی چار گھڑیاں بجانے کے بعد توقف کیا جائے اور پہر کی علامت تین دفعہ بجائی جائے تاکہ معلوم ہو کہ تیسرے پہر کی چار گھڑیاں گزری ہیں۔ یہ بات اچھی ہوگئی۔ رات کو جس وقت جس کی آنکھ کھل جائیگی اور کان میں گھڑیال کی آواز آئے گی وہ جان جائیگا کہ کون سے پہر کی گھڑیاں بجی ہیں پہر گھڑی کے بھی ساتھ جتے کیے ہیں۔ اس حصہ کا نام پل رکھا ہے۔ رات دن کے پہر چھ سے پل ہوئے۔ پل کی مقدار ایک بار آنکھ بند کرنے اور کھلنے کے برابر بیان کرتے ہیں۔ اس حساب سے آنکھ کا کھلنا اور بند ہونا رات دن میں ستر ہزار دو سو مرتبہ ہوا۔ چھنے جو پل کی مقدار کا گجر کیا

تو ہر مل میں تقریباً آٹھ دفعہ قل ہو اللہ مع بسم اللہ پڑھی جاسکتی ہے۔ اس حساب سے ات دن میں اٹھائیس ہزار تین سو مرتبہ سورہ موصوفہ مع بسم اللہ پڑھ سکتے ہیں۔

وزن ہندیوں نے وزن اس طرح مقرر کیا ہے: آٹھ زتی کا ایک ماشہ۔ چار ماشے کا ایک ٹانک (۳۲ زتی) پانچ ماشے کا مثقال (۴۰ زتی) بارہ ماشے کا ایک تولہ۔ چونسٹھ تولے کا ایک سیر۔ چالیس سیر کا ایک من (یہی ہر جائے مقرر ہے) بارہ من کی ایک مانی۔ بیس من کا ایک نیکا ہوتا ہے۔ جواہر اور موتی کو ٹانک سے تولتے ہیں۔

عدد ہندوستانیوں نے عدد کی مقدار بھی خوب معین کی ہے۔ سو ہزار کو ایک لاکھ۔ سو لاکھ کو گروڑ۔ سو کروڑ کو ارب۔ سو ارب کو کھرب۔ سو کھرب کو نیل۔ سو نیل کو پیم۔ سو پیم کو سامناک کہتے ہیں۔ عدد و نیکا اس تعداد پر مقرر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ہند بہت مالدار ہیں۔

اقوام ہندوستانی اکثریت پرست ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہندو کہلاتے ہیں۔ ہندو لوگ ہمیشہ مسئلہ تسامح کے قائل ہیں۔ ہندو نوکری پیشہ۔ بھیکے دار اور پورے کارگزار ہیں۔ ہمارے ملک میں صحراگرد لوگوں میں ہر قبیلہ کا نام جدا ہے۔ یہاں مختلف قطععات اور مختلف دیہات میں بھی قوموں کے نام الگ الگ ہیں۔ ہر حرفت والا اپنا جدی پیشہ کرتا ہے۔

ہندوستان کی نسبت مجمل رائے ہندوستان میں لطافت کہ ہے۔ لوگ نہ حسین ہیں۔ نہ میل جول کی اچھے ہیں۔ نہ انکا ادراک اعلیٰ درجہ کا ہے۔ نہ ان میں ہوش۔

مہربانی اور ادب ہے۔ ہنروں اور کاموں کی ترکیب بھی اچھی نہیں۔ ٹھوڈا یہاں حمد نہیں ہوتا۔ گوشت اچھا نہیں ہوتا۔ انگور۔ خربوزے اور میوے اچھے نہیں ہوتے۔ برف نہیں۔ ٹھنڈا پانی نہیں۔ بازاروں میں جو کھانے اور روٹیاں بکتی ہیں وہ سب خراب۔ حمام۔ مدرسہ۔ شمع مشعل اور معدن کا نام نہیں۔ شمع اور مشعل کی جگہ چکیٹ اکٹھا کر کے جلاتے ہیں۔ اور اسکو ڈیوٹی کہتے ہیں۔ لٹے ہاتھ میں ایک چھوٹی ٹسی تپائی لیتے ہیں۔ اُس تپائی کے ایک پایہ کے کنارے میں شمع دان کے سر کی طرح ایک لوہے کو خوب مضبوط باندھ دیتے ہیں۔ انگوٹھے کے برابر پلٹا آہن دار لکڑی کے دوسرے پایہ میں باندھ دیتے ہیں۔ سیدھے ہاتھ میں ایک خشک کدور رکھتے ہیں اس میں بارک سوراج کرتے ہیں۔ جس سے تیل ٹپکتا ہے۔ اس کدور میں تیل بھر دیتے ہیں۔ جب پلٹے پر ڈالنے کی حاجت ہوتی ہے تو اس کدور سے تیل پکائے ہیں۔ کدور کے سوراخ سے تیل کی بوندیں ٹپکنے لگتی ہیں۔ مقہور داروں کے ہاں ایسی ڈیوٹیاں سودو سو ہوتی ہیں شمع اور مشعل کی جائے اسی کو برتتے ہیں۔ بلو شاہوں اور امیر کے سامنے بھی رات کو ضرورت کی وقت یہی چکیٹ کے ڈیوٹ شمع کے بدلے لاکر پاس رکھ دیتے ہیں۔ سوانہ ندیوں اور بڑے دریاؤں کے نالوں وغیرہ میں پانی ہمیشہ جاری نہیں رہتا۔ باغوں اور مکانوں میں نہیں پڑتی۔

عمارتیں ہوا اور مصفا اور خوش قطع نہیں۔ عوام ننگے پاؤں پھرتے ہیں۔ ناف سے دو سٹکی نیچے ایک کپڑا باندھتے ہیں اسکو لنگوٹا کہتے ہیں۔ یہ ایک آڑا کپڑا لیٹا ہوا ہو۔ اسکے نیچے کا آڑا کوٹا لٹکا رہتا ہو۔ اسکا دوسرا کوٹا اور ہے۔ جب لنگوٹا باندھتے ہیں تو اس کوٹے کو دونوں رانوں کے بیچ میں سے لیکر پیچھے گھس دیتے ہیں۔ اس لنگوٹے کو خوب مضبوط باندھتے ہیں۔ عورتیں ایک ننگی باندھتی ہیں اُدھی کمر میں باندھتی ہیں اور اُدھی سر سے اوڑھتی ہیں۔ ہندوستان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وسیع ملک ہے۔ اُس میں سونا چاندی بہت ہے۔ برسات کی ہوا نہایت اچھی ہوتی ہو۔ برسات میں کبھی ایسا ہوتا ہو کہ دن میں دس پندرہ اور بیس دفعہ مینہ برس جاتا ہو۔ بارش کے موسم میں ایک بار ہی رو آجاتی ہو اور ایسی آتی ہو کہ جہاں پانی کی بوند نہیں ہوتی وہاں دریا بہنے لگتا ہے۔ مینہ برستے میں اور مینہ برسنے کے بعد بڑے مزے کی ہوا میں چلتی ہیں۔ چنانچہ ہوا ٹھنڈی ہوتی ہے۔ اور اعتدال کے ساتھ چلتی ہے۔ اتنا عیب ضرور ہے کہ مرطوب بہت ہوتی ہے۔ یہاں کی برسات میں ہمارے ملک کی کمان سے تیر اندازی نہیں ہو سکتی تیر بیکار جاتا ہو۔ کمان ہی پر کیا منحصر ہو بلکہ جیبہ۔ کتاب۔ لباس اور اسباب وغیرہم سب میں سیل دوڑ جاتی ہے۔ مکان سارے چوڑھاہوتے ہیں۔ علاوہ برسات کے جاڑے اور گرمی میں بھی مزے کی ہوا میں ہوتی ہیں۔ شبانی ہوا ہمیشہ چلتی رہتی ہے جسکے ساتھ گرد و غبار اتنا اُرتا رہتا ہے کہ کبھی ایک دو سٹر کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی کو یہاں آندھی کہتے ہیں۔ نور اور جوزامیں گرمی ہوتی ہے مگر اس قدر بے اعتدال گرمی نہیں جیسے بلخ اور قندھار میں۔ یہاں کی گرمی کی مدت بھی وہاں سے آدھی ہوگی۔ ہندوستان میں ایک عہدگی یہ بھی ہے کہ ہر فرقہ اور حرفت کا آدمی کثرت سے ہے۔ اور ہر کام اور ہر چیز کے لیے ہزاروں آدمی موجود ہیں جن کے ہاں باپ دادا کے وقت سے وہی کام ہوتا آیا ہے۔ ظفر نامہ میں ملاحظہ فرمائیے بزدی نے لکھا ہے کہ حضرت امیر تیمور نے جب سنگین مسجد بنوائی تھی تو آذربائیجان۔ فارس۔ ہندوستان وغیرہ ملکوں کے دو سے سنگت امش کام کرتے تھے۔ اور اس تعداد کو وہ بہت خیال کرتے ہیں۔ میں نے جو عمارت طرف آگرہ میں بنوائی ہے اُس میں آگرہ ہی کے چھ سو اسی سنگتراش لگے ہوئے ہیں۔ اسکے علاوہ سیکری۔ بیانہ۔ دولت پور۔ گوالیار اور کوئل میں ایک ہزار چار سے ایک سو سے سنگتراش روزانہ میرے مکافوں میں کام کرتے ہیں۔ اسی پر قیاس کر لینا چاہیے کہ ہر کام اور پیشہ کا آدمی ہندوستان میں بیشمار ہے۔

اس وقت جو ملک قبضہ میں ہے | بہرے سے بہار تک اب جتنا ملک میرے قبضہ میں ہے باون کروڑ روپے کا ہے۔ اس میں سے اُنیس کروڑ کے علاقے اُن اچانک

اور اُنیسوں کے تصرف میں ہیں جنہوں نے ہمیشہ سے اطاعت کی ہے۔ اور یہ جاگیریں سلاسل بعد میں اُنکو گزاشت کر دی گئی ہیں۔ ہندوستان کے باشندوں اور مقامات وغیرہ کی کیفیتیں اور خصوصیات

جس قدر اب تک معلوم ہوئی ہیں وہ لکھدی گئیں۔ آئندہ جو اور باتیں قابل بیان دیکھوں یا سنو گنا وہ لکھدی گنا۔

تقسیم انعامات | رجب کی انیسویں تاریخ ہفتہ کے دن خزانے ملاحظہ کرنے اور بانٹنے شروع کیے۔ بہاؤں کو ستر لاکھ تو ایک خزانہ سے عطا ہوئے۔ اور کئی خزانے یوں ہی بے دیکھے بھالے دیدیے۔ کئی امیروں کو دس دس لاکھ۔ آٹھ آٹھ لاکھ اور چھ چھ لاکھ مرحمت کیے۔ لشکر میں جو افغان۔ ہزارہ۔ عرب اور بلوچ تھے انکو انکی قدر کے موافق خزانہ سے بہت کچھ نقد انعام دیا گیا۔ سوداگر۔ طالب علم اور ہر قسم کے لوگ جس قدر پیر میں ہمراہ تھے سب نے اس انعام سے پورا حصہ لیا۔ اور سب خوش ہوئے۔ جو لوگ اس پوریش میں ساتھ نہ آئے تھے انکو بھی ان خزانوں میں سے انعام پہنچا۔ چنانچہ کامران کو ستر لاکھ۔ محمد زمان میرزا کو پندرہ لاکھ اور عسکری و ہندال بلکہ سارے چھوٹے بڑے عزیزوں اور گناہوں کو بہت کچھ روپے۔ اشرافیاں۔ کپڑا۔ جو اہر اور غلام وغیرہم بطریق سوغات بھیجے گئے اس طرف کے امراء اور سپاہیوں کو اکثر خطوط روانہ ہوئے۔ سمرقند۔ کاشغر۔ خراسان اور عراق میں جو گناہے تھے انکو بھی سوغاتیں ارسال ہوئیں۔ ہمدان اور خراسان کے مشائخ وغیرہ کو نذرانے بھیجے گئے۔ بلکہ مستطعمہ اور مدینہ طیبہ کو بطریق نذر و پیش اور اشرافیوں کے بدرے روانہ کیے۔ کابل کے علاقہ کی رہنمایاں زن و مرد کو فی آدمی ایک ایک شاہرخی انعام دی گئی۔

ملک کے باغیوں کا ذکر | ہم جو اگرہ میں پہلے پہل آئے تو ہمارے لوگوں میں اور یہاں والوں میں باہم بھید نفرت اور غیریت تھی۔ رعایا اور سپاہی ہمارے آدمیوں کی آواز سے کوسوں بھاگتے تھے۔ تھوڑے ہی دن میں دہلی۔ اگرہ اور اور مقامات کے لوگوں نے جہاں قلعے تھے قلعے مضبوط کر لیے۔ اور سب آمادہ فساد ہو گئے۔ کسی نے اطاعت نہ قبول کی۔ سمجھ گیا قاسم بھلی۔ بنایہ میں نظام خاں۔ سیوات میں حسن خاں میواتی۔ (ان قتلوں اور فسادوں کا بانی پیر محمد تھا) دھولپور میں محمد زیتون۔ گوالیار میں آمار خاں (سازنگ خانی) رابری میں حسن خاں (تو خانی) اٹواہ میں قطب خاں اور کاپٹی میں عالم خاں تھا۔ قنوج اور گنگا کے اُس طرف کا سارا ملک ان ٹھکانوں کے قبضہ میں تھا جو ابراہیم کے مرنے سے دو برس پہلے باغی ہو گئے تھے جیسے نصرت خاں (تو خانی معزین فرہی) وغیرہ امراء۔ جب میں نے ابراہیم کو مارا ہے تو یہ لوگ قنوج اور اُدھر کے علاقوں کو دوبار قنوج و دتین کوس اس جانب آپڑے۔ انہوں نے بہار خاں پسر دریا خاں کو اپنا بادشاہ بنایا اور اُسکا لقب سلطان محمد رکھا۔ جہاں کے علاقہ میں مرغوب نام ایک غلام تھا وہ قریب ہی قریب پھرتا رہا۔ مگر یہاں نہیں آیا۔

اپنے ساتھیوں کی بددلی | جب میں آگرہ میں آیا ہوں تو گرمی کا موسم تھا۔ لوگ مارے ڈر کے ادھر ادھر بھاگ گئے۔ ہمارے آدمیوں کے لیے غلہ اور چانوروں کے اُسطے گھانے دانہ میسر نہ آتا تھا۔ راجہ اور زمیندار غیریت اور نفرت کے سبب سرکش ہو کر لوٹا چارہ بے وقفے۔ رستے بند تھے۔ ہمو اتنی فرصت نہ ملی کہ خزانہ کا سُنا کھول دیتے۔ ہر پرگنہ اور ہر ضلع میں آدمی مقرر کرتے۔ دوسرے اُس سبیل گرمی اس شدت کی پڑی کہ لوگ لوگ مارے مڑ جاتے تھے۔ ان وجوہات سے امراء اور اچھے اچھے سپاہیوں کے جی چھوٹ گئے۔ ہندوستان میں رہنے کو اُن کا دل نہ چاہتا تھا۔ بلکہ یہاں سے کھسکنے لگے۔ خیر بوڑھے اور تجربہ کار امراء کا ایسا کرنا مضائقہ نہیں۔ مگر یہ لوگ ایسے بیوقوف ہیں کہ ان باتوں کے سُنا سے نکالنے کے بعد کی بُرائی بھلائی اور بہتری بدتری کو نہیں سمجھتے۔ ان سب نے جب ایک کام کا ارادہ کر لیا تو پھر اسکے بیان کرنے سے کیا فائدہ۔ سارے چھوٹے بڑوں کی ایسی نالائق باتیں کیسی بیجا ہیں۔ طرہ یہ کہ ابکے جو میں کابل سے چلا تو بہت سے نئے لوگ ہیں جنکو مرتبہ امارت نصیب ہوا۔ ان سے مجھ کو یہ امید تھی کہ اگر میں جلتی آگ میں گرونگا تو یہ میرے ساتھ گر پڑینگے۔ اور اگر میں بہتے پانی میں گرونگا تو میرا ساتھ دینگے۔ جہاں میرا پسینہ گرے گا وہاں اپنا خون گرا بیٹھے۔ نہ کہ میری طبیعت کے خلاف باتیں کرینگے جس بات میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں اور بالاتفاق اُسکے کرنیکا ارادہ کرتا ہوں مشورہ سے پہلے یہ لوگ اُس بات سے انحراف کر جاتے ہیں۔ اور لوگ گرد بنکے تو احمد پروانچی اور ولی خان اُن سے بدتر بنکے۔ کابل سے چل کر ابراہیم کوذیر کرنے کے بعد آگرہ فتح ہونے تک خواجہ کلاں نے اچھے اچھے کام کیے۔ اور ہمت والوں اور مردوں کی سی باتیں کیں۔ مگر آگرہ لینے کے بعد چند ہی روز میں اُس کی رائے پلٹ گئی۔ سب سے زیادہ جانے پر خواجہ کلاں ہی پلا ہوا تھا۔

ایک پُر اثر تقریر | جب مجھے لوگوں کی بددلی معلوم ہوئی تو سارے امراء کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ میں نے کہا کہ جس طرح سلطنت اور جہانگیری کے لیے اسباب اور ہتھیار کا ہونا لازم ہے اسی طرح بادشاہی اور امیری بے آدمیوں اور ملک کے نامکُن ہے۔ غور کرو! بدتوں کو شمش کی۔ محنت اُٹھائی۔ فوجیں بیکر چڑھائیاں کیں۔ ہم نے اپنی جان کو اور فوج کو لڑائی کی جلتی آگ میں ڈالا۔ خدا نے فضل کیا کہ ایسے ایسے زبردست دشمن زیر کیے۔ یہ وسیع ملک ہاتھ آیا۔ اس وقت کوئی بھیڑی ہے اور کیا دباؤ ہے کہ جس ملک کو اتنی جانکاهی سے لیا ہے اُسکو یونہی چھوڑ کر کابل چلتے بنیں۔ اور سنگدستی کی بلا میں پھنسیں۔ جو میرا دوست ہو وہ بیہودہ باتیں سُنا سے نہ نکالے جسکو پھرنے کی تاب نہوار جو جانا چاہے وہ بسم اللہ کہے۔ یہ معقول تقریر شنکار خواہ خواہ لوگوں کو ان خیالوں سے باز رکھا۔ اور اُنکے دلوں سے اندیشہ نکالا۔

خواجہ کلاں وغیرہ
امراؤ کا بل جانا

چونکہ خواجہ کلاں کا دل اکھڑا ہوا تھا یہ تجویز کی کہ خواجہ کلاں سو غاتیں وغیرہ
لیجائے۔ اسکے ساتھ بھیڑ بھاڑ بھی بہت ہے۔ اور کابل و غزنی میں ایک سردار
ہے۔ یہ وہاں جا کر انتظام کرے۔ غزنی۔ کردیز اور ہزارہ سلطان مسعود غی خواجہ کلاں
کو عنایت کیا۔ ہندوستان میں بھی کہرام کا پرگنہ جسکی آمدنی تین چار لاکھ کی ہوگی اُسکو دیدیا۔ میرسرا
کو بھی حکم دیا کہ کابل چلا جائے۔ سو غاتیں اُسی کے سپرد کیں۔ خواجہ کلاں ہندوستان سے اتنی نفرت
رکھتا تھا کہ چلتے وقت دلی میں جو مکان تھا اُسکی دیوار پر یہ شعر لکھ گیا ہے

اگر بخیر و سلامت گزرا پسند شود سیاہ روئے شوم گر ہوائے ہند شود

خیال کرنے کا مقام ہے کہ جب میں ہندوستان میں ہوں تو اُس موقع پر ایسا ظرافت آمیز شعر کہنا اور
لکھنا کیسا ہے۔ اگر ایک کدورت اُس کے جانے سے ہوئی تو یہ شعر اُس پر طرہ ہو گیا۔ میں نے بھی فی البدیہ
یہ رباعی کہی۔ انہی دنوں میں ملا آپاق کو (جو پہلے تو کچھ بھی درجہ کا نہ تھا۔ مگر دو تین سال ہوئے کہ
اس نے اپنے بھائی بندوں کو اکھٹا کر کے کسی قدر جمعیت ہم پہنچا لی ہے) کو تل کی طرف روانہ کیا۔
اور دک زئی اور بعض سندی افغانوں کو اُسکے ساتھ کر دیا۔ اُس طرف کے ترکش بندوں اور سپاہیوں کو
استمالت کے فرمان بھیجے۔ شیخ کو زن بڑے خلوص اور اعتقاد کے ساتھ حاضر ہوا۔ میان دو آب اے
دو تین ہزار ترکش بندوں کو بھی اپنے ساتھ لے آیا۔ یونس علی راستہ بھولکر ہمایوں سے جبا لگ ہو گیا
تو علی خاں کے بیٹوں اور عزیزوں وغیرہ سے دہلی اور آگرہ کے بیچ میں اُسکی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ تھوڑی سی
لڑائی کے بعد یونس علی نے حریفوں کو زیر کر لیا۔ اور علی خاں کے بیٹوں کو بکڑ کر وہ لے آیا دولت
ترک کے بیٹے مرزا منعل کو علی خاں کے بیٹوں میں سے جو قید تھے ایک بیٹے کے ساتھ کیا اور علی خاں
کے پاس استمالت کا فرمان دیکر روانہ کیا۔ یہ علی خاں ان جھگڑوں میں میوات چلا گیا تھا اُسکو
اس ملک میں سے پچیس لاکھ کے پرگنہ عنایت کیے۔ سلطان ابراہیم نے مصطفیٰ فرمائی اور
فیروز خاں سارنگ خانی کو مع چند امراء کے پورب کے باغیوں کی سرکوبی پر مقرر کیا تھا۔
مصطفیٰ نے ان باغیوں کی خوب خبر لی۔ اور کئی بار انکو اچھی طرح زیر کیا۔ ابھی سلطان ابراہیم
کو مجھ سے شکست نہ ہوتی تھی کہ مصطفیٰ امر کیا۔ اس کا چھوٹا بھائی شیخ بازید اپنے بھائی کا آدمیوں
کو رستہ پر لاکر مع فیروز خاں۔ محمود خاں فرخانی اور قاضی ضیا ہمارے خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے
ان لوگوں کی خواہش سے زیادہ ان پر عنایت کی۔ فیروز خاں کو جو تپور سے ایک کروڑ۔ شیخ بازید کو
ایک کروڑ۔ محمود خاں کو غازی پور سے نوے لاکھ پینتیس ہزار اور قاضی ضیا کو جو تپور سے بیس لاکھ
کی جاگیریں دیں۔ عید کے کئی دن بعد ابراہیم کے اُس محل کے گنبد میں جس کے ستون سنگین ہیں
ایک بڑا دربار کیا۔ ہمایوں کو چار قب۔ مکر بند۔ تلوار اور گھوڑا مع طلائی زرین کے عطا ہوا۔ حسن پور سلطان

مہدی خواجہ کو اور محمد سلطان میرزا کو بھی چار قبہ - کمر بند - تلوار اور خنجر عنایت کیا۔ اس کے علاوہ اول
امرا کو ہر ایک کے مرتبہ کے موافق کمر بند اور خنجر وغیرہ مرحمت ہوئے۔ چنانچہ انکی تفصیل یہ ہے کہ
گھوڑا مع زین طلا ایک - تلواریں دو - خنجر مرصع پچیس - مرصع قبضے کی کٹاریں سترہ - جہد مرصع دو -
چار قبہ چار - سقر لائی لباس اٹھائیس - دربار کے دن خوب مینہ برسا۔ تیرہ مرتبہ بارش ہوئی جو گ
والان سے باہر تھے وہ سارے بھیگ گئے۔ محمدی کو کلتاش کو سامانہ کا ملک عطا ہوا۔ سنبل کی جانب
ہندوبگ - کتابگ - ملک قاسم اور بابا قشقہ کو مع اس کے بھائیوں کے بطریق یلغار بھیجا گیا۔ بلا اپنا
کو ترکش بندوں کے ساتھ میان دوا آب کی طرف روانہ کیا۔ قاسم سنہلی کے پاس سے چار دفعہ لوگ
آئے تھے۔ اُس نے کہلا بھیجا تھا کہ بن حرا مخور نے سنہلی کو قتل کیا ہے اور مجھ کو عاجز کر رکھا ہے۔ جہد
میری مدد کرنی چاہیے۔ بن کا حال یہ ہے کہ جب وہ بھاگ کر دامن کوہ میں پہنچا تو جو بھاگے ہو افغان
اُسکو وہاں لے آئے۔ انکو جمع کر کے اور اس لڑائی جھگڑے میں موقع خالی پا کر سنہلی پر آن پڑا۔ اور وہاں
قتل عام کیا۔ ہندوبگ اور کتبگ وغیرہم ایلغار کے طور پر معین ہوئے تھے۔ یہ لوگ اہار کے
گھاٹ پہنچ کر دریا سے اترے۔ ملک قاسم نے بابا قشقہ کو اُس کے بھائیوں سمیت آگے روانہ کر دیا۔
ملک قاسم جب دریا سے اُترا تو سو ڈیڑھ سو آدمیوں سمیت دھڑ لپکا۔ اور ظہر کے وقت سنہلی جا پہنچا
بن بھی ساؤنٹا ہو کر اپنے لشکر گاہ سے باہر نکلا۔ ملک قاسم اور اس کے ہمراہی شہر کو پس پشت
رکھ کر لڑائی میں مشغول ہوئے۔ بن مقابلہ میں نہ ٹھیر سکا اور بھاگ نکلا۔ کچھ لوگوں نے اس کا
تعاقب کیا۔ اور اُسکا سر کاٹ لائے۔ کئی ہاتھی اور بہت سے گھوڑے لوٹ میں ہاتھ آئے۔ دوسرے
دن اور امرا بھی پہنچ گئے۔ قاسم سنہلی بھی آکر ملا۔ شہر ہمارے لوگوں کے سپرد کرنا اُسکو گوارا نہوا
لگا جیسے بہانے کرنے ایک دن شیخ گھورن ہندوبگ وغیرہ سے صلاح کر کے قاسم سنہلی کو کسی
بہانے سے ان امرا پاس لے آیا۔ ہمارے سردار سنہلی میں داخل ہو گئے۔ قاسم کے گھروالوں اور
متعلقوں کو صبح سلامت نکال کر اس کے پاس بھیج دیا۔ قلندر پیادے کو بیانے بھیجا۔ اور وہاں کے
حاکم نظام خاں کو وعدہ وعید کے فرمان بھیجے۔ یہ قطعہ بھی فی البدیہہ لکھ بھیجا۔ قطعہ۔

باترک ستیزہ کن اے میر بیانہ چالا کی دمردانگی ترک عیان است
گر زو دنیا کی نصیحت نہ کنی گوش آنجا کہ عیان است چہ حاجت بہ بیان است

بیانے کا قلعہ ہندوستان کے مشہور قلعوں میں سے ہے۔ اُس بیوقوف مردک نے اپنے قلعہ کی مضبوطی
پر بھروسہ کیا۔ اور اپنے حوصلہ سے زیادہ خواہش کی۔ جو آدمی اُس کے پاس سے آیا تھا میں نے
اُسکو اچھا جواب نہ دیا۔ قلعہ گیری کے اسباب میں نے جمع کرنے شروع کیے۔ بابا قلی بیگ کو محمد تیز
کے پاس فرمان دیکر بھیجا جس میں طرح طرح کے وعدے وعید لکھے تھے۔ اُس نے بھی عند کر دیے۔ اگرچہ

رانا سانگا نے جب میں کابل میں تھا ایلیچی بھیج کر ظہری ظاہر کی تھی۔ اور اقرار کیا تھا کہ اگر آپ دھڑے دلی تک آجائیں گے تو میں ادھر سے آگرہ میں چڑھائی کر دوں گا۔ میں نے اپراہیم کو بھی مار لیا۔ دلی اور آگرہ بھی سے لیا مگر اس وقت تک اس کا فرسے جنبش بھی نہیں کی۔ بلکہ بھڑے دن بعد کنداز نام قلعہ کو جو حسن کے بیٹے کھن کے قبضہ میں تھا۔ آن مارا حسن کے پاس سے کئی آدمی آئے۔ مگر ابھی تک وہ خود نہ آیا تھا۔ یہ جو قریب کے قلعے ہیں جیسے اناوہ۔ دھولپور۔ گوالیار۔ بیانہ۔ ابھی ہمارے قبضے میں نہ آئے تھے۔ مالک شریقیہ کے افغان سب برسرِ فساد تھے۔ اور قنوج سے دو تین پڑاؤ آگرہ کی طرف آپڑے تھے۔ غرض سب طرف سے ابھی دل مطمئن نہوا تھا۔ اسی بیگ حسن کی کمک کے لیے میں فوج نہ بھیج سکا۔ دو تین مہینے بعد حسن نے عاجز ہو کر مقام کنداز کو دشمن کے حوالے کر دیا حسین خاں چوراپری میں تھا ڈر کے مارے راپری چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میں نے راپری محمد علی جنک کو دیدی۔ قطب خاں کو جس کے پاس اناوہ تھا کئی بار وعدہ وعید کے فرمان بھیجے اور لکھا کہ آکر مجھ سے مل۔ وہ نہ آیا۔ اور اناوہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اناوہ مہدی خواجہ کو عنایت کیا۔ محمد سلطان میرزا سلطان محمد دولتی۔ محمد علی جنک جنک۔ عبدالغزیز میرا خور اور اورامرا کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ اناوہ کی طرف روانہ کیا۔ قنوج کا حاکم سلطان محمد دولتی کو کیا۔ فیروز خاں شیخ بایزید اور قاضی ضیا وغیرہم (جنکی سجد رعایت کر کے پورب کی طرف پرگنے دیے تھے) کو بھی اناوہ کی ہم پر مقرر کیا۔ محمد زیتون دھولپور میں بیٹھا پہاڑے کر رہا تھا اور اناوہ تھا۔ سلطان جنید برلاس کو دھولپور دیا۔ عادل سلطان۔ محمدی کو کلتاش۔ شاہ منصور برلاس۔ قتل قدم۔ ولی خازن بیگ۔ عبداللہ۔ پیر قلی اور شاہ حسین باربگی کو حکم دیا کہ دھولپور پر چڑھائی کر کے اسکو فتح کرو۔ اور سلطان جنید برلاس کے سپرد کر کے بیانہ کی جانب چلو۔

ان لشکروں کے مقرر کرنے کے بعد ترکی اور نصیر خاں وغیرہ باغیان پورب پر یورش

ہندی امراء سے مشورہ کیا۔ اُن سے یہ بات کہی گئی کہ نصیر خاں لوخانی اور معروف فرملی جو باغیان پورب میں سے ہیں چالیس پچاس ہزار آدمی سمیت گنگا سے اتر کر قنوج پر قابض ہو گئے ہیں اور وہاں سے دو تین پڑاؤ باہر آن پڑے ہیں۔ رانا سانگا نے کنداز کو لے لیا اور وہ فتنہ اور فساد برپا کر رہا ہے۔ برسات بھی ختم ہو سیکو ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کی طرف متوجہ ہونا لازم ہے۔ اور یہ جو گردنوں کے قلعوں کا معاملہ ہے بہت آسان ہے۔ ان بڑے دشمنوں کے دفع ہونے کے بعد یہ کہاں جاسکتے ہیں۔ سب نے رانا سانگا کی طرف زیادہ خیال نہ کیا اور متفق اللفظ عرض کیا کہ رانا سانگا تو بہت دور ہے اور ایسا گمان نہیں ہوتا کہ وہ پاس ہی آجائے پورب والے باغی بہت قریب آگئے ہیں انکا استیصال مقدم ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ میں خود ان دشمنوں کی طرف

چلوں تنے میں ہمایوں نے عرض کیا کہ حضور کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس خدمت کو میں ادا کروں گا۔ یہ بات سب کو پسند آئی۔ امراء بھی اس پر راضی ہو گئے۔ ہمایوں کو اس مہم کا سپہ سالار مقرر کیا۔ جو فوج دھولپور کی طرف بھیجی گئی تھی اسکو احمد قاسم کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ مقام چنہ دار میں ہمایوں سے آں لے۔ مہندی خواجہ اور محمد سلطان میرزا ہمراہ جو فوج آٹا وہ کی طرف بھیجی تھی اسکو بھی حکم دیا کہ ہمایوں کے پاس آجائے۔ جمعرات کے دن تیرھویں ذیقعدہ کو ہمایوں آگرہ سے چلا۔ اور جلیسر نام ایک گاؤں میں جو آگرہ سے تین سو بیس خیمہ زن ہوا۔ ایک دن وہ وہاں ٹھہرا۔ وہاں سے کوچ کر کوچ چلنا شروع کیا۔

نواح آگرہ میں باغ اور مکانات کا بنانا | اسی مہینہ کی بیسیوں تاریخ جمعات کے دن خواجہ کلاں وغیرہ کو کابل جانے کی رخصت دی۔ بہت دن سے

دل میں تھا کہ ہندوستان میں بڑا عیب یہ ہے کہ نہر نہیں ہے۔ جہاں موقع کی جگہ ہو وہاں چرخ نکلا کر پانی جاری کیا جائے اور خوش قطع جگہ بنائی جائے۔ آگرہ میں آنے کے بعد اسی کام کے لیے جہان کے پار باغ لگانے کے واسطے مقامات ملاحظہ کیے۔ ایسے اجاڑ اور گندے مقامات آئے کہ بڑی کراہیت اور ناخوشی کے ساتھ وہاں سے عبور کیا۔ گو ایسی جائے چار باغ بنانیکو دل تو نہ چاہتا تھا مگر آگرہ کے قریب کوئی اور جائے بھی دل خواستہ نظر نہ آئی۔ اس واسطے ضرور ہوا کہ اسی کو درست کر لیا جائے۔ پہلی ایک بڑا کنواں جس سے حمام میں پانی لیا جائے بنوایا۔ پھر وہ قطعہ زمین کا جہاں اعلیٰ کے درخت اور مٹھن حوض ہے درست کرایا۔ اس کے بعد بڑا حوض اور اُسکی پٹری بنی۔ پھر بارہ دری کے آگے جو حوض ہے اور بارہ دری بنائی گئی۔ بہ بن چکے تو خلوت خانہ کا باغیچہ اور اُس کے مکان بنے۔ پھر حمام تیار ہوا جو عرض اسی بے ڈھنگی اور خراب جائے پر ہندوستانی وضع کے خوبصورت باغ اور عمارتیں تیار ہوئیں۔ ہر محلے میں معقول چمن بن گیا۔ ہر چمن میں طرح طرح کے گل بونٹے لگائے گئے۔ ہندوستان کی تین چیزوں سے مجھے نفرت ہے۔ ایک گرمی۔ دوسری آندھی۔ اور تیسری گرد سے۔ حمام سے ان تینوں کا علاج ہو گیا۔ پھر حمام کے لیے کیا چاہیے۔ گرمی کی شدت میں ایسا ٹھنڈا ہوتا ہے کہ سردی کے مارے کانپنے کی نوبت ہو جاتی ہے۔ ایک حجرہ۔ حمام اور حوض تینوں تمام سنگین بنے ہیں۔ اجارہ سنگ مرمر کا ہے۔ باقی کل فرش اور حقیقت سنگ سرخ کی ہے۔ جو بیاد کا پتھر ہے۔ اسکے علاوہ خلیفہ شیخ زین اور یونس علی نے دریا کے کنارہ پر خوش قطع اور وضع دار باغات اور حوض بنوائے۔ لاہور اور دیال میں جیسے رہٹ ہیں ویسے رہٹ کنوئیں پر لگائے۔ اور پانی جاری کیا۔ ہندوستانیوں نے جو اس طرح اور صورت کے مکان کبھی خواب میں نہ دیکھے تھے تو اس واسطے جہان کے اُس جانب کا نام جہاں یہ عمارتیں بنی ہیں کابل رکھ دیا قلعہ اور ابراہیم کے محلات کے بیچ میں زمین کا ایک قطعہ خالی پڑا تھا۔

وہاں بھی ایک بڑا مکان دس گز سے دس گز پناہ کا میں نے حکم دیا۔ ہندوستانیوں کی اصطلاح میں بڑے چھتے زمیندار کو دانی کہتے ہیں۔ اس دانی کو چار باغ سے پہلے بنانا شروع کیا تھا۔ پچیس گز برسات میں بنیاد کھودی تھی۔ کئی دفعہ دیواریں گریں۔ اور مزدور دھوب دھوب گئے۔ رانا سانگا کو شکست دینے کے بعد وہ عمارت بنکر تیار ہو گئی۔ چنانچہ اس غزوہ کے بعد تمام ہونا تاراج میں لکھا گیا ہے۔ اچھا مکان بنا ہے۔ اس دانی میں سربقہ مکان ہیں سب سے نیچے کی منزل میں تین دالان ہیں ان کو کنوئیں میں راستہ اتر جاتا ہے۔ راستہ کا زینہ تینوں دالانوں میں سے ہے۔ تینوں دالانوں کا راستہ ایک ہی۔ ہر دالان دوسرے سے تین سیڑھی اونچا ہے۔ سب سے نیچے کے دالان میں پانی کھینچتے وقت ایک بار پانی ضرور گرتا ہے۔ برسات میں جب پانی کنوئیں میں چڑھتا ہے تو اوپر کے دالان میں آجاتا ہے۔ نیچے کے طبقہ میں دالان لداؤ کا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک برج جو جس میں رہٹ کا چرخ پھرتا ہو۔ اوپر کے طبقہ میں ایک دالان ہے۔ صحن سے باہر کنوئیں کے اوپر پانچ چھ سیڑھی نیچا۔ زینہ کے دونوں طرف سے دالان میں سیدھی جانب راستہ جاتا ہے۔ راستہ کے سامنے تیار چرخ کا پتھر لگا ہوا ہے۔ اس کنوئیں کے پہلو میں اور ایک کنواں ہوتا ہے جسکی تہ پہلے کنوئیں سے گز بھراؤنی ہے۔ اُس گنبد میں جسکا اوپر ذکر ہوا ہے پیل چرخ پھرتے ہیں۔ پہلے کنوئیں سے اس کنوئیں میں پانی آتا ہے۔ اس دوسرے کنوئیں میں دوسرا چرخ لگا ہوا ہے جس سے فصیل پر پانی پہنچتا ہے۔ اور باغ میں جاتا ہے۔ کنوئیں کے زینہ سے نکلنے کی جائے بھی سنگین عمارت بنائی ہے۔ اس کنوئیں کے احاطہ کے باہر ایک سنگین مسجد بنائی گئی ہے۔ مگر وہ کچھ عمدہ نہیں ہے۔ ہندوستانی قطع کی ہے جس وقت ہمایوں یہاں سے چلا ہے اُس وقت نصیر خاں اور معروف وغیرہ حاجتوں میں پڑے ہوئے تھے۔ ہمایوں نے پندربہ کو اس سے مومن آئیکہ کو خبر لینے کے لیے بھیجا۔ وہ لوٹ مار میں مصروف ہو گیا۔ پوری خبر نہ لاسکا۔ دیباغی مومن آئیکہ کے آنے کی سنتے ہی بھاگ گئے۔ مومن آئیکہ کے بعد بابا حسین ہو چکے اور قسما کے کوٹھڑا لائیکہ کے روانہ کیا۔ انہوں نے غنیم کے بھاگنے اور منتشر ہونے کی خبر دی۔ ہمایوں نے جاتے ہی حاجتوں پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سے چلکر جس وقت وہ نواح بلوچ آیا تو فتح خاں شروانی نے آکر ملاقات کی۔ فتح خاں کو مہدی خواجہ اور محمد سلطان میرزا کے ساتھ میرے پاس روانہ کر دیا۔

خراسان پر غنیدہ خاں کا حملہ | اسی سال میں عبیدہ خاں نے بخارا سے مرو پر چڑھائی کی۔ مرو کے قلعہ میں دس پندربہ آدمی رہا پائیں سے تھے۔ انکو قتل کر ڈالا

اور چالیس پچاس دن تک مرو کا راستہ بند رکھا۔ سرخس میں تیس چالیس قزلباش تھے۔ دروازہ توڑ کر ایک اندر گھس گئے اور ان قزلباشوں کو مار ڈالا۔ سرخس کو فتح کر کے طوس اور مشهد پر چڑھ گئے۔ مشهد والے عاجز ہو کر مطیع ہو گئے۔ طوس کا آٹھ مہینے تک محاصرہ کیا پھر صلح ہو گئی اور سکولایا

گر عہد شکنی کی اور تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ عورتوں کو قید کر لیا۔
سلطان مظفر گجراتی کا مرنا | اسی سال سلطان مظفر گجراتی کا بیٹا بہادر خاں (جواب باپ کا جانشین اور بادشاہ گجرات ہے) اپنے باپ سے خفا ہو کر سلطان ابراہیم کے پاس چلا آیا تھا۔ سلطان ابراہیم نے اسکا کچھ اعزاز نہ کیا۔ جب میں نواح پانی پت میں تھا تو اُس کی عرضیاں میرے پاس آئیں۔ میں نے بھی عنایت آمیز شفقہ جواب میں بھیج دیے۔ اور اُس کو بلالیا۔ اول تو اُسکو میرے پاس آنیکا خیال ہوا۔ پھر اُسکی رائے پلٹ گئی۔ ابراہیم کے لشکر سے علیحدہ ہو گجرات چلا گیا۔ اس اتنا دس اُسکا باپ سلطان مظفر مر گیا اور اُسکا بڑا بھائی سکند شاہ جو سلطان مظفر کا بڑا بیٹا تھا گجرات کا بادشاہ ہو گیا۔ اُس کے غلام عماد الملک نے سکند کی بیویوں کے سبب سے سکندر کو قتل کر دیا۔ اور بہادر خاں کو جو راستہ ہی میں تھا بلال کر باپ کی جگہ بٹھا دیا۔ اسکا لقب بہادر شاہ رکھا گیا۔ بہادر شاہ نے یہ بڑا عمدہ کام کیا کہ عماد الملک کو اُسکی نکمرامی کی پوری سزا دی۔ علاوہ اسکے اور بہت سے امراء کو بھی قتل کیا۔ کہتے ہیں کہ وہ بڑا سفاک اور ظالم تھا۔

۹۳۳ ہجری کے واقعات

فاروق کی پیدائش | محرم کے مہینہ میں فاروق کے پیدا ہونے کی خبر لے۔ اگرچہ اس سے پہلے ایک پیادہ یہ خبر لایا تھا مگر یک دس سیوچی کی حیثیت سے اسی مہینے میں آیا۔ پچیسویں سوال کو پیدہ ہوا تھا۔ اُسکا نام فاروق رکھا۔
بڑی توپ ڈھالی گئی | بیانہ کے قلعہ اور بعض اور قلعوں کے خیال سے جو ہنوز فتح نہ ہوئے تھے استاد علی قلی کو حکم دیا کہ ایک بڑی توپ ڈھالو۔ علی قلی نے بھٹی وغیرہ تیار کر کے مجھے اطلاع دی۔ ۲۵ محرم روز دوشنبہ کو میں توپ ڈھلنے کا تماشا دیکھنے گیا۔ جہاں توپ ڈھلنے کا سانچا تھا وہاں آٹھ بھٹیاں لگائی تھیں۔ ہر بھٹی کے نیچے سے ایک نالی سانچے تک بنادی تھی۔ بھٹیوں کی نالیوں کا منہ کھولتے ہی نالیوں سے میصالحہ پانی کی طرح بہک آیا۔ ابھی سانچا پورا نہ بھرا تھا کہ بھٹیوں سے مصالحہ کا آنا موقوف ہوا۔ یا تو بھٹیوں میں قصور رہا یا مصالحہ میں۔ بہر حال استاد قلی بہت ہی شرمندہ ہوا۔ اسکا دل چاہتا تھا کہ جو تانبا قالب میں بچھلا ہوا اُس میں جا پڑوں میں نے اُسکی دلجوئی کی اور خلعت دکر اس شرمساری کو دور کیا۔ قالب خشک ہونے کے اور مٹی وغیرہ مٹانے کے بعد خوشی خوشی کہلا بھیجا کہ توپ کے گولے کا گھر بہت خاصہ ہے۔ اُس کا درست کر لینا سہل ہے۔ اُسکو تو نکال کر دیت کرنے کے لیے لوہوں کے حوالے کیا اور آپ باقی کے بنانے میں مشغول ہوا۔

فتح خاں شروانی حاضر ہوا | مہدی خواجہ فتح خاں شروانی کو ہمایوں کے پاس سے لایا وہ ہمایوں سے اٹھائے راہ میں الگ ہو گیا تھا۔ میں فتح خاں سے اچھی طرح ملا

اُسکے باپ اعظم ہمایوں کی جاگیر اُس کو عطا کی۔ اور ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی جاگیر اُس پر اور اضافہ کر کے ہندوستان میں دستور ہے کہ جن امراء کا مرتبہ دربار شاہی میں بڑھایا جاتا ہے اُنکو مقررہ خطاب بھی دیے جاتے ہیں۔ اُنہی خطابوں میں سے ایک خطاب اعظم ہمایوں ہے۔ ایک خان جہاں ہے اور ایک خان خاناں ہے۔ اس کے باپ کا خطاب اعظم ہمایوں تھا۔ چونکہ شہزادہ کا نام ہمایوں تھا اس لیے اب اس خطاب کو میں نے موقوف کر دیا۔ فتح خاں شروانی کو خان جہاں خطاب دیا گیا۔ چارشنبہ کے دن آٹھویں صفر کو حوض کے کنارہ اور پکی طرف شامیانہ ایستادہ کروا کر میں نے اپنے منشاٹ منعقد کروائی۔ فتح خاں شروانی کو اُس میں بلا کر شراب عنایت کی اور طبوس خاص عطا فرمایا۔ اس عنایت اور مہربانی سے سرفراز کرنے کے بعد اُسکو اپنی جاگیر پر جانے کی اجازت دی۔ اور یہ حکم دیا کہ اُسکا بیٹا محمود خاں ہمیشہ ملازمت میں حاضر رہے۔

ہمایوں کو حاضر ہونیکا حکم | محرم کی چوبیسویں تاریخ جمعہ کے دن محمد علی حیدر رکابدار کو ہمایوں کے پاس بھیج کر تاکید اُکھلا بھیجا کہ باغیوں کی فوج جو پور چلی گئی ہو۔

اس آدمی کے پیچھے ہی تم چند سرداروں کو اُدھر روانہ کرو اور خود مع فوج میرے پاس چلے آؤ۔ اس لیے کہ رانا سا نگا قریب آ گیا ہے۔ اُسکا پورا تدارک کرنا ضرور ہے۔

ہمایوں پر چڑھائی | پلورب کی جانب فوج بھیجنے کے بعد تردی بیگ۔ توج بیگ۔ اُسکے چھوٹے بھائی شیر افغن۔ محمد علی بیگ۔ رستم ترکمان (مع انکے بھائیوں کے)

کو اور لہرائے ہندوستان میں سے ولی شروانی کو بیانیہ کی نواح میں روانہ کیا۔ اور اُنکو حکم دیا کہ اگر قلعہ والوں کو وعدے وغیرہ کر کے لاسکو تو لے آؤ سورہ لوٹ مار مچاؤ اور دشمنوں کو خوب ستاؤ۔ نظام خاں والی بیانیہ کا بڑا بھائی عالم خاں تھنکر میں تھا۔ اُسکے لوگ کئی بار آئے اور اطاعت کا اظہار کیا۔ اس عالم خاں نے ذمہ کیا کہ فوج شاہی اس جانب روانہ ہو۔ بیانیہ کے ترکش بندوں کو سمجھا کر میں نے آؤنگا اور بیانیہ فتح کرا دوں گا۔ تردی بیگ کے ساتھ جو سردار بھیجے گئے تھے اُن کو حکم دیا گیا کہ تم سب عالم خاں کی صلاح پر چلو اس لیے کہ وہ صاحب ملک ہو۔ اُسنے اطاعت قبول کر کے مذمتگاری کا ارادہ کر لیا ہے۔ ہندوستان کے لوگ تلوار مارنی تو جانتے ہیں مگر سپہ گری کے فن سے اور سردار بننے سے ناواقف ہوتے ہیں۔ عالم خاں نے یہ کیا کہ ہماری فوج کے ساتھ آٹھ ہند کر کے ہو لیا۔ کسی کی اچھی سنی نہ بری۔ مُنہ اُٹھائے ہوئے ہماری فوج کو بیانیہ کے قریب پہنچا دیا۔ اس فوج میں دھانی مین سے کے قریب تو ترک تھے اور دھنرا کچھ زیادہ

ہندوستانی۔ نظام خاں کے پاس پٹھان وغیرہ ملاکر چار ہزار سے زیادہ سولہ اردو ہزار سے زیادہ سپہ سالار موجود تھے۔ لیکن کثیر التعداد دشمن نے ہمارے لشکر کی کئی دیکھکر ایک دفعہ ہی دھاوا کر دیا۔ چونکہ حملہ آور زیادہ تھے اس لیے جو بھی انہوں نے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اور تیروں کی بوچھا کی دوہنی ہماری فوج کے پاؤں اکٹڑ گئے۔ عالم خاں تھکنے لگا گھوڑے سے گرا اور پانچ چھ آدمیوں سمیت پکڑ گیا۔ کچھ بہیر بھی پکڑی گئی۔ اس حرکت پر بھی میں نے استمالت کی۔ اور اگلی گھیلی خطائیں معاف کر کے فرمان بھیج دیے۔ جب اُسے رانا سانگا کے چڑھے چلے آنے کی مٹی تو گھبرایا۔ مجبوراً سیٹھ کے توسط سے شہر ہمارے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ اور خود سید رفیع کے ساتھ حاضر ہو کر شرفِ ملازمت حاصل کیا۔ میانِ دو آب میں بیس لاکھ کی جاگیر اُسکو عنایت ہوئی۔ چند روز کے لیے دوستِ ایشاک آقا کو بیانیے کا حاکم مقرر کیا۔ پھر بیتا مہدی خواجہ کو دیدیا۔ اور ستر لاکھ روپے اسکی تنخواہ کر دی۔

گوالیار پر قبضہ

تانا رخاں سانگا خانی جو گوالیار کو دبا ئے بیٹھا تھا۔ یوں تو ہمیشہ سے اُسکے آدمی آتے جاتے تھے اور اظہارِ طاعت کرتے تھے۔ مگر جب رانا سانگانے کنڈار چھین لیا۔ اور نواحِ گوالیار کے راجاؤں میں سے درمگت اور ایک شخص خان جہاں نامی اطرافِ گوالیار میں آکر گوالیار چھیننے کے ارادہ سے فساد مچانے شروع کیے تو تانا رخاں تنگ ہوا۔ اور قلعہ دیدیہ پر لگا دہ ہو گیا۔ ہماری ساری فوج چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ امرامہوں پر گئے ہوئے تھے۔ مجبوراً رحیم داد کو بہیر اور لاہور کی فوج دیکر مستی جی منتقل رکوع اُسکے بھائیوں کے ہمراہ کیا۔ اور گوالیار کی جانب روانہ کر دیا۔ شیخ گھوڑن کو بھی ساتھ کر دیا کہ رحیم داد کو گوالیار میں قائم کر کے چلا آئے۔ یہ سردار جب گوالیار کے قریب پہنچے تو تانا رخاں کی نیت پلٹ گئی۔ ان لوگوں کو قلعہ میں نہ بلایا۔ اس اثنا میں شیخ محمد غوث نے جو ایک بہت بزرگہ درویش ہیں اور جن کے مرید و متفقہ کثرت سے ہیں شہر میں سے رحیم داد کے پاس کہلا بھیجا کہ جس طور سے ہو سکے تم شہر میں داخل ہو جاؤ۔ اس لیے کہ اس شخص (تانا رخاں) کا خیال بدل گیا ہے۔ اور یہ برسرِ فساد ہے۔ رحیم داد نے یہ پیام سننے ہی تانا رخاں سے کہلا بھیجا کہ باہر ہندوؤں کا بڑا خون ہے۔ بہتر ہے کہ میں چند آدمیوں سمیت قلعہ میں چلا آؤں۔ اور باقی لشکر وغیرہ باہر رہے۔ تانا رخاں بڑے اصرار سے اس بات پر راضی ہو گیا۔ جس وقت رحیم داد تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ اندر آ گیا اُس وقت اسنے کہا کہ دروازہ پر ہمارے سپاہیوں کا بہرہ رہے۔ ہتیا پول دروازہ پر رحیم داد کے سپاہیوں کے پہرے لگ گئے۔ اسی رات میں رحیم داد نے اپنی ساری فوج اندر بلالی۔ صبح کو تانا رخاں کے چھکے چھوٹ گئے۔ خواہی خواہی قلعہ سو نہ پایا۔ اور خود میرے پاس آگرہ میں چلا آیا۔ اس کی پرورش کے لیے بیس لاکھ کی جاگیر معین کر دی۔ دھولپور پر قبضہ

محمد زیتون بھی کچھ نہ کر سکا۔ آخر دھولپور ہمارے حوالے کر دیا اور خود ملازمین

حاضر ہو گیا۔ اسکو بھی کئی لاکھ کی جاگیر عطا کر دی۔ دھولپور خالصہ میں شامل کر لیا گیا اور آبلفتح ترکمان کو اسکا شہدار مقرر کر دیا۔

حصار فیروزہ کے
باغیوں کا استیصال
 حصار فیروزہ کی نواح میں حمید خاں سارنگ خانی کچھ پنی پٹھان اور ادھر ادھر کے تین چار ہزار آدمی لیے ہوئے اور دھم چارہا تھا۔ صفر کی پندرھویں تاریخ چار شنبہ کے دن چہن تیمور سلطان احمد پروانچی۔ آبلفتح ترکمان۔ ملک داد کرمانی اور محمد خاں ملتان کو ان پٹھانوں کی تنبیہ کے لیے میں نے معین کیا۔ یہ لوگ دور دراز راستہ سے ایلغار کر کے ان پٹھانوں پر جا پڑے۔ اور انکی خوب گت بنائی۔ بہت سے آدمی قتل کیے اور بہت سوں کے سر کاٹ کر بھیجے۔

زہر خورانی کا واقعہ
 ماہ صفر کے آخر میں خزانکی اسد جوشاہ طہاسپ صفوی کے پاس اپنی ہو کر عواقب کیا تھا سلیمان نام ترکمان کو ساتھ لیکر آیا اور بہت سی سوغاتیں لایا۔ ان میں دو چرکس لڑکیاں بھی تھیں۔ ربیع الاول کی سترھویں تاریخ جمعہ کے دن عجیب واقعہ ہوا۔ چنانچہ میں نے اس کو کابل بھی مفصل لکھ بھیجا تھا۔ اور یہاں بھی بڑکم وکاست لکھتا ہوں مفصل کیفیت یوں ہے کہ ابراہیم لودھی کی بد نصیب ماں نے سنا کہ ہندوستانیوں کے ہاتھ کا کھانا میں کھانے لگا ہوں۔ اور بات یہ ہوئی تھی کہ میں نے کبھی ہندوستانی کھانے نہ کھائے تھے۔ اب سے تین چار چھینے پہلے میں نے حکم دیا کہ ابراہیم کے باورچیوں کو بلادو۔ اس واسطے کہ مجھے ہندوستانی کھانوں کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ پچاس ساٹھ آدمی آئے۔ ان میں سے چار چن کر میں نے رکھے۔ اس کجخت (ابراہیم کی ماں) نے بھی یہ حال سنا۔ احمد چاشنی گیر (ہندوستانی چاشنی گیر بکاول کو کہتے ہیں) سے جو اناوہ سے آیا تھا سازش کر کے ایک ماما کے ہاتھ زہر کی پڑھیا جس میں تولہ بھر (تولہ دو مثقال سے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے) زہر تھا بھیجی۔ احمد نے باورچی خانہ کے ہندوستانی باورچی کو چار پرگتوں کے انعام کا لالچ دیا اور کہا کہ جس طرح ہو سکے بادشاہ کو زہر دیدے۔ جس ماما کے ہاتھ احمد کے پاس زہر بھیجا تھا اس کے پیچھے پیچھے ایک اور ماما کو یہ دریافت کرنے بھیجا کہ پہلی ماما نے زہر احمد کے حوالے کر دیا یا نہیں اور ہدایت کی کہ بہتر یہ ہے کہ پیشلی میں زہر نہ ڈالا جائے بلکہ رکابی میں ڈالا جائے۔ اس لیے کہ میں نے بکاولوں کو حکم دیدیا تھا کہ ہندوستانیوں سے غافل نہ رہنا۔ جب کھانا تیار ہو جاتا تو پیشلی ہی میں چاشنی چکھا دی جاتی ہے۔ دسترخوان پچھنے کے وقت نالایق بکاولوں کو ہوش نہیں رہتا۔ چھینی کی رکابی میں رکھ کر چھلکے لگا دیا جاتا ہے۔ آدھے سے کم زہر تو اس پر چھڑکا اور آدھے سے زیادہ رکھ لیا کہ قلبہ کے پائے میں ڈال دیا جائے یا پیشلی میں۔ اگر ایسا کیا جاتا تو برا ہوتا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور جو رہ گیا تھا گھبرا کر اس کے

چولھے میں ڈال دیا۔ جبکہ دن عصر کے وقت دسترخوان بچھا۔ خرگوش بچھا کچھ وہ کھایا۔ کچھ انڈوں کا
 قلیہ کھایا۔ مگر کوئی چیز اچھی نہ معلوم ہوئی۔ قاق کے گوشت کی دو ایک بوشیاں کھیں۔ دل اکھل کھل
 کرنے لگا۔ قاق کے گوشت کی بوشیاں زیادہ بد مزہ معلوم ہوئی تھیں۔ میں سمجھا اسی سے دل اکھل کھل
 کرتا ہو۔ ڈراٹھیر کر پھر متلی ہونے لگی۔ غرض دو تین بار دسترخوان پر بیٹھے بیٹھے یہی حال ہوا۔ قریباً کہ
 تھے ہو جائے۔ آخر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ آبدار خانہ تک جاتے جاتے ایک اُبکائی آئی۔ آبدار خانہ کے پاس
 جا کر خوب استغراق ہوا۔ میں نے کھانا کھا کر بلکہ شراب پی کر بھی کبھی تھے نہ کی تھی۔ میرے دل میں سطح
 کی تھے سے شک پیدا ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ باورچی کو نظر بند رکھو۔ کھانا کتے کو کھلاؤ اور کتے کو بندھا
 رکھو۔ دوسرے دن پہرے چڑھتے تک کتے کا حال بگڑا رہا۔ اُسکا پیٹ اچھر گیا۔ ہر خبا سکو رہا تھے
 اور اٹھاتے تھے لیکن وہ ہلتا نہ تھا۔ وہ پہر تک اُسکا یہی حال رہا۔ پھر جیت گیا اور بچ گیا۔ ایک
 چیلوں نے بھی اس کھانے میں سے کھایا۔ دوسرے دن وہ بھی تھے کرتے رہے۔ ایک کی حالت تو
 بہت بگڑ گئی تھی مگر دونوں بچ گئے۔ سچ رسیدہ ہو دہائے پہلے نیمہ گزشتہ ماہ تھ تھے
 دوبارہ زندگی عنایت فرمائی۔ گویا میں پھر اس کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

موت کے منہ سے بچ کے یہ جانا زندگی بھی عجیب نعمت ہے
 سلطان محمد بخشی کو میں نے حکم دیا کہ باورچی سے اچھی طرح حال دریافت کرو۔ اُسے سارا کچا چٹھا
 بیان کر دیا۔ پیر کے دن میں نے دربار کیا۔ حکم ہوا کہ تمام وزراء، اُمراء اور عمائد وغیرہ حاضر دربار
 ہوں۔ سب حاضر ہوئے۔ ان دونوں مردوں اور دونوں عورتوں کو بلائے۔ اُنکے اٹھارے لے گئے۔
 سب پورا پورا واقعہ بیان کر دیا۔ چاشنی گہرے گہرے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ باورچی کی زندہ کھال
 کھنچوادی۔ ایک عورت کو ہاتھ کے پاؤں سے پھول دیا۔ دوسری کو گولی مار دی۔ کم تخت ہوا یعنی ابراہیم
 کی ماں کو قید کیا گیا۔ اُسے بھی اپنے کیے کی سزا پائی اور آئندہ بائے گی۔ ہفتہ کو ایک پیالہ دودھ کا
 پیالہ اور گلِ مخموم کو عرق میں حل کر کے پیا۔ دو شنبہ کو دودھ میں گلِ مخموم اور تریاق فاروق ملا کر پیا۔
 دودھ نے میرا کوٹھا خوب صاف کر دیا۔ دو شنبہ کو پیلے دن کی منی پھرتے ہوئی۔ جلا ہوا صفر اکالاتے
 میں نکلا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب اچھی طرح ہوں۔ میں نہ جانتا تھا کہ جہاں ایسی عزیز چیز ہوتی ہے۔
 بیج ہے جسے مرنے کی نوبت آجاتی ہے وہی جان کی قدر جان جاتا ہے۔ اب بھی اس واقعہ کا اور اس
 حادثہ کا جب خیال آجاتا ہے تو بیاختہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی کہ
 اُس نے دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ اُسکا شکر کس زبان سے ادا کروں۔ اگرچہ واقعہ ایسا خوفناک اور
 سخت تھا کہ زبان سے نہ کہل سکتا تھا مگر اس خیال سے کہ لوگ جلد واقعتاً ہو جائیں جو کچھ گویا تھا وہ
 مفصل میں نہ کہ دیا۔ اور لکھ دیا کہ کوئی دن اور زندہ گی کے باقی تھے کہ یہ پلا سنا تھ خیر کے لگتی۔

اب کوئی اندیشہ اور تردد و لوگوں کو نہ رہے۔ یہ خیال کر کے ربیع الاول کی میسون کو جبکہیں چارباغ میں تھا اس مضمون کا خط لکھ کر کابل بھیجا۔ چونکہ کجنت بواسیہ ایسا سخت جرم سرزد ہوا تھا تو پوتس علی خواجگی اسد سے اُس کو گرفتار کروایا۔ گرفتاری کے بعد اُسکا مال۔ اسباب۔ لونڈی اور غلام وغیرہ کو ضبط کر کے عبدالرحیم کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ سب کو حفاظت سے رکھے۔ ابراہیم کے پوتے نواسے کو بڑی عزت سے رکھا گیا تھا۔ جب ان لوگوں سے ایسی حرکت سرزد ہوئی تو انکو یہاں رکھنا مجھے خلاف مصلحت معلوم ہوا۔ چنانچہ اُن میسون ربیع الاول کو ملا سرسان کے ساتھ جو کام ان کے پاس سے بعض کاموں کے لیے آیا تھا کامران کے پاس روانہ کر دیا۔ ہمایوں جو پورب کے باغیوں کی سرکوبی کے واسطے گیا تھا جو تپور کو فتح کرتا ہوا نصیر خاں کے سر پر بھی غازی پور جا پہنچا۔ وہاں کے افغان بھی اسکے آجانے کی خبر سنکر دریائے سندھ سے پار چلے گئے۔ ہمایوں کی فوج مقام فرید کو لوٹ کر واپس آئی۔ جس طرح سے حکم دیا تھا ہمایوں نے شاہ میر حسین اور سلطان جنید برلاس کو جو تپور میں چھوڑا۔ قاضی حبیبہ کو اور شیخ بایزید کو ان کے ہمراہ مقرر کیا۔ اس کام کو انجام دیکر کڑا مانک پور کی نواح میں گنگا سے پار ہو کالپی کے راستہ سے ہمایوں اس طرف چلا۔ عالم خاں اور جلال خاں حکمت کالپی میں تھے۔ اُنکی عرضیاں آتی تھیں۔ ہمایوں نے کالپی کے قریب پہنچ کر ان دونوں کے پاس آدمی بھیجا۔ اور ان کا اطمینان کر کے انکو اپنے ہمراہ لے آیا۔ انوار کے دن تیسری ربیع الآخر کو باغ ہشت بہشت میں ہمایوں نے ملازمت حاصل کی۔ آج ہی خواجہ دوست خاوند بھی کابل سے آیا۔

رانا سانگا پر چڑھائی کی تیاری | انہی دنوں میں مہدی خواجہ کے پاس سے بے درپے قاصد آئے۔ اُس نے کہلا بھیجا کہ رانا سانگا کا آنا صحیح طور سے

معلوم ہو گیا۔ حسن خان میواتی بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اسکا مقول تدارک کرنا چاہیے۔ مناسب ہے کہ اُس کے آنے سے پہلے بیانہ میں لکھ پہنچ جائے۔ اب میں نے فوج کشی کرنی دل میں اچھی طرح ٹھان لی۔ محمد سلطان میرزا، پوتس علی۔ شاہ منصور برلاس۔ کتہ بیگ اور قسبی بوجہ کو اپنے چلنے سے پہلے بطریق ایلغار بیانہ کی طرف روانہ کیا۔

حسن خاں کے بیٹے کا چھٹنا | حسن خاں میواتی کا بیٹا طاہر خاں ابراہیم کی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔ اُسکو نظر بند رکھا تھا۔ اس وجہ سے حسن خاں میواتی طاہر میں آتا جاتا تھا اور ہمیشہ اپنے بیٹے کی رہائی چاہتا تھا۔ بعض گیارے ہوئی اور اُس کا باغی ہونا۔

کہ اگر حسن خان کی ولد ہی کے بیٹے اُس کے بیٹے کو بھیج دیا جائے تو اُس کو اطمینان ہو جائے گا۔ اور وہ خد متکذری میں تصور نہ کریگا۔ طاہر کو خلعت دیکر اور حسن خاں سے وعدے کیے اُسکو رخصت دیدی۔ یہ مردک اپنے بیٹے کے چھٹنے کی راہ ہی دیکھ رہا تھا۔ بیٹے کے چھٹنے کی خبر سننے ہی

بیٹے کے پیچھے سے پہلے آکر سے نکل رانا سانگا کے ساتھ ہو گیا۔ اصل میں بیکے پیٹھے کو اس موقع پر چھوڑنا اچھا نہ تھا۔ ان دنوں میں بارش خوب ہوئی۔ ہم نے بہت سے جلسے کیے جہاں بھی ان جلسوں میں شریک ہونا ہمارا اگرچہ وقت نہ تھا مگر ان جلسوں میں وہ بھی رنگا گیا۔ اسی زمانہ میں کئی بڑے واقعات گزیرے۔ ایک واقعہ ان میں سے یہ ہے کہ جب ہماپوں قلعہ ظفر سے لشکر ہندوستان میں آیا تھا تو اٹھائے راہ سے ملا بابا ساغری اور اُسکا چھوٹا بھائی بابا شیخ بھاگ کر تین ٹرائر سلطان کے پاس چلے گئے۔ جو لوگ بلخ میں تھے وہ مجبور ہو گئے۔ اور بلخ کیتن سلطان کے قبضہ میں آ گیا۔ اس سہیودہ مردک نے اور اسکے چھوٹے بھائی نے اِدھر کا انتظام وغیرہ اپنے ذمہ لیا۔ اور ایک وخرم سار بارغ کی نواح میں یہ آگے 'شاہ سکندر بلخ میں انکے گھس آنے سے ہڑاڑا گیا۔ اُسے غوری کا قلعہ بک کے حوالے کر دیا۔ بابا شیخ مع تھوڑے سے آدمیوں کے قلعہ میں آتا تھا۔ چونکہ قلعہ مریمہ قریب تھا مجبوراً بک کے پاس چلا آیا۔ چند روز کے بعد مصلحت کچھ فوج کے ساتھ بلخ کی طرف لے چلا۔ بابا شیخ چند ازبکوں کے ہمراہ قلعہ مریمہ میں جو گیا تو اُسکو قلعہ میں اُتارا۔ اور اوروں کو باہر پھیرایا۔ مریمہ والوں نے بابا شیخ کو قتل کر ڈالا۔ اور اُس کے ساتھیوں کو قید کر لیا۔ اور سنگری بڑی کے پاس قندز کی طرف آدمی دوڑایا۔ سنگری بڑی نے یار علی اور عبد اللطیف وغیرہ کو روانہ کیا۔ انکے پیچھے تک ملا بابا بک کی فوج لیکر قلعہ مریمہ میں آیا۔ اور آمادہ جنگ ہوا۔ مگر وہ کچھ کر نہ سکا۔ سنگری بڑی کے لوگوں کے ساتھ قندز میں آ گیا۔ رحیم کو بابا شیخ سے کاوش تھی۔ اسکا سبب سے وہ اُسکا سر کاٹ کے اسی زمانہ میں مریمہ میں لایا۔ میں نے اُسکو کمال عنایت اور مہربانی سے سرفراز کیا۔ اور ہم چشموں میں اسکی آبرو بڑھا دی۔ جب میں نے باقی شفا دل کو بھیجا ہے تو ان دونوں بھائیوں کے باب میں ہر ایک کے سر کے لیے سیر سیر بھر سونا انعام دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور عنایت کے علاوہ وعدہ کے موافق اُسکو سیر بھر سونا بھی دیا۔ اسی زمانہ میں قسبی ساغری جو بیانہ کی طرف فوج لیکر گیا تھا کچھ دشمنوں کے سر کاٹ لایا۔ قسبی ساغری اور یو جک نے تھوڑے سے فزاق سپاہیوں کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہندوؤں پر حملہ کیا۔ اور اُنکو شکست دیکر ستر اسی آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ خبر تحقیق طور سے قسبی ہی لایا تھا کہ حسن خاں سیواتی سانگا کے ساتھ ہو گیا ہے۔ اُستاد علی قلی نے وہ توپ ڈھال لکڑیاں کر لی تھی جس کے گولے کا گھر تو پہلے ہی ڈھل گیا تھا اور اُس کی حال بعد میں درست ہو گئی ہفتہ کے دن بیسویں تاریخ اُسکے چھوڑنے کا تاشاد یکھنے میں بھی گیا۔ عصر کے وقت اُسکو چھوڑا۔ چھ سے قدم تک گولا بیچا۔ اُستاد کو پس نے خیر اور خلعت وغیرہ انعام دیا۔

پھر کے دن جمادی الاول کی نویں کو جہاد کی نیت سے میں رانا سانگا کی جانب روانگی | سوار ہوا۔ شہر سے نکل کر میدان میں خیمے ڈالے تین چار روز تک

فوج کے جمع ہونے اور انتظام کرنے کے لیے یہیں ٹھہرا ہوا۔ چونکہ ہندوستانیوں پر مجھے پورا بھروسہ تھا اس لیے امرائے ہند کے نام چاروں طرف تاکیدی احکام جاری کیے۔ عالم کو لکھا کہ جلد گواٹیا میں آکر جیم داد کی مدد کرے۔ مکھن جی ششم بسنھلی اور حامد اور اُس کے بھائیوں اور محمد قزاقوں کو فرامین پہنچے کہ انہی دنوں میں خبر آئی کہ رانا سائنگا ساہی فوج چلے ہوئے بیانہ کے قریب آکر لوٹ مار کر رہا ہے۔ جو لوگ قزاقوں کے لیے گئے تھے وہ خبر نہ لاسکے۔ بلکہ قلعہ میں بھی نہ جاسکے۔ قلعہ والے اگر قلعہ سے باہر تھوڑی دور بھی نکل آتے ہیں تو دشمن انکا سزا بڑا کر لیتا ہے۔ سکرخان جو بہہ وہیں شہید ہوا۔ ایک دن کچھ نکل جو چاکو تکتہ بیگ جولا قلعہ سے باہر نکل آیا۔ ایک ہندو کو جا گھیرا۔ گرفتار کر لیکے موقع پر کتبہ بیگ کے آدمی کے ہاتھ سے اُسے تلوار چھین ایک ہاتھ مارا جو کتبہ بیگ کے منڈھے پر پڑا۔ اسی زخم آیا کہ کتبہ بیگ رانا سائنگا والے جہاد میں شریک نہ ہو سکا۔ بہت دن بعد مندرست تو ہو گیا مگر ہاتھ کنوڑا ہو گیا۔ قسبی اور شاہ منصور وغیرہ جو بیانہ سے آئے تو نہ معلوم کہ خود ڈر گئے تھے یا لوگوں نے ڈر دیا تھا۔ انہوں نے لشکر ہند کی بڑی تعریف کی۔ میں نے اس منزل سے کوچ کر کے قاسم میرا خور کو بیلہ اروں سمیت آگے بھیجا کہ منداپور کے علاقہ میں لشکر کے اترنے کے لیے بہت سے کنوئیں کھدواری کئے۔ جہدہ کے دن جہادی الالوئے کی دسویں کو ذرا آگہ سے چل کر اسی منزل میں جہاں کنوئیں کھودے گئے تھے تمم جاؤ۔ دوسرے دن وہاں سے کوچ کر دیا میرے دل میں آئی کہ اس نواح میں ایسا مقام جہاں پانی زیادہ ہو اور لشکر کو کفایت کرے وہ سیکری ہے۔ ایسا جہو کہ ہندو پانی پر قبضہ کر لیں۔ اس خیال سے فوج کی جرائنغار اور برانغار وغیرہ کا انتظار کر کے روانہ ہوا۔ درویش محمد ساربان کو سیکری کے تالاب کے کنارے کی طرف آگے روانہ کیا تاکہ وہاں اتر دیکھا بندوبست کرے۔ قسبی وغیرہ کو جو بیانہ سے آئے تھے اور سب طرف سے واقف تھے اُسکے ہمراہ کر دیا۔ منزل پر اترتے ہی جہادی خواجہ وغیرہ کو جو بیانہ میں قلعے مہلا بھیجا کہ فوراً ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہمایوں کے ملازم بیگ میرک منغل کو چند سپاہیوں سمیت دشمن کے لشکر کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ راتوں رات وہ گیا اور دوسرے دن خبر لایا کہ دشمن کا لشکر ہمارے کوس بھر آگے آکر ٹھہرا ہے۔ آج ہی جہادی خواجہ اور سلطان میر ذابیع فوج بیانہ سے آگئے۔ امرابادی اسی سے قزاقوں کے واسطے متعین ہوئے۔ عبدالعزیز اپنی قزاقوں کے دن آکھ بندھے ہوئے مقام خانوا میں جو سیکری سے پانچ کوس ہے چلا گیا۔ ان کے اس طرح بے محابا چلے آنے کی خبر سننے ہی لشکر ہند میں سے جو آگے چلا آتا تھا چار پانچ ہزار آدمی جوڑھ آئے۔ عبدالعزیز اور ملا ایاق ہزار کے ساتھ مساکر کے پائے آدمی ہو گئے۔ ہمارا قزاق غنیم کی فوج کلبے تخمینہ کیے روانی اور مقابلہ پر جھٹک پڑا۔ قریب ہونے ہی بہت سے لوگ پکڑے گئے۔ یہ خبر سننے ہی میں سے مجھے بھی غصہ ہو گیا۔

اُسکے ملازموں سمیت اُدھر روانہ کیا۔ ملا حسین وغیرہ سرداروں کو پیچھے کھک کے لیے بھیجا۔ پھر محمد علی جنگجک کو بھی چلتا کیا۔ میدان جنگ میں ان لوگوں کے پیچھے سے پہلے عبدالعزیز کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ دشمن نے اُسکا نشان بھی چھین لیا تھا۔ ملا نعمت - ملا داؤد اور ملا ایان کے چھوٹے بھائی وغیرہ کو شہید کر ڈالا تھا۔ محب علی کے وہاں پہنچتے ہی طاہر - بری طغائی اور محب علی نے دشمن پر حملہ کیا۔ اُن کو کھک نہ پہنچی۔ طاہر وہاں گرفتار ہو گیا۔ محب علی ایشاء جنگ میں گھوڑے سے گرا۔ بالوتوں نے اُسے اٹھایا۔ کوس بھر تک دشمنوں نے انکا پھپکا کیا۔ جنگجک کی فوج نمودار ہوتے ہی دشمن کی فوج ٹھہر گئی۔ مجھ کو متواتر خبریں آئیں کہ دشمن پاس آ گیا ہے۔ میں جیبہ پہن - گھوڑے پر کچم ڈلوا اور ساز کسوا سوار ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ اراہوں کو کھینچ لاؤ۔ میں کوئی کوس بھر آیا تھا کہ عنیم کالشکر اُٹا پھر گیا۔ ہمارے پہلو میں ایک بڑا تالاب تھا۔ پانی کے خیال سے ہم وہیں ٹھہر گئے۔ اراہوں کو نہ بخیروں سے خوب کس دیا۔ اور ایک کو دوسرے سے زنجیر کے ساتھ باندھ دیا۔ ان کا فاصلہ آپس میں سات آٹھ گز کا تھا۔ یہ فاصلہ زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا۔ مصطفیٰ رومی نے رومی طریقہ پر اراہے بنائے تھے۔ نہایت مضبوط اور عمدہ اراہے تھے۔ چونکہ اُستاد علی قلی کو مصطفیٰ سے رشک تھا اسلئے مصطفیٰ رومی کو ہایوں کے پاس برانغار میں مقرر کیا۔ جہاں اراہے نہ جاسکتے تھے وہاں خراسانی اور ہندوستانی بیلداروں نے خندقیں کھود دیں۔ اُدھر تو اس تیزی کے ساتھ رانا کا لشکر آیا۔ اُدھر چوڑائی بیاتنے میں ہوئی تھی اُسکی تعریف شاہ منصور اور تسمی وغیرہم نے بیان کی۔ ان باتوں سے ہماری فوج میں ذرا بیداری پیدا ہونے لگی۔ اسی نے عبدالعزیز کو شکست کھلوائی۔ لوگوں کے اطمینان اور لشکر کی احتیاط کے لیے جہاں اراہے نہ جاسکتے تھے وہاں یہ کیا کہ کاٹ کی تپائیاں آٹھ آٹھ سات سات گز کے فاصلہ پر کھڑی کر دیں۔ اور اُن کو چمڑے کی رستیوں سے جکڑ دیا۔ اس سامان کے درست کرنے میں پچیس دن لگے۔ اسی زمانہ میں کابل سے سلطان حسین میرزا کا نواسا میر قاسم سلطان احمد یوسف - سید یوسف مع اہل قوم اور اور لوگ ایک ایک دودو کر کے قریب پانے آدمی آ گئے۔ محمد شریف بنجم منخوس بھی انکے ہی ساتھ آیا۔ بابا دوست سوچی جو شراب لائیکے لینے کابل گیا ہوا تھا وہ بھی غزنی کی شراب اونٹوں کی تین قطاروں پر لا کر انہی کے ہمراہ آیا۔ اس موقع پر کہ گزشتہ حالات اور بیودہ باتوں سے جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے ہمارے لشکر میں کمال درجہ تردد اور وہم ہو رہا تھا محمد شریف بنجم کسبخت گوجہ سے کہنے کی تو مجال نہ رکھتا تھا مگر جس سے ملتا تھا اصرار سے بک دیتا تھا کہ آج کل مرتجح مغرب میں ہے جو اُدھر لڑے گا وہ مغلوب ہو گا۔ اس ناشدنی سے پوچھتا کون تھا۔ اسکی بیودہ سرائی سے اور بھی لوگوں کے دل

چھوٹے تھے۔ میں نے ان باتوں پر ذرا خیال نہ کیا۔ جو کام کرنا تھا وہ کیا۔ اور اُسی کا کرنا مقصد
 جانا۔ میں جنگ اور مقابلہ پر مستعد ہو گیا۔ ۲۱ مئی کو دن شیخ جمالی کو روانہ کیا کہ میان دوپہر
 اور دُعا سے جتنے ترکش بند اکھٹے ہو سکیں انکو لیکر میوات کے علاقہ کو لوٹنا اور بازائے شریعت کو
 لوچو ہو سکے اُس میں کمی نہ کرنا تاکہ غنیم کو اُدھر کی طرف سے کھٹکا پیدا ہو جائے۔ ملا ترک علی کو
 شیخ جمالی کے ساتھ کر دیا۔ اور تاکید اسبھا دیا کہ میوات کے ستیا ناس کرنے میں ہرگز کسر نہ کرنا۔
 منصور دیوان کے نام بھی حکم بھیجا کہ سرحدی مواضعات کو لوٹ لو۔ ویران کر دو اور لوگوں کو
 گرفتار کر لو۔ افسوس! انہوں نے اس حکم کی تعمیل پورے طور پر نہ کی۔ اس لیے دشمن کو اس طرف
 اندیشہ نہ پیدا ہوا۔

شراب سے توبہ | منگل کے دن تیسویں جمادی الثانی کو میں سیر کرنے سوار ہوا۔ اثنائے اُس
 میں خیال آیا کہ ہمیشہ سے دل میں توبہ کرنے کی تھی۔ اور خلاف شرع فعل
 کرنے سے دل خوش نہ تھا۔ میں نے کہا اے نفس! اسے

دور ساز از جہلمد منہا ہی خود را پاک ساز از ہمہ گنہا ہی خود را
 اسی سوچ میں یہاں سے جا کر میں نے تو شراب سے توبہ کی۔ نقری اور طلائی صراحیوں اور گلاس
 وغیرہ تمام سامان بزم اُسی وقت منگا کر تڑوا ڈالا۔ ساری شراب پھنکوا دی۔ اور اپنے دل کو پاک
 کر لیا۔ ٹوٹا ہوا سامان محتاجوں اور مستحقوں کو بانٹ دیا۔ سب سے پہلے میرے ساتھ عسک نے توبہ کی
 اُس نے ڈار بھی منڈھانے اور رکھنے میں بھی ساتھ دیا تھا۔ اُس رات میں اور دوسرے دن امراء
 مصاحبین سپاہی اور اُور لوگوں میں سے تقریباً تین سے آدمی نے توبہ کی اور شراب لُٹھادی۔
 بادوست کی لائی ہوئی شراب میں نیک ڈلوادیا گیا تاکہ وہ سر نہ ہو جائے۔ ایک گڑھا کھدوا کر شراب
 کی بوتلیں اُس میں لُٹھوا دی گئیں۔ میں نے حکم دیا کہ اس جائے ایک پتھر نصب کیا جائے
 اور ایک مکان اُس کے پہلو میں بنا دیا جائے۔ جس سے وہیں گوا تیار کی سیر سے جب میں پلٹ کر
 دھوپور سے سیکری میں آیا تو یہ مکان تیار ہو گیا تھا۔ میں نے پہلے نیت کی تھی کہ اگر انا تنگ
 پر مجھے نفع حاصل ہوئی تو میں مسلمانوں سے محصول لینا معاف کر دوں گا۔ اثنائے توبہ میں محمد ساربان
 اور شیخ زین نے یاد دلایا۔ میں نے کہا خوب یاد دلایا۔ اس وقت جو ملک میرے پاس ہے سیر
 مسلمانوں سے محصول لینا معاف کر دیا۔ منشیوں کو حکم دیا کہ ان دونوں عظیم الشان باغیچے متہر
 ہونے کے فرائین لکھو۔ شیخ زین نے فرمانوں کا مسودہ لکھا اور فرمان تمام ظہرو میں بھیجے گئے۔

وہ سحرمان

یہ ہے۔

فرمان ظہیر الدین محمد بابر

ان الله يحب التوابين ويحب المتطهرين ونشكروا هادي لمؤمنين وغافوا المستغفرين
 ونصلي على خير خلقه محمد وآله الطيبين الطاهرين - ہدایائے آراے ارباب الباب کہ محاسن
 مجالی صور اسباب و مخازن لای نقوس صدق و صواب است نقش پذیر جواہر زواہر اسمعی و اوی
 کہ طبیعت انسانی بمقتضائے فطرت مایل لذات نفسانی است و ترک مہیبات شفیق بر توفیق
 یزدانی و تائید آسمانی نفس بشر از میل بشر و ورعیت - و ما ابرئ نفسی ان النفس الامارة
 بالسوء - و اجتناب آن جزیرافت ملک غفور نے - و ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء الله ذو الفضل
 العظيم غرض از تصویر این مقالقت و تقریر این مقولہ آنکہ بمقتضائے شہ بیت بر حسب اسم
 بادشاہان و لوازم بادشاہی و بنا بر عادت صاحب جایان از شاہ و سپاہی در غنوا ان ایام شباب
 بعضی از مناہی و بر خے از مہای از تکاب نمودہ می شد - و بعد از چند روزے ندامت و حسرت تمام
 حاصل آمد - و یک یک از ان مناہی را ترک نمودہ - و توبہ نصوح باب رجوع بدان مسدود گشت -
 اما توبہ شراب کہ اہم مطالب آن مقصد - و اعظم مآرب آن مقصود است در حجاب اکہور مرہونہ
 باوقاقتا محتجب ماندہ روئے نئے نمود - تا آنکہ بدین اوقات فرخندہ ساعات کہ بجد تمام حرم
 بستہ با عساکر اسلام آثار در مقابلہ کفار بمقتضائے نشستہ بودیم - از ملہم شیبی و ہاقت لاری مضمون
 میمون لم یان للذین امنوا ان یخشع قلوبہم بذکر الله شود - جہت قلع اسباب معصیت
 بجد تمام قرع ابواب انابت نمودیم - و ہادی توفیق حسب المضمون حق قرع ما ما و مج و لہج و لہج
 کشود - اقلناج این جہاد بجد اکبر کہ مخالفت نفس است امر فرمود - القصة ربنا ظلمنا انفسنا
 بر زبان اخلاص بیان آورده ثبت الیث وانا اول المسلمین را بر لوح دل منقش گردانیدم -
 و داعیہ توبہ شراب را کہ مکنون خرنیہ یمینہ بود با مضار رسانیدم - و خدام ظفر احتشام بموجب حکم
 فرخندہ فرجام صراحی و جام و سائر ادوات و آلات طلا و نقرہ کہ بکثرت زرینیت چوں کوکب سپہر
 رفیع مزین مجلس بدائع بود - عشرت شریعت بر زمین خواری و مذلت زدہ مانند اصنام کلاں و شاد
 قتلے عنقریب بکسر شان موفق شویم پادہ پادہ ساختند - و ہر پارہ را نزدیکی و بیچارہ انداختند
 ہمین این انابت قریب الاجابت بسیاری از مرقبان و رگاہ بمقتضائے الناس علی دین ملوکھم
 در ہماں مجلس بشرف توبہ مشرف گشتند - و بے تکلف از سر شرب خمر در گزشتند - و ہنوز فرج فوج
 از مطیعان او امر و نوامی ساعت فساعتہ بدین سعادت مستعدی کردند - ماسیکہ بمقتضائے الدال
 علی الخیر کفنا علہ ابواب این اعمال بروزگار با اقبال نواب حجتہ مال بادشاہی عائد گردد -
 و ہمینست این سعادت فتح و نصرت یوماً فیوماً متزاید آید - و بعد از اتمام این نیت و تکمیل این نیت

فرمان عالم مطیع شرف نفاذ یافت کہ در مالک محروسہ حرسہا اللہ عن الآفات والمخافات مطلقاً
 هیچ آفریدہ مرکب شرب غم نشود۔ در تحصیل آن نکوشد۔ و خمر نازد۔ و نہ فروشد۔ و نہ خورد۔ نہ دارد
 بہ زرو و نیار۔ فاجتنبوا العاصیہ قفلحون و تشکر اعلیٰ اھذا الفتح و تصدق ابقول ملک
 التوبۃ القبولہ بحر بخشاش بادشاہی در جوش آمدہ اسواج کرم کہ سبب آبادانی عالم و آبروی
 بنی آدم است ظاہر صاحت و تمناستہ جمیع مالک را از مسلمانان کہ حاصل آن از حد و حصر فراوان
 است با وجود استمرار از منہ سلاطین سابق بگرفتن آن از ضوابط شریعت سید المرسلین بیرون
 بود برانداختہ فرمان صادر شد در بیچ شہر و بلدہ و راہ گزر و ممر تغانگیرند و ستانند و تغیر و تبدل
 درین حکم راہ نہ بند و من بدلہ بعد ما سمعہ فانتما ائمہ علی الدین تبدل لوبہ۔ سپاہیان
 ظلال عاطفت بادشاہی از ترک و تاجیک و عرب و عجم و ہندی و فارسی و رعیت و سپاہی و کافہ
 اہم و عامہ طوائف بنی آدم آنکہ بدین عارفہ کمویہ مستظہر و امیدوار بودہ بدعائے دولت ابدی
 الاتصال اشتغال نمایند و از لوازم این احکام مہمنت انجام در گزیند و اخراجات نوزند۔ می باید
 کہ بر حسب فرمان اعلیٰ عمل نمودہ بتقدیم رسانند۔ چون توفیق اشرف و اعلیٰ رسد اعتماد نمایند۔
 کتبہ بکامر اللہ اعلاہ اللہ العالی متعالی و خلد ففاذہ فی لبست و چهارم جمادی الاولی ۹۳۳

نہ صدوسی و سہ

انہی دنوں میں گزشتہ واقعات کے سبب سے جیسا کہ بیان ہوا اچھوٹے بڑے سبب
 بہت سی ہراساں اور اندیشہ ناک تھیں۔ کسی سے کوئی بہادری کی بات اور دلیرانہ رائے سننے میں
 نہ آتی تھی۔ وزیروں اور امیروں کا بھی یہی حال تھا کہ ایسی بات نہ کرتے تھے جس سے جو اندری
 ظاہر ہو اور نہ کوئی رائے ایسی دیتے تھے جس سے ہمت بندھے۔ البتہ ایک ضلیفہ اس یومرئ میں مشغول رہا۔
 اُس نے انتظام وغیرہ میں بہت کوشش کی۔ آخر لوگوں کی اتنی بیداری اور اس قدر کم ہمتی دیکھ کر میں ایک شب
 سوچا میں نے سب امیروں اور سرداروں کو جمع کیا اور اُسے کہا کہ:-

اے امراء اور سرداران فوج! سہ

تقریر

ہر کہ آمد بجاں اہل فنا خواہد بود
 آنکہ پائندہ و باقی است خدا خواہد بود

جس نے ہاں کا پیٹ دیکھا ہے وہ ضرور ایک دن قبر بھی دیکھیگا۔ جو دنیا میں آیا ہے وہ یہاں کو
 جائیگا بھی۔ بدنام ہو کر جینے سے نیک نام مرنا بہتر ہے

بنام نکوگریمسیرم رواست مرانام باید کہ تن مرگ راست

اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ سعادت عطا کی ہے اور یہ دولت عنایت فرمائی ہے کہ جو اس میں مرے وہ

شہید ہو اور جو مارے وہ غازی ہو۔ اب سب کو حلف کرنا چاہیے تاکہ کوئی اُس موت سے نہ بھاگے اور جب تک دم میں دم ہے اس لڑائی سے مُنہ نہ پھیرے۔ بارہے سردار۔ نوکر۔ چھوٹے اور بڑے سب نے قرآن شریف ہاتھوں پر لیکر اسی بات کا عہد کیا اور قسمیں کھائیں۔ یہ ایسی تدبیر ہوئی جس سے سب بچھت ہو گئے۔ اسی زمانہ میں اور طرف بھی فتنے اور فساد برپا ہو گئے۔ حسن نے اپنی کو آدیا۔ قطب خاں کے لوگوں نے چند وار پر قبضہ کر لیا۔ رستم خاں نام ایک مردک نے میانِ دو آب کے ترکش بندوں کو اکھٹا کر کول کو چھین لیا۔ اور بنگلہ علی کو گرفتار کر لیا۔ سنبھل کو زائد چھوڑ کر بھاگ آیا۔ قنوج کو سلطان محمد دولہی چھوڑ کر چلا آیا۔ گوالیار کو ہندوؤں نے آن گھیرا۔ عالم خاں کو گوالیار بھیجا تھا وہ گوالیار سے اپنے علاقہ میں بھاگ کر چل پیا۔ روزِ ادھر ادھر سے ایک بڑی خبر آ جاتی تھی۔ لشکر میں سے بعض ہندوستانی سردار بھاگ نکلے۔ ہیبت خاں کرک انداز سنبھل چل دیا۔ حسن خاں باری دال ہندوؤں سے جا ملا۔ میں نے ان باتوں پر ذرا خیال نہ کیا اور باوجود اس کے آگے بڑھا۔ ارابے پیتے دار۔ تپائیاں اور اوڑ جو سامانِ جنگ تیار ہو گیا تھا سب کو لیکر منگل کے دن جمادی الاخرے کی نویں کو جس دن ہندو بھی تھا میں نے کوچ کر دیا۔ لشکر کی صفیں۔ برانغار۔ جرانغار اور قول وغیرہ درست کر لی تھیں اپنے آگے اراہوں اور پیچھے دار تپائیوں کو رکھا۔ اُن کے پیچھے اُستاد علی قلی کو تھا۔ گاندھار کے دستہ کے ساتھ معین کیا۔ اور حکم دیا کہ پیادے اراہوں کے پیچھے سے ذرا نہ ہٹے پائیں۔ تاکہ صفیں بندھی ہوئی روانہ ہوں۔ صفوں کے آنے کے بعد ہر ایک صف اپنی جگہ پر ایک تیر کے فاصلہ سے کھڑی ہو گئی۔ تمام صفوں کے امراء اور سپاہیوں کو تشفی دیکر ہر گروہ کی کھڑے ہونے کے لیے جائے مقرر کر دی۔ اور ہر شخص کو سمجھا لیا کہ یوں پلٹنا اور یوں لڑنا۔ اسی ترتیب اور انتظام کے ساتھ کوس پھر چلکر ہم ٹھہرے۔ ہندوؤں کو بھی ہمارے آنے کی خبر ہوئی۔ اُسکی فوج صفیں درست کر کے آگے بڑھی۔ لشکر ٹھہرنے کے بعد لشکر کا آگاہ اراہوں اور خندقوں سے مضبوط کر لیا تھا۔ چونکہ آج لڑائی کا گمان نہ تھا اس لیے ٹھوڑی سی فوج نے پیش قدمی کر کے بطریقِ شکون غنیم پر مشیدستی کی۔ چند ہندو ہاتھ آئے۔ اُنکا سر کاٹ لائے۔ ملک قاسم بھی کئی کا سر کاٹ لایا۔ ملک قاسم نے یہ بہت ہی اچھا کیا۔ اتنی سی بات سے ہماری فوج کا دل بڑھ گیا۔ لوگوں کے حوصلے کچھ اور ہی ہو گئے۔ دوسرے دن یہاں سے کوچ کیا۔ آج بکو جنگ کا خیال تھا غلیفہ وغیرہ نے عرض کیا کہ جو پڑاؤ مقرر ہوا ہے وہ قریب ہے۔ مناسب ہے کہ اُسکی خندق کھود کر اُسکو محفوظ کر لیا جائے۔ اس کے بعد چلنا چاہیے۔ خندق کے انتظام کے واسطے خلیفہ آگے روانہ ہوا جہاں خندق کھودنے کی جائے تھی وہاں وہ بیلداروں کو لگا کر اور اُنپر محصل مقرر کر کے وہیں

چلا آیا۔ ہفتہ کے دن تیرھویں جمادی الاخریٰ کو اربابے آگے روانہ کیے۔ پھر لشکر کی صفیں روانہ ہوئیں۔ اور تقریباً ایک کوس بھر چل کر لشکر مقام مقرر پر ٹھہرا۔ بعض خیمے نصب ہو گئے۔ کچھ خیمے گرہ بن گئے۔ کچھ خیمے کے اٹنے میں جاسوس خبر لائے کہ دشمن کا لشکر نمودار ہوا ہے۔ اسی وقت میں سوار ہوا اور حکم دیا کہ برانغار برانغار کی جائے پر۔ جرانغار جرانغار کی جگہ پر۔ غرض ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر چلا جائے۔ اربابوں کو مضبوط کر دیا جائے اور صفیں مرتب ہو جائیں۔ اس لڑائی کے بعد شیخ نے اپنے جو ختم نامہ لکھا ہے چونکہ اُس سے لشکر اسلام کی کیفیت اور فوج ہندو کی حالت۔ لشکروں کی صف آرائی اور مسلمانوں اور ہندوؤں کی لڑائی کا حال مفصل معلوم ہو جاتا ہے اسلئے بے کم و کاست وہی یہاں لکھ دیا جاتا ہے۔

فتح نامہ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی

الحمد لله رب العالمین وصلى الله على خير خلقه محمد سيد الغزاة والمجاهدين وعلى اصحابه الهداة الى يوم الدين۔ تو اتر نغائے سحابی باعث بکارتِ شکر و ثنائے یزدانی است۔ و بکارتِ شکر و ثنائے یزدانی مورث تو اتر نغائے سحابی۔ برہر نعمتے شکرے مرتبہ است و ہر شکرے را نعمتے تعجب۔ ادائے لازم شکر از قدرت بشر متجاوز است۔ و اہل اقتدار از استیفاء مراسم آن عاجز۔ علی الخصوص شکرے کہ در مقابل نعمتے لازم آید کہ نہ در دنیا دولے عظیم تر باشد نہ در عجب سعادتی از احسبیم تر نماید۔ و این معنی جز نصرۃ بر اقویائے کفار و استیلائے بر افسیائے فجار کہ "اولئک هم الکفرة الفجرة" در شان امثال ایشان نازل است نخواہد بود۔ و در نظر حضرت ارباب الباب احسن از این سعادتے نخواہد نمود۔ المنة لله کہ آن سعادت عظمیٰ و مہبت کبریٰ کہ من الہدائے الی الہد مطلوب اصلی و مقصود حقیقی ضمیر خیر اندیش و رائے صواب کیش بود در این ایام فرخندہ فرجام از کمن عواطف حضرت ملک علام روئے نمود۔ فتاح بے منت و فیاض بے علت مجد و افتخار فتح ابواب فیض بر چہرہ آمال نواب نصرت نائل ماکشود۔ اسامی نامہ افواج بابتہاج مادر دفتر عزات منبہت گردید۔ و نوائے اسلام بامداد لشکریان ظفر انجام پایا۔ و رفت و ارتفاع رسید۔ کیفیت صد و بیس سعادت و ظہور این دولت آنکہ چوں اشعہ سیوف سپاہ اسلام پناہ ممالک ہند بلعات انوار فتح و ظفر منور ساخت۔ و چنانچہ در فتح مہائے سمت تحریر یافتہ بود ابدی توفیق ریات ظفر آیات مار در دہلی و آگرہ و جونپور و خرب و بہار و غیر ذلک الافق اکثر طوائف اقوام از اصحاب کفر و ارباب اسلام اطاعت و انقیاد نواب فرخندہ فرجام مار اختیار نمود۔ طریق عبودیت را بقدم صدق و اخلاص پیوند۔ اما شکائے کافر کہ در سوانح ایام دم از اطاعت و انقیاد

می زد اکنون بمضمون "ابی والستکبر و اکان من الکافرین" عمل نموده شیطان صفت سرکشید و قاپو لشکر و
 و خیل پاهم مجراں گشته باعث اجتماع طوائف گردید که بعضی طوایف لعنت ز نادر گردن و پیر
 خار محنت ارتداد در دامن داشتند و استیلائے آن کافر لعین فزایدی یوم الدین در ولایت هند
 بر تبه بود که پیش از طلوع آفتاب دولت بادشاهی و قبل از سطوع نیر خلافت شهنشاهی با آنکه ایما
 در ایان بزرگ نهاد که درین مقابله اطاعت فرمانش نمودند و حاکمان و پیشوایان متصف با یتیم
 که درین محاربه در غنائش بودند بزرگی خود را منظور داشته در اسب قتلے تابعیت بل موافقت و
 نکرده اند و در هیچ مسافرت طریق مصاحبت و امر افتت او نسپردند و تمامی سلاطین رفیع این خطه
 و سمیع چون سلطان دہلی و سلطان گجرات و سلطان مند و غیرهم از مقاومت آن بدستور غفلت
 کفار دیگر عاجز بوده اند و بطلاعت اخیل با و مدار او اسایه نموده اند لوائے کفر در قریب و وسیت
 شهر از بلاد اسلام افزایند و تخریب مساجد و معابد نموده عیال و اطفال مومنان آن دران
 و امصار را اسیر ساخته و قوت وے از قرار واقع بجائے رسیده که نظر بقاعده مستقره هند که یک
 ولایت را صد سوار و کدوری راده هزار سوار اختیار می کنند بلاد مسخره آن سرخیل کفره بدو برسد
 که جائے یک لک سوار باشد و درین ایام بے از کفار نامی که هرگز درین معرکه یک از ایشان امداد
 نه نموده اند بنا بر عدوت عسکر اسلامی بر لشکر شقاوت اثر وے افزودند و چنانچه ده حاکم با استقلال
 که هر یک چون نمود دعوی سرکشی می نمودند و در قطرے از اقطار قاید جمع از کفار بودند یا بند
 اعدال و سلاسل بدان کافر فاجر متصل گشتند و آن عشره کفره که بر نقیض عشره مبشره لوائے
 شقاوت فزائے "فبشرهم بعذاب الیم" می افراشتند و تابع و عساکر بسیار و چنگات و سیج
 الاقطار داشتند چنانچه صلاح الدین سی هزار سوار را ولایت داشت در اول او و سسنگه
 کیسری دوازده هزار سوار و دمیذنی رائے دو هزار سوار و حسن خاں میوانی دوازده هزار سوار
 و بارکلیدی چهار هزار سوار و تربت بادا هفت هزار سوار و ستردی کچی شش هزار سوار و بر دم دیو چهار هزار سوار
 و نرسنگ دیو چهار هزار سوار و محمود خاں ولد سلطان سکندر اگر چه ولایت و پرگنه نداشت اما ده هزار
 سوار تخینا بامیدواری سردری جمع کرده بود که مجبوره جمیعیت آن مجراں را روائے سلامت
 و امنیت نظر بقاعده پرگنه و ولایت و ملک و یک هزار باشد و الفقیه آن کافر مغرور باطن کور و اهل
 با قسوت کفار سپاه روزگار که ظلمات بعضی فوجی بعضی با یکدیگر موافق سیاحه در مقام مخالفت
 و تحارب اهل اسلام بهم اسایه شریعت سید انام علی الصلوة والسلام در آید و مجاهدان عساکر
 بادشاهی مانند قضاے الهی بر سر آن دجال اعور آمده اذ جاء القضاء علی البصر را منظور
 بصیرت اصحاب سیرت گردانیدند و آیه کریمه "من جاهدنا فما جاهد نفسه را ملحوظ داشته

فرمان واجب الاذعان "جاهد الکفار و المنافقین" را با معنای رسانیدند۔ روز شنبه سیزدهم
جمادی الاخری ۱۲۳۹ که باریک الله فی سببک نشان مبارکی آن روز است در نواحی موضع
خاوه ادمضافاتو بیانه حوالی کو بهی که ده گروہی اندھے دیں بود مغرب خیام نصرت انعام
لشکر اسلام گردید۔ چون کو کبه و دبدبه نوکب اسلامی بگوش اندھے دیں و کافران لعین رسید
مخالفتان ملت محمدی که مانند اصحاب قبل در پئے انهدام کعبه اہل اسلام بودند فیلان کوہ پیکر
عزیزت منظر را اعتماد خود ساختند و بہ متفق و یکدل گشتہ لشکر شقاوت اثر خود را فوجہا
پرداختند مثنوی۔

بأس فیلہا ہندوان ذلیل شدہ غرہ مانند اصحاب قبل
چو شام اجل جملہ مکروہ و شوم سیہ تر زشب بیشتر از نجوم
ہمہ ہمو آتش و لیکن چو دود کشیدہ سر از کیس بجسہ رخ بود
چو مور آمدند از زمین و یار سوار و پیادہ ہزاران ہزار
و بعزم مقاتلہ و کارزار متوجہ اردوئے اسلام کہ اشجار ریاض شجاعتند صنوبر صفت صفہا
کشیدند۔ و نوک صنوبر صفات آفتاب شمع را چون قلوب مجاہدان فی اللہ باوج ارتفاع
رسانیدند۔ صفے چون سید سکندری آہن فام و مانند طریق شریعت پیغمبری باستقامت و
استحکام دین میں۔ قوت و نشاطش کا تھم بنیان مہرصوص و فلاح و فیروزی بمقتضائے
اولئک ہدی من ربہم و اولئک ہم المفلحون باہالی آن صف مخصوص نظم
در آں رخنہ نے از طبائع دہیم چورائے تہنشاہ و دینا قوم
علہائے او عرش فرسا ہمہ القہائے اتافحتنا ہمہ

رعایت حزم را مرعی داشته بطریق غرات روم بجہت بکلیان درعہ اندازاں کہ در پیش سپاہ
بودند صفے از اربابہ ترتیب نمودہ با یکدیگر بزنجیر اتصال دادہ شد۔ القصہ جوش اسلام چنان نظام
و استحکام پدید آورد کہ عقل پیرو چرخ اثیر تند ببرد و مرتبش را آفرین کرد۔ دریں ترتیب و انتظام
و تشیید و استحکام بمقرّب الحضرت السلطانی اعما و الدولۃ الخاقانی نظام الدین علی خلیفہ داعی
و اجتہاد دادہ۔ ہمہ تدبیرانش موافق تقدیر و جملہ سرداری ہا و کار گزار یہائے او پسندیدہ ایسے
افقود۔ مقرر عزت بادشاہی و قول مقرر گشت۔ و بر دست راست برادر عزیز ارشد ارجمند
سعادت یار المخلص بعواطف الملک المستعان حسین تیمور سلطان۔ و فرزند اعز از شد منظور انظار
حضرت امیر سلیمان شاہ و جناب ہدایت تائب و ولایت انتساب خواجہ دوست خاوند۔ و معتمد اسلطنۃ
العلیہ و مؤتمن العتہ النبیہ مقرب خاص و زبیدہ اصحاب المختصین یونس علی۔ و عمدۃ الخواص مل الافلا

شاه منصور برلاس. وزبده اصحاب اختصاص درویش محمد ساربان. و عمده الخواص صادق الاخلاص
عبد الله کتاب دار. و دوست ایشک آقا و جمال خود جا گرفتند. و بر دست چپ قول سلطنت
و خلافت انتساب سلطان علاء الدین عالم خان ابن سلطان بهلول لودی و مقرب الحضرت السلطانی
مشار الیه و دستور اعظم الصدر و بین الانام ملاذ الجمهور و مؤید الاسلام شیخ زین خوانی. و
عمده الخواص کامل الاخلاص محب علی و لد مقرب الحضرت السلطانی مشار الیه. و عمده الخواص
تردی بیگ برادر قوچ بیگ مرحوم میرور. و شیر افکن و لد قوچ بیگ مرحوم مذکور. و عمده الاعظم
والاعیان خان معظم آرایش خان. و دستور اعظم الوزراء بین الامم خواجه حسین. و حاتم دیوانیان
عظام هر یک در موضع مقرب ایستادند. و در بر انار فرزند اعز و ارشد ارجمند سعادت یار منظور عنایت
حضرت آفریدگار اختر برج سلطنت. و کامگاری مهر سپهر خلافت و شهر یاری الممدوح بلسان العبد
والمرکز السلطنة و الخلافة محمد بهلول بهادر شکر گشته. بهمین سعادت قرین آن عزیز فرزند جناب
سلطنت مآب المختص بعواطف ملک المذیان قاسم حسین سلطان. و عمده الخواص احمد شریف
او غلامی و معتد الملک کامل الاخلاص هند و بیگ قوچین. و معتد الملک صادق الاخلاص خسرو
کوکاش. و معتد الملک قوام بیگ اور دو شاه. و معتد الخواص کامل العقیده و الاخلاص علی
خازن و فرافوری. و عمده الخواص پیر قلعه پستانی. و عمده الوزراء بین الامم خواجه بهلول بدخشی. و
معتد الخواص سلیمان آقا الی عراق. و حسین لیلی سیستانی مقرر گشته. بر بسیار ظفر آینه فرزند کامگاری
مشار الیه عاینب سیادت مآب مرتضوی انتساب میر سببه. و عمده الخواص کامل الاخلاص کوکاش
و خواجه اسد جام دارتین یافتند و بر انار ازمراش معتد عمده الملک خان خانان و لادر خان.
و عمده الاعیان ملک داد کرزانی. و عمده الاعیان شیخ المشایخ شیخ کورن هر یک در مقامی که فرمان
شده بود ایستادند. و در جرانار عساکر اسلام شعار عالیجاه نقابت پناه افتخار آل طه و یاسین میدهندی
خواج. و برادر اعز ارشد کامگار منظور انظار عنایت حضرت آفریدگار محمد سلطان میرزا و سلطنت مآب
خلافت انتساب عادل سلطان بن مهدی سلطان. و معتد الملک کامل الاخلاص عبد العزیز میر آخور.
و معتد الملک صادق الاخلاص محمد علی جنگ جنگ. و عمده الخواص کامل الاخلاص قللی قدم قراول.
و شاه حسین بارکی مغل فغانچی. و جانی بیگ آتکه صفت کشیدند. و درین ازمراش معتد عمده الخواص
جلال خان و کمال خان اولاد سلطان علاء الدین مذکور. و عمده الاعیان علی خان شیخزاده فریب. و
عمده الاعیان نظام خان بیانه تعیین شده بودند. و بهیت توفیق معتد الخواص تردی بیگ ملک قاسم
بزرادریا قشقه با جمعی از غرقه مغل. و در جانب بر انار معتد الخواص مؤمن آتکه و رستم خان کمان
باشلیغ با جماعتی. از آیینان خاصه در طرف جرانار نامزد شدند و عمده الخواص کامل الاخلاص

زبده العجايب خصاص سلطان محمد بن خوش اعيان واركن غزوات اسلام ياد رواضع و محال مقرر ايشان شته
 خود باستماع احكام مستعمل بوده و تو احيان و يساولان را باطراف و جوانات سال ميگردانيد و احكام طاعدا
 در ضبط و ربط سپاه و سپاهي بسلاطين عظام دامگاهي گرام و سائر غزاة ذوى الاحترام مي رسانيد چون ارکان لشكر
 قائم گشته بر كس بجاي خود شافت. فرمان اجب لا اذعان لازم الاتيان شرف اصدار يافت كه چنانكه بے حكم
 از محال خود حركت ننمايد و بے خصمت دست بچار نيكشاييد و از روز كور تخنيك پاس و دو گهري گزاشته بود كه
 فزايين تقابلين متقارب كمي كمي گزاشته بنياد مقاومت و كاندار شد قلبه عسكرين مانند نور و ظلمت در برابر يكديگر
 ايستاده. در بر انفار و جرانفار چنان عظيم قتال واقع شد كه زلزله در زمين و ولوله در سپهر پديد
 افتاد. جرانفار كفار شقاوت شعار بجانب بر انفار ميهنت آثار عساكر اسلام شعار متوجه گشته
 بر سر خسر و كوكلتاش و ملك قاسم با تشقه حمله آوردند. برادر اعزاز شد حسين تيمور سلطان
 حسب فرمان بلك ايشان رفته مردانه قتال آغاز نهاد. كفار را از جا برداشته قريب بعقب
 قلب ايشان رسانيد و جلد و بنام آن عزيز برادر شد. و نادر العصر مصطفی بهومي از غول فرزند
 اعزاز شد كامگار منظور انظار حضرت آفریدگار المختص بعواطف الملك الٰهي شيعي و يار محمد باي
 بهادر ارا بهار ايشان آورده صفوف سپه كفار را به تفنگ و ضرب دهن مانند قلوب شال منكم
 گردانيد. و در عين محاربه سلطنت آف قاسم حسين سلطان و عمدة الخواص احمد يوسف و قوام
 فرمان يافته بامداد ايشان شستا فتند. و چون زمان زمان اهل كفر و طغيان متعاقب و متواتر بامداد و فرم
 خود مي آمدند مانيز معتمد الملك هند و بيگ توپچين را. و از عقب او عمدة الخواص كامل الاخلاص
 شاه منصور بر لاس و عمدة الخواص صادق العقيدة عبد الله كتاب دار و از پي ايشان عمدة الخواص
 دوست ايشك آقا و محمد خليل آخته بگي را بلك فرستاديم. و بر انفار كفره بكرات و مرات همها بر جاز
 جرانفار لشكر اسلام آوردند. و خود را بغزات ذوى النجاة رسانيدند. و هر نوبت نمازيان عظام
 بعضي را بر خم سهام طغر فرجام بدار البوار ليصلوها و بشن الفرار فرستاده و بعضي را بر گردانيدند.
 و معتمد الخواص موسي آنكه و برستم تركمان بجانب عقب سپاه ظلمت و دستگاه با كفار شقاوت پناه توجه
 نمودند. و معتمد الخواص ملا محمود و علي آنكه باشليق نوكران مقرربا حضرت السلطاني اعتماد الله و له الخاقاني
 نظام الدين علي خليفه را بلك مشار اليه فرستاديم. و برادر اعزاز شد محمد سلطان ميرزا و سلطنت آف
 عادل سلطان و معتمد الملك عبد العزيز مير آخور و قتل قدم قراول و محمد علي جنگ جنگ و شاه حسين
 ياركي مغل غانچي دست بچار به كشاده پائے حكم كردند. و دستورالاعظم الوزراء بين الامم خواججه
 را با جماعه ديوانيان به ملك ايشان فرستاديم همه اهل جهاد و در غايت جد و اجتهاد راغب مقابل آمدند
 آيه كرميه قل هل يترتبون بنا اكلا اسدي الحسنيين را منظور داشتند. عزيت جانفشاني

کرده لوائے جانشانی افزاشتند. و چون محاربه و مقابله دیر کشید و تبطلیل انجامید فرمان اجاب لافغان
بنفاذ رسیده که از نایبینان خاصه بادشاهی جو آنان جنگی و هزیران بیشه یکرنگی که در پس اراپا
بانبند شیر در زنجیر بودند از راست و چپ قول بیروں آیند. و جائے تفنگچیاں در میان گزارند. و
از هر دو جانب کاژار نمایند. از پس اراپا مانند طلیعه صبح صادق از پیش افق بیروں تاختند. و خون
شفق گون کفار نایموم را در معرکه میدان که نظر سپهر گردوں بود ریخته بسیاری از سرها بر کشتن
راستاره صفت از فلک وجود محو ساختند. و نادر المعصر استاد علی قلی با توابع خود در پیش قول ایستاد
بود مردانگیها کرده سنگهای عظیم القدر که چون در لپه میزان اعمالش نهند صاحبش فاقا من
ثقلت موازینه فهو فی عیشة الراضیة نام بر آورد و اگر بر کوه راسخ جبل شانش اندازند
کالعهین المنفوش از پا در آورد. و بجانب حصار آهن آثار صفت کفار انداخت. و با نذر
سنگ و ضرب زن و تفنگ بسیاری از انبیه احشام کفار منهدم ساخت. تفنگ اندازان بادشاهی
حسب فرمان از اراپا بمیان معرکه آمده هر یک از ایشان بسیاری کفار را زهرمات چشاندند.
و پیاده در محل مخاطره عظیم درآمده نام خود را در میان شیران بیشه مردمی و دیر می حسره کرد
جو انردی ظاهر گردانیدند. و مقارن این حالت فرمان حضرت خاقانی به پیش راندن اراپا
قول بنفاذ رسید. و به نفس نفیس بادشاهی فتح و دولت از زمین اقبال و نصرة از بسیار بجانب کفار
متحرک گردید. و از اطراف و جوانب عساکر ظفر مثاقب این معنی را مشاهده نموده تمامی بگردن
سپاه نصرت شعار توج عظیم بر آورد. و شجاعت همه ننگان آن بجز را از قوت بفعل در آورد
ظلام غبار غمام کردار چون سحاب مظلم در تمامی معرکه متراکم گشت و برین لمعات سیوف و دران
دران جنگ خون ریز از لعلان برق در گزشت. تیج گرد و روئے خورشید را چون پشت آئینه از
نور عاری کرد. و ضارب بمضروب و غالب بمغلوب آمیخته سمت امتیاز از نظر متوازی شد.
ساحر زمانه چنان شے در نظر آورد که ستاره دوران غریب تر نبود. و کواکب ثوابش جز مواکب
ثبات الاقدام نمی نمود. مثنوی.

فرورفت و بر رفت روز نبرد نم خون بکاهی و هر ماه گردد
برسم ستوران دران پهن دشت زمین شش شد و آسمان گشت هشت

مجاهدان غازی که در عین سراندازی و جاننازی بودند از بافت فیضی نوید کالهنوا و لا تحزنوا و
انتقموا کلون می شنودند. و از منبری لاریبی مرثیه ی نصر من الله و فتح قریب لپتر المؤمنین
استماع می نمودند. چنان بشوق محاربه می کردند که از قدسیان ملا و علی ندائے حسین بدیشان
می رسید. و ملاکب متعرب پروانه صفت برگرد سر ایشان می گردید. و ما بین القلوتین نایره قتال

چنان اشتغال یافت که مشاغل آن علم بظلم و فساد می آفریند و میسر لشکر اسلام میسر میسر
 کفار و منافقان را با قلب شای در یک نخل مجتمع گردانید. چون آشکار غایت مجاهدان نامی و
 ارتقاع لوازم اسلامی ظاهر شدن گرفت ساعتی آن کفار لعین و اشترار بیدین در حال خود
 متحیر ماندند و آخر دلبها از جاها برکنده بر جانب راست و چپ غول حمله آوردند. و در جانب چپ
 بیشتر هجوم کرده خود را نزدیک رسانیدند. اما غارت شجاعت سمات ثمره ثواب را منظور داشته
 بنان نیزه در زمین سینه هر یک نشان زدند. و همه را چون بخت سیاه ایشان برگردانیدند. قرین
 حال نسایم نصرت و اقبال بر حین دولت نواب خسته مال ما و زید و مژده انا فتحنا لک فتحا مبینا
 رسانید. شاید فتح که جمال عالم آرایش بطره و نصرت الله نصر اعزیزا قرین گشته استقبال
 در ستر اخفا و یاری نموده قرین حال گردید. هندوان باطل حال خود را مشکل دانسته کالهن
 المنقوش متفرق شدند و کالفرایش المبتوث متلاشی گشتند. بسیاری کشته در معرکه افتادند.
 و کثیری از سر خود گزشته سردر بایان آوارگی نهادند و طعمه زارغ و زغن خوردیدند. و از کشتهها
 پشتهها افراخته شد. و از سر باینار پا پر داخته حسن خاں میواتی بضرب تفنگ در سلک اموات
 درآمد. همچنین بیشتر از آن سرکشان ضلالت نشان را که سر آمد آن خون بودند تیر و تفنگ
 رسیده روز حیات سر آمد. از جمله راول او دے سنگه مذکور که والی ولایت ڈونگر پور بود و دوازده
 سوار داشته. و رائے چند بھان چو بان که چار هزار سوار داشته. مانگ چند چو بان و ولیپ راؤ
 که صاحب چهار هزار سوار بوده اند و کنور کرم سنگه و ڈونگر سی که سی هزار سوار داشته و جمعی دیگر
 که هر یک از ایشان سرخیل بزرگ گردیده و سردار قاطبہ ذی شوکت و شکوہ بوده اند راه دوزخ
 پیمودند. و ازین دار و حل بدرک الاسفل انتقال نمودند. و راه دار الحوب از زخمیان در راه
 مانند جهنم پر شد و درک الاسفل از منافقان جاں بمالک و وزخ سپرده ملو گردید. از عساکر اسلامی
 هر کس بهر جایت که شتافت در هر گامی خود گامی را کشته یافت. و در دوئے نامی از عقب منہزاں
 هر چند کوچ نموده هیچ قدمی از فرسوده محشمه خالی نیافت.

همه هند و ان گشته خوار و ذلیل سنگ و تفنگ همه اصحاب فیل

ز شمشیر بی کوه باشد عیان بهر کوه از آن چشمه خون رواں

ز بهریم سپاه صفت پر شکوه مگر از آن مگر یزان بهر دشت و کوه

ولو اعلیٰ ادبار هف نفور او لو کان امر الله قدرا مقدورا. فالحمد لله السميع العليم و ما النصر الا

من عند الله العزيز الحكيم. - تحریر فی شهر جمادی الآخری

سنه ۱۲۳۳ و ۱۲۳۴

لڑائی فتح ہونیکے بعد مراجعت | اسی فتح کے بعد سے فرمانوں پر چڑھا لکھا جاتا ہے اُس میں غازی کا
 میں نے لکھدی۔ رباعی۔

اسلام اوچوں ادارہ پانی بولدوم کفار ہنود حرب سازنی بولدوم
 جزم ایلاب آید ہم اور دم شہید اولما قافہ المنہ شد کہ غازی بولدوم

یعنی میں اسلام کے لیے جنگل جنگل پھرا۔ ہندوستان کے کفار سے نبرد آزا ماہوا۔ میں نے اپنے
 شہید ہونے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر خدا کا احسان ہے کہ میں غازی ہو گیا۔ شیخ زین نے اس فتح کی
 تاریخ ”فتح بادشاہ اسلام“ لکھی تھی۔ میر گیسو کے ہاتھ بھی یہی مادہ لگا۔ جو لوگ کابل آئے تھے
 اُن کے ہاتھ اسی مادہ کو تضمین کر کے ایک رباعی اُس نے بلکھی۔ دونوں کو توارد واقع ہوا۔
 ایک دفعہ اور بھی ایسا ہوا ہے۔ دیال پور کی فتح کا مادہ شیخ زین نے ”وسطا شہر ریح الاول“
 نکالا تھا۔ میر گیسو نے بھی یہی مادہ نکالا۔ الغرض دشمن کو شکست دیکر ہم آگے بڑھے۔
 ہندوؤں کے ڈیرے ہم سے دو کوس کے فاصلہ پر تھے اُن میں پہنچے۔ محمدی۔ عبدالعزیز اور
 علی خان وغیرہ کو فراریوں کے پیچھے روانہ کیا۔ میں نے ذرا سستی کی۔ مجھے خود جانا چاہیے تھا
 دوسروں پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے تھا۔ لشکر گاہ ہنود سے کوئی کوس بھر میں گیا ہونگا کہ رستہ
 ہو گئی۔ اسی سبب سے میں اُلٹا پھر آیا۔ عشا کے وقت اپنے لشکر میں آ گیا۔ محمد شریف منجم تھے
 وہ منخوس باتیں بکی تھیں فتح کی مبارکباد دینے آیا۔ میں نے بھی خوب ہی بُرا بھلا کہہ کر دل کا بخار
 نکالا۔ اگرچہ وہ بڑا بے ایمان۔ بد نفس۔ بڑا مغرور اور بے انتہا تر تھا۔ مگر چونکہ قدیمہ انجمن
 تھا اس لیے ایک لاکھ انعام دیکر اُس کو رخصت کیا اور حکم دیا کہ میری قلمرو میں نہ ٹھہرنے پائے
 دوسرے دن یہیں قیام کیا۔ محمد علی جنک جنک۔ شیخ گورن اور عبدالملک قورچی وغیرہ کو ایک
 بڑی فوج دیکر ایلاس خاں کی گوشمالی کے لیے بھیجا۔ اس شخص نے دو آہ میں فساد مچا رکھا تھا
 کول کو دبا لیا تھا۔ اور کجک علی کو قید کر لیا تھا۔ اس لشکر کے وہاں پہنچتے ہی بے لڑے بھڑے
 ایلاس خاں بھاگ گیا۔ اُسکی فوج منتشر ہو گئی۔ جب میں آگرہ میں آ گیا تو اُسکے چند روز بعد
 پکڑ آیا۔ میں نے اُسکی کھال کھنوا ڈالی۔ جو پاڑی ہمارے لشکر کے سامنے تھی اور جکے پاس ہی
 لڑائی ہوئی تھی اُس پر مقتولوں کے سروں کا منارہ بنا دینے کا میں نے حکم دیا۔ یہاں سے دوسرا
 چلکر بیان پہنچے۔ بیانہ بلکہ آتور اور میوات تک کفار اور مرتدوں کا مال و اسباب بے نہایت پڑا ہوا
 تھا۔ میں نے جا کر بیانہ کی سیر کی۔ پھر لشکر میں آیا۔ اور امرائے ہند سے اُسی کافر کے ملک پر چڑھاؤ
 کر دینے کی صلاح کی۔ چونکہ راستہ میں پانی کی کمی تھی اور گرمی شدت سے پڑ رہی تھی اس لیے یہ پورٹ

ملتی رہی۔

میوات اور حسن خاں میواتی کا حال اور اُس کے ملک پر یورش

میوات کا ملک دلی کے قریب ہے۔ اُسکی آمدنی تین تین چار کروڑ ہوگی جس خاں کے آباؤ اجداد تقریباً دو سے برس سے میوات میں قتل حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ دلی کے بادشاہوں کی پونہ سی اطاعت کرتے تھے۔ غنایان ہند اپنے ملک کی وسعت یا اپنی عدیم الفرستی یا ملک میوات کے پیار سے اس کے چھین لینے کے درپے نہیں ہوئے۔ اور وہاں کے حاکم نے جتنی اطاعت کی اسی پر اکتفا کیا۔ میں نے بھی ہندوستان فتح کر کے بعد اگلے بادشاہوں کی طرح حسن خاں کی رعایت کی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اس حق ناشناس بکا فروش اور محمد نے میری عنایت و مہربانی کو کچھ نہ سمجھا۔ اور اُس کا ذرا شکریہ ادا نہ کیا۔ بلکہ سارے جھگڑوں اور فسادوں کا بانی ہو رہی تھا۔ اور ساری آگ اُسی کی لگائی ہوئی تھی۔ چنانچہ ہم اور کچھ چلے گئے۔ جب رانا سا نگا والی یورش کی نہ ٹھہری تو میوات کی طرف میں متوجہ ہوا۔ چار منزلیں طے کر کے آٹور سے جو آجکل اس ملک کا دار الحکومت ہے چھ کو س ادھر بالکل ہی ہندی کے کنارہ پر لشکر اُترا حسن خاں کے اجداد تجارت میں رہتے تھے۔ اور وہ بھی وہیں رہتا تھا۔ جس سال میں نے ہندوستان کی طرف رخ کیا۔ اور ہاتھ خاں کو دیر کر کے لاہور اور دیال پور کو لے لیا ہے تو میرے خوف سے براہ دور اندیشی حسن خاں نے آٹور کے قلعہ کو دوست کر لیا۔ اور اُسی کو اپنا مستقر ٹھہرایا۔ کرم چند حسن خاں کا ایک معتبر ملکار جو اُس کے بیٹے کے ساتھ آگرا میں بھی آیا تھا اُس کے بیٹے کی طرف سے امان طلب کرنے حاضر ہوا۔ عبد الرحیم شقاوی کو کرم چند کے ہمراہ مع فرمان استالت روانہ کیا۔ وہ طاہر خاں پسر حسن خاں کو ساتھ لے آیا۔ میں نے پھر اُس پر رحم کیا اور کچھ لاکھ روپے کا ملک اُسکو عنایت کیا خیال تھا کہ رانی کے موقع پر اپنے کچھ کارگزاری بھی مگی ہے اس واسطے آٹور اور پچاس لاکھ روپے کا علاقہ دیا۔ بد نصیبی سے اتر کر اس عطیہ پر اُسے ناک چڑھائی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کام حسین پور سلطان نے کیا ہے۔ اس بے صد کا تھی سلطان ہوا۔ تجارہ جو صدر مقام تھا مع پچاس لاکھ کے ملک کے تیمور سلطان کو عطا کیا۔ مردہ بیگ کو جو رانا سا نگا کی اس لڑائی میں دست راست کا تو نغمہ تھا اور جس نے اور وہاں کی نسبت بہت تندی کی تھی پندرہ لاکھ کا ملک اور آٹور کا قلعہ عنایت ہوا۔ آٹور کے قلعہ میں جتنے خزانے تھے اور جو کچھ تھا وہ ہاتھوں کو بخش دیا۔ وہاں سے رجب کی پہلی تاریخ ہجری کے دن چل کر آٹور سے دو کوس کے فاصلہ پر لشکر کا قیام ہوا۔ میں نے آٹور کی پیر کی عزت کو میں دہر دہا۔ مع لشکر میں آیا۔ رانی سے پہلے جب سب سے حلف لیا گیا ہے تو یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ اس فتح کے بعد جو شخص جانا چاہیگا اُس کو رخصت مل جائے گی۔ ہاتھوں کے ملازم اکثر بخشنائیے تھے۔ کچھ ہندو بھی

راستے پر نہ گئے تھے۔ اور لڑائی سے پہلے ڈھل کرے ہو رہے تھے۔ وعدہ رخصت بھی تھا۔ اور کابل خالی بھی تھا۔ اس واسطے سب کی رائے ہوئی کہ ہمایوں کو کابل بھیج دینا چاہیے۔ یہ بات ٹھیکر جمہرات کے دن رجب کی نوین تاریخ اور سبے کو جی کیا۔ پانچ چار گھنٹے چلکر ہاتھ میندی کے کنارہ پر ٹھہرے۔ مہدی خواجہ بھی بچپن تھا۔ اس کو بھی کابل جانے کی اجازت دی گئی۔ بیانے کی شقداری ایشک آقا کو دی۔ اس سے پہلے چونکہ آناوہ کو مہدی خواجہ کے نامزد کر دیا تھا اس لیے قطب خاں جو آناوہ سے بھاگا تو آناوہ مہدی خواجہ کے بیٹے جعفر خواجہ کو دیدیا گیا۔ ہمایوں کے رخصت کر نیکی لیے چار روز میں اس جائے ٹھہرا۔ اسی منزل سے موئن علی تاجی کو فتحنامہ دیکر کابل روانہ کیا۔ بروپور کے چشمہ کی اور کوتلہ کے بڑے تالاب کی بہت تعریف سنی تھی ہمایوں کی مشابعت کے لیے بھی اور ان مقاموں کی سیر کے لیے بھی ہفتہ کو ہم لشکر سے سوار ہوئے اور لشکر کو بین چھوڑا۔ اسی دن بروپور پہنچ کر وہاں کی اور چشمہ کی سیر کے معجون کا استعمال کیا۔ جس درہ میں چشمہ کا پانی بہہ کر آتا ہے اس میں تمام کنیر کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ اگر چھپی تعریف سنی تھی ویا تو نہ تھا مگر پھر بھی غیبت تھا۔ اسی درہ میں جہاں چشمہ کا پانی زیادہ بہتا تھا اس جائے کو پتھر سے وہ درہ بنانے کا میں نے حکم دیا۔ رات بھر میں درہ ہی میں رہا۔ دوسرے دن سوار ہو کر کوتلہ کے تالاب کی سیر کی۔ تالاب کا ایک کنارہ پہاڑ کا دامنہ ہے۔ ہاتھ میندی کا پانی اس تالاب میں آتا ہے۔ یہ بڑا تالاب ہے۔ ادھر سے دیکھو تو ادھر کا کنارہ نظر نہیں آتا۔ تالاب میں بہت سی چھوٹی چھوٹی کشتیاں پڑی ہوئی تھیں۔ تالاب کے گرد ذواح والے جب بھی غل غپاڑہ ہوتا ہے تو ان کشتیوں میں بیٹھ تالاب میں پناہ لیتے ہیں۔ میرے آنے کے وقت بھی بہت سے لوگ کشتی میں بیٹھ بیچ تالاب میں چلے گئے۔ میں تالاب کی سیر کے ہمایوں کے لشکر میں اُترا۔ وہاں استراحت کی۔ کھانا کھایا اور میزاکو مع اس کے امراء کے خلعات دیے۔ عشا کے وقت ہمایوں کو رخصت کر کے میں سوار ہو گیا۔ راستہ میں ایک مقام پر سو رہا۔ صبح وہاں سے سوار ہو پر گنہ کھیری سے نکل قھوڑی پر سو رہا۔ پھر لشکر میں جو تودہ کے قریب آپڑا تھا آگیا۔ تودہ سے کوچ کیا۔ سوکر میں آئے تو طاہر خاں سپہر حسن خاں جو عبدالرحیم کے سپرد تھا بھاگ گیا۔ یہاں سے ایک منزل چلکر اس چشمہ کے قریب چو پشاو اور جو سا کے بیچ والی بنی گاہ کوہ میں ہے اُترے۔ شامیانہ کھڑا کر کے وہاں معجون کھائی۔ لشکر کے چلو وقت خرد می بیگ خاکسار نے چشمہ کی بہت تعریف کی۔ میں نے سر سواری اسکو جا کر دیکھا۔ چچا چشمہ ہے۔ ہندوستان میں جیہ دریاؤں میں ہمیشہ پانی نہیں رہتا تو چشمہ کیا چیز ہے۔ الاماشا کوئی چشمہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ چوبسب حیون ہوتا ہے۔ ریگستان میں تو چشموں کے پانی

زمین سے جوش مار کر نکلتے ہی نہیں۔ غرض اس چشمہ میں نیم آسیا پانی ہوگا۔ دامنہ سے اُبل کر پانی آتا ہے۔ چشمہ کے گرد تمام مرغزار ہے۔ نہایت ہی عمدہ۔ میں نے حکم دیا کہ اس چشمہ کا مشن سنگین حوض بنادیا جائے چشمہ کے کنارہ پر بھونکھانے کے وقت تردی بیگ بار بار فخر کے ساتھ کہتا تھا کہ یہ جائے نہایت عمدہ ہے۔ اس کا کوئی نام تجویز کرنا چاہیے۔ عبداللہ نے کہا۔ ”چشمہ بادشاہی تردی بیگ“ کہہ دو۔ اکبر خوب چہچہاتے اُڑے۔ دوست ایشک آقائے بیانی سے آکر اسی چشمہ پر ملازمت حاصل کی۔ یہاں تک ہم بیاتے گئے۔ اور وہاں سے سیکری میں آئے۔ اُسی باغ کے پاس جہاں پہلے ٹھہرے تھے اُترے۔ دو دن تک یہیں قیام کیا۔ باغ کو درست کرایا۔ رجب کی تیسویں کو جمعرات کی صبح ہی آگرہ میں داخل ہوئے۔

گرد و نواح کی فتوحات اور تقسیم جاگیرات

چندوار اور راپری کو اس موقع پر محالفوں نے چھین لیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ محمد علی جنگ جنگ۔ تردی بیگ۔ قوج بیگ۔ عبدالموک قوجی اور حسین خاں مع دریا خانیوں کے چندوار اور راپری کی طرف بھیجے گئے۔ یہ لشکر چندوار کے قریب ہی پہنچا تھا کہ انکی خبر شنکر اندر والے جو قطب خاں کے آدمی تھے بھاگ نکلے۔ ہمارے سرداروں نے چندوار پر قبضہ کر لیا۔ اور راپری کی طرف رُخ کیا۔ حسین خاں فحاشی سپاہی کو چبندڑائی کے خیال میں تھے۔ جو نہی ہماری فوج نے حملہ کیا اور وہ قریب پہنچی وہ نہی دشمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ حسین خاں پانی پر سوار ہو مع چندر تھا دریا میں اُترا اور غرق ہو گیا قطب خاں اس خبر کے سننے ہی آٹاؤہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ آٹاؤہ پہلے تو مہدی خواجہ کو دیا گیا تھا۔ اب اُسکے بیٹے جعفر خواجہ کو وہاں بھیجا گیا۔ رانا ساٹنگا کے خروج کے زمانہ میں اکثر ہندوستانی اور افغان سرکش ہو کر بیشتر تمام ملک پر متصرف ہو گئے تھے جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ سلطان محمد دہلوی دہلی کے مارے قنوج چھوڑ کر چلا آیا تھا۔ پھر قنوج جانے سے اُس کو شرم آئی۔ قنوج کی تیس لاکھ کی جاگیر کے بدلے سرہند کی پندرہ لاکھ کی جاگیر اُس کو دینی۔ اور قنوج محمد سلطان میرزا کو عنایت کیا۔ اس کو تیس لاکھ کا جاگیر دار کر دیا۔ قاسم حسین سلطان کو بدایوں دیکر۔ اور امرائے ترک سے ملک قائم بابا قشقد (مع اُس کے عزیزوں اور مغلوں کے) ابوالمہد نیزہ باز۔ نوید۔ سلطان محمد دہلوی اور حسین خاں کو۔ اور امرائے ہند میں سے علی خاں فرٹی۔ ملک داد کرانی۔ شیخ محمد شیخ بھکاری یا تارخان اور خان جہاں کو محمد سلطان میرزا کے ساتھ کر کے بتن کی تنبیہ کے لیے جسے ساٹنگا کے فیاد کے زمانہ میں لکھنؤ کا محاصرہ کر لیا تھا بھیجا۔ جس وقت یہ فوج لکھنؤ سے پار ہوئی اور بتن کو اسکا آنا معلوم ہوا اُس وقت وہ اپنی بہر و بیگاؤ کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ یہ فوج اُسکے پیچھے خیر آباد تک پہنچی۔ کچھ دہلی خیر آباد میں ٹھہر وہاں سے واپس آئی۔ خزانے تو بانٹ دیے تھے مگر ملک تقسیم کرنے کی فرہست نہ ملتی تھی اسلئے کہ نہایت کچھ جہاد کر نیکی ہم پیش آ گئی۔ اس غزوہ سے فارغ ہو کر ملک اور پرہیزوں کو تقسیم کیا۔ چوبیس ہشت

آگئی تھی سیلو میں حکم دیدیا کہ ہر شخص اپنی اپنی جاگیر میں جائے اور سامان درست کر کے برسات بعد حضور میں حاضر ہو۔ اس اشارہ میں خبر آئی کہ ہمایوں نے دکن پہنچ کر دکن کے خزانوں میں سے کئی کوٹھے بے حکم لے لیے۔ مجھے اُس سے ایسی توقع نہ تھی۔ میں نے بہت سخت کلمات اُسکو لکھے۔ جمعرات کے دن پندرہویں شعبان کو خواکی آسہ جو عراق کی سفارت پر بھیجا گیا تھا اور سلیمان ترکمان کو ساتھ لایا تھا پھر سفیر ہو کر سلیمان کے ساتھ روانہ ہوا۔ اور اُس کے ساتھ شہزادہ طہاسپ کے لیے بہت سے تحائف بھیجے گئے۔ ترقی بیک خاکر کو میں نے فقیری چھڑا کر سپاہی بنایا تھا۔ کئی برس وہ ملازمت میں رہا۔ اب پھر اُسکے سر میں فقیری کا دھواں گھٹا۔ اس واسطے اُس نے رخصت چاہی۔ میں نے رخصت دیدی۔ اور کامران کے پاس سفیر کر کے بھیج دیا۔ تین لاکھ روپے بھی کامران کو بھیجائے۔ جو لوگ اگلے سال کابل چلے گئے تھے اُن کے حسب حال ایک قطعہ ملا علی خاں کو مخاطب کر کے لکھا۔ اور ترقی بیک کے ہاتھ ملا کو بھیجا۔ قطعہ جنہوں نے یہاں کے رنج و مصیبت کے خوف اور کابل کی عمدہ آب و ہوا کے خیال سے ہندوستان چھوڑا تھا اُن کو ظاہر عیش و آرام حاصل ہو گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم بھی زندہ ہیں۔ اگرچہ بہت رنج اٹھائے اور مصیبتیں سہیں۔ یہ رمضان باغ ہشت بہشت میں گزارا خاص اس لیے کہ تراویح غسل کے ساتھ پڑھی جائے۔ گیارہ برس کی عمر سے آج تک دو عیدیں کسی سال ایک مقام پر کرنی نصیب نہیں ہوئیں۔ اتفاقاً اگلے رمضان کی عید آگرہ میں ہوئی تھی اس خیال سے کہ جو بات بندھ گئی ہے اُس میں فرق نہ آئے۔ اتوار کی شب کو کہ سلخ تھی عید کرنیکے لیے میں سیکری گیا۔ باغ فتح کے شمال شرق کی طرف ایک سنگین چوڑے تیار ہوا تھا۔ اُسی پر سفید نگیر اکھڑا کر کے عید کی نماز پڑھی جس ات میں گروہ سے سوار ہوا اُسی رات میر علی قوری کو شاہ حسین کے پاس ٹھہرے روانہ کیا۔ چونکہ اُسکو گنجہ کا بڑا شوق تھا اور اُس نے منگایا بھی تھا اس لیے ایک گنجہ اُسکے لیے بھیجا۔ ذیقعدہ کی پانچویں تاریخ اتوار کے دن میں علیل ہو گیا۔ سترہ دن بیمار رہا۔ جمعہ کے دن چوبیسویں تاریخ دھولپور کی سیر کے لیے روانہ ہوا۔ رات کو آدھے راستہ پر پہنچ کر سو رہا۔ صبح سلطان سکندر کے بند پر آکر ٹھہرا۔ بندہ کے آخر میں تمام بیمار سرخ پتھر کا ہے جس سے ایک پتھر کا مکان تیار ہو جائے۔ میں نے اُسٹاد شاہ محمد سنگتراش کو حکم دیا کہ اگر ایک پتھر کا مکان تراش کر بنا سکو تو بناؤ۔ اور جہاں گرٹھا ہو جائے وہاں حوض بنا دو۔ دھولپور سے باری کی سیر کرنے گیا۔ دوسرے دن باری سے سوار ہو اُس پہاڑ سے جو جبل ندی اور باری کے جوع میں ہے ہوتا ہوا اور جبل کا تماشا دیکھتا ہوا واپس آیا۔ اس پہاڑ میں آبنوس کے درخت دیکھنے میں آئے۔ اسکے پھل کو تیندہ کہتے ہیں۔ سننے سے کہ آبنوس سفید بھی ہوتا ہے۔ اس پہاڑ میں دیکھا کہ بہت سفید آبنوس ہے۔ باری سے سیکری کی سیر کرتا ہوا میں جمعرات کے دن اُنٹیسہ میں تیار آگرہ میں آیا۔ انہی دنوں میں شیخ بایزید کی نسبت متوحش خبریں سننے میں آئیں۔ سلطان قلی ترک کو میں دن کی میعاد لگا کر

شیخ بائزید کے پاس بھیجا۔ جمعہ کے دن ذی الحجہ کی دوسری تاریخ سے وظیفہ پڑھنا شروع کیا جو اکتالیس دفعہ پڑھا جاتا ہو۔ اسی زمانہ میں اپنے ہتھیار کو جو پانے چار وزنوں میں لکھے تھے مٹا دیا۔ ان دنوں میں میری طبیعت پھر علیل ہو گئی۔ دو دن تک ناساز رہی۔ ہفتہ کے دن اکتیسویں ذی الحجہ کو کوئل اور سببھل کی طرف روانہ ہوا۔

سلسلہ ہجری کے واقعات

محرم کی پہلی تاریخ کو کول میں ہم پہنچے۔ ہمایوں نے درویش اور علی پوسٹ کو سبھل میں متعین کیا تھا۔ انہوں نے ایک دریا سے پار ہو کر قطب شاہ شروانی اور کئی راجاؤں کی خوب خبر لی۔ انکے بہت لوگ قتل کیے۔ کچھ لوگوں کے سر اور کئی ہاتھ حضور میں بھیجے۔ میں کول ہی میں تھا کہ یہ چیزیں پیش ہوئیں۔ دو دن کول کی سیر کی۔ اور شیخ گورن کی استدعا سے اُسی کے مکان میں میں ٹھہرا۔ اُسے دعوت بھی کی اور پیشکش بھی کی۔ کول سے اترو لی میں آیا۔ چار شنبہ کو گنگا سے اتر کر بخشنبہ کو سبھل میں داخل ہوا۔ دو دن تک سبھل کی سیر کرتا رہا۔ ہفتہ کے دن صبح کو سبھل سے مراجعت کی۔ یکشنبہ کو سکندرے میں آ گیا۔ اور داؤد شروانی کے مکان میں فروکش ہوا۔ اُس نے آتش حاضر کی اور وہ بہت خند منگناری کرتا رہا۔ وہاں سے اندھیرے مٹنے ہوا۔ راستہ میں ایک بہانہ کر کے سب سے جدا ہوا۔ اور گھوڑا دوڑا کر اگرہ سے کوس بھر دے تک تنہا آیا۔ پھر ساتھ والے نیچے سے آگئے۔ دو پہر بعد اگرہ میں داخلہ ہو گیا۔ محرم کی آٹھویں تاریخ اتوار کے دن مجھے جاڑے سے بخار چڑھا۔ اور تپیں چھپیں دن تک رہا۔ بخوابی اور نشنگی سے بہت تکلیف اٹھائی۔ تپ روز ترقی پکڑتی جاتی تھی۔ رات کی نیند بالکل اڑ گئی تھی۔ اور رات بھر بقراری رہتی تھی۔ جو نسخہ تجویز ہوا تھا وہ پیا گیا۔ اور آخر اُسی سے آرام ہو گیا۔ ہفتہ کے دن اٹھائیسویں تاریخ فجر جہاں بیگم وغیرہ آئیں۔ کشتی میں سوار ہو سکندر آباد سے اوپر کی جانب سب سے جا کر ملا۔ اتوار کے دن استاد علی قلی نے بڑی توپ چھوڑی۔ اگرچہ گولا دور تک گیا لیکن توپ کے ٹکڑے اڑ گئے۔ اُسکا ہر ٹکڑا ادھر ادھر لوگوں میں جا کر گرا۔ آٹھ آدمی مرے۔ پیر کے دن ساتویں ربیع الاول کو سیکری کی سیر کر پے گیا۔ وہاں کے تالاب میں جو ہشت پہلو چوترہ بنائے کا حکم دیا تھا وہ تیار ہو گیا تھا۔ کشتی میں بیٹھ کر چوترہ پر گیا۔ شاہیانا کھنچو اکڑ بیٹھا۔ اور معجون کھائی۔ پھر سیکری سے واپس آیا۔

چندیری پرورش | چودھویں ربیع الاول شب دوشنبہ کو جہاد کی نیت سے چندیری کی طرف جانیکا قصد کیا۔ تین کوس کی منزل کے جلیسر میں قیام ہوا۔ سامان اور اسباب درست کر نیچے لیے دو دن تک یہاں قیام رہا۔ بخشنبہ کو کوئل کیا۔ اور اتوار میں شکر اُترا۔ اتوار سے کشتی میں بیٹھ کر میں چند وار میں آیا۔ چند وار سے کوچ کر کوچ چلے۔ اور پہچون اٹھائیسویں ربیع

کنارے کے گھاٹ پر اترے۔ جمہرات کے دن دوسری رسیعہ لاکھ کو میں نے دریا سے عبور کیا۔ چار پانچ دن تک دیکے اس کنارہ اور اُس کنارہ پر اہل لشکر کے اترنے کے واسطے ٹھہرنا پڑا۔ ان چند دنوں میں متواتر میں کشتی میں سوار ہوا اور معجون کا استعمال کیا۔ کنارے کے گھاٹ سے قبیل ندی کے طے کی جگہ دو ایک کو س اور پر کی جانب ہے۔ جمعہ کے دن دریا کے قبیل میں کشتی میں سوار ہو کر میں چلا اور اُس کے طے کی جگہ ہوتا ہوا لشکر میں آیا۔ اگرچہ شیخ بایزید نے کھلم کھلا تو کوئی مخالفت نہ کی تھی مگر اُسکی ترکیب سے معلوم ہوتا تھا کہ اُس کے دل میں کھوٹ ہے۔ اسی خیال سے محمد علی جنگ جنگ کو لشکر سے جدا کر کے بھیجا کہ قنوج سے محمد سلطان میرزا کو اور اُسکی نواح سے اور امرا (جیسے قاسم سلطان۔ تیمور سلطان۔ ملک قاسم کوکی۔ ابو احمد نیزہ باز۔ بنو چیل اور اُس کے بھائی ہند دریا خانی) کو اکٹھا کرے۔ اور سب ملکر باغی افغانوں پر چڑھائی کریں۔ شیخ بایزید کو بھلائیں۔ اگر سچے دل سے چلائے تو ساتھ لے لیں اور جو نہ آئے تو پہلے اُسی کی خبر لیں۔ محمد علی نے کئی ہاتی مانگے۔ دس ہاتی اُسکو دیے۔ محمد علی کے ساتھ بابا چہرہ کو بھی جانی کا حکم دیا۔ کنارے سے ایک منزل کشتی میں چلنا ہوا۔ چار شنبہ آٹھویں ریح الثانی کو کاپلی سے ایک کو س پر ڈیرے ہوئے۔ بابا سلطان (سلطان سعید کا سگا بھائی اور سلطان غلیل کا بیٹا) اسی منزل میں حاضر ہوا۔ اگلے برس اپنے بھائی کے پاس سے بھاگا تھا۔ مگر پشیمان ہو کر اندراب کی حد سے اُٹا پھر گیا تھا۔ جب وہ کاشغر کے پاس پہنچا تھا تو خان نے حیدر میرزا کو بھیج کر واپس بلا لیا تھا۔ دوسرے دن ہمارا لشکر کاپلی میں پہنچا۔ میں خان عالم کے مکان میں اُترا ہندو طرز سے اُس نے آتش وغیرہ کی دعوت کی اور نذر دی۔ پیر کے دن تیرھویں تاریخ کاپلی سے کوچ ہوا۔ جمعہ کے دن ایرج پور میں لشکر اُترا۔ اور ہفتہ کو باندہر میں پہنچا۔ اتوار کے دن اُنیسویں تاریخ چھ سائہزار فوج چین تیمور سلطان کے زیر حکم اپنے سے آگے چندیری کی طرف روانہ کی گئی۔ باقی۔ ملنگ بیٹی بردی بیگ توج بیگ۔ عاشق بکاول۔ ملا یاق۔ محسن و ولدنی اور شیخ گھورن (امراے ہند میں سے) سردار اس لشکر میں شامل تھے۔ جمعہ کے دن جو بیویں تاریخ کجوا کے قریب لشکر اُترا۔ کجوا والوں کو امن دیا گیا۔ اور کجوا بدرا الدین کے بیٹے کو دیا۔ کجوا دلچسپ جگہ ہے۔ اُس کے گرد چھوٹے پھوٹے پہاڑ ہیں۔ کجوا شمال مشرق کی جانب پہاڑ میں ایک بند باندھا ہے جس سے ایک بڑا تالاب ہو گیا۔ اُس کا گردا والا پانچ چھ کو س کا ہو گا۔ اس تالاب نے کجوا کو تین طرف سے گھیر لیا ہے۔ مغرب اور شمال کی طرف کسی قدر زمین خشک ہے۔ اسی طرف کجوا کا دروازہ ہے۔ اس تالاب میں ایسی چھوٹی چھوٹی کشتیاں پڑی رہتی ہیں جن میں تین چار آدمی مشکل سے بیٹھیں۔ جب یہاں والے بھاگتے ہیں تو انہی کشتیوں میں بیٹھ کر پانی میں آ جاتے ہیں۔ کجوا کے راستہ میں دو جگہ اسی طرح بند باندھا ہے اور دو تالاب بنا دیے ہیں جو کجوا کے تالاب سے بہت چھوٹے ہیں۔ کجوا میں ایک دن ٹھہرا۔ بیلہ اروں وغیرہ کو حکم دیا گیا کہ راستہ درست کر دیں اور جھارڈی کے درخت کاٹ ڈالیں تاکہ توپوں اور چھکڑوں کے لیے رستہ ہو جائے کجوا اور چندیری کے

پنج میں بڑی جھاڑی ہے۔ گوا سے ایک منزل چلکر چندیری سے تین کوس ورے دریائے برہانپور کے ہم پار ہوئے۔ چندیری کا قلعہ پہاڑ پر ہے۔ شہر کی چار دیواری پہاڑ سے باہر ہے۔ اور شہر پہاڑ کے اندر بتا ہے۔ ایسا صاف راستہ جس میں چھکڑا وغیرہ چل سکے شہر کی دیوار کے نیچے سے ہے۔ برہانپور سے کوچ ہوا اور اراہوں کے سبب سے چندیری کے کوس بھر نیچے کی جانب جانا پڑا۔ ایک منزل پنج میں کی بنگل کے دن اٹھائیسویں تاریخ حوض بھجت خاں کے کنارہ پر بند کے اوپر کی طرف ڈیرے ڈالی گئے۔ دوسرے دن سوار ہو کر شہر کے گرد و قول۔ جزانفار اور برانفار کے مورچوں کی جاسے مقرر کر دی گئیں۔ انہوں نے گولے برسانے کے لیے ایک نیچی جائے تھوڑی سی۔ بیلدار اور محصل معین ہوئے کہ جہاں توپیں کھڑی کجائیں وہاں مورچے بنا دو۔ تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ سیڑھیاں اور کنڈیں جو اسباب قلعہ گیری ہیں تیار کر لو۔

چندیری کی حکومت کا مختصر حال پہلے چندیری بادشاہان ہندوستان کے تحت میں تھی سلطان

بادشاہ ہوا جواب وہاں موجود ہے۔ اور دوسرا بیٹا محمد شاہ چندیری کو دوبار بیٹھا۔ محمد شاہ نے سلطان سکندر سے التجا کی۔ سلطان نے اپنی بہت سی فوج اُسکی مدد کے لیے بھیج دی۔ سلطان سکندر کے بعد سلطان ابراہیم کے زمانہ میں محمد شاہ فوت ہو گیا۔ اُسکا خور د سال بیٹا احمد شاہ جانشین ہوا۔ سلطان ابراہیم نے اُس سے چندیری چھین لی۔ اور اپنی طرف سے وہاں حاکم مقرر کر دیا۔ جب میں نے سلطان ابراہیم پر فوج کشی کی اور میں دھولپور تک آ گیا اور امرائے ابراہیم نے مجھ سے مخالفت کی تو اُسی زمانہ میں چندیری کو رانا ساٹھگانے دبا لیا اور اپنے ایک سردار میدنی راؤ کو دیدی۔

میدنی راؤ سے صلح ہوئی ان دنوں میں میدنی راؤ چارپانچ ہزار فوج ہنود کے ساتھ تھا

کو شیخ گھوڑوں کے ہمراہ بھیجا کہ اُس کو فہمائش کی گئی۔ چندیری کے بدلے میں شمس آباد دینے کا وعدہ کیا۔ اُس کے بھی دو ایک سردار آئے۔ معلوم نہیں کہ اُس کو اعتبار نہ آیا یا قلعہ پر بھروسہ ہوا۔ مدعا یہ کہ کوئی صلح کی صورت نہ نکلی بنگل کے دن جمادی الاول کی چھٹی کو چندیری پر حملہ کر نیکی لیے بھجت خاں کے حوض سے ہم نے کوچ کیا۔ اور جو حوض درمیان میں شہر کی تفصیل کے قریب تھا اُس کے کنارے پر ہمارا لشکر ٹھہرا۔ اسی دن خلیفہ دو ایک خط لے ہوئے آیا۔ محلوں کا مضمون تھا کہ جو فوج پورب کی جانب گئی تھی وہ وہاں جا کر اندھا دھند لڑی۔ آخر اُس نے شکست کھائی، اور لکھنؤ چھوڑ کر قنوج میں آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ خلیفہ اس خبر سے شگایا ہوا ہے۔ میں نے کہا تڑپ اور اندیشہ و اہیات ہے۔ جو خدا چاہے گا وہ ہوگا۔ چونکہ یہ ہم درپیش ہے اس لیے دم نہ مارو اور خاموش رہو۔ کل اس شہر پر تو حملہ کرتے ہیں بعد اُسکے دیکھا جائیگا۔ دشمنوں نے قلعہ کو بھی مضبوط کر لیا

اور شہر کی دیوار پر بھی اکاؤٹ کا آدمی موجود رہتا تھا۔ رات کو ہر طرف سے ہمارے لشکر والوں کو مقابلہ میں شہر سے لوگ نکلے۔ مگر تھوڑے تھے کچھ سرکہ آرائی نہیں ہوئی۔ سب بھاگ کر قلعہ میں چلے گئے۔

چندیری کی لڑائی اور فتح | بدھ کے دن جمادی الاول کی ساتویں کو میں نے حکم دیا کہ فوج آراستہ ہو کر اپنے اپنے مورچوں پر جائے اور لڑائی شروع کرے۔

جس وقت میں نشان اور نقارہ کے ساتھ سوار ہوں اُس وقت ہر طرف کی فوج حملہ کرے۔ مُنہ بھڑھوتے تک نقارہ اور علم موقوف رکھ کر اُستاد علی قلی کی گولہ اندازی کی میں سیر کرنے گیا۔ تین چار گولے مارے۔ یہ مقام پست تھا اور قلعہ کی سنگین دیوار اونچی تھی۔ اس واسطے گولوں نے کام نہ دیا۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ چندیری کا قلعہ پہاڑ پر ہے۔ اُس کی ایک سمت کی فصیل دریا کے سبب سے دُہری بنائی ہے۔ یہ دُہری فصیل پہاڑ سے نیچے ہے۔ یہی جگہ ایسی ہے جہاں سے دھاوا کر سکتے ہیں قول کے چپ و راست اور پائین خاصہ کے مورچے یہیں تھے۔ لڑائی تو چاروں طرف ہونے لگی مگر ادھر حملہ کے ارادہ سے زور دیا گیا۔ ہر چند ہندوؤں نے فصیل پر سے پتھر پھینکے اور آگ لگا کر پھینکی لیکن ہمارے جوان و سپاہیوں نے مُنہ نہ پھیرا۔ آخر جہاں شہر کی فصیل دُہری فصیل سے ملی ہوئی تھی وہاں سے شاہم نواز بیگ اور چڑھ گیا۔ دو تین جائے سے اور سپاہی بھی جو قریب تھے چڑھ گئے۔ دُہری فصیل پر قبضہ ہندی فوج تھی وہ بھاگ گئی۔ یہ مقام اُن سے چھین لیا گیا۔ اوپر قلعہ والے بھی زیادہ نہ ٹھہر سکے اور بھاگ نکلے۔ ہمارے بہت سے سپاہی قلعہ پر چڑھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہندو لوگ ننگے ہو کر لڑنے لگے۔ ہمارے اکثر سپاہیوں کے مُنہ پھیر دیے اور فصیل پر چڑھ آئے۔ بہت آدمی اس موقع پر مارے گئے۔ ہندو فصیل پر سے جلد اس لیے بھاگ گئے تھے کہ اُنکو اپنے اور متعلقوں کے گرفتار ہونے کا خوف ہو گیا تھا۔ بال بچوں کو قتل کر اپنے مرنے کی ٹھان ننگے ہو کر لڑنے کے لیے آجودہ ہوئے۔ ہماری فوج نے بھی اور اُنہوں نے بھی دل توڑ کر لڑنا شروع کیا۔ آخر فصیل پر سے اُنکو بھگا دیا۔ دو سے تین سے ہندو سیدنی راؤ کے محل میں گھس آئے۔ یہاں اکثروں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ چنانچہ ایک تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور دوسروں میں سے ایک ایک نے خوشی خوشی اُس کے آگے گردن رکھ دی۔ اس طرح بہت ہندو مارے گئے۔ عنایت الہی سے ایسا قلعہ بے علم و نقارہ لائے اور بغیر سخت لڑائی کے دو تین گھنٹی میں فتح ہو گیا۔ چندیری کے غرب شمال میں جو پہاڑ ہے اُس پر متھولوں کے سروں کا کلمہ منارہ چُنوا دیا گیا۔ اس فتح کی تاریخ کا مادہ ”فتح دار الحرب“ نکلا۔ میں نے اسکو یوں موزوں کیا۔ قارمخ۔

بود چند ہے مقام چندیری پر ز کفتار داد حربی ضرب

فتح کر دم بہ حرب قلعہ او گشت تار تار فتح دار الحسب
 چندیری عمدہ ملک ہے۔ اسکی نواح میں بہت آبشاریں ہیں۔ اس کا
چندیری کا مختصر حال قلعہ پار پر ہے قلعہ میں پتھر کا ایک بڑا حوض بنا ہوا ہے جس دہری
 فیصل کے مقام سے ہم نے حملہ کیا ہے وہاں بھی ایک بڑا حوض ہے۔ شہر کے تمام شرفا اور مقدور داروں
 کے مکانات تو ترشے ہوئے پتھر سے بنے ہوئے ہیں اور غبا کے مکان بھی پتھر ہی کے ہیں۔ اتنا ہی کہ
 غریبوں کے مکان تراشیدہ پتھر کے نہیں ہیں۔ کھیرل کی جگہ چھتیس سلوں سے پٹی ہوئی ہیں۔ قلعہ کے
 سامنے تین بڑے حوض ہیں۔ اگلے حاکموں نے ادمر ادمر بند باندھ کر اونچے مقاموں پر حوض
 بنا دیے ہیں۔ ایک ندی ہے جسکو ہنوی کہتے ہیں۔ یہ ندی چندیری سے تین کوس پر ہوگی
 اسکا پانی مزے میں اور عمدگی میں مشہور ہے۔ وہ ایک خاصا چھوٹا دریا ہے۔ اس میں مکان
 بنانے کے قابل ایک ٹیلا ہے۔ چندیری اگرہ سے توڑے کوس جنوب میں ہے۔ چندیری میں
 ارتفاع صدی پچیس درجہ کا ہے۔ دوسرے دن جمعات کو قلعہ سے کوچ ہوا اور ملو خاں کے
 حوض کے قریب لشکر اتر ا۔ اگرہ سے چلتے وقت میری نیت تھی کہ چندیری فتح ہو جائیکے بعد
 رائے سین کے ملک اور راول سکھدین کے ملک پر جو بلیکے اور سارنگ پور سے چڑھائی کرونگا۔
 انکو مار لوں گا تو پھر چتور میں رانا ساٹنگا کے سر پرچادھکوں گا مگر پورب کی پریشان خبریں سنکر امر
 مشورہ کیا۔ باتفاق آرا پورب کے باغیوں کی سرکوبی زیادہ مناسب معلوم ہوئی۔ چندیری احمد شاہ
 کو جو سلطان ناصر الدین کا پوتا تھا دیدی۔ اور پچاس لاکھ کا ملک چندیری کے علاقہ میں ہے
 داخل خالصہ کر لیا گیا۔ اور ملا آفاق کو وہاں کا شہد ار کر دیا۔ دو تین ہزار فوج کی چھاؤنی احمد
 کی مدد کے لیے وہاں ڈال دی گئی۔

پورب کے باغیوں پر پورب اور فتح اس جانب سے فاسرغ ہو کر اتوار کے دن گیا راجپوت دی لاؤ
 کو مراجعت کے قصد سے ملو خاں کے حوض پر ہوا ٹھکر
 دریاے برہانپور کے کنارہ پر ڈیرے ہوئے۔ پھر باندہیر سے ایک آدمی آئیکہ خواجہ اور جعفر خواجہ کے
 پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ کاپی سے کنارے گھاٹ پر کشتیاں لے آؤ۔ ہفتہ کے دن چوبیسویں تاریخ
 کنارہ پر ٹھکر کریں نے حکم دیا کہ لشکر عبور کرنا شروع کرے۔ ان دنوں میں خبر آئی کہ ہماری فوج
 نے قنوج کو بھی چھوڑ دیا۔ وہ رابری میں آگئی ہے۔ شمس آباد کو ابوالمجد نیزہ باز نے مستحکم
 کر لیا تھا۔ مگر دشمنوں کی فوج کثیر نے حملہ کر کے چھین لیا۔ لشکر کے عبور کرنے کے واسطے تین چار دن
 دریا کے اس طرف اور اس طرف قیام کرنا پڑا۔ دریا سے پار ہو منزل در منزل قنوج کی طرف ہم
 چلتے۔ آتوں کا ایک دستہ دشمنوں کی سُن گُن لینے کے لیے آگے روانہ کیا۔ قنوج انے دو تین کوس

فاصلہ پر رہا ہو گا جو خبر آئی کہ اس دستہ فوج کے سپاہی دکھائی دیتے ہی قنوج سے معروف کا بیٹا بھاگ نکلا۔ اور بایزید۔ بہن اور معروف ہمارے آنیکی لشکر گنگا کے پار ہو قنوج کے قریب گنگا کے شرقی کنارہ پر رستہ روکنے کے خیال سے پڑے ہوئے ہیں۔ جمعات چھٹی جمادی الاخرہ کو قنوج سے چلے اور گنگا کے غریب کنارہ پر ہم اترے۔ ہماری فوج کے کچھ سپاہی گئے۔ اور مخالفوں کی کشتیاں زبردستی چھین لائے۔ تیس چالیس کشتیاں چھوٹی بڑی ادھر ادھر سے ہاتھ لگیں۔ میر محمد جالہ بان کو حکم دیا کہ جائے اور پل باندھنے کے لیے مناسب جگہ تجویز کرے۔ جہاں لشکر پڑا ہوا تھا وہاں سے کوس بھر نیچے کی جانب عمدہ جگہ تجویز کر کے وہ آیا۔ پل باندھنے کا سامان و اسباب مہیا کر نیچے لیے محصل مقرر کیے۔ جس جائے پل باندھنے کی تجویز ہوئی تھی اُس جگہ استاد علی قلی نے ایک توپ لاکر کھڑی کر دی۔ اور گولے مارنے شروع کر دیے۔ مغرب کو بعد بابا سلطان اور درویش سلطان دس پندرہ آدمی کو ساتھ لے اور کشتی میں بیٹھ بے دیکھے بھالے پار چلے گئے۔ بے رٹے بھڑے واپس آئے۔ میں نے اُنکی اس حرکت پر اُنکو بہت جھڑکا دو ایک بار ملک قاسم نخل سے کچھ سپاہیوں کے کشتی میں بٹھیکر پار گیا۔ اس سے خفیہ سی لڑائی بھی ہوئی۔ جہاں پل باندھ رہے تھے وہاں سے نیچے کی جانب توپوں کے اراہوں میں سے ایک اراہ اُتار دیا۔ اور ایک ٹاپو میں جا کر وہاں سے گولے مارنے شروع کیے۔ پل سے اوپر کی جانب مورچے باندھ دیے۔ مورچوں کی دیواروں پر سے بندو قچیوں نے گولیاں برسائیں۔ آخر دھوا کر کے تھوڑے سے آدمیوں سے ملک قاسم نے دشمنوں کو مار کر خمیوں تک ہٹا دیا۔ دشمن کے بہت سے سپاہی ایک ہائی سمیت اُن پر حملہ آور ہوئے۔ اور اُنکو پیچھے ہٹا دیا۔ یہ لوگ کشتی میں آگے دُکشتی کے ہوانہ ہوتے ہوتے ہائی نے آکر کشتی ڈبو دی۔ ملک قاسم اس لڑائی میں کام آیا۔ پل بندھنے تک زمانہ میں استاد علی قلی نے خوب گولا باری کی۔ پہلے دن آٹھ گولے مارے۔ دوسرے دن اٹھارہ گولے مارے۔ تین چاروں تک اسی طرح گولے مارتا رہا۔ یہ گولے غازی نام توپ سے مارے تھے۔ اسی توپ کے سانگہ کی لڑائی میں کام لیا تھا۔ اور لڑائی فتح ہو نیکی سبب اسکا نام غازی رکھا تھا۔ ایک توپ اس سے بڑی تھی۔ ایک ہی دفعہ چھٹ کر وہ پھٹ گئی۔ بندو قچیوں نے بھی گولیوں کی بوچھاڑ خوب رکھی۔ بہت لوگ اور بہت گھوڑے گرائے۔ پل تیار ہوتے ہی بدھ کے دن انیسویں جمادی الاخرہ کو ہمارے ڈیرے پل کے پاس آ پڑے۔ افغانوں نے پل باندھنے پر بڑی توجہ مادیہ جمعات کو پل بالکل تیار ہو گیا۔ پنجابی فوج کے کچھ سپاہی پل سے اترے۔ کسی قدر لڑائی بھی ہوئی۔ جمعہ کے دن فوج خاص۔ قول کے دست راست اور دست چپ میں سے کچھ سپاہی اور بندو قچی پل سے اترے۔ افغانوں نے مسلح ہو کر اور ہاتیوں کو ساتھ لیکر ہم پر حملہ کیا کہ ایک دفعہ ہی

ہمارے دست چپ والوں کے پاؤں اُکھڑ دیے۔ قول اور دست راست والے قائم رہے۔ اور انہوں نے دشمنوں کو مار کر ہٹا دیا۔ دو آدمی ہماری فوج میں سے جُدا ہو کر دھوہہ گئے تھے اُنکو اُن گھیرا۔ ایک کو تو گرفتار کر لیا۔ دوسرے کو اُسکے گھوڑے سمیت خوب مارا۔ اُسکا گھوڑا اگر تا پڑتا اپنے لشکر میں آں ملا۔ اسی دن ہمارے سپاہی سات آٹھ آدمیوں کے سر کاٹ لائے۔ دشمنوں کے بہت لوگ تیروں اور بند و قوں سے زخمی ہوئے۔ ظہر کے وقت تک ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ نام ہوتے ہی پُل پر سے اُترنے والی فوج کو پٹا لیا۔ اگر اس رات وہیں رہ جاتے تو احتمال تھا کہ اکثر لوگ گرفتار ہو جاتے۔ مجھے خیال آیا کہ اگلے برس ہفتہ کو نوروز ہوا تھا۔ اُسی دن سیکڑی سے سانچا کی لڑائی کے لیے میں نے کوچ کیا تھا۔ اور فتح پائی تھی۔ اس سال چار شنبہ کو نوروز کے دن اُن شنبوں کے مقابلہ کے واسطے ردا نگلی کا قصد کیا ہے۔ اگر اتوار کو میری فتح ہو جائے تو عجیب بات ہے۔ اسی واسطے ایک کو بھی پُل کے پار نہ ہونے دیا۔ ہفتہ کے دن غنیمت مقابلہ پر نہ آیا۔ دوری دور رہا۔ آج میں نے ارابے پار اُتر وادیے۔ فوج کو حکم دیا کہ صبح لوگ عبور کرنا شروع کریں۔ نثارہ کے وقت خبر آئی کہ غنیمت بھاگ گیا۔ چن تیمور سلطان کو حکم دیا کہ لشکر تیار کر کے فہنیم کے تعاقب میں جائے۔ محمد علی جنک جنک۔ حسام الدین علی خلیفہ۔ محب علی خلیفہ (کوئی)۔ بابا نقشہ (دوست محمد)۔ بابا نقشہ باقی تاشقندی اور وائی قرلباش کو حکم دیا کہ سلطان کے ساتھ جاؤ۔ اور سلطان کا حکم اتنے رہو۔ رات کو میں بھی دریا سے پار اُترا۔ اونٹوں کے لیے حکم ہوا کہ وہ اُس گھاٹ کے نیچے کی جانب سے اُتریں جو تجوئز ہوا ہے۔ اتوار کے دن ہم سنکرمود سے ایک کوس کے فاصلہ پر ایک بڑے دریا کے کنارے پر اُترے۔ جو فوج دشمن کے پیچھے پیچھے جانے والی تھی وہ تیار نہ ہوئی تھی۔ آج ظہر کے وقت وہ فوج سنکرمود سے روانہ ہوئی۔ دوسرے روز سنکرمود والے تالاب پر لشکر اُترا۔ آج ہی تو غنیمت سلطان (میرے چھوٹے دادا کا بیٹا) مجھ سے آکر ملا۔ ہفتہ کے دن اُنیتسویں جمادی الاخرے کو لکھنؤ کی سیکڑی دریا کے گومتی سے پار ہم اُترے۔ میں دریا کے گومتی میں نہایا۔ نہ معلوم کان میں پانی چلا گیا یا ہوا لگی۔ کسی سبب سے میرا سیدھا کان گنگ ہو گیا۔ مگر چند روز رہا۔ اور بہت درد نہیں ہوا۔ چن تیمور سلطان لشکر سے دو تین منزل آگے گیا ہو گا کہ اُس نے کہلا بھیجا غنیمت سرود دریا کے اُس طرف پڑا ہوا ہے جلدی ملک بھیجے۔ ایک قزاق سردار ہزار آدمیوں کے ساتھ قول میں سے مدد کے لیے روانہ کیا۔ ہفتہ کے دن ساتویں رجب کو اودھ سے دو تین کوس اوپر کی جانب گھاگرا اور سرود دریاؤں کے ملنے کی جگہ لشکر کا قیام ہوا۔ سرود دریا کے پار اودھ کے سامنے آج تک شیخ بائزید پڑا ہوا اور سلطان سے کتابت میں گفتگو کرتا رہا۔ سلطان اُسکی چال سمجھ گیا۔ ظہر کے وقت اُسے پار ہونیکا انتظام کیا۔ اور ارادہ کر لیا کہ انتظام ہوتے ہی پار ہو جائیں گے۔ اول کوئی پچاس سوار اور دو تین چار ہائی آدمی

روانہ کیے۔ دشمن نہ ٹھہر سکا۔ بھاگ نکلا۔ ان لوگوں نے چند آدمیوں کے سرکاٹ لیے جسے تیمور سلطان تروی بیگ۔ قوج بیگ۔ بابا چہرہ اور باقی شقاول وغیرہم بھی ان کے بعد جا پہنچے۔ آگے اترنے والوں نے شیخ بایزید کو آگے رکھ لیا۔ شام تک اُسکا پیچھا کیا۔ آخر شیخ بایزید تو بن میں جا گھسا اور یوں اُسے اپنا پیچھا چھڑایا۔ جسے تیمور سلطان شام کو دریا کے کنارے پر ٹھہرا۔ پھر آدھی رات کو سوار ہو کر غنیمت پیچھے گیا۔ چالیس کوس کا راستہ طے کر کے جہاں غنیمت کا پڑاؤ تھا وہاں پہنچا۔ لوگ بھاگ گئے تھے۔ یہاں سے فوج کی ٹکڑیاں الگ الگ ہو کر چاروں طرف چلی گئیں۔ باقی شقاول کچھ سپاہیوں کو ہمراہ لے دشمن کے پیچھے چلا۔ اُن کے پڑاؤ پر پہنچا اور اُن کے بال بچے گرفتار کر لیا۔ یہاں کے انشطار کے لیے چند روز اسی منزل میں قیام رہا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ اودھ سے سات آٹھ کوس دور کی جانب سرود دریا کے کنارے پر ایک عمدہ شکار گاہ ہے۔ میں نے میر محمد جالہ بان کو گھاٹ دریافت کرنے بھیجا۔ وہ دریائے گھاگرا اور سرود کے گھاٹوں کو دیکھ آیا۔ جمعرات کے دن بارھویں تاریخ شکار کھیلنے کے لیے میں سوار ہوا۔

۹۳۵ ہجری کے واقعات

جموعہ کے دن محرم کی تیسری تاریخ عسکری آیا۔ اور خلوت خانہ میں اُسے ملازمت حاصل کی جس نے اُسے ملتان کی ضرورت کے لیے بلایا تھا۔ دوسرے دن میر مورخ۔ مولانا شہاب الدین معانی اور میرابراہیم قانونی (یونس علی کا قرابت دار) جو مدت سے میرے ملنے کے لیے ہر سی سے چلے آئے تھے مجھ سے ملے۔

گو الیار کی سیر کو جانا | پانچویں تاریخ اتوار کے دن عصر کے وقت گو الیار کی سیر کے خیال ہو جسکو کتابوں میں کاتبور لکھا ہے جتنا سے پار ہو کر آگرہ میں میں آیا فتح چانگ اور خدیجہ بیگم کا ارادہ ان دو تین ہی دن میں کابل جانیکا تھا۔ اُن کو رخصت کیا اور میں سوار ہو گیا۔ محمد زمان میرزا اجازت لیکر آگرہ میں رہ گیا۔

میں ات کو پانچ کوس کی منزل کر کے ایک بڑے تالاب کے کنارے پر اُترا اور سو رہا۔ صبح کی نماز اول وقت پڑھ کر سوار ہو گیا۔ کیسٹرندی کے کنارے پر دو پہر گزادی۔ ظہر کے وقت وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ ملازمت فیض آباد جو سفوف کیف کے لیے تیار کیا تھا وہ تادریقان کے ساتھ پھانکا۔ بہت ہی بد مزہ معلوم ہوا۔ عصر کے بعد ہم دھوپور پہنچے۔ دھوپور سے کوس بھر پر مغرب کی جانب جس باغ کو تیار کروایا تھا اُس میں اترے۔ اس جائے پہاڑ کی پوری مینی گاہ ہے اور یہ مینی گاہ ساری سنگ سرخ کی اور ایک پتھر کی ہے جو قابل مکان بنانے کے ہے۔ میں نے حکم دیا تھا کہ اس پہاڑ کو کھود کر زمین تک پہنچا دو۔

اگر ایک پتھر اتنا اونچا رہے کہ ایک پتھر کا ترشا ہوا مکان بن سکے تو بناؤ۔ اور اگر اتنا بلند نہ ہو تو اس پتھر کا ایک حوض بناؤ۔ اتنا اونچا پتھر نہ نکلا کہ مکان بنجاتا۔ استاد شاہ محمد سنگتراش کو حکم دیا کہ ایک مٹھن حوض اس پتھر پر جو صحن ہو گیا ہے تیار کرو۔ تاکید کی گئی کہ سنگتراش جلدی جلدی کام کریں اس جائے کے شمال میں آم۔ جامن اور اور قسم کے بہت درخت ہیں۔ ان درختوں میں ایک وہ درختوں تیار کر نیکا حکم دیا گیا تھا۔ یہ کنواں تیار ہونیکو تھا۔ اسی کنوئیں سے حوض میں پانی جائیگا۔ اس حوض کے مغرب میں سلطان سکندر والا بند تھا۔ بند پر سلطان کے بنائے ہوئے مکان ہیں۔ بند کے اوپر بڑا تالاب بن گیا ہے۔ جس میں برسات کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ تالاب کے گرد دہاڑے۔ اس تالاب کے مشرق کی طرف ایک پتھر کا چوترہ تیار کرنے کے لیے میں نے حکم دیا۔ اُسکے مغرب میں ایک مسجد بنانیکے لیے بھی کہہ دیا۔ سہ شنبہ اور چہار شنبہ کو اسی کام کے واسطے پھیرا ہوا پنج شنبہ کو سوار ہو گیا۔ در نیکا چنبیل سے اتر کر ظہر کی نماز دریا کے کنارہ پر پڑھی۔ ظہر اور عصر کے درمیان میں چنبیل کے کنارہ سے چلا اور مغرب و عشا کے درمیان میں کو آری ندی سے پار ہو کر مقام کیا۔ بارش کی وجہ سے دریا چڑھا ہوا تھا۔ گھوڑے تیر کر اور میں کشتی میں بیٹھ کر پار ہوا۔ دوسرے دن جمعہ کو عشرہ تھا۔ یہاں سے کوچ کیا اور دوپہر ایک گاؤں میں کاٹی عشا کے وقت گوالیار میں داخل ہوا۔ اگلے سال میں نے شہر کے شمال میں کھس کے فاصلہ پر ایک چارباغ تیار کر نیکا حکم دیا تھا اُسی میں میں اُترا۔ دوسرے دن ظہر سے پہلے سوار ہوا اور شہر کے شمال میں جو پہاڑ میں اُنکی اور عید گاہ کی سیر کی۔ شہر کے ہتیا پول دروازہ سے جکے قریب راہ مان سنگھ کے محلات ہیں شہر میں آیا۔ وہاں سے راہ بکر ماجیت کے محلوں میں جن میں رحیم داد رہتا ہے عصر کے بعد آکر ٹھہرا۔ رات کو تھکان رفع ہونیکے لیے میں نے افیون کھالی۔ دوسرے دن افیون کے نشہ نے بہت تکلیف دی۔ کئی بار قے ہوئی۔ باوجود اس نشہ کے مان سنگھ اور بکر ماجیت کے تمام محلوں میں پھر کر میں سیر کی۔ عجیب مکانات ہیں۔ اگرچہ بے ڈول ہیں مگر سب پتھر کے ترشے ہوئے۔ سب سے راہ مان سنگھ کے محل عمدہ اور عالیشان ہیں۔ مان سنگھ کے محل کے اور اضلاع کی نسبت شرقی ضلع بڑا پر تکلف ہے۔ اسکی بندی تختیاں چالیس چپاس گز ہوگی۔ سب عمارت پتھر کی ترشی ہوئی ہے۔ اوپر چونا پھر اہوا ہے۔ بعض جگہ چو منرا مکان ہے۔ اور اس کے نیچے کی منزل میں اندھیرا گھپ ہے۔ بہت دیر ٹھہرنے کے بعد ذرا آجالا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے شمع کی روشنی میں سیر کی۔ اس عمارت کے ہر ضلع میں پانچ برج ہیں۔ ہر برج میں چار طرف ہندوستانی طریقہ سے پتھر برجیاں ہیں۔ ان پانچوں پر سنہری کٹنیاں ہیں۔ انکی دیواروں پر باہر کی طرف سبز چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ اسکے گرد و سبز چینی سے کیلوں کے درخت بنا دیے ہیں۔ شرقی ضلع کے برج میں ہتیا پول ہے۔ ہندوئی میں فیمل کو باقی اور دروازہ کو پول کہتے ہیں۔ دروازہ کے باہر سے مرغ پر ہانی کی سنگین تخت کھڑی کر دی ہے۔ اور اُس پر ہانی لان بھی بیٹھا ہوا ہے۔ یہ صورت

بالکل ہائی معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے اسکو تیا پول کہتے ہیں۔ جو چومنز لا مکان ہے اُسکے نیچے کی منزل ہائی پر اتنی جھکی ہوئی ہے کہ ہائی اُس سے ملتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اوپر کی منزل میں وہ برج ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ دوسری منزل میں نشست کی جگہ ہے۔ یہ بھی جگہ جگہ سے جھکے ہوئے بنائے ہیں مارچ اور تکلفات ہندوستانی طرز کے کیے ہیں مگر مکان گھٹے ہوئے ہیں۔ راجہ مان سنگھ کے بیٹے بکرماجیت کو محل قلعہ کے شمال میں ایک جائے کے بیچ میں ہیں۔ بیٹے کی عمارت باپ کی عمارت جیسی نہیں ہے۔ یہاں ایک بڑا برج بنا دیا ہے جس میں اتنا اندھیرا ہے کہ بہت دیر پھیرے رہنے کے بعد روشنی معلوم ہوتی ہے۔ اس بڑے گنبد کے نیچے ایک چھوٹا سا مکان ہے۔ اس تاریک مکان میں کہیں روشنی نہیں آتی۔ رحیم داد نے اسی برج میں ایک چھوٹا سا دالان بنایا ہے۔ رحیم داد اسی بکرماجیت کے محل میں رہتا ہے بکرماجیت کے محل میں سے اُسکے باپ کے محل میں جانیکا راستہ ہے۔ مگر اندر ہی اندر ہے۔ باہر سے معلوم نہیں ہوتا یہ راستہ کہیں کہیں سے روشن بھی ہے۔ خاصہ راستہ ہے۔ ان عمارتوں کی سیر کرنے کے بعد رحیم داد جو در سے بنایا ہے میں اُس میں گیا۔ رحیم داد نے قلعہ کے جنوب میں ایک باغ بھی بنایا ہے۔ تالاب کا کنارہ پر اُسکی بھی میں نے سیر کی۔ شام کو اُسی چار باغ میں جہان لشکر سے آکر ٹھہرا تھا آیا۔ اس باغ میں پھلوا ری بہت ہے۔ گلاب اور سرخ کنیر بہت عمدہ ہوتا ہے۔ یہاں کی کنیر کے پھول کا رنگ گل شفق لالو ہوتا ہے۔ گوالیار کا لال کنیر بڑا ہی خوش رنگ ہوتا ہے۔ میں نے گوالیار کا کنیر اگرہ کے باغ میں بھی لگایا۔

عالمیشان تہخانہ اس پہاڑ میں ایک جانب بڑا تالاب ہے۔ برساتی پانی اُس میں جمع ہوتا ہے۔ تالاب کے مغرب میں ایک عالمیشان تہخانہ ہے۔ سلطان شمس الدین التمش

نے اس تہخانہ کے پہلو میں ایک مسجد بنائی ہے۔ یہ تہخانہ اتنا بلند ہے کہ قلعہ میں اُس سے اونچی کوئی عمارت نہیں ہے۔ دھولپور کے پہاڑ پر سے گوالیار کا قلعہ اور یہ تہخانہ خوب نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس تہخانہ کا سارا پتھر اسی تالاب کو کھود کر لیا ہے۔ باغ میں ایک چوٹی دالان ہے۔ پست تو ہے مگر بڑا ہے۔ اس باغ میں ہندوستانی قطع کے بیہودہ مکانات بنے ہوئے ہیں۔

قلعہ کے باہر کی عمارتیں دوسرے دن ظہر کے وقت گوالیار کے قابل دید مقامات کی سیر کے لیے سوار ہوا قلعہ کے باہر کی عمارت جسکا نام بارل کر ہے دیکھی تیا پول

دروازہ سے نکل آؤ نام مقام کی سیر کی۔ او نام جس جائے کا نام ہے وہ قلعہ کے مغرب میں ایک درہ ہے اگرچہ یہ درہ قلعہ کی اُس فصیل سے جو پہاڑ پر ہے باہر ہے مگر اسی درہ کے منہ پر ڈھیری فصیل بنا دی ہے اس فصیل کی بلندی تیس چالیس گز کی ہوگی۔ اندر کی فصیل بہت لمبی ہے یہ فصیل اُس طرف لو اس طرف کی فصیل سے جا ملی ہے۔ اس فصیل کے بیچ میں اس سے نیچی ایک اور فصیل بنا دی ہے فصیل لڑی نہیں ہے

صرف حفاظت کے لیے کسی قدر بنائی ہے۔ اس فصیل کے اندر ایک باؤلی ہے۔ دس پندہ سیرھیوں کے نیچے بانی ہے۔ باؤلی والی فصیل اور بڑی فصیل سے اس میں پانی آتا ہے۔ اس کے دروازہ پر پہلا شمس الدین التمش کا نام پتھر پر کھود کر لگا دیا ہے۔ کتبہ لکھے ہوئے ہیں۔ باہر کی فصیل کے نیچے قلعہ کے باہر بڑا تالاب ہے۔ اس میں پانی کم رہتا ہے۔ غالباً اسکا پانی اود کے پانی میں چلا جاتا ہے۔ اود اور اس بڑے تالاب کے بیچ میں اور تالاب ہیں۔ شہر والے ان تالابوں کے پانی کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اس اود کی تین طرفوں اور بڑے تالاب کے قریب ایک پہاڑ ہے جسکے پتھر کا رنگ پیاز کے پتھر جیسا سرخ نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہر رنگ پتھر ہے۔ اود کے اطراف کے پہاڑ کا ایک ٹکڑا تراش کر چھوٹے بڑے بتوں کی موتیں بنائی ہیں۔ اس کے جنوب میں ایک بڑے بت کی صورت ہے۔ جو تقریباً سی گز کی ہوگی۔ ان سب بتوں کو جم ننگا بنایا ہے۔ ان دو بڑے تالابوں کے بیچ میں اود کے اندر کچیں کنوئیں بنائے ہیں۔ اس میں چن بنڈی بھی کی ہے۔ پھلواری لگائی ہے۔ چمنوں میں انہی کنوئیں سے پانی دیا جاتا ہے۔ اود دلچسپ جگہ ہے۔ اتنا عیب ہے کہ چاروں طرف اس میں بت ہی بت ہیں۔ میں نے حکم دیدیا کہ ان بتوں کو توڑ ڈالو۔ اود سے پھر میں قلعہ میں آیا۔ سلطانی پول جو ہندو کے عہد حکومت سے آج تک بند ہے اسکی سیر کی۔ شام کو ریشم داد کے باغ میں آیا۔

بکرماجیت پسر رانا سانگا سے مصالحت | سہ شنبہ چودھویں تاریخ رانا سانگا کے دوسرے بیٹے بکرماجیت کے پاس سے جو اپنی ماں پر داتنی

کے ساتھ قلعہ رنجنپور میں تھا لوگ آئے۔ جب میں گوا لیا رات لگا ہوں تو اُس سے پہلے اسواک دکرماجیت کا ایک معتبر سردار ہے کے پاس سے اطاعت اور خدمتگزاری کے پیغام آئے تھے۔ اور ستر لاکھ کے ملک عطا کرنے کی استدعا کی تھی۔ اُسے کہہ دیا گیا تھا کہ اگر رنجنپور کا قلعہ خالی کر دے تو اُسکی خواہش کے موافق جاگیر و گزاشت کردی جائیگی۔ یہ بات مقرر کر کے اُسکے آدمیوں کو رخصت کر دیا تھا۔ اور چونکہ میں گوا لیا رہتا تھا اس لیے کہہ دیا تھا کہ فلان دن گوا لیا میں حاضر ہو۔ یہ لوگ وقت مقررہ سے کئی دن پیچھے آئے۔ اسواک پدماتنی کا رشتہ دار ہے۔ اسنے یہ کیفیت دونوں ماں بیٹوں سے بیان کی۔ دونوں نے اسواک سے متفق رائے ہو کر اطاعت اور شرط قبول کر لی۔ رانا سانگا پاس سلطان محمود کا ایک تاج بکلاہ۔ زرین کمر بند تھا۔ جب اُسنے سلطان محمود کو پکڑا ہے تو یہ چیزیں لیکر چھوڑ دیا۔ وہ تاج وغیرہ بکرماجیت کے پاس تھا۔ اُس کے بڑے بھائی نے جواب اپنی باپ رانا کاجانشین سے اور چوہدری بقا بخش سے۔ ان چیزوں کے بھیجنے اور رنجنپور کے بدلے میں بیان لیتے کو کہلا بھیجا۔ میں نے بیان دینا تو منظور کیا مگر شمس آباد عرصہ میں دینا قبول کر لیا۔ اُس دن بکرماجیت کے آدمیوں کو خلعات و کمر رخصت کیا اور کہہ دیا کہ تمہوں میں بیانے آجاؤ۔

گوالیار کا بتخانہ | میں نے اس بلخ سے سوار ہو کر گوالیار کے بتخانہ کی سیر کی۔ بتخانہ میں بعض جائے دھڑے اور بعض جائے تہرے والاں ہیں۔ مگر اگلی وضع کے نیچے نیچے۔ اُنکے ازارہ کے پتھروں میں مجسمہ بت گندہ کیے ہوئے ہیں۔ بتخانے کے بعض ضلعے مدرسوں کی وضع کے ہیں۔ صدر مقام میں ایک بڑا اونچا برج ہے جس کے حجرے ایسے ہیں جیسے مدرسوں کے حجرے ہوتے ہیں۔ ہر حجرے کو اوپر پتھر کی تراشی ہوئی چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں۔ حجروں میں نیچے کی جانب کے پتھروں میں بت تراشے ہیں ان مقاموں کی سیر کر کے گوالیار کے غری دروازہ سے نکل قلند گوالیار کے جنوب میں ہوتا ہوا رحیم داؤد کے چارباغ میں جو تیار بول دروازہ کے سامنے ہے آکر ٹھہرا۔ رحیم داؤد نے ضیافت کا سامان کر رکھا تھا۔ عمدہ عمدہ کھانے کھائے اور بہت کچھ نذر کیا۔ تقریباً چار لاکھ کا نقد و جنس پیش کیا۔ شام کو میں یہاں اپنے چارباغ میں آگیا۔

آبشار | بدھ کے دن پندرھویں تاریخ ایک آبشار کی سیر کی۔ یہ مقام گوالیار کے جنوب مشرق میں چھ کوس کے فاصلہ پر ہوگا۔ میں فرود گاہ سے بہت رات سے سوار ہوا تھا۔ آبشار پر نظر کے بعد سچپا ہوا۔ اس آبشار کی کیفیت یہ ہے کہ ایک پہاڑ کے اونچے ٹکڑے سے جو گاچی کے برابر اونچا ٹوکا ایک آسیا سے کچھ زیادہ مقدار میں پانی گرتا ہے۔ جہاں پانی گرتا ہے وہاں نیچے کو خاصہ تالاب بن گیا ہے۔ اس آبشار کے اوپر پہاڑ کے ٹکڑے سے پانی ایک دفعہ گرتا ہوا آتا ہے جس جائے پانی گرتا ہے اُس جائے کے نیچے پتھر کی چٹان ہے۔ اس چٹان سے پانی اس طرح گرتا ہے کہ جائے گڑھے ہو گئے ہیں۔ پانی بہنے کے مقام کے کناروں پر چٹانیں ہیں جو بیٹھنے کے لائق ہیں۔ یہ پانی ہمیشہ جاری نہیں رہتا۔ اس جہرے پر ٹھیکر میں نے معجون کھائی۔ پھر اوپر جا کر اُس جائے کو دیکھا جہاں سے پانی بہتا شروع ہوا ہے۔ وہاں کی سیر کر کے ہم پلے اور ایک ٹیکرے پر دیر تک بیٹھے رہے۔ ساڑھے ساڑھے گھنٹے لگے اور گویے گانے لگے۔ ہمراہیوں میں سے جنہوں نے آبنوس (جسکو اہل ہند تیندو کہتے ہیں) نہ دیکھا تھا اُن کو دکھایا۔ وہاں سے اُٹھے اور پہاڑ کے نیچے آئے۔ مغرب اور عشا کے درمیان میں کوئچ کر دیا۔ ادھی رات کو ایک مقام پر میں سو رہا۔ پھر دن چڑھا ہوگا جو چارباغ میں آگیا۔ جمعہ کے دن سترھویں تاریخ سوچی نام ایک گاؤں کی (جو صلاح الدین کا وطن ہے) اور گاؤں کے اوپر کی جانب کے باغ لیموں وغیرہ (جو پہاڑ اور پہاڑ کی گھاٹی کے درمیان میں ہے) کی سیر کی۔ پھر بھر کے بعد وہاں سے چارباغ میں آگیا۔ اتوار کے دن اُنیسویں کو اندھیرے میں چارباغ سے سوار ہوا۔ اور کوآری ندی سے اُتر ایک جائے پر دوپہر گزاری۔ ظہر کے وقت چل کھڑا ہوا۔ چھپٹا تھا کہ چنبلی ندی سے غبور کیا۔ مغرب اور عشا کے بیچ میں داخل دھوپور ہوا۔ اتوار نفع نے چراغ تمام بنایا ہے اسکی سیر دیکھی اور یہاں سے اُس چارباغ میں آیا جو بند پر بنایا ہے۔ دوسرے روز اُن مقاموں کو

ملاحظہ کیا جن جن کی تعمیر کا حکم دے گیا تھا جس سنگین حوض بنانے کے لیے میں کہہ گیا تھا اسکا منہ اوپر کی طرف کا بن گیا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ سنگتراشوں کی مدد بڑھا کر اس کے نیچے کی طرف کا رخ بھی درست کر دو تاکہ اُس میں پانی چھوڑ کر ناپ تول دیکھ لیجائے عصر کے بعد تک حوض کا یہ رخ بھی پورا ہو گیا۔ میں نے کہا پانی بھر کر دیکھو۔ پانی بھر کر اطراف کی ناپ تول کی اور پتلا درست کر لی۔ ابکی بار میں نے حکم دیا کہ ایک جل محل بنے ایک پتھر کا ترشا ہوا اور اُس کے اندر کا حوض بھی ایک ہی پتھر کا ہو۔ پیر کے دن معجون خوری کا جلسہ ہوا سنگل کو یہیں رہا۔ چار شنبہ کے دن روزہ کو سونے کے بعد کچھ کھانا پینا اور سیکری چلنے کے لیے سوار ہو گیا۔ اُدھی رات گئے ایک مقام پر اتر کر دو رہا۔ رات کو کان میں بہت درد رہا۔ شاید سردی نے کچھ اثر کیا ہو۔ درد کی شدت سے رات بھر مینہ نہ آئی۔ سویرے ہی میاں سے نکل کر دیا۔ کوئی پہر دن چڑھا ہوگا جو سیکری والے باغ میں آن اتر۔ میر عارت کو بہت ڈانٹا اور انہیں کہ باغ کی دیواریں۔ مکانات اور کنواں میری طبیعت سے موافق جلد تیار کرو کر سیکری۔ میرے مغرب کے مابین سوار ہو۔ بدھا کور سے مکمل ایک جائے۔ پتھر کو آرام کیا۔ وہاں سے پہر دن کے میں داخل ہو گیا۔ فخر جہاں بیگم چلی گئی تھیں۔ اور خدیجہ سلطان بیگم بعض دنوں کے بہت سیکیا ہوا تھا اُسے شہر میں جا کر ملا۔ پھر جتنا کے پارسہ بہشت باغ میں آگیا۔ سہ شنبہ تیسری صفر کو تروا بہشت میں سے جتیبہ بیگم۔ گہر شاہ بیگم اور بدیعہ الجہاں بیگم۔ چھوٹی بیگمات میں سے خاتونہ بیگم (سلطانہ مسعود میرزا کی بیٹی) سلطانہ بخت بیگم کی بیٹی۔ نیکہ جہاں کی بیٹی (زینتہ سلطان بیگم) آئی ہوئی تھیں اور دریا کے کنارہ پر جو محلات ہیں اُن کے پاس آتی تھیں۔ اُن سے عصر اور مغرب کے بیچ میں جا کر ملا۔ وہاں سے کشتی میں بیٹھ کر آیا۔ پیر کے دن صفر کی پانچویں کو بکرا بہت کے پہلے اور دوپہر کے ایلچی کے ساتھ پُرانے ہندوؤں میں سے دیوا کے بہت بڑے پوسی کو روانہ کیا تاکہ بکرا بہت رحمتہ کو سوئپ دے اور اطاعت قبول کرنے کا وعدہ کرے۔ یہ ہمارا آدمی جائے اور اچھی طرح دیکھ بھال آئے۔ اگر وہ اپنے قول پر قائم رہے تو ہم بھی وعدہ پورا کر نیکو تیار رہیں۔ خدا چاہے تو چوتھوں میں ہم اُسکو اُسکے باپ کا جانشین کر دیں گے۔ انہی دنوں میں سلطان سکندر اور ابراہیم کے دلی اور اگرہ والے خزانے ہو چکے تھے۔ پنجشنبہ کے دن صفر کی آٹھویں تاریخ حکم دیا کہ لشکر کے سامان و تنخواہ وغیرہ کے لیے تمام منتظمین اضلاع سے ایک کروڑ تیس لاکھ۔ پچھ دیوانی علاقہ میں منگائے جائیں۔ اور آخر آخر ضروری میں صرف کیے جائیں۔ ہفتہ کے دن دسویں تاریخ شاہ قاسم نام (سلطان محمد مجتبیٰ کے علاوہ پیادہ) جو پہلے بھی ایک دفعہ خراسان والوں کے نام استمالت کے فرامیں لے گیا تھا پھر اس مضمون کے فرمان لیکر روانہ ہوا کہ ہندوستان کے مشرقی اور مغربی باغیوں اور ہندوؤں کی طرف سے عنایت اور سے خاطر جمع ہو گئی ہے۔ انشاء اللہ تو اُسے اسی بہار کے موسم میں جس طرح ممکن ہوگا میں وہاں آؤں گا۔

احمد افشار کے نام بھی زمان بھی گیا اور اُسکے حاشیہ پر اپنے ہاتھ سے لکھا کہ فریدون قبوری کو بھیج دو۔
 آج ہی ظہر کے وقت سے پارہ کھانا شروع کیا۔ بدھ کے دن اُنیسویں تاریخ ایک ہندوستانی پاچی کامران
 اور خواجہ دوست کی عرضیاں لایا۔ خواجہ دوست خاوند ذی الحجہ کی دسویں کو کابل گیا تھا۔ اور ہماؤں سے
 پہلے روانہ ہوا تھا۔ اسی موقع پر کامران کا آدمی خواجہ پاس آیا۔ اور کہا کہ خواجہ آئیں اور جو حکم ہوا ہودہ بیان
 کریں۔ اور جو باتیں کرنی ہوں کر کے چلے جائیں۔ مقررہویں ذی الحجہ کہ کامران کابل میں آیا خواجہ سے باتیں
 کیں اور خواجہ کو اٹھائیسویں تاریخ قلعہ ظفر کی طرف چلتا کیا۔ ان عرضیوں میں اچھی خبریں لکھی تھیں لکھا تھا
 کہ شاہزادہ طہاسپ نے ازبک کے استیصال پر کمر باندھ کر ازبکوں کے سردار کو داتغان میں گرفتار کر کے
 مار ڈالا۔ اُس کے لشکر کو عام طور سے قتل کیا۔ قہید خاں قزلباش کی خبر سُننے ہی ہری کو چھوڑ کر مرو چلا گیا۔
 سمرقند وغیرہ کے سلاطین کو اُسے مرو میں بلا یا ہے۔ اور آراء النہر کے سب سلاطین مدد دینے کے لیے
 جانے پر تیار ہیں۔ اسی قاصد نے بیان کیا کہ یادگار ظفائی کی بیٹی سے ہماؤں کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اور
 کامران نے بھی اپنے ماموں سلطان علی میرزا کی بیٹی سے کابل میں شادی کر لی ہے۔ انہی ایام میں سید اکبری
 شیرازی جیبہ گر کو انعام دیکر میں نے حکم دیا کہ ایک کٹواں فوارہ دار نہایت عمدہ تیار کرو جمعہ کو دن
 تیسویں تاریخ جسم میں ایسی حرارت معلوم ہوئی کہ جمعہ کی نماز مسجد میں مشکل سے پڑھی گئی۔ ظہر کے
 بعد میں احتیاطاً کتب خانہ میں آگیا۔ بہت دیر تک بیچنی رہی۔ دوسرے دن ہفتہ کو بخار ہوا۔ کچھ
 جاڑا بھی چڑھا۔ سہ شنبہ ستائیسویں صفر کی رات کو دل میں آیا کہ خواجہ عبید کی والدہ والا رسالہ نظم کروں۔
 حضرت خواجہ کی روح سے ملتی ہوا۔ اور دل میں دعا کی کہ یہ نظم آنحضرت کو مقبول ہو۔ اس کے قبول ہونے کی
 دلیل یہ ہے کہ جس طرح قصیدہ بردہ والے کا قصیدہ مقبول ہوا اور وہ مرض فاج سے اچھا ہو گیا
 اُسی طرح میں بھی اس علالت سے تندرست ہو جاؤں۔ اسی نیت سے وزن سل مستدس مجنوں و ضرب
 کبھی ابتر کبھی مجنون محذوف میں جس میں مولانا عبدالرحمن جامی کا سبھ بھی ہے رسالہ نظم کرنا شروع
 کیا۔ اسی رات میں نے تیرہ شعر لکھ ڈالے۔ بطریق التزام ہر روز دوسرے بیتوں سے کم نہ لکھیں۔ شاید کوئی
 دن ناغہ ہوا ہو۔ اگلے سال بھی اور کسی بار اور بھی ایسا بخار کم سے کم چالیس دن تک رہا ہے۔ خدا کی عنایت
 اور حضرت خواجہ کی برکت سے جمعرات کے دن انیسویں کو ذرا افادہ ہو گیا اور چھت ہو گئی ہفتہ کے دن
 ربیع الاول کی اٹھارھویں تاریخ نظم تمام ہو گئی۔ یا وہ شعر ہوئے۔ بدھ کے دن اٹھائیسویں تاریخ
 ہر جانب کے لشکروں میں حکم بھیجا کہ بہت جلد ساز و سامان درست کر کے اس طرف روانہ ہوں۔ میرا راز
 کہیں چلنے کا ہے۔ ہفتہ کے دن ربیع الاول کی نویں تاریخ بیگ محمد تعلق جی آیا یہ اگلے سال محرم
 آخر چھینے میں ہماؤں کے لیے خلعت اور گھوڑا لے گیا تھا۔ اتوار کے دن دسویں تاریخ بنگلہ سرائی
 اور بیان شیخ (ہماؤں کا نوکر) دونوں حاضر ہوئے۔ بنگلہ سرائیوں کے بیٹے کی خوشخبری لایا کہ کانا

الامان رکھا تھا۔ شیخ ابو الواجد نے اسکی تاریخ ولادت ”شیر سعادت“ لکھی۔ شیخ بیان بیکسہ سے بہت پیچھے چلا تھا۔ جمعہ کے دن صفر کی نویں تاریخ کو اُس نے ہمایوں کے لشکر کو مقام شینہ سے چھوڑا تھا۔ پیر کے دن ربیع الاول کی دسویں کو اگرہ میں آگیا۔ سچ یہ ہے کہ بہت جلد آیا۔ ایک دفعہ اور بھی یہی بیان شیخ ظلعہ ظفر سے قندھار میں گیارہ دن میں آگیا تھا۔ اسی نے شہزادہ طہاسپ کا آنا اور ازبک کا شکست کھانا مفصل بیان کیا۔

شہزادہ طہاسپ اور ازبکوں کی لڑائی اسکی تفصیل یہ ہے کہ شہزادہ طہاسپ عراق سے چالیس ہزار فوج بندوچی رومی طریقہ سے آراستہ کر کے جھپٹ کر آگیا۔ وہ بسطام اور دامنغان میں ازبک کا آگاہ رکتا اور ازبکوں کو قتل کرتا ہوا یونہی بڑھتا

چلا گیا۔ تیک لی کے بیٹے قنبر علی کو قزلباشوں نے زیر کر لیا۔ عبید خاں تھوڑے سے لشکر کے ساتھ نواح برہی میں نہ ٹھہر سکا۔ بلخ۔ حصار۔ سمرقند اور تاشکند کے تمام خوانین و سلاطین کو تاکہ سے بلا بھیجا اور آپ مردیں آگیا۔ تاشکند سے ماراق سلطان اور سیبویک خان چلے سمرقند وغیرہ کو جو مہم خاں اور ابوسعید سلطان اور پولاد سلطان مع فرزند ان جانی بیگ چلے۔ حصار سے حمزہ سلطان اور جہادی سلطان آئے۔ اور بلخ سے فراہ سلطان چلا۔ یہ سب مارا مار مرو میں عبید خاں پاس کر آکھٹے ہوئے۔ فوج بھی ڈیڑھ لاکھ کے قریب جمع ہو گئی۔ خبر کا بیان ہے کہ شاہزادہ طہاسپ صفوی کو

خیال تھا کہ عبید خاں پاس بہت فوج نہیں ہے۔ اسی سبب سے چالیس ہزار آدمی لیے ہوئے بے دھڑک چلا آیا۔ جب اُسے اس اجتماع کا حال معلوم ہوا تو اولانک زادگان میں ٹھیر گیا اور لشکر کے گرد خندق کھود لی۔ ازبکوں کو یہ خبر لگی وہ غنیم کو حقیر سمجھے۔ انہوں نے صلاح کی کہ ہم سب تو مشہد میں ٹھیرے رہیں اور چند سلاطین کو میں ہزار فوج کے ساتھ مقرر کیا جائے کہ قزلباشوں کے لشکر کے گرد جا پڑیں۔ اور اُن کو سر نہ اٹھانے دیں۔ اسی طرح اُن کو عاجز کر کے پکڑ لیں۔ یہ تجویز کر کے مرو سے سب

چلے۔ اٹھارہویں تاریخ مشہد سے نکل کے نواح جام میں مقابلہ ہوا۔ ازبکوں کو شکست فاش ہوئی۔ بہت سے سلاطین پکڑے گئے اور قتل ہوئے۔ ایک خاص خط میں لکھا تھا کہ سوائے کو جو مہم کے کسی سلطان کا پتا نہیں ہے۔ فوج میں سے کچھ لوگ بچ گئے۔ جو سلطان حصار میں تھے وہ حصار کو

بچھوڑ کر بھاگ گئے۔ چلہ (جسکا اصلی نام اسماعیل ہے اور جو ابراہیم کا بیٹا ہے) رہ گیا تھا۔ اُسی نے اس بیان شیخ کے ہاتھ ہمایوں کو اور کامران کو خط لکھیے۔ جمعہ کے دن چودھویں تاریخ میں نے ہمایوں اور کامران کے نام خطوط لکھے اور اسی بیان شیخ کے سپرد کر کے اسکو رخصت کیا۔ ادبہفہ کے دن پندرہویں تاریخ اگرہ سے روانہ کر دیا۔ اسی مضمون کا خط خواجہ کلاں کو بھی بھیجا۔

فوج کشی کی صلح بدھ کے دن ایتیسویں کو میرزاؤں۔ سلاطینوں اور امرائے ترک ہند جمع کر کے

مشورہ کیا اور یہ بات ٹھیرائی کہ اس سال کسی طرف فوجبشی کرنی چاہیے۔ مجھ سے پہلے عسکری میرزا پورب کی جائے۔ آں روئے گنگا کے امراء اور سلاطین اپنے اپنے لشکروں سمیت عسکری کے ہمراہ ہوں۔ پھر جدھر مناسب ہو اُدھر کا رخ کیا جائے۔ ہفتہ کے دن بائیسویں تاریخ اسی مضمون کے خط لکھ کے اور بائیس دن کی میعاد مقرر رکھے غیاث الدین قوری کے ہاتھ سلطان جلیدر لاس شہر کے پاس روانہ کیے اور زبانی بھی اُسکو سمجھا دیا۔ توپوں۔ اراہوں اور بندوقوں وغیرہ اسبابِ آلات جنگ کے تیار ہونے تک اپنے آگے عسکری کو روانہ کیا۔ اور گنگا کے اُس جانب کے سرداروں کو حکم دیا کہ سب عسکری کے پاس حاضر ہو۔ اور جس طرف کی صلاح ٹھیرے خدا پر بھروسہ کر کے اُسی طرف روانہ ہو جاؤ۔ تم سب بالاتفاق صلاح کرو۔ اگر میرے آنے کی ضرورت ہوگی تو غیاث الدین کے آتے ہی جو میعاد مقررہ پر گیا ہے انشاء اللہ بلا توقف میں آن پہونگا۔ اور اگر اہل جنگالہ مخالفت نہ کریں اور میرے آنے کی ضرورت نہ ہو تو مجھے مفصل لکھنا۔ میں اور طرف کا قصد کرونگا۔ بیٹھنے کا نہیں۔ اور تم لوگ جو خیر خواہ ہو یا بھی مشورہ سے عسکری کے ساتھ اُدھر کی ہمت کو انجام دینا۔

عسکری کو عطاءے خلعت و منصب ہفتہ کے دن ریح الاول کی اُتیسویں تاریخ عسکری کو شاہانہ خلعت مع کمربند۔ خنجر۔ علم۔ توغ۔ نقارہ۔

بہت سے گھوڑے۔ پاتی۔ اونٹ۔ خچر تیں اور بادشاہی سامان و اسباب دیکر دربار میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ ملا داورا تک کو تلمکہ دوز جلکانے اور عسکری کے اور نوکروں کو تین تین پارچے کے خلعت عطا ہوئے۔ اتوار کے دن سلخ کو محمد بخشی کے مکان میں میں گیا۔ اُس نے پا انداز بچھایا اور کشتیاں پیش کیں۔ دو لاکھ کے قریب کی نقد و جنس نذر کی۔ نذر لینے اور آتش کر نی کے بعد اُس کے دوسرے حجرہ میں جا کر میں بیٹھا۔ وہاں سجون کھائی۔ تیسرے پہر کو وہاں سے رخصت ہوا۔ اور دریائے پار ہو کر اپنے خلوت خانہ میں آ گیا۔

ڈاک چوکی کا تقرر پنج شنبہ چوتھی ریح الآخر کو یہ تجویز کی کہ چھاق بیگ شاہی تنغاچی محرو کو ساتھ لیکر آگرہ سے کابل تک جریب سے پیائش کرے۔ ہر نوکوس پر ایک

مینار بنادی جائے جسکی بلندی بارہ گز کی ہو۔ اس مینار پر چو در ی بنائی جائے۔ ہر اٹھارہ کوس پر چھ گھوڑوں کی ڈاک چوکی بٹھائی جائے۔ ان گھوڑوں کے دانہ گھاس کی یہ تجویز کی کہ اگر چوکی کا مقام خالصہ کے پرستہ میں ہو تو دانہ گھاس وہاں سے ملے اور اگر کسی کی جاگیر میں ہو تو جاگیر دار کے ذمہ چھاق بیگ اُسی دن آگرہ سے روانہ ہو گیا۔ اس کوس کی پیائش میل کے موافق مقرر کی گئی۔ گزنو مٹھی کا جریب چالیس گز کی۔ کوس سوجریب کا معین کیا۔

چشن پیر کے دن چھٹی تاریخ باغ میں جشن ہوا۔ میں اُس ہشت پہلو بنگلہ کے شمالی ضلع میں بیٹھا

جیو بنایا ہے۔ میرے سیدھے ہاتھ کی طرف پانچ چھ گز کے فاصلہ پر توتہ بوغا سلطان عسکری خواجہ
عبد الشہید اولہ۔ خواجہ کلاں تولو۔ خواجہ حسین۔ خلیفہ۔ علماء اور حفاظ (جو خواجہ کے تابعین میں سے
تھے اور سمرقند سے آئے تھے) بیٹھے، لے ہاتھ کی طرف پانچ چھ گز ہٹ کر محمد زمان میرزا۔ مائند آئیش
سلطان۔ سید رفیع۔ سید دوی۔ شیخ ابوالفتح۔ شیخ جمالی۔ شیخ شہاب الدین عرب اور سید رکنی بیٹھے۔
قرلباش۔ ازبک اور راجاؤں کے الہی بھی اس جشن میں شریک تھے۔ دائیں ہاتھ کی طرف سترائی
گز کے فاصلہ پر شامیانہ تان کے قرلباش کے سفیر کو اُس کے بچے بٹھایا۔ اور اُس کے ساتھ بیٹھے کیملی
یونس علی کو حکم دیا۔ اسی طرح دائیں ہاتھ کی جانب ازبک کے سفیر کو بٹھایا اور اپنے امراء میں سے عبداللہ
اسکے ساتھ بیٹھنے کے لیے معین ہوا۔ آتش خوری سے پہلے تمام سردار۔ امراء اور اکابر نے دھوپوں۔
اشرفیوں۔ پٹروں اور اجناس کی کشتیاں پیش کیں۔ میں نے حکم دیا کہ میرے روبرو زیر انداز
بٹھاؤ۔ اور اُس کے ایک طرف ردپوں اشرفیوں کا ڈھیر لگا دو۔ دوسری طرف کپڑے اور عنس کا
ڈھیر لگا دو۔ اسی وقت مست اندوٹوں اور ہایتوں کی لڑائی شروع ہوئی۔ چند نوچار کی لڑائی
بھی ہوئی۔ پھر پہلوانوں کی کشتیاں ہوئیں۔ اس کے بعد آتش فوسن ہوئی۔ آتش فوسن سے فارغ
ہو کر خواجہ عبداللہ شہید اور خواجہ کلاں کی اولاد کو کیش ابرہ کے چٹھے اور اور تو بک مع مناسب
خندتوں کے عطا کیے۔ ملا فرخ کو اور اُس کے ہمراہیوں کو اور حافظوں کو اچکنیں دی گئیں۔ کو جو ہم
اور اُس کے بھائی حسن چلی کے دو بڑے ملازموں کو نفرتی بٹ سے سونا اور طلائی بٹ سو چاندی
تول کر عنایت کی۔ (نفرتی بٹ ڈھائی سے مثقال کا ہوتا ہے جو کابل کا آدھ سیر ہوا۔ اور طلائی بٹ
پانچ سے مثقال کا ہوتا ہے جو کابل کا سیر ہوا) خواجہ میر سلطان کو مع فرزدان۔ حافظ تاشکندی۔
مولانا فرخ کو مع ہمراہیان و ملازمان اور اہل بیویوں کو بھی چاندی سونا عنایت ہوا۔ یادگار ناصر
کو خراج انعام ہوا۔ میر محمد جالہ بان گنگا پر پل باندھنے سے امید و رعایت ہوا تھا اُس کو ادھر پہنچاؤں
میں سے پہلوان حاجی محمد۔ پہلوان تہلول اور دلی وغیرہ کو ایک ایک خنجر عطا ہوا۔ سید داؤد کو ریشی
واشرفیاں ملیں۔ اپنی بیٹی (جو معصومہ بیگم کے پیٹ سے تھی) اور اپنے بیٹے ہند آل کے نوکروں کو
تکمہ دارا چکنوں کے خلعت مرحمت کیے۔ سونا چاندی اور ہر قسم کی اجناس عنایت کی۔ تمام ملازموں
اور رعایا کے لیے عنایت آمیز فرامین جاری کیے۔ اس کے بعد حکم دیا کہ ہندوستان کے نٹ اور
بازی گرتماٹھے دکھائیں۔ ان لوگوں نے تماٹھے کرتے شروع کیے۔ ہندوستانی نٹ اور بازی گرت
بعض تماٹھے ایسے کرتے ہیں کہ ہماری ولایت والے نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک تماٹھا یہ ہے کہ
اپنی پیشانی اور ان پر سات حلقے چمکاتے ہیں۔ چار حلقے ہاتھ کی انگلیوں اور پاؤں کی انگلیوں
کے گرد چمکاتے ہیں۔ ان کے علاوہ چار حلقے اور لیتے ہیں۔ ان میں سے دو کو ہاتھ کی دو انگلیوں سے

اور دو کو پاؤں کی دو انگلیوں سے آہستہ چکر دیتے ہیں۔ دوسرے مورچال کی طرح اپنا ایک ہاتھ زمین پر ٹیکا اور دوسرے ہاتھ سے اور دونوں پاؤں سے تین حلقوں کو جلدی جلدی چکر دیا۔ تیسرے یہ کہ وہاں کے شاہ دو لکڑیوں کو دونوں پاؤں میں باندھتے ہیں اور ان چوبین پاؤں سے چلتے ہیں۔ یہاں کے شاہ پاؤں کو باندھتے نہیں۔ چوتھے یہ کہ اس ولایت کے دونوں میں سے ایک دوسرے کو کاٹ دے رکھ کر چلتا ہے۔ ہندوستانی شاہ اسی طرح تین چار کو معلق لیکر چلتا ہے۔ پانچویں یہ کہ سات گز کا بانس ایک شاہ اپنی کمر پر رکھ کر بانس کو پکڑے ہوئے کھڑا رہتا ہے اور دوسرا اس پر قلائیں کرتا ہے۔ چھٹے یہ کہ چھوٹی عمر کا شاہ بڑی عمر کے شاہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور نیچے والا اسے ادھر ادھر لے پھرتا ہے۔ جب اوپر والا نیچے والے کے سر پر قلائیں کرنے لگتا ہے تو نیچے والا کھڑا ہو جاتا ہے اور ذرا نہیں ہلکتا ہے۔ اس کے بعد پاتروں کا ناچ ہوا۔ مغرب کے وقت تک جلسہ رہا۔ بہت روپیہ بانٹا۔ اور بڑا غل شور رہا۔ مغرب اور عشا کے بیچ میں چند مصاحبوں کا جلسہ ہوا۔ یہ جلسہ پھر بھرست زیادہ رہا۔ دوسرے دن کشتی میں بیٹھ کر میں باغ بہشت میں آیا۔

عسکری کا پورب اور ہمارا | دو شنبہ کو عسکری سفر کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ حمام میں آیا اور خدمت دھو لیو رکوروانہ ہوتا۔ ہو کر پورب روانہ ہوا۔ سہ شنبہ کو میں دھولپور کی طرف اس باغ وغیرہ کے دیکھنے کے لیے گیا جس کے بنانے کا حکم دیا تھا۔ پھر پر ایک گھڑی گزری جو باغ سے سوار ہوا۔ ایک پہل پہرست پانچ گھڑیاں گزری تھیں کہ دھولپور والے باغ میں جا آئے۔ سنگین کنواں۔ ترمچھیل پتھر۔ ستون اور کڑیاں جنکو پہاڑ میں سے ایک پتھر کا تراشا تھا تیار ہوئے تھے ان سب کو خشنبہ کے دن گیارہویں تاریخ ملاحظہ کیا اور آج ہی تیسرے پہر سے کنوئیں کا پانی نکلیا اور شروع کیا۔ اگر کے سنگھ اشو۔ ہمارے دوروں کو بہت کچھ انعام دیا گیا۔ چونکہ کنوئیں کے پانی میں ذرا بوتلی سے پانی ہے۔ حکم دیا کہ احتیاطاً پندرہ دن تک رات دن دم نہ لو اور پانی نکالے جاؤ۔

قرلیا شہر اور ازبکوں کی لڑائی کی خبر | جمعہ کے دن پہلے پہر سے ایک گھڑی باقی رہی تھی کہ دھولپور سے سوار ہو کر آفتاب غروب ہو ڈیا تھا تھا جو دریائے جہاز پر ایک شخص دیو سلطان کا نوکر ازبکوں اور قزلباشوں کی لڑائی میں موجود تھا منگل کے دن سوھویں تاریخ آیا۔ اسے بیان کیا کہ جام اور خسرو کی نواح میں عشرہ کے دن یہ کمائوں اور ازبکوں میں جنگ عظیم واقع ہوئی۔ صبح کی نماز سے ظہر کے وقت تک مقابلہ ہوتا رہا۔ اس لڑائی میں ازبک تین لاکھ کے قریب تھے اور قزلباش چالیس پچاس ہزار۔ ازبکوں کا بیان ہے کہ قزلباش ایک لاکھ تھے اور ازبک کم تھے۔ قزلباشوں نے دومی قاعدہ سے راجے۔ تو میں اور بندو قیس تیار کی تھیں۔ ان کے پاس ہزار راجے اور چھ ہزار بندو قیس تھیں۔ شاہزادہ اور خواجہ سلطان

بیس ہزار چیدہ سپاہیوں سمیت اراہوں کے بیچ میں ہو بیٹھا اور امراء کو جھکڑوں کے باہر برانغاروں
جرا نغار کی صفوں میں کھڑا کیا۔ اُزبکوں نے حملہ کرتے ہی باہر والوں کو شکست دی اور بہر کو لوٹنا
شروع کیا۔ آخر قزلباش جھکڑوں کی زنجیریں کھول باہر نکل آئے۔ خوب لڑائی ہوئی۔ ازبک تین دفعہ
حملہ کر کے لڑے۔ مگر خدا کی عنایت سے قزلباشوں نے ازبکوں کو شکست دی۔ سرداروں میں کو جو مل
عبیدہ خاں۔ ابوسعید سلطان۔ اور آٹھ اور سلطان گرفتار ہوئے۔ صرف ایک ابوسعید سلطان بچا۔ باقی
آٹھ سلاطین مارے گئے۔ عبیدہ خاں کا سر نہ ملا دھڑ ملا۔ غرض ازبکوں کے چاس ہزار کے قریب اور
قزلباشوں کے بیس ہزار آدمی کام آئے۔

غیاث الدین کی پورب سے واپسی | آج غیاث الدین قوری جو اٹھارہ دن کی میعاد پر جو پور

کرنے گئے ہوئے تھے۔ اسی سبب سے قاصد میعاد مقرر پر نہ آسکا۔ سلطان جنید نے زبانی کہلا بھیجا کہ
عنایت الہی سے ادھر بادشاہ کی توجہ کرنے کے لائق کوئی کام معلوم نہیں ہوتا۔ فقط میرزا تشریف
لے آئیں اور اس طرف کے امراء کو حکم ہو جائے کہ سب میرزا کی خدمت میں حاضر رہیں۔ امید ہے کہ سارے
کام باسانی انجام پا جائیں گے۔ گو سلطان جنید کا یہ جواب آیا مگر چونکہ ملائذ مذہب راما سانگا کی لڑائی
کے بعد سفیر ہو کر بنگالے بھیجا گیا تھا اور آجکل میں اُس کے آنیکی خبر تھی اسلئے اُسکا انتظار تھا۔

ملائذ مذہب بنگالے سے آیا | جمعہ کے دن انیسویں تاریخ منجون کھائی۔ چند مصاحبوں کے ساتھ
میں خلوت خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ملائذ مذہب شام کو جو ہفتہ کی شام
تھی آیا اور اُس نے ملازمت حاصل کی۔ میں نے اُس سے ادھر کے ایک ایک شخص کی کیفیت دریافت کی۔
معلوم ہوا کہ اہل بنگالہ سب مطیع ہیں۔

کسی طرف یورش کی مشورت | اتوار کے دن امراء ترک و ہند کو خلوت خانہ میں بلا کر میں نے
مشورہ کیا۔ یہ گفتگو ہوئی کہ بنگالے کی طرف سفیر بھیجا گیا تھا۔

معلوم ہو گیا کہ وہ سب مطیع و منقاد ہیں۔ اب بنگالے چلنا بیکار ہے۔ وہاں کچھ خزانے نہیں ہیں جن
فوج کو مدد دیا جائے۔ البتہ مغربی سمت میں بعض مقامات ہیں جو قریب بھی ہیں اور مالدار بھی ہیں۔
لوگ غیر مذہب۔ مال انکاروں۔ راستہ قریب۔ آخر یہ بات قرار پائی کہ مغرب ہی کی جانب چلیں گے۔
چونکہ یہ طرف قریب ہے اس لیے چند روز ٹھہر کر اور مشرقی سمت سے اطمینان کر کے چلے چلیں گے۔

غیاث الدین کو دوبارہ پورب بھیجا | غیاث الدین کو پھر میں دن کی میعاد پر مع فرامین امراء پورب
کے پاس روانہ کیا۔ اُن کو حکم دیا کہ سب امراء۔ سردار اور سلاطین
جو ان کو دریائے گنگ ہیں عسکری پاس جمع ہوں۔ اور ان دشمنوں پر چڑھائی کرنے پر آمادہ ہو جائیں اس حکم کو

پہنچے ہی اسباب و سامان بیک وقت مقررہ پر حاضر ہو جائیں۔

بلوچستان کا فساد انہی ایام میں مہندی کوکلتاش کی عرضی آئی۔ لکھا تھا کہ پھر بلوچوں نے بعض

مقامات میں لوٹ مار مچائی ہے۔ اسکے انتظام کے لیے چٹین تیمور سلطان کو متعین کیا اور حکم دیا کہ اُدھر کے سردار جیسے عادل سلطان، سلطان محمود و لدائی، خسرو کوکلتاش، محمد علی جنگ، دلاور خان، احمد یوسف، شاہ منصور برلاس، محمدی کوکلتاش، عبدالعزیز میرزا، بختر علی، ولی فرلی، خواجہ ہلال، عاشق بکاول، شیخ علی کتبہ، بختر خان اور حسن علی سوادے سرہند اور تھانے سے سلطان کے پاس چھ مہینے کا سامان کر کے جمع ہوں اور بلوچوں پر چڑھائی کریں۔ سلطان کے چار باغ میں سب حاضر ہوں اور ہر امر میں اسکے فرمانبردار رہیں۔ عبدالغفار تو رچی یہ حکم پہنچانے پہ متعین ہوا۔ اُس سے کہہ دیا کہ پہلے چٹین تیمور سلطان کو حکم پہنچانا پھر امرائے مذکور کو یہ حکم سنا دینا۔ جہاں میں تیمور سلطان لام باندھنے کا حکم دے وہاں سب مع اپنے اپنے لشکروں کے حاضر ہو جائیں۔ عبدالغفار کو حکم دیا کہ مجھے بھی وہیں رہنا چاہیے جس کو تو دیکھے کہ دل چڑاتا ہے اُس کا حال عرض کرنے تاکہ ایسے تفسیر کرنے والے کو منصب اور مرتبہ سے علیحدہ کر کے اُسکی جاگیر ضبط کر لی جائے۔ یہ فرامین دیکر اور بہت سی باتیں زبانی سمجھا کر عبدالغفار کو رخصت کیا۔

باغ نیلو فر کی سیر انیسویں تاریخ اتوار کی رات کو تین پہر پر چھ گھڑیاں گزرنے کے بعد جتنا

سے پار ہو باغ نیلو فر کی سیر کے لیے جو دھوپ میں بنایا ہے روانہ ہوئے اتوار کے دن تیسرے پہر باغ مذکور میں داخل ہوا۔ باغ کے گرد امرا اور مصاحبین کے مکانات بنائے گئے۔ مقامات بختر کیجئے۔ اور حکم دیا کہ اپنے اپنے مکان بنادو اور باغ ایکاد جمعرات کے دن تیسری جمادی الاول کے کو باغ کے جنوب و مشرق میں تمام بنائیے۔ لیے جائے بختر کی۔ مردوروں نے فی الفور اُس قطعہ کو صاف اور ہموار کر دیا۔ میں نے حکم دیا کہ چٹین اس جائے کر سی دیجائے پھر تمام بنایا جائے۔ اس تمام کے ایک کمرہ میں دہ دروہ حوض تیار ہو۔

فوج کشی کا قصد آج ہی قاضی جیا، بیر سنگھ اور خلیفہ کی عرضیاں آئیں۔ اُن میں لکھا تھا

کہ سکندر کے بیٹے محمود نے بہادر کو مکڑ لیا ہے۔ اس خبر کے سُنتے ہی میں فوج کشی کا عزم کر لیا۔ دوسرے دن جمعہ کو چھ گھڑی دن چڑھے باغ نیلو فر سے میں سوار ہوا اور مغرب کے وقت آگرہ میں آگیا۔ محمد زمان میرزا دھولپور جاتا تھا۔ راستہ میں ملاچین تیمور سلطان بھی آج ہی آگرہ میں آگیا تھا۔ دوسرے دن ہفتہ کو مدبران سلطنت سے صلاح کی۔ یہ بات قرابائی کہ دسویں تاریخ جمعرات کے دن پورب کی طرف روانہ ہونا چاہیے۔

ہمایوں کا سمرقند پرورش کرنا آج ہی ہفتہ کے دن کابل سے خط آیا کہ ہمایوں اُس صوبہ کا لشکر

فرام کر کے اور سلطان آویں کو اپنے ہمراہ لیکر چالیس پچاس ہزار آدمی سے سمرقند پر حملہ کر کے قتل کیا ہے۔ حصار میں سلطان آویں کا چھوٹا بھائی شاہ قلی چلا گیا ہے۔ ترسون محمد سلطان نے تبر سے جا کر قباویان کو چھین لیا ہے اور اب وہ ملک منگراہ ہے۔ ہمایوں نے اُس کی کمک کے لیے تولک کو کلناش اور اُس کے چھوٹے بیٹے کو بہت سے مغلوں اور بہت سی فوج سمیت روانہ کیا ہے۔ اور ہمایوں خود بھی اس کمک کے پیچھے چل کھڑا ہوا ہے۔

پورب کی طرف روانگی جمعات کے دن جمادی الاول کی دسویں کو تین گھڑی کے بعد میں پورب کی جانب روانہ ہوا۔ میں تو کشتی میں بیٹھ جلیسر گاؤں کے اوپر

کی طرف جتنا سے پار ہو باغ زرافشاں میں آ گیا۔ اور فوج کو حکم دیا کہ نشان اور نقارہ سمیت تمام شکر باغ کے سامنے دریا کے اُس طرف خیمہ زن ہو۔ جو بحرئی مجرا کر کے حاضر ہوں وہ کشتی میں بیٹھ کر حاضر ہوں۔ ہفتہ کے دن اسماعیل میتا (بنگالے کا سفیر) نے ہندوستانی طریقہ سے یوں ملازمت حاصل کی اور تحائف پیش کیے کہ پہلے ایک گز کے فاصلہ سے آداب بجا لکرا لٹا پھرا۔ پھر اُس کو صلیب تیرہ جس کو سرمونیہ کہتے ہیں پہنا کر لائے۔ تین دفعہ مجرا کر کے نصرت شاہ کی عرضی اور پیشکش اُسے گزرائی۔ اور واپس گیا۔ پیر کے دن خواجہ عبدالحق آئے۔ میں کشتی کے ذریعہ سے پار گیا۔ اور خواجہ کے خیمہ میں اُن سے ملاقات کی۔ منگل کو حسن چلی آکر ملا۔ فراہمی لشکر کے لیے کئی دن تک چار باغ میں توقف رہا جمعات کے دن سترھویں تاریخ کو کوچ ہوا۔ میں کشتی میں آیا۔ موضع انوار میں جو آگرہ سے سات کوس ہے لشکر اُترا۔ اتوار کے دن ازبک کے سفیروں کو رخصت کیا کہ جو کچھ ان کے سفیر امین میرزا کو کمر بند۔ خنجر۔ زربفت کا تھان اور ستر ہزار رنگہ انعام دیے۔ ابوسعید کے ملازم ملاطفائی کو۔ مہربان خانم اور اسکے بیٹے پولاد سلطان کے ملازموں کو تکہ دار چپکنیں دیاں اور ان کے قابل نقد بھی دیا۔ اس کے دوسرے دن خواجہ عبدالحق کو آگرہ میں ٹھہرنیکے لیے رخصت کیا۔ اور خواجہ تیجے کے پوتے خواجہ کلاں کو جو سلاطین و خوانین ازبک کے پاس سے بطریق سفارت آیا تھا سمرقند جانے کی اجازت دی۔ ہمایوں کے ہاں بیٹا ہونے کی اور کامران کی شادی ہونے کی مبارکباد دینے کے لیے میرزا تبریزی اور میرزا بیگ طغائی کو کابل بھیجا۔ انکے ہاتھ دس ہزار روپے رونمائی کے بھیجے۔ جو لباس میں پہنے اور کمر بند باندھے ہوئے تھا دونوں میرزاؤں کے لیے وہ بھی بھیجا۔ ملاہشتی کے ہاتھ ہندال کے لیے خنجر مرصع۔ دوات مرصع۔ صدف کاری کرسی نیچی۔ نگ بند۔ مندرات خطا باری اور خطا باری کے کچھ قطعے بھیجے۔ جتنا جڑہ اور جس قدر اشعار ہندوستان میں آئے بعد لکھے تھے ہمایوں کو اور کامران کو بھیجے۔ اور جو خطوط خطا باری میں لکھے تھے وہ بھی بھیجے۔ سہ شنبہ کو خطوط لکھ کر کابل جانے والوں کو دیے۔

اگرہ اور دھولپور میں جن عمارتوں کا بنوانا منظور تھا ان کے نقشے ملا محمد قاسم، استاد شاہ محمد
 سنگتراش اور شاہ بابا، سید ار کو سمجھا کر اور ان کو اس کام کا ذمہ دار کر کے رخصت کیا۔ پہر دن
 چڑھا ہو گا کہ میں انوار سے سوار ہوا۔ بعد نماز ظہر دریا پور گاؤں سے کوں بھر پڑیے ہوئے۔
 پنجشنبہ کی رات کو عبد الملک قورچی حسن چلی کے ہمراہ اور شاہ جانوق ازبکوں کے سفیروں کے
 ساتھ سلاطین و خوانین کے پاس روانہ کیا گیا۔ چار گھنٹی رات باقی تھی کہ دریا پور سے کوچ ہو گیا۔
 میں صبح کو کشتی میں سوار ہوا۔ اور عشا کے وقت لشکر میں داخل ہو گیا۔ لشکر فتح پور میں اتر ا تھا لیکن
 یہاں مقام کیا۔ ہفتہ کے دن صبح سویرے وضو کر کے ہم سوار ہوئے۔ اور راپری میں آکر جماعت کے
 ساتھ نماز پڑھی۔ مولانا محمود قاری امام تھے۔ سورج نکلنے کے وقت راپری کی بڑی بلندی کے
 نیچے سے میکشتی میں سوار ہو گیا۔ آج میں نے واقعات لکھنے کے لیے گیارہ سطر کا مسطر بنایا۔ آج
 میرے دل میں اہل اللہ کی باتوں سے ایسا اثر پیدا ہوا جس سے بہت تسنیم ہوئی۔ راپری کے پرگنوں
 میں سے کین نام ایک پرگنہ ہے۔ وہاں کشتی کو کنارہ پر بھیج لائے۔ رات وہیں گزاری۔ وہاں سے
 اندھیرے منہ کشتیاں چلتی کیں۔ صبح کی نماز کشتی میں پڑھی۔ ہم کشتی میں تھے کہ خواجہ کلان کے نوکر
 شمس الدین محمد کو سلطان محمد بخشی لیکر آیا۔ وہاں والوں کے خطوط سے اور اس کے بیان سے
 کابل کا حال معلوم ہوا۔ یہیں مہدی خواجہ بھی آیا۔ ظہر کے وقت دریا سے اُس طرف اٹا وہ کے
 سامنے جو باغ ہے اُسکی بلندی پر ہم ٹھہرے۔ جتنا میں غسل کر کے نماز پڑھی۔ پھر اٹا وہ کی طرف
 آکر اسی باغ کے درختوں کے سایہ میں ایک بلند مقام پر جو دریا کے کنارے تھا میں بیٹھا سپاہیوں
 کو دریا میں کدوایا اور تیروایا۔ مہدی خواجہ کھانا ساتھ لایا تھا۔ اُسکو یہیں تناول کیا۔ مغرب
 کے وقت دریا سے اتر عشا کے وقت تک لشکر میں ہم داخل ہو گئے۔ فوج جمع ہونیکے لیے اور
 شمس الدین محمد کے ہاتھ کابل خطوط بھیجے تھے اُنکے لکھنے کے واسطے دو تین دن اس منزل میں ٹھہرنا
 پڑا۔ بدھ کے دن جمادی الاول کی سلخ کو اٹا وہ سے کوچ کیا۔ آٹھ کوں کی منزل کی۔ مقام
 موری داد سر میں ڈیرے ہوئے۔ کابل بھیجنے کے خطوط لکھنے رہ گئے تھے وہ اس منزل میں
 لکھے گئے۔ ہمایوں کے خط میں ایک مضمون تو یہ لکھا کہ اگر کام پورا نہ ہو تو فوج قزاق وغیرہ کو روکو
 اس لیے کہ صلح کی ٹھہر رہی ہے۔ ایسا ہو کہ اس میں رخنہ پڑ جائے۔ دوسرا یہ لکھا کہ صوبہ کابل
 کو میں نے داخل خالصہ کر لیا ہے۔ لڑکوں میں سے کوئی اُس کا لالچ نہ کرے۔ ہندال کو میں نے
 بلایا۔ کامران کی خاطر کرنی۔ شاہزادوں کا آپس میں ملنا جلنا۔ ملتان کا علاقہ اُسکو عنایت کرنا۔
 علاقہ کابل کو داخل خالصہ کر لینا اور اہل محل کا یہاں آنا لکھا۔ یہ بھی لکھا کہ بعض حالات خواجہ کلان
 کے خط سے واضح ہوئے۔ معلوم ہوا کہ میری نصیحت نے اثر کیا۔ ان خطوں کو شمس الدین محمد کے سپرد کیا۔

اور زبانی باتیں سمجھا کر جمعہ کی شب کو اُسے رخصت کر دیا۔ جمعہ کو آٹھ کو س کی منزل کر کے جو مندا
 میں اُترنا ہوا۔ کبتن قرا سلطان نے اپنے ایک سردار کمال الدین قناق کو ہمارے پاس سفارت
 پر بھیجا تھا۔ اُس کے پاس سلطان نے آدمی بھیج کر ہمارے امراءے سرحد کے برتاؤ اور ڈاکوؤں وغیرہ
 کی نسبت بہت شکایت لکھ بھیجی تھی۔ قناق نے اُس آدمی کو یہاں بھیج دیا۔ میں نے قناق کو رخصت
 دی۔ امراءے سرحد کو حکم دیا کہ قزاقوں اور لیٹروں کا بندوبست کرو اور اپنے ہر تادوے پر دست
 رکھو۔ یہ احکام لکھ کر کبتن قرا سلطان کے آدمی کو سپرد کیا اور اُسی منزل سے جانکی اجازت دی شاہ قلی
 چلی کے پاس آیا تھا۔ اُس کی حالت کا حال بیان کیا تھا۔ اسی شاہ قلی کے ہاتھ دیر تک ٹھیرانے کا عذر لکھ کر
 جمعہ کے دن دوسری تاریخ اُس کو رخصت دی۔ ہفتہ کے دن کوچ ہوا۔ آٹھ کو س چل کر کلور اور
 مادنی میں جو کالی کا علاقہ ہے ٹھیرنا ہوا۔ اتوار کے دن چوتھی تاریخ نو کو س چلے دیرہ پور میں
 قیام ہوا۔ یہ بھی کالی کا علاقہ ہے۔ یہاں میں نے اصلاح بنوائی۔ دو مہینے سے اتنی فرصت
 نہ ملی تھی کہ اصلاح بنواتا۔ سنگرندی میں نے غسل بھی کیا۔ پیر کے دن چوتھی تاریخ چودہ کو س
 کی منزل کر کے چیرہ گڑھ میں جہاں کالی ہی کا علاقہ ہے ڈیرے پڑے۔ دوسرے دن منگل کو کم
 آٹھویں تاریخ تھی تاہم کا فرمان قراچہ کے نام جو اُسکو لکھا تھا ہندوستانی ملازم لیکر آیا جس طرح
 میں اپنے ہاتھ سے پروانہ لکھا کرتا ہوں اُسی طرح بدرقہ طلب کرنے کے لیے ماہم نے بہر اور لاہور کے
 حکام کے نام لکھا تھا۔ یہ فرمان جامادی الاولیٰ کی ساتویں کو کابل سے لکھا تھا۔ بدھ کے دن
 سات کو س کا راستہ طے کرنے کے بعد آدم پور میں لشکر آیا۔ آج میں صبح سے پہلے ہی سوار ہوا اور اکیلا دو پہر
 ہزار کر دریا کے کنارے کنارے دریا کے آخر کی طرف جتنا کے کنارہ پر پہنچا۔ جب آدم پور کے قریب
 آ گیا تو لشکر کے پاس ایک جائے شامیانہ کھڑا کر اُس کے نیچے بیٹھا اور معجون کا شغل کیا۔ آج ہی کلال
 اور صادق پہلوانوں کی کشتی کرائی۔ کلال اگرہ میں آیا تھا اور صادق سے اُسے لڑنا چاہتا تھا۔ مگر سفر
 کی تھکان کا عذر بھی کر لیا تھا۔ اور میں دن کی مہلت چاہی تھی۔ اب چالیس بجائیں دن گزر گئے۔
 آج اُسکو لہری پڑا۔ صادق اچھا لڑا۔ چٹکی مار تے کلال کو چیت کر دیا۔ صادق کو دس ہزار تنگہ
 ایک گھوڑا مع زین اور تکرہ اور چھکین سے سراپا انعام دیا گیا کلال کو پھر گیا تھا مگر اس خیال ہو کہ انچو دل میں گڑھیکا کو
 بھی تین ہزار تنگہ اور ہزار غنایت کیا۔ ابراہوں اور توپوں کو کشتیوں میں لائے تھے یہاں لکھو اتارا۔ راستہ درست کر کے
 اور زمین ہوار کر کے انکو اتارنے میں چار دن تک نہیں بٹا پڑا۔ پیر کے دن بارھویں تاریخ یہاں کو چ گیا اور دیکر جہاں
 آئے میں آج تخت پر سوار ہو کر گیا۔ کورہ سے چلے تو بارہ کوں پر کر رہے ہو کر قہر کو کر لیا ہوا۔ کورہ سے
 آٹھ کو س چل کر فتح پور میں لشکر ٹھیرا۔ فتح پور سے آٹھ کو س کی منزل کر کے ہمیں اس میں قیام ہوا۔ ہمیں
 کدقت سلطان جلال الدین نے ملازمت حاصل کی۔ اسکا چٹو بھائی بھی ساتھ تھا۔ دوسرے دن شتر منی

ہفتہ کے دن کوئج ہوا۔ آٹھ کوس چلکر دنگہ کی میں جو کڑے کا علاقہ ہے گنگا کے کنارے پر لشکر اُترا۔
 اٹوار کو محمد سلطان میرزا قاسم حسین سلطان۔ دلی خوب سلطان اور ترویدہ اسی منزل میں حاضر ہوئے۔
 پیر کے دن عسکری بھی اسی منزل میں آیا۔ یہ سب ملاک مشرقیہ سے کمک کے لیے آئے تھے۔ ان سب
 لشکروں کو حکم ہوا کہ عسکری کے ساتھ گنگا کے اُسی طرف رہیں۔ جہاں ہوا لشکر فروکش ہو یہ بھی
 ہمارے سامنے اُس طرف اُتریں

سلطان محمود کی بغاوت۔ ہم اسی نواح میں تھے۔ پچھ درپچھ خبریں آئیں کہ سلطان محمود کے
 پاس ایک لاکھ پٹھان جمع ہو گئے ہیں۔ شیخ بایزید اور بہین کو بہت سی
 شیر شاہی سور کی شراکت فوج کے ساتھ سردار کی طرف بھیجا ہے۔ اُسے اور فتح خاں شروانی

نے گنگا کا کنارہ۔۔۔ لیا ہے۔ اُس کا ارادہ چار پر اُسے کا ہے۔ شیر شاہی سور جس کو اگلے
 ۔۔۔ جا بردیکر اس جانب بھیجا تھا ان پٹھانوں میں مل گیا ہے۔ شیر شاہی اور چند سردار دریا
 سے اُتر آئے ہیں۔ سلطان جلال الدین کے لوگ بنارس نہ جاسکتے۔ بھاگ کر آگئے۔ ان کا
 ارادہ تھا کہ کشتیوں کو بنارس میں چھوڑ دیں۔ اور گنگا کے کنارے پر مقابلہ کریں۔ ہم دنگہ کی
 سے کوچ کر کے چھ کوس آئے۔ اور کڑے سے تین چار کوس کے فاصلہ سے کنارے پر اُترے۔
 یں کشتی میں آیا سلطان جلال الدین نے جو دعوت کی تو تین روز تک یہاں ٹھہرنا پڑا۔ جمعہ کے
 دن کڑے میں سلطان جلال الدین کے ہاں میں اُترا۔ اُسے دعوت ملی۔ آتش اور کھانا حاضر کیا۔
 کھانا کھا کر اُس کو اُس کے بیٹے کو خلعت دیے۔ اور اُس کی استدعا سے اُس کے بیٹے کو
 سلطان محمود خطاب دیا۔ کڑے سے سوار ہوا ایک کوس چل کر گنگا کے کنارے پر ہم اُترے۔ جب
 گنگا پر ہم نے چہی منزل کی تھی تو ماہم کا آدمی شہرک وہاں آیا تھا۔ آج خط لکھا اور اسی منزل سے
 اُسے رخصت کیا۔ خواجہ بیچھے کے پوتے خواجہ کلاں نے میرا وقایع جو لکھا جاتا ہے منگایا تھا۔
 میں نے اُسکو صاف کرایا تھا۔ وہ بھی شہرک کے ہاتھ بھیج دیا۔ دوسرے دن کوئج ہوا۔ چار کوس
 چل کر ہم اُترے۔ میں کشتی ہی میں آیا۔ جہاں لشکر اُترا تھا وہ جا کے قریب تھی۔ رات کو میں کشتی میں
 آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کشتی میں سمجھون کھائی۔ خواجہ عبد الشہید نور بیگ کے مکان میں تھا اُس کو
 بلایا۔ ملا محمود کو ملا علی خاں کے ہاں سے بلایا۔ دیر تک جلسہ رہا۔ پھر کشتی سے اُتر اُس طرف گئے۔
 پہلوانوں کی کشتیاں کروائیں۔ دوست و بیس کو میں نے حکم دیا کہ پہلوان صادق اوروں سے
 میان گیری کرے۔ یہ حکم خلاف قاعدہ تھا کہ زور سے اول میان گیری کی جائے۔ اُسے آٹھ آدمیوں
 سے زور کیا۔

سلطان سکندر کے بیٹے محمود وغیرہ کا فرار ہونا | عصر کے وقت اُدھر سے کشتی میں بیٹھ کر

سلطان بخشی آیا۔ اُس نے سلطان سکندر کے بیٹے محمود خاں (جس کو باغیوں نے سلطان محمود بنالیا ہے) کے برباد ہونے کی خبر بیان کی۔ یہ ظہر کے وقت یہاں سے جاسوس گئے تھے وہی باغیوں کے پریشان ہونے کی خبر لائے۔ مغرب اور عصر کے مابین تاج خاں سارنگ خانی کی مرضی آئی۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ جاسوسوں کا بیان ایک تھا۔ سلطان محمد نے یہ کیفیت عرض کی کہ باغیوں نے جتنا ارادہ کیا تھا۔ یہ وہی سی لڑائی ہوئی تھی کہ ہمارے آنے کی خبر سن کر باغی تفرق ہو گئے۔ اور محاصرہ اُٹھ گیا۔ جو پٹھان بنارس میں آگئے تھے وہ بھی گھبرا کر بھاگے۔ دریا سے عبور کرتے وقت اُن کی دو کشتیاں ڈوب گئیں۔ اور کچھ لوگ ضائع ہوئے۔ میں دوسرے دن بھی کشتی میں آ گیا۔

پہار کی سمت جانا | چین تیمور سلطان اور توحہ بوغا سلطان استہ میں کھانے پینے کا انتظام کرنے پھیر گئے تھے۔ میں نے سلطان کو بھی کشتی میں بلالیا۔ توحہ بوغا سلطان دس کوس پر تھا۔ آندھ ہی آئی اور مینہ برسا۔ بڑی آندھ چلی۔ ہوا کے سبب سے معجون کھائی۔ گوگل معجون کھائی تھی مگر آج بھی کھانی پڑی۔ آج کو تیج کیا۔ اور دوسرے دن میں توحہ ہوا۔ مشکل کو کو تیج ہو گیا۔ پاس ہی ایک سیلے میں سبزہ زار تھا۔ کشتی میں سے گھوڑے پر سوار ہو اُس کی سیر کی۔ پہر بھر میں سیر کر کے کشتی میں میں آ گیا۔ جب سیر کو جانے کے لیے سوار ہوا تو ایک ترشہ ہو کر اڑے پر چڑھ گیا۔ اُس پر چڑھتے ہی میں اُچھلا۔ اُچھلتے ہی کو در میں کنارے پر جا پڑا۔ گھوڑا بھی اُچھلا۔ بیتک اگر میں سوار رہتا تو گھوڑے کے ساتھ ہی میں بھی اُڑ جاتا۔ آج ہی یہ موقع ملا کہ گنگا میں ہاتھ مارنا ہوا تھا۔ میں نے ایک ہاتھ گنا تو تینتیس ہاتھ لگا کر پار ہو گیا۔ کہیں دم لیا اور ہاتھ لگا تا ہی رہا۔ گنگا ہو چکی تھی۔ جہاں گنگا اور جمنادوون دریا ملتے ہیں وہاں پہنچ کر پرآگ کی طرف کشتی کو کھینچوایا۔ ایک پہر اور چار گھنٹی میں داخل لشکر ہوا۔ بدھ کے دن دو پہر سے لشکر جمناکے پار ہونے لگا۔ کشتیوں کی تعداد چار سے بیس تھی۔ جمعہ کے دن رجب کی پہلی تاریخ میں نے دریا سے عبور کیا۔ یہ سیر کے دن چوتھی تاریخ جمناکے کنارے سے ملک بہار کی طرف جانے کے لیے کوچ کیا۔ پانچ کوس چل کر وائین میں ہم اُترے۔ میں تو کشتی ہی میں بیٹھا ہوا آیا۔ آج تک اہل لشکر دریا سے اُترتے رہے۔ تو پونے کے چھکڑوں کو آدم پور میں کشتیوں سے اُتار لیا تھا۔ اُن کے لیے حکم ہوا کہ پیانگ سے پھر کشتیوں میں لادو۔ منزل پر لشکر اُترا۔ یہاں پہلوانوں کی پکڑیں کروائیں۔ پہلوان لاہوری دور دوست، ایس میں کشتی ہوئی۔ بہت دیر تک دونوں پتیرے بدلتے رہے۔ بڑی دیر بعد ایک نے دوسرے پر ہاتھ ڈالا۔ دونوں کو انعام دیا گیا۔ یہاں تو س دریا تھا اُس میں بجن اور کچھ بہت تھی۔ اس دریا سے اُترنے کا گھاٹ دیکھنے کے لیے

اور راستہ درست کرنے کے واسطے دو دن تک اسی منزل میں ٹھہرنا ہوا۔ گھاٹ جو دریاقت ہوا وہ
گھوڑے اور اونٹ سے اونچا تھا۔ بار برداری کے چھکڑے اُس گھاٹ کے پتھر پلے اور اونچے نیچے
ہونے سے نہ چل سکتے تھے۔ چھکڑوں کو وہیں سے لادنے کا حکم دیا۔ جمعات کو وہاں سے کوچ
کر دیا۔ میں دریا کے سیدھے راستہ تک تو کشتی میں آیا۔ جہاں راستہ ناہموار ہو جاتا ہے وہاں
کشتی سے اُتر گیا۔ اور دریائے توس سے اوپر کی طرف ہوتا ہوا عصر کے وقت لشکر میں آیا۔ لشکر
دریا سے اُتر چکا تھا۔ آج چھ کوس کی منزل ہوئی۔ دوسرے دن یہیں مقام ہوا۔ ہفتہ کو کوچ کر دیا۔
بارہ کوس چل کر نیلا مار میں گنگا کے کنارے پر لشکر کے خیمے ہوئے۔ یہاں سے سات کوس چلے
نا تو میں قیام ہوا۔ اسی منزل میں باقی خاں اپنے بیٹوں سمیت چٹار سے آیا۔ اور شرف اندوز ملکاؤ
ہوا۔ انہی دنوں میں محمد بخشی کی عرضی آئی کہ محل کے لوگ کابل سے روانہ ہو گئے۔ چار شنبہ کو اُس
مقام سے کوچ کیا۔ قلعہ چٹار سے کوئی کوس بھر پر ڈیرے ہوئے۔ پیانگ سے چلتے وقت میرے
جسم پر آبلہ کا زخم پیدا ہوا تھا۔ اس منزل میں وہ علاج کیا جو روم میں ایجاد ہوا ہے۔ وہ علاج
یہ ہے کہ مریض کو مٹی کے ہنڈے میں جوش دیکر اُسکا بھپا رالیا۔ اور اُسی کے گرم پانی سے زخم
کو دھویا۔ دو ساعت بخمی تک یہی کیا۔ بارے دوا آرام ہو گیا۔ اسی منزل میں ایک شخص نے
خبر دی کہ لشکر کے اُس جانب شیر اور بھیڑیے نظر آئے ہیں۔ دوسرے دن اس بیلے میں گھیرا
ڈالا۔ باقی بھی لائے گئے۔ نہ کوئی شیر نکلا نہ بھیڑیا۔ ہاں گھیرے کے کنارے سے ایک جنگلی بھینسا
نکلا۔ آج آدھی بہت چلی۔ مگر دو غبار نے بڑا ستایا۔ میں کشتی میں سوار ہو داخل لشکر ہوا۔ لشکر بنارس
سے دو کوس اوپر کی طرف اُترا ہوا تھا۔ چٹار کی نوح کے بن میں ہاتی بہت ہوتے ہیں۔ میرا ارادہ
تھا کہ اسی منزل سے چلے ہاتی کا شکار کھیلے۔ باقی نے خبر دی کہ محمود خاں سون دریا کے
کنارے پر پڑا ہوا ہے۔ امراء سے اُس پر یورش کرنے کی صلاح لی۔ یہ بات قرار پائی کہ ابھی ذرا
توقف کرنا چاہیے۔ یہاں سے کوچ کیا اور نو کوس چل کر کدریلوہ میں لشکر پہنچا۔ اس منزل سے
پیر کی رات کو اٹھا رہوین تاریخ ظاہر کو آگرہ بھیجا۔ کابل سے آئیوالوں کے لیے جو وہ یہ بطریق
قومانڈہ عطا ہوا تھا وہ اُسکا مطلوبہ لیکر روانہ ہوا۔ آج میں صبح سے پہلے کشتی میں سوار ہوا اُس
مقام پر جہاں دریائے کوڈی (دریائے جوینور) ملا ہے پہنچا۔ تھوڑی دور کوڈی پر جا کر واپس آیا۔
اگرچہ پانی اس دریا میں کم ہے مگر گھاٹ اچھا ہے۔ اہل لشکر کچھ کشتیوں میں بیٹھ کر اور کچھ گھوڑوں
کو تیرا کر پار ہوئے۔ میں نے اُس مقام کی سیر کی جہاں سے اگلے سال لشکر اُترا تھا۔ ہوا موافق
چلنے لگی۔ سکانی کشتی کے پردے کھول دیے۔ بڑی کشتی کو بھی لائے مگر بہت نہ چلی۔ لشکر بنارس سے
اوپر کی جانب اُترا تھا۔ دو گھڑی دن رہے منزل پر پہنچا۔ جو کشتیاں ہم سے پیچھے آتی تھیں وہ

چلی آئیں۔ اور عشا کے وقت ان پہنچیں۔ چنار سے میں نے حکم دیا تھا کہ مغل بیگ ہر کوچ میں
 سیدھا راستہ جریب سے ناپتا آئے۔ اور جب میں کشتی میں چلوں تو لطفی بیگ دریا کا کنارہ ناپے۔
 سیدھا راستہ گیارہ کوس کا نپا اور دریا کا کنارہ اٹھارہ کوس کا۔ دوسرے دن یہیں مقام ہوا۔
 بدھ کے دن بھی کشتی میں آنا ہوا۔ اور غازی پور سے کوس بھر نیچے کی جانب اترنا ہوا۔
 جمرات کو اسی مقام پر محمود خاں نوحانی نے حاضر ہو کر ملازمت حاصل کی۔ آج ہی جلال خاں
 اور بہار خاں بہاری حاضر ہوئے۔ فرید خاں۔ نصیر خاں۔ شیر خاں سور۔ اور بلاؤل خاں وغیرہ
 امرائے افغان کی عرضیاں آئیں۔ آج ہی عبدالعزیز میر آخر آبدار کی عرضی آئی جو اُسے جمادی الاخرہ
 کی آٹھویں کو لکھی تھی جس دن اُسے عرضی لکھی تھی اُسی دن ہندوستانی ہلکار جس کو کالپی سے
 بھیجا تھا اُس کے پاس پہنچا۔ عبدالعزیز کی عرضی میں لکھا تھا کہ عبدالعزیز اور وہ لوگ جو متعین
 ہوئے تھے جمادی الاخرہ کی نویں کو اہل محل کی پیشوائی کے لیے نیلاب میں گئے۔ عبدالعزیز جناب
 تک اُن کے ہمراہ آیا۔ چناب سے علحدہ ہو کر پہلے لاہور میں آگیا اور یہ عرضی اُس نے بھیجی جمعی کو
 یہاں سے ہینے کوچ کر دیا۔ میں اُسی طرح کشتی میں بیٹھا رہا۔ آفتاب غروب نہ ہونے پایا تھا جو نو روزہ
 کو چلا یا۔ آج میں روزہ سے تھا۔ چوتھے کے سامنے اتر کر میں نے سیر کی اور پھر میں کشتی میں چلا آیا۔
 محمد زمان میرزا بھی پیچھے سے کشتی میں آگیا۔ میرزا کے کہنے سے سمجھون کا استعمال کیا۔ ہمارا لشکر
 کرمناس دریا کے کنارے پر اتر اٹھا۔ ہندو اس دریا سے بہت بچتے ہیں۔ جو ہندو پرہیزگار تھے
 وہ اس دریا سے نہ اترے کشتی میں بیٹھ کر گنگا میں اس دریا کے سامنے سے نکل گئے۔ ہندوؤں کا
 اعتقاد ہے کہ جس کو اس دریا کا پانی لگ جائے اُس کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی سبب
 سے اس کا نام کرمناس رکھا گیا ہے۔ کشتی میں سوار ہو تو ٹھوڑی دور تک اس دریا سے اوپر کی جانب
 میں گیا۔ پھر اُٹا پھرا۔ اور گنگا کے شمال کی طرف آگیا۔ کشتیوں کو کنارے پر ٹھیرا دیا۔ سپاہیوں
 نے کسی قدر اُچھل کود کی۔ پھر کشتیاں لڑتے رہے۔ ساقی حسن نے دعوے کیا کہ چار پانچ آدمیوں
 سے میں میان گیری کر سکتا ہوں۔ ایک کے کمر بکڑتے ہی گر پڑا۔ شادمان نے بھی حسن کو گرا دیا۔ حسن
 بہت ہی شرمندہ ہوا۔ پہلوان آئے اور وہ بھی لڑتیش دکھاتے رہے۔ دوسرے دن ہفتہ کو کرمناس
 سے عبور کر نیکا مقام دیکھنے کے لیے پھر دن چڑھے کے قریب کوچ ہوا۔ میں گھاٹ کی طرف
 دریا کے اوپر کی جانب کوس بھر تک گیا۔ گھاٹ دور تھا اس لیے کشتی ہی میں بیٹھا ہوا لشکر میں آگیا۔
 لشکر چوتھے سے کوس بھر آگے آن پڑا تھا۔ آج میں نے پھر مرچوں کا بھیاں لیا۔ بھاپ ڈرا زیادہ گرم
 تھی۔ تمام جسم سُرخ ہو گیا۔ آج مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ چونکہ راستہ آگے خراب تھا اس لیے اُسے
 درست کرنے کے واسطے دوسرے دن یہیں مقام کر دیا۔ دو شنبہ کی رات کو عبدالعزیز کی عرضی کا

جواب لکھکر اُسی ہندوستانی ہلکارے کے ہاتھ روانہ کیا جو عرضی لایا تھا۔ صبح کو دوشنبہ کے دن میں کشتی میں آگیا۔ بوجھ کے سبب سے کشتیوں کو گھسیٹ کر لائے۔ کشتی سے اتر کر میں نے اُس مقام کی سیر کی جو بکسر کے سامنے ہے۔ اور اگلے برس وہ غرق ہو گیا تھا۔ یہاں کنارے پر دریا۔ میں اترنے کے لیے سیڑھیاں بنا دی گئی تھیں جو غالباً چالیس سے زیادہ اور پچاس سے کم ہونگی۔ اب صرف اوپر کے دو زینے باقی رہ گئے ہیں۔ اوروں کو پانی نے توڑ ڈالا۔ یہاں کی سیر کے بعد میں کشتی میں آیا اور میں نے بھون کھائی۔ فرد گاہ لشکر سے اوپر کی جانب ایک ٹاپو کے پاس کشتی کو ٹھیرا دیا۔ اور پہلوانوں کی لڑنتوں کا تاشادیکھتا رہا۔ عشا کے وقت لشکر میں آیا۔ اگلے سال اسی جائے جہاں لشکر پڑا ہوا ہے گنگا کا چڑھاؤ بہت تھا۔ بعض نے گھوڑوں پر بعض نے اونٹوں پر سوار ہوئے سیر کی تھی۔ میں نے اُس دن افیون کھائی تھی۔ دوسرے دن منگل کو کریم بردی اور بابا شیخ کو دو سے سپاہیوں کے ساتھ مخالفوں کی خبر لینے بھیجا۔ اسی منزل میں بنگالے کے ایلمی کو حکم دیا کہ اپنے موکل کو تین باتیں لکھ بھیج۔ چار شنبہ کے دن یونس علی کو محمد زمان میرزا کے پاس بھیجا کہ بہار جانے کی نسبت اُس کی مرضی دریافت کرے۔ ایک شخص نے اکر بیان کیا کہ بہار کے شیخزادے بادشاہ کے آنے کی شکر بہار سے باہر نکلے ہیں اور عرضداشت لائے ہیں۔ ترکوں میں سے تردی محمد اور محمد جنک جنک کو اور امراء ہند کو تقریباً ہزار ترکش بندوں کے ساتھ بہار روانہ کیا۔ اور اُن کے ہاتھ بہار والوں کو تشفی اور دلا سے کے فراہم کیے۔ خواجہ مرشد عراض کو سرکار بہار کا دیوان مقرر کیا۔ بردی محمد کو اس کے ساتھ بھیجا۔ دوسرے دن محمد زمان میرزا نے بہار حاکم بن گیا۔ شیخ زین اور یونس علی کی وساطت سے بعض باتیں اُس نے عرض کیں۔ ازاجملہ کچھ نو سو لاکھ کے بیٹے مانئے۔ محمد زمان میرزا نے کچھ فوج ملکی طلب کی۔ اور کچھ آدمی نوکر رکھے۔ ہفت کے دن شہر ات کی پہلی تاریخ اس منزل سے ہم نے کوچ کر دیا۔ میں آج بوج پورا اور بہیہ کی سیرتا ہوا لشکر میں آیا۔ محمد علی وغیرہ سرداروں کو سُن گئے لینے کے لیے جو بھیجا تھا تو یہ لوگ ہندوؤں کی ایک جمعیت کو زیر کر کے وہاں پہنچے جہاں سلطان محمود تھا۔ سلطان کے پاس چھینا دو ہزار آدمی تھے۔ ہمارے اس لشکر کے آنے کی شکر سب متفرق ہو گئے۔ انہوں نے بھاگتے وقت اپنے دو ہاتھی بھی مار دیے۔ ان کا ایک سردار بطریق قراول رہ گیا تھا۔ ہمارے سپاہیوں میں سے کوئی بیس آدمی ان کے مقابلہ میں گئے ہونگے کہ یہ لوگ بھاگ نکلے۔ تھوڑے ہی آدمیوں نے ان کو مار لیا۔ ایک کا سر کاٹ لیا۔ دو ایک کو زندہ گرفتار کر لیا۔ دوسرے دن یہاں سے لشکر کا کوچ ہوا۔ میں کشتی میں سوار ہوا۔ اسی منزل میں محمد زمان میرزا کو خاص سراپا۔ تلوار۔ گھوڑا اور چتر عنایت کر کے بہار کی حکومت عطا کی۔ اُس نے اس سرفرازی کی نذر گزرائی۔

سزا رہا رہیں سے سوا کروڑ کا ملک شریک خالصہ کیا۔ اور وہاں کی دیوانی مرشد عراقی کے سپرد کی۔ جمعہ کے دن اس جائے سے کوچ ہوا۔ میں کشتی ہی میں بیٹھا۔ سب کشتیاں کھڑی کر دی تھیں۔ جب میں اُن کے پاس پہنچا تو میں نے حکم دیا کہ ان کشتیوں کا پیڑا بندھ دو۔ باوجودیکہ ساری کشتیوں کا پیڑا نہ بندھا تھا پھر بھی بیڑے کی چوڑائی دیا کے پاٹ سے بڑھ گئی۔ چونکہ دریا کہیں کم تھا کہیں گہرا۔ کہیں سے بہتا ہوا۔ اس لیے یہ بیڑا زیادہ نہ چل سکا۔ بیڑے میں ایک گھنٹہ یا دو بھی ران کے برابر نظر آیا۔ ایک پھلی اس کے خوف سے اتنی اونچی اچھلی کہ ایک کشتی میں آپڑی۔ اُس کو پکڑ لیا۔

کشتیوں کے نام رکھے | جب منزل پر پہنچے تو کشتیوں کے نام مقرر کیے، بڑی قدیمی کشتی بابر جہاں جو رانا سا گھا کی لڑائی سے پہلے تیار ہوئی تھی اُس کا نام آسائش رکھا۔ اس سال روانگی سے پہلے آرائش خاں نے ایک کشتی نذر کی تھی۔ اس سفر میں اُس نے اُس میں ایک درجہ اور بنوایا تھا۔ اُس کا نام آرائش رکھا۔ سلطان جلال الدین نے جو کشتی پیش کی تھی اُس میں ایک بڑا دالان بنا ہوا تھا۔ اُس دالان پر دو سردالان اور بنایا گیا تھا۔ اُس کا نام گنجائش رکھا۔ ایک ڈونگا جو کھنڈی دار تھا۔ یہ ڈونگا ہر کام کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ اس کا نام فرمائش رکھا۔ دوسرے دن جمعہ تھا مقام کر دیا۔ محمد زمان میرزا نے سب انتظام کر لیا تھا۔ بہار جانے کے لیے ہمارے لشکر سے دو ایک کوس وہ الگ اُترا۔ آج اُس نے مجھ سے رخصت حاصل کی۔

بنگالیوں سے مقابلہ | بنگالے سے دو جاسوس آئے انہوں نے بیان کیا کہ بنگالیوں نے دریائے گندیک کے کنارے پرچوں میں جھٹے کر کے فصل اٹھالی ہے اور اُن کا سردار مخدوم عالم ہے۔ سلطان محمود افغانی جو اپنے گھر بار کو لیے جاتا تھا اُسکو اپنے ساتھ لے لیا۔ چونکہ اس خبر کے سننے سے مقابلہ کا احتمال ہوا اس لیے محمد زمان میرزا کو میں نے روک لیا۔ شاہ سکندر کو تین سے چار سے آدمیوں کے ساتھ بہار کی طرف بھیجا۔ ہفتہ کے دن واؤد اور اُس کے بیٹے جلال خاں کا آدمی بہار سے آیا۔ بنگالیوں نے ان دونوں کو نظر بند کر رکھا تھا۔ یہ بنگالیوں سے لڑ بھڑ کر الگ ہو گئے۔ اور دریا سے پار ہو نواح بہار میں آ گئے۔ اب میرے پاس آنے پر تیار تھے۔ آج ہی بنگالے کے ایلی اسماعیل مینا کو حکم ہوا کہ تین باتیں پہلے لکھی گئی تھیں جواب میں بہت دیر لگائی۔ اب تم خط لکھو۔ اگر دوستی اور محبت رکھتی ہے تو جلد جواب دینا چاہیو۔ ہفتہ کی رات کو یزدی محمد اور محمد علی جنک جنک کا آدمی آیا۔ اُس نے بیان کیا کہ چار شبہ پنجم شعبان کو ادھر سے ہمارا قافلہ پہنچا اور ادھر وہاں کے حکام ٹھاگ نکلے۔ ہفتہ کے دن

اس منزل سے ہم نے کوچ کیا۔ اسی کے علاقہ میں اُترنا ہوا۔ اس منزل میں خبر آئی کہ فرید کی فوج سوڈیٹھ سوکشتیاں لیے ہوئے دریائے سرود کے اُس طرف جہاں گنگا اور سرود کا الحاق ہوا پڑی ہے۔ اگرچہ فرید نے بے ادبی کی کہ میرا سنا گھیرا مگر چونکہ اہل بنگالہ سے مجھے آشتی رکھنی منظور تھی اور میں نے ہمیشہ ایسے موقعوں پر مصالحت کو پسند کیا ہے اس لیے رعایت کو ملحوظ رکھا۔ فوراً بنگالے کے سفیر اسماعیل مینا کو بلا کر وہی تینوں باتیں اُس سے کہیں۔ اور ملا مذہب کو اس کے ساتھ کر کے رخصت کیا۔ اُتار کو بنگالے کا ایلچی حاضر ہوا تھا جو اُسکو رخصت دی گئی۔ سفیر سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ دشمن کے دفع کرنے کے لیے میں ادھر ادھر سے فوجیں روانہ کرونگا۔ جو دریا اور زمینیں تمہارے علاقہ میں ہیں اُن کو ذرا ضرر نہ پہنچا۔ اُن تینوں باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ فرید کے لشکر کو کہہ دو کہ وہ راستہ چھوڑ دے۔ اس طرف چلا آئے ہم بھی کچھ اپنے لوگ اُس کے ہمراہ کر دیں گے۔ غرض فرید کے لوگوں کا اطمینان کر دیا جائے۔ اگر وہاں تیرا جانا ممکن نہ ہو تو کہلا بھیجنا چاہیے۔ یہ حجت ہے اسکو ترک کرنا لازم نہیں ہے۔ اگر وہ اسکو نہ ملے تو خیر جو بُرائی اُس کو پہنچی وہ معلوم ہو جائیگی۔ ہم بری الذمہ ہیں۔ وہی اپنے قول سے نکل بھاگا۔ بدھ کے دن اسماعیل مینا سفیر بنگالہ کو خلعت و انعام دیا۔ جمعرات کے دن شیخ جمالی کو داؤد اور اُس کے بیٹے جلال الدین خاں کے پاس مع فرمانِ استمالت روانہ کیا۔ آج ہی ہمارا وہ آدمی آیا جو باغ صفا کے اُس طرف کے راستہ سے الگ ہوا تھا۔ یہ آدمی بہت سے خط لایا۔ اُتار کے دن ملا مذہب کو بہت سی یادداشتیں دیکر رخصت دی۔ پیر کے دن خلیفہ وغیرہ امراء کو دریا سے عبور کرنے کا کوئی مقام دریافت کرنے کو بھیجا۔ بدھ کے دن پھر خلیفہ کو میانِ دو آب دیکھنے بھیجا۔ میں نیلوفر زار کی سیر کے لیے جنوب کی طرف اُسی کے قریب گیا۔ یہ نیلوفر زار شیخ گھوڑن کا تھا۔ نیلوفر کا ایسا پھول جس میں بیج آگیا تھا لاکر دکھایا۔ کچھ پستہ سے ملتا جلتا ہے۔ اچھی چیز ہے۔ اس کا پھول نیلا ہوتا ہے۔ ہندوستانی اس کو کنول مگر ڈی کہتے ہیں۔ اور اس کے بیج کو ڈوڈا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ سوہن ندی یہاں سے قریب ہے۔ میں نے جا کر اُس کی بھی سیر کی۔ ندی سے ادھر درختوں کا بڑا جھنڈ نظر آیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ منیر بستی ہے۔ اور شیخ منیر کے باپ شیخ تیکے کا مزار یہیں ہے۔ چونکہ میں بہت قریب آگیا تھا اس لیے سوہن سے اُتر دو تین کوس سوہن سے آگے بڑھا۔ منیر کو دیکھا۔ وہاں کے باغوں میں سے ہوتا ہوا مزار کی زیارت کی۔ پھر ندی کے کنارے پر آیا۔ غسل کر کے ظہر کی نماز پڑھی اور لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ گھوڑے تھک گئے تھے اُن کو ہاتھوں پر لے لیا تھا۔ کئی آدمیوں کو راستہ میں چھوڑ دیا اور حکم دیا کہ ان کو ذرا دم لو کر اور ٹھنڈا کر کے آہستہ آہستہ لے آؤ۔ اگر یہ نہ کیا جاتا تو بہت گھوڑے بیکار ہو جاتے۔ منیر سے

پشتہ وقت میں نے کہہ دیا تھا کہ سوہن کے کنارے سے لشکر تک ایک آدمی ایک گھوڑے کا قدم گنتا آئے تیس ہزار ایک سے قدم گئے گئے جس کے دُگنے چھیالیس ہزار دو سے قدم ہوئے۔ یعنی ساڑھے گیارہ کوس۔ تیرے سوہن ندی تک ساڑھے نو کوس کے قریب تھے کشتی میں بارہ کوس چلے۔ ادھر اُدھر بندرہ کوس پھرے۔ آج تیس کوس کے قریب چکر ہوا۔ رات کے پہلو پہ سے چھ گھڑیاں گزری تھیں جو ہم لشکر میں داخل ہوئے۔ دوسرے دن سلطان جنید برلاس وغیرہ جو پور سے آئے، جلد نہ حاضر ہونے کے سبب سے میں اُن پر خفا ہوا۔ اور اُن سے ملاقات بھی نہ کی۔ البتہ قاضی ضیا سے مل لیا۔

امراء سے مشورہ | آج ہی امرائے ترک و ہند کو مشورہ کے لیے بلایا۔ دریائے اترنے کے باب میں صلاح لی۔ یہ بات قرار پائی کہ دریائے گنگا اور سرور کے درمیان میں کسی بلند جائے پر استاد علی قلی انگریزی اور ہندوستانی توپیں کھڑی کرے۔ بہت سے بندوچی اُس کے ہمراہ ہوں۔ وہاں سے گولوں اور گولیوں کا مینہ برسائے۔ جہاں دونوں دریا ملتے ہیں اُس کے پینچے کی جانب اُس مقام کے سامنے جس مقام پر بہار کی طرف گنگا میں بہت سی کشتیاں کھڑی ہیں مصطفیٰ اپنے توپ خانہ کو درست کر کے لڑائی میں مشغول ہو۔ اس کے ساتھ بھی بہت سربندوچی ہونا۔ محمد زمان میرزا وغیرہ مصطفیٰ کے پیچھے کمک پر رہیں۔ استاد علی قلی اور مصطفیٰ کی توپوں کے لیے مورچے قائم کیے جائیں۔ جائے درست کرنے کے لیے بیلداروں اور کھاروں پر محض مقرر ہوں سب اسباب و سامان لانے میں مشغول ہوں۔ عسکری اور سارے سردار جو معین ہوئے ہیں جلد جائیں اور ہدی کے گھاٹ سے اتر مورچے درست ہوتے ہی درست اور مستعد ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑیں اس میں قاضی ضیا اور سلطان جنید برلاس نے عرض کیا کہ یہاں سے آٹھ کوس اوپر کی جانب گھاٹ تھا۔ ردی زرد کو حکم ہوا کہ دو ایک جالہ بانوں اور سلطان جنید وغیرہ کے آدمیوں کو لیکر گھاٹ کی تلاش کرو۔ جہاں اترنے کی جائے ملے وہیں سے عبور کیا جائے۔ افواہ تھی کہ بنگالیوں نے بھی ہدی کے گھاٹ پر فوج متعین کرنے کا خیال کیا ہے۔ اتنے میں سکندر پور کے شہدار محمود خاں کی عرضی آئی کہ ہدی کے گھاٹ پر میں نے پچاس کشتیاں جمع کر لی ہیں۔ اور ٹکڑوں کو اجرت بھی دیدی ہے۔ مگر بنگالیوں کی آمد سننے سے ملاح گھبرا رہے ہیں۔ چونکہ سرودد یا کا گھاٹ درست ہونا دشوار تھا اس لیے جو لوگ گھاٹ دیکھنے گئے تھے اُن کا اظہار نہ کیا۔ امراء کو ہفتہ کے دن مشورہ کے لیے فراہم کیا میں نے اپنی رائے بیان کی کہ سکندر پور سے اور جرموک سے وادو تک سرودد دریا کے گھاٹ جا بجا ہیں۔ یہ جو دشمنوں کا گروہ پڑا ہوا ہے اُس کے لیے بہت ہی فوج میں معین کرتا ہوں کہ ہدی کے گھاٹ سے کشتیوں میں بیٹھ کر اترے اور اُن پر بھاپڑے۔ اس فوج کے

پہنچے تک استاد علی قلی اور مصطفیٰ انگریزی توپوں اور بندوقوں سے لڑتے رہیں۔ میں بھی گنگا سے
 پار ہوا استاد علی قلی کی کمک پر تیار کھڑا ہو جاتا ہوں۔ جب فوج گھاٹ سے اترے قریب پہنچے
 تو میں بھی ہلا کر کے جا پہنچوں۔ محمد زمان میرزا اور امرا اُسے متعینہ بہار کی طرف کے
 دریائے گنگ سے مصطفیٰ کے ساتھ لڑائی میں مصروف ہوں۔ یہی رائے قرار پائی۔ جو لشکر گنگا کی
 شمال میں تھا اُس کے چار حصے کر کے عسکری کو اُسپر سردار مقرر کیا۔ اور اُس کو ہلدی کے
 گھاٹ کی طرف روانہ کر دیا۔ یہ چار حصے یوں کیے۔ ایک حصہ عسکری اور اُسکے ملازم۔ دوسرے حصے
 میں سلطان جلال الدین کی فوج تیسرے میں سلطان انبک یعنی قاسم حسین۔ نیوہ سلطان۔
 نامک انیش سلطان۔ محمد خان ماتو۔ غازی پوری کو کی بابا تشقہ۔ قریش ازبک۔ قربان حسرتی۔
 حسین خاں نادر وغیرہ۔ چوتھے میں موسے سلطان۔ سلطان جتید برلاس اور تمام فوج جو پورہ
 سب تختیاں ہزار فوج تھی محصل مقرر کر دیے گئے کہ آج ہی یکشنبہ کی رات کو اس لشکر کو مینا
 کر دو۔ صبح اتوار کے دن لشکر گنگا سے اترنے لگا۔ میں پہرہ چڑھے کشتی میں سوار ہو کر روانہ
 ہوا۔ تیسرے پہرہ رسی زرد جو گھاٹ دیکھنے گئے تھے آئے۔ گھاٹ کا کہیں تیانہ ملا کشتیوں کے
 راستے میں ملنے اور فوج متعین ہونے کی خبر لائے۔ منگل کے دن ہم دریا سے پار ہو گئے۔ چار توپیں
 دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ کے پاس کوس بھر پر جہاں جنگ کا میدان قرار دیا تھا لشکر
 اُترا۔ میں نے جاکر استاد علی قلی کی گولہ اندازی کا تماشا دیکھا۔ آج ہی استاد علی قلی نے انگریزی
 توپ کے گولے۔ دو کشتیوں کو توڑ کے غرق کر دیا۔ لڑائی کے میدان میں بڑی توپ لیجائے
 لیے اور اس کے واسطے جائے درست کرنے کے لیے ملا غلام کو مقرر کیا۔ کچھ سول اور سپاہی
 بھی اُس کے سپرد کر دیے۔ وہاں سے آکر لشکر کے قریب ایک سیلے میں میں نے معجون کھائی۔ آج
 معجون ہو چکی کشتی کو خرگاہ کے پاس لے آئے۔ رات کو میں وہیں رہا۔ آج رات کو عجیب واقعہ گزرا۔
 پہلی رات سواروں کی کشتی میں غل مچا۔ ہر شخص کشتی کی لکڑی کو پکڑ کر اور اور کہتا ہوا چینی غل کا
 سبب یہ ہوا کہ کشتی فرمائش جس میں میں سوتا تھا کشتی آسائش کے پہلو میں تھی۔ اس میں ایک
 چوکیدار کی جو سوتے سوتے آنکھ کھلی تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ کوئی آدمی کشتی آسائش پر ہاتھ رکھے
 ہوئے چڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اسنے اُس کو پتھر مارا۔ وہ فوراً دریا میں کود پڑا۔ اور پھر دریا میں
 سے نکل چوکیدار کے سر پر تلوار ماری۔ جس سے چوکیدار کچھ زخمی ہوا اور وہ بھاگ گیا۔ اس کی
 وجہ یہ تھی کہ جس رات میں میں سے آیا ہوں آدمی رات کو دو ایک چوکیداروں نے کئی ہندوستانیوں
 کو نکال دیا تھا۔ اور ان کی دو تلواریں ایک خچر چھین لیا تھا۔ خدا نے خیر کر لی ہے
 اگر تیغ عالم بحسبہ زجائے نمبر درگے تا نخواہ خدا کے

صبح کو بدھ کے دن میں کشتی گنجائش میں جہاں پتھر ڈالتے ہیں وہاں آیا۔ ہر شخص کو ہر کام پر مقرر کیا۔

بنگالیوں سے مسدود بھیر اور ان کو شکست

بنگالی دریا کے پار ہو رہے ہیں اور لوٹ مار کرنے کی فکر میں ہیں۔ ادغان تردی کی فوج نے گھوڑے ڈٹا کر بنگالیوں کو بھگا دیا۔ بہت سوں کو تیروں سے مارا۔ کچھ آدمیوں کے سر کاٹ لیے۔ اور

سات آٹھ کشتیاں بھی گرفتار کر لیں۔ آج ہی محمد زمان میرزا کی طرف بھی بنگالیوں نے چند کشتیوں میں اتر مقابلہ کیا۔ محمد زمان میرزا کی فوج نے بھی حملہ کر کے بنگالیوں کو بھگا دیا۔ تین کشتیاں دریا

میں ڈبو دیں۔ ایک کشتی پکڑ کر میرے پاس لے آئے۔ اس موقع پر بابا چہرہ نے اچھا حمد کیا میں حکم دیا کہ ان سات آٹھ کشتیوں میں جن کو ادغان تردی وغیرہ پکڑ لائے ہیں محمد سلطان میرزا

آئیکہ خواجہ۔ یونس علی۔ ادغان تردی اور وہ فوج جو پہلے جانے کے لیے مقرر ہوئی تھی بیٹھ کر اندھیرے منہ پار ہو جائیں۔ آج ہی عسکری کے پاس سے آدمی آیا۔ اُس نے کہلا بھیجا کہ جہاں

دریا پایاب نہ تھا وہاں سے ہم پار اتر گئے۔ کل جمعرات کے دن باغیوں پر حملہ کرینگے۔ میں نے حکم دیا کہ اور لوگ بھی جو پار اتر گئے ہیں عسکری کے ساتھ ہو جائیں۔ ظہر کے وقت استاد کے

پاس سے آدمی آیا۔ اُس نے کہا کہ گولا تیار ہو گیا ہے۔ کیا حکم ہے؟ میں نے حکم دیا کہ اُس کو تو پھوڑ اور میرے آنے تک دوسرا تیار کر رکھو۔ عصر کے وقت میں ایک بنگالی ڈونگے میں سوار ہو

موسے پر پہنچا۔ استاد نے ایک بار تو بڑا گولا مارا۔ پھر کئی دفعہ انگریزی گولے مارے بنگالی آگ برسانے میں مشغور تھے۔ اس دفعہ میں نے اُن کو خوب دیکھا۔ ایک جائے سے آتشباری نہیں کرتے

جائے سے کرتے ہیں۔ اسی عصر کے وقت میں نے حکم دیا تھا کہ دریا سے سرد میں میں کشتیاں بے شمار اور بے پناہ کھینچے ہوئے لیواؤ۔ تیمور سلطان۔ توختہ بوغا سلطان۔ بابا سلطان۔ آرائش خاں۔

اور شیخ گھوڑن کو حکم دیا کہ ان کشتیوں کی تم حفاظت کرو۔ اس کے بعد میں وہاں سے پٹا اور بھیر میں داخل لشکر ہوا۔ ادھی رات کو مذکورہ کشتیوں والوں نے کہلا بھیجا کہ جو فوج مسعین ہوئی تھی

وہ آگے چلی گئی۔ ہم کشتیاں کھینچنے لیے جاتے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ بنگالی کشتیاں جمع کیے ہوئے ایک تنگ مقام پر آمادہ جنگ ہیں۔ ہماری ایک پھلی کشتی کے پانوں میں گولا لگا۔ اُس کا پانوں

ٹوٹ گیا۔ اور ہم آگے نہ جاسکے۔ دوسرے دن جمعرات کو سورجے والوں نے کہلا بھیجا کہ کشتیاں آگئیں اور ان میں جو سوار ہیں کشتیوں ہی میں بیٹھے ہوئے ہمارے مقابلہ میں آگئے۔ ہم بھی جلد ہی

ان کشتیوں پر جرات کو بھیجی گئی تھیں ان چڑھے۔ میں نے آدمی دوڑایا کہ محمد سلطان میرزا وغیرہ لوگ

پار ہو جانے کے لیے مقرر ہوئے ہیں فوراً عسکری کے پاس جا پہنچیں۔ تیمور سلطان اور توختہ بوغا سلطان کو جو کشتیوں میں تھے حکم بھیجا کہ تم چلے جاؤ کہیں نہ روکو۔ تا با سلطان ابھی مقام مقرر پر نہ آیا تھا۔ تیمور سلطان اپنے تیس چالیس آدمیوں اور گھوڑوں سمیت ایک کشتی میں بیٹھ چلا ہوا۔ اگلے پیچھے ایک کشتی اور روانہ ہوئی۔ بنگالیوں نے جو ان کو دیکھا تو بہت سے پیدل انکی طرف متوجہ ہوئے۔ تیمور سلطان کے ساتھ آٹھ آدمی صومار ہو کر ان پیدلوں کے مقابل ہوئے۔ سلطان کے سوار ہوتے تاک ان پیدلوں نے حملہ کر دیا اور وہ سلطان کی طرف بڑھے۔ اس عرصہ میں سلطان بھی سوار ہو گیا۔ اتنے میں دوسری کشتی بھی آگئی۔ بیس تیس سوار اور پیدلوں نے حملہ کر کے ان کو دنگ بھگا دیا۔ سلطان نے بڑا نمایاں کام کیا۔ اول تو خود بے دھڑک سب سے آگے پہنچا۔ دوسرے تھوڑی سی فوج سے بہت سوں کا مقابلہ کر کے ان کو شکست دی۔ توختہ بوغا سلطان بھی پہنچ گیا۔ اور کشتیاں بھی پے در پے جا پہنچیں۔ لاہوری اور ہندوستانی فوج کے دستے اور دستوں سے علیحدہ متفرق اترنے شروع ہوئے۔ یہ حالت دیکھتے ہی بنگالی کشتیاں دریا کے نیچے کی طرف نہا جو مورچہ تھا اُس کے سامنے سے بھاگنے لگیں۔ درویش محمد ساربان۔ دوست ایشک آقا۔ نور بیگ وغیرہم سوار چوں کے آگے سے چلنے لگے۔ میں نے سلطان کو کہلا بھیجا کہ اترنیوالوں کو اچھی طرح جمع کرتے جاؤ۔ جب زیادہ فوج اکٹھی ہو جائے تو پہلو کی طرف سے پھر کر غنیم کو تکہ دھڑکا سب سلاطین نے فوج کی چار ٹکڑیاں کر کے غنیم پرورش کر دی۔ ان فوجوں کے قریب ہوتے تاک غنیم نے اپنے پیادوں کو آگے کر لیا۔ اور آرام سے بٹھیر ٹھیر کر چلنا شروع کیا۔ اُدھر ت عسکر اور حصہ فوج میں سے کوئی ایک ٹکڑی کو سیکر آیا۔ اُدھر سے سب سلاطین پیچھے غنیم کو مارنے اور گراتے چلے۔ بسنت رانا (ہندوؤں کے ایک سردار) کو کوئی نے گرفتار کر کے اسکا سر کاٹ لیا۔ اُسکے دس ہندو آدمی کو کی پراپڑے۔ وہیں اُس کا کام تمام کر دیا۔ توختہ بوغا سلطان نے غنیم کے آگے سے نکل خوب شمشیر زنی کی۔ دوست ایشک آقا۔ مغل عبدالوہاب اور اُس کے چھوٹے بھائی نے بھی خوب تلواریں ماریں۔ اگرچہ مغل تیرنا نہ جانتے تھے مگر ہاتھ پاؤں مار دریا سے نکل ہی گئے۔ میری کشتیاں پیچھے تھیں کشتیاں لانے کے لیے میں نے آدمی بھیجا۔ کشتی فرمائش سب سے پہلے آئی۔ میں اُسی میں بیٹھ کر گیا۔ اور بنگالیوں کی فرو دنگا ہوا کو دیکھا۔

بنگالیوں کو شکست دیکر اودھ کو آنا۔ پھر گنجائش میں سوار ہو کشتی دریا میں چھوڑ دی۔ میر محمد چلنا اچھا ہے۔ میں نے حکم دیا کہ جدھر سے میر محمد کہتا ہے اُدھر ہی سے لشکر عبور کرے۔ محمد سلطان اور اُس کے بھائیوں کو جس وقت پار ہو نیکا حکم ہوا تھا اُس وقت میرزا کے ہمراہیوں میں سے

یکہ خواجہ کی کشتی ڈوب گئی تھی۔ اور یکہ خواجہ ڈوب کر مر گیا تھا۔ خواجہ کی جاگیر و فوج اُسکے چھوٹے بھائی خواجہ قاسم کو عنایت کر دی گئی۔ ظہر کی نماز کے وقت میں نہا رہا تھا جو سلاطین حاضر ہوئے میں نے اُن کی بہت ستائش کی اور سب کو الطاف و مہربانی کا امیدوار کیا۔ اس اثنا میں عسکری بھی آیا۔ عسکری کو یہ پہلا ہی موقع لڑائی کا تھا۔ اُس کا لشکون اچھا ہوا۔ ابھی لشکر روانہ نہ ہوا تھا اس واسطے رات کو میں ایک ٹاپو میں کشتی گنجائش ٹھہرا کر سو رہا۔ جمعہ کے دن کو بج ہوا دریائے سردار کے شمال میں جہاں خربہ کا علاقہ اور نہر ہن کا پرگنہ ہے کو تہ یہ گاہوں ہے۔ اُس میں لشکر اُترا۔ ہفتہ کے دن کو گئی کو مع ایک دستہ فوج کے حاجی پور خبر لیو کے لیے بھیجا۔ اگلے سال کی پور میں شاہ محمد بن معروف کو امراء میں داخل کر کے سارن کا علاقہ اُس کو دیدیا تھا۔ کئی مرتبہ اُس نے عمدہ خدمتیں کیں۔ اپنے باپ معروف سے دو دفعہ مقابلہ کر کے شکست دی۔ اور گرفتار کر لیا۔ جب سلطان محمود نے بہار پر قبضہ کیا اور بہن و شیخ بایزید اُس پر تباہ پڑے تو مجبوراً اُن کے ساتھ ہو گیا۔ ان دنوں میں کئی بار اُس کی عرضیاں آئیں۔ لوگ تو اس کی نسبت بے پرکی اُڑتے تھے۔ مگر جو بھی عسکری ہلدی کے گھاٹ سے اُترا وہی شاہ محمد بھی اپنی فوج کو لیے ہوئے چلا آیا۔ اور جس منزل میں عسکری نے بنگالیوں پر حملہ کیا تھا اُسی منزل میں اس نے شرف ملازمت حاصل کیا۔ انہی دنوں میں متواتر خبریں آئیں کہ بہن و شیخ بایزید دریائے سردار سے عبور کرنے کے خیال میں ہیں۔ آج کل ہی میں سنبھل سے ایک عجیب خبر آئی علی یوسف سنبھل میں تھا اور اُس نے سنبھل کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ وہ اور اُسکا ایک مصاحب جو اچھی طبیعت کا تھا ایک ہی دن میں دونوں فوت ہو گئے۔ سنبھل کے بندوبست کے لیے عبداللہ نامزد ہوا جمعہ کے دن رمضان کی پانچویں تاریخ عبداللہ کو رخصت کر دیا۔ انہی دنوں میں چین تیمور سلطان کی عرضی آئی۔ اُس لکھا تھا کہ جن امراء کو کابل سے آئیوالے محل والوں کی ہمراہی کے لیے مقرر کیا تھا وہ تو امراء ہمراہ نہ ہو سکے مگر ہاں محمدی وغیرہ سلطان کے ساتھ کوئی سو کوں تک بطریق ایلغار گئے۔ اور بلوچوں کو کابل شکست دی۔ عبداللہ کے ہاتھ چین تیمور سلطان سلطان ولدی محمدی اور اور امراء کو حکم پہنچا کہ سب چین تیمور سلطان کے ساتھ آگرہ میں جمع ہوں اور تیار رہیں جس طرف مخالفت نہ کریں اُس طرف متوجہ ہو جائیں۔ پیر کے دن آٹھویں تاریخ دریا خاں کا پوتا جمال خاں جس کے لیے شیخ جمالی گیا تھا آکر ملا بڑی بڑے امراء ہمیت آکر ملا۔ آج ہی یکے نو خانی جس نے اپنے بھائی کو بھیج کر اظہار اطاعت کیا تھا اور اُس کو فرمان خوشنودی بھیجا تھا حاضر ہوا۔

ملک بہار کی تقسیم | چونکہ آٹھ سات ہزار پٹھان امیدوارانہ آئے تھے اُس لیے اُن کو

نا امید کیونکر کیا جاتا۔ ملک بہار میں سے ایک کروڑ کا ملک شامل خالصہ کر کے پچاس لاکھ کا علاقہ محمود خاں نوخانی کو دینے کے لیے رکھا تھا۔ وہی اس جلال خاں کو دیدیا۔ اور ایک کروڑ خدمت کے عوض میں دینا قبول کیا۔ اس روپیہ کی تحصیل کے لیے ملا غلام یساول کو بھیجا۔ مجدد زمان میرزا کو چنپور کا علاقہ عطا کیا۔

بنگالیوں سے صلح جمہرات کی رات کو غلام علی (خلیفہ کانوکر) اور اسماعیل پٹنا کے پاس سے

ابوالفتح (شاہزادہ میکر کانوکر) وہ تینوں باتیں لیکر گئے تھے۔ وہی ابوالفتح شاہزادہ میکر اور حسن خاں کے خطوط جو انہوں نے خلیفہ کو لکھے تھے لایا۔ تینوں باتیں قبول کریں۔ اور نصرت شاہ کا خود دستہ لیا۔ صلح کی گفتگو ہونے لگی۔ لیکن یہ پورش باغی افغانوں کے لیے تھی۔ اُن میں سے بعض نے خود سری کر کے مزہ چکھا۔ اور بعض نے اطاعت قبول کی۔ کچھ چورہ گئے بنگالی کے دست نگر ہو گئے۔ اُن کو بنگالی نے اپنی پناہ میں لے لیا۔ برسات بھی سر پراگئی تھی۔ میں نے بھی اُس کے جواب میں مذکورہ شرائط کے ساتھ صلح کا پیغام لکھ بھیجا۔ مدعا یہ تھا کہ یہاں سے چل کر اور باقی کے ساتھ ہو کر میرے پہنچنے تک جو کچھ بن پڑے وہ کریں۔ آج عصر کے وقت شاہ محمد کو خلعت خاص مع گھوڑا عنایت کر کے رخصت دی۔ اور اگلے سال کی طرح سارن کا علاقہ اُس کی جاگیر میں اور کندہ ترکش بندوں کی تنخواہ میں عنایت کیا۔ آج ہی اسماعیل حلوانی کو سردار کے علاقہ میں سے بہتر لاکھ کی تنخواہ اور خلعت مع گھوڑا عطا کیا اور رخصت دیکر یہ حکم دیا کہ ہر ایک کا ایک بیٹا اور بھائی آگرہ میں حاضر رہے۔ کشتی آرائش و گنجائش اُن دو کشتیوں سمیت جو بنگالے کی دستیاب شدہ کشتیوں میں سے منتخب نہیں بنگالیوں کے سپرد کر کے حکم دیا کہ وہاں کے راستہ سے غازی پور لیجاؤ۔ کشتی آسائش اور فرمائش کے لیے حکم دیا کہ ساز و سامان سمیت ہمارے ساتھ ساتھ لے چلو۔ جب ملک بہار اور سردار سواطینا ہو گیا تو پیر کے دن چترموک ندی کے راستہ سے اودھ اور کنار سرود کی طرف کوچ کر کے دس کوس کا راستہ طے کیا۔ پیر کے دن اسماعیل حلوانی۔ علاؤل خاں توخانی اور اولیا خاں سروانی نے مع پانچ چھ سرداروں کے ملازمت حاصل کی۔ آج ہی چین تیمور سلطان کونارنول کے پرگنہ سے تیس لاکھ۔ اور توحہ بوغا سلطان کوپرگنہ شمس آباد سے تیس لاکھ عنایت کیے۔

بہار اور بنگالہ سے مراجعت کر کے بن

وغیرہ کے استیصال کی طرف توجہ

کے فادہ فرو کرنے کا مصمم قصد کر کے کوچ کیا۔ دو منزل چلے بدھ کے دن چترموک ندی کے گھاٹی چڑ

سکندر پور کے پاس ہے لشکر فروکش ہوا۔ آج ہی اہل لشکر عبور کرنے لگے۔ اُن حرامخوروں کی متواتر خبریں آئیں کہ وہ سرود سے پار ہو لکھنؤ کی طرف گئے ہیں۔ ان کے راستے روکنے کے لیے ترک اور ہندوستانی سرداروں میں سے جلال الدین شرتی۔ علی خاں فرملی۔ نظام خاں سالی۔ قزیش ازبک۔ قربان چرچی۔ اور حسین خاں دریا خانی مقرر ہوئے۔ ان سرداروں کو جمعرات کے دن رخصت کیا۔ آج ہی رات کو تراویح پڑھ چکے تھے اور ایک پہر پر پانچ گھنٹیاں گزری تھیں کہ دھوند کا رابر اٹھا اور پلک مارتے میں ایسی طوفانی آندھی چلی کہ شاید ہی کوئی خیمہ کھڑا رہ گیا ہو۔ میں اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا کتاب لکھ رہا تھا۔ کاغذ اور کتاب کے اجڑا سیٹے تنک کی فرصت نہ ملی۔ خیمہ مع پیشخانہ میرے سر پر آ رہا۔ خیمہ کی رستیوں وغیرہ کے ٹکڑے اڑ گئے۔ خدا نے مجھے بال بال بچایا۔ کہیں جھپٹ تک نہیں آئی۔ کتاب کے اجڑا بھیک گئے تھے۔ بڑی مشکل سے میں نے سب کو سمیٹا۔ سفلات کے توجہ میں لپیٹ کر کتاب کو میں نے پیٹ کے نیچے رکھ لیا۔ اور اوپر سے کبیل اوڑھ لیا۔ دو گھنٹی کے بعد طوفان فرو ہو تو پیشخانہ کا خیمہ اتادہ کھڑا کر کے شمع روشن کی اور بڑی دقت سے آگ سلگائی۔ صبح تک آنکھ نہ لگی۔ کاغذوں کے سکھانے میں میں مصروف رہا۔ جمعرات کو ہم دریا سے پار ہو گئے۔ جمعہ کو میں نے خرید اور سکندر پور کی سیر کی۔ عبداللہ اور باقی نے لکھنؤ لینے کا جو حال لکھا تھا وہ آج پہنچا۔ ہفتہ کے دن کوئی کو ایک دستہ فوج کے ساتھ آگے روانہ کیا کہ باقی کے ساتھ جائے۔ اتوار کے دن سلطان جنید برلاس۔ حسن خلیفہ۔ ملا آفاق کی فوج اور موتمن آتک کے بھائیوں کو رخصت دی گئی کہ باقی پاس جاؤ۔ اور میرے آتے تک جو ہو سکے اُس میں کمی نہ کرو۔ آج ہی عصر کے وقت شاہ محمد کو خلعت خاص اور گھوڑا عنایت کر کے رخصت کیا۔ اور پچھلے کی طرح سارن کا علاقہ اُس کی تنخواہ میں اور کنداکا ترکش بندوں کی تنخواہ کے لیے عطا کیا۔ آج ہی اسماعیل حلوانی کو سردار سے بہتر لاکھ تنخواہ کے عنایت کیے۔ اور خلعت خاص مع گھوڑا دیکر رخصت کیا۔ علاؤل خاں لوخانی اور اُس کے ہمراہیوں کی تنخواہ بھی سردار سے مقرر کر کے اُن کو رخصت کر دیا۔ اور یہ بات ٹھیرادی کہ ہر ایک کا بیٹا یا چھوٹا بھائی ہمیشہ ہماری خدمت میں حاضر رہے۔ کشتی گنجائش۔ آرائش اور دو اور کشتیوں کو (جواب کی بار بنگالے سے ہاتھ لگی تھیں اور اُن میں سے چن لی تھیں) نزہا کے راستہ سے غازی پور لیجائیکا حکم دیا۔ آرائش اور فرمائش کشتیوں کی نسبت حکم دیا کہ دریائے سرود سے اوپر اوپر لیے چلے آؤ۔ بہار اور سردار کے ملک سے مطمئن ہو کر دو شنبہ کو چترموکندی کے گھاٹ سے اودھ کی طرف سرود کے کنارے کو بیج کر دیا۔ دس کوس کی منزل کر کے

فتح پور کے علاقہ میں قریب موضع کلرہ سرود کے کنارے پر ڈیرے ہوئے۔ اندھیرے میں جو چل نکلتے تھے وہ راستہ بھول گئے۔ اور فتح پور کے بڑے تالاب کے پاس جا پہنچے۔ کچھ لوگ اُن کی طرف دوڑائے کہ پاس والوں کو پٹا لاؤ۔ کیجک خواجہ کو بھیجا کہ جس قدر لشکر تالاب کے کنارے پر پہنچ گیا ہے اُس کو کہو کہ رات تو وہیں گزارے صبح کوچ کرے۔ آدھے راستے چل کر میں کشتی آسائش میں سوار ہو گیا۔ کشائندہ منزل تک دریا ہی میں چلتا رہا۔ شاہ محمد دیوانہ کے بیٹے کو (جو باقی کے پاس سے آیا تھا) خلیفہ میرے پاس لایا۔ لکھنؤ کی یہ تحقیق خبر معلوم ہوئی کہ سہ شنبہ کو تیرھویں تاریخ لڑائی ہوئی۔ مگر دشمن کچھ کرنے سکے۔ اثنائے جنگ میں گھانس کی گریوں اور چھڑوں میں آگ لگ گئی۔ قلعہ کے اندر یہ معلوم ہوتا تھا کہ تندر بھرک رہا ہے۔ پھر ہمارے آنے کی سنکر دشمن دلو کی طرف چلے گئے۔ آج بھی دس کوس کی منزل ہوئی۔ جگرہ گاؤں کے قریب جو سکری کے پرگنہ میں ہے دریاے سرود کے کنارے پر بھیجے پڑے۔ جانوروں کے آرام لینے کے لیے یہاں تین چار مقام ہوئے۔ بعض نے خبر اڑائی کہ شیخ بایزید اور بن گنگا سے اتر کر چوسا اور چنار کی نواح میں ہوتے ہوئے اپنی بستیوں میں جانے کا خیال رکھتے ہیں۔ امرا سے اس باب میں صلاح لی۔ چچن تیمور سلطان۔ محمد سلطان اور توختہ بوغا سلطان۔ قاسم حسین سلطان۔ بنجوب سلطان۔ مظفر حسین سلطان۔ قاسم خواجہ۔ جعفر خواجہ۔ خواجہ جان بیگ (مع ملازمان عسکری)۔ کیجک خواجہ۔ (اہل ہند میں سے) عالم خاں کالپٹی۔ ملک داد کرمانی اور اودوی سروانی کو حکم دیا کہ لشکر سے علیحدہ ہو کر دلو کی طرف ہن اور بایزید کے پیچھے بہت جلد جاؤ۔ ہور پور کے اسی جانب رات کو میں نہایا۔ مشعل کی روشنی سے بہت مچھلیاں جمع ہو کر پانی کے اوپر آگئیں۔ میں نے اور مصاجوں نے بہت سی مچھلیاں پکڑیں۔ جمعہ کے دن اسی ہور پور کے دریا کی ایک شاخ کے اس طرف لشکر اُترا۔ اندھیرا بہت تھا۔ جو دہ دروہ کنواں میں نے نہانے کے لیے کھدوایا تھا اُس کو اہل لشکر کے پار ہونے کے خیال سے بند کرادیا۔ ستائیسویں کی رات یہیں گزری۔ صبح اس دریا کو چھوڑا۔ اور دریائے توس سے پار اُترنا ہوا۔ اتوار کو اسی دریا کے کنارے پر قیام ہوا۔ پیر کے دن اسیسویں تاریخ اسی دریا کے کنارے اگرچہ مطلع صاف نہ تھا مگر کچھ لوگوں نے قاضی صاحب کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی۔ عید ہو گئی۔ دوسرے دن منگل کو عید کی نماز پڑھنے کے بعد میں سوار ہوا۔ دس کوس رستہ چلے کوئی ندی کے کنارے سے کوس بھر پو اُترا۔ ظہر کے وقت معجون کھائی۔ ابن حسین بیگ کو بھیجکر شیخ زین۔ ملا شہاب اور آخوند امیر کو بلایا۔ عصر کی نماز کے وقت پہلوانوں نے کشتیاں کیں۔ بدھ کے دن اس منزل میں مقام ہوا۔

چاشت کے وقت معجون کھائی۔ آج ملک شرق جو آج خاں کو چنار سے نکالنے کے لیے گیا تھا آیا۔ آج پھر پہلوانوں کی کشتی ہوئی۔ پہلوان اودی جو اول آیا تھا ہندوستانی پہلوان سے جو آج کل میں آیا ہے لڑا۔ اور ہاتھ ملائے ہی اُس نے اُس کو دے مارا۔ یحییٰ نوزخانی کو پندرہ لاکھ کا علاقہ سردار سے اُس کی تنخواہ میں اور خلعت دیکر رخصت کیا۔ دوسرے دن گیارہ کوس کی منزل کر کے اور دریا کے کوسی سے اُتر کے اسی دریا کے کنارے پر لشکر اُترا۔ جن امراء اور سلاطین کو بہن اور شیخ بایزید کے استیصال کے لیے بھیجا تھا اُن کی خبر آئی کہ وہ دلمو پہنچے ہیں۔ مگر ابھی گنگا کے پار نہیں گئے۔ دل چڑا رہے ہیں۔ اُن کے نام فرمان بھیجا گیا کہ گنگا سے پار ہو کے غنیم کا پیچھا کرو۔ جتنا سے بھی پار ہو جاؤ۔ عالم خاں کو اپنے ساتھ لے لو۔ اور غنیم کا اچھی طرح استیصال کرو۔ اس دریا سے پار ہو دو منزلیں چل کر ہم دلمو میں پہنچے۔ گنگا کے گھاٹ سے آج ہی اکثر اہل لشکر پار ہوئے۔ لشکر کو تو چلتا کیا اور میں نے گھاٹ کے نیچے کی جانب بیلے میں پھیر کر معجون کھائی۔ بقیہ فوج کے اُترنے کے لیے یہیں جہاں سے اُترے تھے مقام کو دیا۔ باقی تماشکندی اپنے لشکر سمیت آج ہی آیا۔ اور اُس نے ملازمت حاصل کی۔ ہم گنگا سے ایک منزل کر کے کوراہ کے پاس آئندہ دی کے کنارے پر اُترے۔ دلمو سے کوراہ اکیس کوس ہے۔ جمعرات کو اُس مقام سے اندھیرے میں کوچ کر دیا۔ اور برگنہ آدم میں ڈیرے ہوئے۔ دشمنوں کا تعاقب کرنے کے خیال سے دو ایک ملاحوں کو آگے سے روانہ کر دیا تھا کہ جتنی کشتیاں ہاتھ لگیں لے آؤ۔ ہم اسی منزل میں تھے کہ رات کو کچھ کشتیاں آگئیں۔ اور دریا کا گھاٹ بھی دریافت ہو گیا۔ رہ گزر درست کرنے کے واسطے چند روز اس جگہ ٹھہرنا پڑا۔ میں بیلے ہی میں رات دن رہا۔ مخالفوں کی خبر لانے کے لیے باقی شقاوہ کو کچھ فوج کے ساتھ دریا سے پار روانہ کیا۔ دوسرے دن جمعہ کو عصر کے وقت باقی آیا اور خبر لایا کہ مبارک خاں حلوانی نے شیخ بایزید اور بہن کو شکست دیکر اُن کے کئی عمدہ آدمی قتل کر ڈالے۔ کئی سرور ایک زندہ آدمی گرفتار کر کے بھیجا ہے۔ اس کیفیت کو اُس نے مشرح بیان کیا۔ اسی رات جو تیرہویں تاریخ اور ہفتہ کی رات ہے جتنا چڑھی۔ صبح ہی ہم اُس بیلے سے جس کو درست کیا تھا دوسرے بیلے میں بیلے گئے اور خیمے کھڑے کر دیے۔ پیر کے دن جلال ماشکندی اُن امراء اور سلاطین کے پاس سے آیا جو بطریق ایٹخار مخالفوں پر گئے تھے۔ اُس سے معلوم ہوا کہ انکی چڑھائی کی سکر شیخ بایزید اور بہن پر گنہ جھوپ سے بھاگ گئے۔ ادھر تو برسات سر پہ آگئی ادھر پانی چھ مہینے سے جو فوج کشی ہو رہی ہے تو اہل لشکر کا ساز و سامان خراب ہو گیا تھا۔ اس واسطے ان امراء اور سلاطین کو کہلا بھیجا کہ تازہ فوج پہنچنے تک اُسی نواح میں تم توقف کرو۔

باقی شقاوت کو آج ہی عصر کے وقت مع لشکر رخصت کر کے روانہ کیا۔ موسے معروف غزلی کو جو دریائے سرود کے چھوڑتے وقت حاضر ہوا تھا تیس لاکھ کی جاگیر امر وہبہ کے علاقہ کی اُس کی تنخواہ میں دی۔ اور خلعت خاص مع گھوڑا اُس کو دیکر امر وہبہ جانے کی رخصت عطا کی۔ جب ادھر سے خاطر جمع کر لی تو منگل کی رات کو تین پہر پر ایک گھڑی گزرنے کے بعد ہم چل کھڑے ہوئے۔ کاپلی کے پرگنہ نیلا در میں دو پہر کو ذرا دم لیا اور گھوڑوں کو دانہ گھاس کھلا مغرب کے وقت سوار ہو گئے۔ رات کو تیرہ کو س چل کر رات کا تیسرا پہر تھا جو کاپلی کی علاقہ کے شوگون پور میں پہنچے۔ بہادر خاں شروانی کے کورخانہ میں اتر کر سو رہے۔ صبح کی نماز کے وقت وہاں سے کوچ کر دیا۔ اور اٹھارہ کو س کار راستہ سے گزے دو پہر کو اٹاوسے جا پہنچے۔ مہندی خواجہ نے پیشوائی کی۔ پہر رات گئے وہاں سے سوار ہو گئے۔ راستہ میں میں ذرا استراحت کی۔ اٹھارہ کو س چل کر فتح پور راہری میں دو پہر کو ہم آن اترے۔

آگرہ میں داخل ہو گئے | آدھی رات گئے باغ ہشت بہشت میں ہم داخل ہو گئے۔ دوسرے

دن جمعہ کو محمد بخشی اور اُور امرائے حاضر ہو کر ملازمت حاصل کی۔ ظہر کے قریب جتنا سے پار ہو خواجہ عبدالحق سے میں ملا۔ قلعہ میں گیا اور سب بیگیوں سے ملا۔ ملکی پالیز کار کو خبر بوزے بونے کے لیے حکم دے گیا تھا۔ اُس نے کچھ خبر بوزے بچار کھے تھے حاضر کیے۔ اچھے خبر بوزے تھے۔ دو ایک پودے انگور کے باغ ہشت بہشت میں لگوائے تھے اُس میں بھی اچھے انگور لگے۔ شیخ گھورن نے بھی انگوروں کا ایک ٹوکرا بھیجا۔ ملاحظہ سے گزرا۔ ہندوستان میں ایسے انگور اور خبر بوزے ہونے سے دل خوش ہوا۔

اہل محل کابل سے آئے | ہفتہ کے دن دو پہر کو ماہم کابل سے آئی۔ عجیب بات ہوئی ہے کہ جمادی الاول کے کسی دسویں کو ہمارا لشکر روانہ ہوا تھا۔ اسی تاریخ

ماہم نے کابل چھوڑا تھا۔ جمعرات کے دن غزہ ذیقعدہ کو بڑے دیوانخانہ میں دربار ہوا۔ اس باب میں ہمایوں اور ماہم کی پیشکشیں ملاحظہ سے گزریں۔ آج ہی ایک خواص کو ڈیڑھ سے کہا روں کے ساتھ اجرت دیکر خبر بوزے اور انگور لانے کے لیے کابل بھیجا۔ ہفتہ کے دن تیسری تاریخ ہندوبگ جو کابل سے بدرقہ ہو کر آیا تھا علی یوسف کے فوت ہونے سے سنبھل بھیجا گیا۔ حصار الدین خلیفہ بھی اتوار سے آج حاضر ہوا۔ دوسرے دن اتوار کو عبد اللہ جو ترہانی سے علی یوسف کے مرنے پر بھیجا گیا تھا آگیا۔ کابل سے آئیوالوں نے بیان کیا کہ شیخ شریف قراغی نے عبد العزیز کے اغوا سے یا اُسکی دوستی سے ایسے ظلم و ستم جو نہیں ہوئے ہیں لکھکر محض تیار کیا ہے اور اُس پر

سارے لاہوریوں کے دستخط بنائے ہیں۔ اس میں حضرت کی نقیص جابجا بھیجی ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ فساد برپا کرے۔ عبدالعزیز سے بھی یہودہ اقوال اور نالائق حرکتیں سرزد ہوئی ہیں۔ اُس نے چند احکام کی بھی تعمیل نہیں کی۔ یہ سنکر اتوار کے دن گیارہویں تاریخ قبر علی ارغوان کوروانہ کیا کہ شیخ شریف عبدالعزیز۔ لاہور کے اکابر اور چودھریوں کو ہمراہ لیکر آئے۔ جمعرات کی پندرہویں تاریخ تجارہ سے چٹن تھمور سلطان نے انکر ملازمت حاصل کی۔ آج پھر صبا دق پہلوان اور کمال اودی پہلوان کی کشتی ہوئی۔ صا دق نے اس کے ادھر بچھاڑنے میں بڑی دقت اٹھائی۔ پیر کے دن افسوس تاریخ شاہ قزلباش کے سفیر مراد توپچی کو خنجر اور خطبت مناسب اور دو لاکھ تنگہ عنایت کر کے رخصت دیدی۔

حکومتِ آریار سے آریار کی بغاوت
انہی دنوں میں سید مشہدی گویا آریار سے آیا اور اُس نے رحیم داد کے باغی ہونے کی خبر عرض کی۔ خلیفہ کے نوکر شاہ محمد مہر دار کے ہاتھ بہت سی نصیحت آمیز باتیں لکھ بھیجیں۔ شاہ محمد وہاں گیا اور چند روز بعد اُس کے بیٹے کو ساتھ لایا۔ مگر رحیم داد نہ آیا۔ اُس کے خوف رفع کرنے کے لیے نور بیگ کو ذی الحجہ کی پانچویں تاریخ ہفتہ کے دن گویا آریار بھیجا۔ چار دن بعد نور بیگ آیا۔ اور جو خواہش رحیم داد کی تھی وہ عرض کی۔ اُس کے مدعا کے موافق فرمان تیار ہو رہا تھا کہ ایک آدمی نے آکر عرض کیا کہ مجھے اپنے بیٹے کے بھگالانے کے واسطے رحیم داد نے بھیجا ہے۔ وہ خود حاضر ہونا نہیں چاہتا۔ یہ خبر سنتے ہی میرا ارادہ گویا آریار پر پورش کرنے کا ہوا۔ خلیفہ نے عرض کیا کہ میں بھی ایک بار نصیحت آمیز خط لکھ بھیجوں۔ شاید سیدھا ہو جائے۔ اس کا کہنے کے لیے شہاب الدین خسرو کوروانہ کیا۔ جمعرات کے دن ذی الحجہ کی ساتویں کو تہذیبی اجہ اٹاؤہ سے آیا۔ بقرعید کے دن ہندو بیگ کو خلعت خاص قمشیر مرصع کار اور گھوڑا عنایت کیا جس کو (جو ترکمانوں میں چغتائی مشہور ہے) سراپا۔ خنجر مرصع کار اور سات لاکھ کی جاگیر عطا کی۔

۹۳۶ ہجری کے واقعات

محرم کی تیسری کو گویا آریار سے شہاب الدین خسرو کے ساتھ شیخ محمد فوٹ گویا آریار رحیم داد کی سفارش کرنے آئے شیخ ہمدوح ایک درویش اور معتمد آدمی ہیں۔ اُنکے فرمانے سے رحیم داد کی خطا معاف کر دی گئی۔ شیخ گھوڑن کو اور نور بیگ کو گویا آریار بھیجا۔ اور رحیم داد کو حکم دیا کہ گویا آریار کے سپرد کر دے۔

تمام شد

ازمترجم

(۱)

المنته شد کہ آج اس ترجمہ کا مسودہ ختم ہوا۔ ۱۸ رجبی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ
 ۵ راکوڑ ۱۳۱۶ھ۔ بدھ کا دن۔ ۹ بجے۔ مقام حیدرآباد۔ کاجھی گورڈہ۔
 نصیر الدین حیدر بابر

(ب)

لہ اشکر کہ بتایں بہت و ششم شہر ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ مطابق ششم خرداد ماہ الہی ۱۳۱۶ھ فصلی موافق دسم
 اپریل ۱۸۹۹ء روز مبارک و شنبہ وقت صبح کہ نہ ساعت فرنگی زدہ بود از قرأت خاک
 نصیر الدین حیدر گورگانی بابر و بساعت و ختر نیک اخترش جستہ سلطانہ بیگم مقابلہ اس کتاب
 از نسخہ قلمی مولوی انوار الحق صاحب دہلوی در عرض مدت سہ ماہ بمقام حیدرآباد دکن نہایت
 عن الشروا الفتن در عہد حکومت نظام الملک آصفیاء۔ رستم دوراں۔ نظام الدولہ فتح جنگ
 میر محبوب علی خاں بہادر (نظام ششم و رستم ہشتم) والی حیدرآباد در زمان شہنشاہی ملکہ
 و کٹوریا قیسرہ ہند (شاہ انگلستان) با تمام رسید۔
 خاکار نصیر الدین حیدر گورگانی۔ بابر۔

قطعیہ تاریخ طبع کتاب از نتائج فکر ضیاء الاسلام ڈاکٹر حاجی سید ریک حسین
 مالک و مہتمم مطبع محمد ن پرنٹنگ و رس دہلی

| | | | |
|---------------------------------|---------------------------------|---------------------------------|----------------------------------|
| حضرت بابر نے جو اپنے لکھے افقا | اُسے و آئینہ و نشان منجلی | کی ہوشہ شاہ و اپنی وہ بیتی رقم | اہل نظر کیلئے جیسے عبرت بھری |
| جانب صحرا بھی خوف و دگر | غار میں ہونا نہاں خطرہ جاکھی | بھوک میں کھانی کبھی باجری آفرین | پائے برہنہ کبھی گشت بجالا دی |
| گاہ بچھالینے کو پاس نہیں رہا | کہ سر پر ہم طرب نہایت تخیلی | ترکی میں پہلے پہل شہر لکھی وہ | حکم سے آکر کے پھر اسکی ہوئی قاری |
| قوم فرنگی ہوئی ہند میں جب کرا | انکی زبان میں بھی اسکی شہا ہوئی | اُردو کی لیکن لکھی سکوت میں ہوا | پتوں میں آبروی کی ایک کی تہ بند |
| ترجمہ کر گیا وہ سوئے ملک بقا | طبع کر دینے کی شہر و ملت دی | نصیر احمد میں اسکی جو پند کلا | دُور دہ بھائی ہیں بکسیر دہشتی |
| اور جو با علم ہو کر تاجہ قد علم | اسکی جٹا میں کی دُور سے کھڑی | کرد عیانت میں چھپا کھودہ کتا | جس جٹاں میں ہوئی روح پر کونوی |
| بچھاپے جب اسے قلمی غرض ہو | دکو ہوئی جتہ صرح مار غ کی | عالم بالاسے یوں کی حد ہر | دلچسپی کی یہی خوب یہ بزرگ باری |

سکت بالحق العافیۃ

